اصحابی کالنجوم



اذا ذکر اصحابی فامسکوا

لا یبلغنی احد من اصحابی عن احد شیئا (الحدیث)

# سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے



# سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

# کے

# ناقدین

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

کتاب: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین
مؤلف: پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی
طبع اول: 2013ء
طبع دوم: اپریل 2016ء مع اضافات
ضخامت: 464 صفحات
کمپوزنگ: محمد صابر حیدری
0321-9814745
ناشر: قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی مرکزی جامع مسجد
سیدنا معاویہ چوک حویلیاں ۔ ہزارہ
زرتعاون: -/800 روپے

ملنے کے پتے:
ا۔ قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی ۔
مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہ چوک حویلیاں ۔ ہزارہ

# انتساب

## راقم الحروف اس ادنیٰ کاوش کو

قدسی صفت جماعت صحابہؓ کے ایک مظلوم ترین فرد، فاتح عرب وعجم، خال المسلمین، مدبر اسلام، کاتب وحی، برادرِ نسبتی رسولﷺ، بانی اسلامی بحریہ، خلیفہ راشد، عادل وبرحق، امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ،

ابنائے امیر شریعتؒ خصوصاً قاطع قادیانیت وسبائیت، فاتح ربوہ، وکیل صحابہ واھل بیتؓ فخر السادات سید عطاء المحسن حسنی قادری، بخاری رحمہ اللہ الباری،

جذبہ دفاع صحابہ واھل بیتؓ سے سرشار
مخلص، جاں نثار، اولوالعزم، کفن بردوش وسربکف رفقاء
اورمتلاشیانِ حق

### کے نام

منسوب کرنے کی سعادت حاصل کررھاھے۔

پروفیسر قاضی محمد طاھر علی الھاشمی
خطیب مرکزی جامع مسجد
سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں ہزارہ

☆☆☆☆☆☆

# فہرست مضامین


| نمبر شمار | نام مضمون | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱ | دیباچہ طبع دوم | ۷ |
| ۲ | عرض مؤلف | ۸ |
| ۳ | علامہ المدخلی کی پرسوز اپیل | ۲۴ |
| ۴ | سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام | ۲۷ |
| ۵ | سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت | ۳۱ |
| ۶ | مشاجرات صحابہؓ کا شرعی حکم | ۳۸ |
| ۷ | سیدنا معاویہؓ کے ناقدین کا شرعی حکم سے تجاوز | ۵۰ |
| ۸ | ۱۔راوی بخاری محدث عبدالرزاق (م۔۲۱۱ھ) | ۶۳ |
| ۹ | ۲۔امام طبری (م۔۳۱۰ھ) | ۶۸ |
| ۱۰ | ۳۔امام ابوبکر جصاص رازی حنفی (م۔۳۷۰ھ) | ۹۲ |
| ۱۱ | ۴۔امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری (م۔۴۰۵ھ) | ۹۷ |
| ۱۲ | ۵۔امام برہان الدین مرغینانی ___ صاحب ہدایہ (م۔۵۹۳ھ) | ۹۹ |
| ۱۳ | ۶۔امام سعدالدین تفتازانی _ صاحب شرح عقائد (م۔۷۹۲ھ) | ۱۱۱ |
| ۱۴ | ۷۔میر سید شریف جرجانی (م۔۸۱۶ھ) | ۱۲۲ |
| ۱۵ | ۸۔مولانا عبدالرحمٰن جامی (م۔۸۹۸ھ) | ۱۲۴ |
| ۱۶ | ۹۔ملا علی قاری حنفی (م۔۱۰۱۴ھ) | ۱۲۸ |
| ۱۷ | ۱۰۔شاہ عبدالحق محدث دہلوی (م۔۱۰۵۲ھ) | ۱۳۳ |
| ۱۸ | ۱۱۔ملّا جیون ___ صاحب نورالانوار (م۔۱۱۳۰ھ) | ۱۴۲ |

| ۱۹ | ۱۲۔قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م۔۱۲۲۵ھ) | ۱۴۷ |
|---|---|---|
| ۲۰ | ۱۳۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م۔۱۲۳۹ھ) | ۱۵۰ |
| ۲۱ | ۱۴۔الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی (م۔۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) | ۱۶۰ |
| ۲۲ | ۱۵۔مولانا رشید احمد گنگوہی (م۔۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) | ۱۶۹ |
| ۲۳ | ۱۶۔علامہ وحیدالزمان خان (م۔۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء) | ۱۷۹ |
| ۲۴ | ۱۷۔علامہ محمد انورشاہ کاشمیری (م۔۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) | ۱۸۳ |
| ۲۵ | ۱۸۔ابوحنیفۂ ثانی مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (م۔۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء) | ۱۹۲ |
| ۲۶ | ۱۹۔پیر سید عبدالقاضی شاہ محدث ہزاروی (م۔۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء) | ۱۹۷ |
| ۲۷ | ۲۰۔خواجہ حسن نظامی دہلوی (م۔۱۳۷۲ھ۱۹۵۳ء) | ۱۹۹ |
| ۲۸ | ۲۱۔مولانا ابوالکلام آزاد (م۔۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) | ۲۰۶ |
| ۲۹ | ۲۲۔علامہ باباخلیل احمدداس (م۔اندازاً۔۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) | ۲۱۰ |
| ۳۰ | ۲۳۔امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی (م۔۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء) | ۲۱۶ |
| ۳۱ | ۲۴۔سید قطب شہید (م۔۱۹۶۶ء) | ۲۳۰ |
| ۳۲ | ۲۵۔شاہ معین الدین ندوی (م۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء) | ۲۴۹ |
| ۳۳ | ۲۶۔آغا شورش کاشمیری (م۔۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) | ۲۵۱ |
| ۳۴ | ۲۷۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (م۔۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء) | ۲۵۳ |
| ۳۵ | ۲۸۔مولانا سعید احمد اکبرآبادی (م۔۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء) | ۲۵۷ |
| ۳۶ | ۲۹۔مولانا سید لعل شاہ بخاری (م۔۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء) | ۲۶۲ |
| ۳۷ | ۳۰۔مولانا حامد الانصاری غازی (م۔۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء) | ۲۶۶ |
| ۳۸ | ۳۱۔پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی (م۔۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء) | ۲۶۸ |
| ۳۹ | ۳۲۔شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی (م۔۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) | ۲۷۳ |
| ۴۰ | ۳۳۔مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی (م۔۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء) | ۲۸۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۱ | ۳۴۔قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین (م۔۱۴۲۴ھ/۲۰۰۴ء) | ۲۸۸ |
| ۴۲ | ۳۵۔ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی (م ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۶ء) | ۳۳۷ |
| ۴۳ | ۳۶۔پیر سید نفیس الحسینی (م۔۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء) | ۳۵۰ |
| ۴۴ | ۳۷۔پیر سید نصیر الدین گولڑوی (م۔۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء) | ۳۵۹ |
| ۴۵ | ۳۸۔ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی | ۳۶۵ |
| ۴۶ | ۳۹۔شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور چند دیگر بریلوی علماء | ۳۷۹ |
| ۴۷ | ۴۰۔سید مہر حسین بخاری اٹک | ۳۹۱ |
| ۴۸ | ۴۱۔مولوی عبدالقیوم علوی | ۳۹۴ |
| ۴۹ | ۴۲۔مفتی محمد سعید خان اسلام آبادی | ۳۹۷ |
| ۵۰ | ۴۳۔مبلغ اعظم مولانا طارق جمیل | ۴۱۰ |
| ۵۱ | ۴۴۔شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا | ۴۲۰ |
| ۵۲ | اختتامیہ | ۴۵۲ |

# دیباچہ طبع دوم

زیرِ نظر کتاب پہلی مرتبہ جولائی ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی جسے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بلاتفریق مسلک چند معاندین صحابہؓ کے علاوہ اہل سنت والجماعت کے تمام حلقوں میں توقع سے بھی کہیں زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور نہایت ہی قلیل عرصہ میں اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا۔جذبۂ دفاع صحابہ واہل بیتؓ سے سرشار علمائے حق بالخصوص نوجوان طبقہ نے تبصروں ، ٹیلی فون کالز اور خطوط کے ذریعے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اہل تشیع کے "الزامی" استدلال کے جواب کے طور پر اس کی افادیت کو بے حد سراہا۔

علاوہ ازیں آزاد کشمیر سمیت ملک بھر سے احباب ورفقاء نے اس بات کا شدید تقاضا کیا کہ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی جلد ہی طبع کرایا جائے۔لہٰذا ان کی خواہش کے احترام اور ان کی تجاویز کی روشنی میں کتاب پر نظر ثانی کرتے ہوئے اغلاط کی تصحیح اور نفس مضمون میں کوئی تبدیلی کیے بغیر جابجا مفید اضافوں اور معمولی ترمیموں کے علاوہ "ناقدین" کے زمرے میں "امام طبری، سید قطب شہید، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، ڈاکٹر رضوان علی ندوی اور مولانا اللہ وسایا کے ساتھ ساتھ اختتامیہ جیسے عنوانات بھی شامل کیے گئے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب کی "طباعت اول" کے بعد ڈاکٹر رضوان علی ندوی صاحب نے روزنامہ امت کراچی (۷/۸۔جولائی ۲۰۱۳ء) میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون "حضرت معاویہؓ اور قدیم مؤرخین ومحدثین" میں حضرت معاویہؓ کو خوب "ہدفِ تنقید" بنایا تھا۔

جب کہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب کے ایک پرانے لیکن انتہائی توہین آمیز مضمون کو ۲۱ سال بعد شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب نے ختم نبوت کے ترجمان رسالہ ماہنامہ لولاک ملتان (اکتوبر ۲۰۱۳ء) میں پہلی مرتبہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی مگر ملک بھر سے اہل حق کے زبردست احتجاج کے بعد موصوف نے لولاک کے اگلے شمارے میں ہی ٹائٹل کے اندرونی صفحہ پر قارئین سے معذرت کرلی۔مگر اصل مضمون نگار اپنی "تحقیق" پر آخر تک مطمئن اور قائم ودائم رہے۔یہ ملحوظ رہے کہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی وفات پاچکے ہیں لہٰذا یہاں موضوع سے مناسبت کی بناء پر فضلائے ندوہ کے مذکورہ دونوں مضامین میں پائے جانے والے توہین آمیز ریمارکس کو کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

# عرضِ مؤلف

فاتح عرب وعجم، خال المسلمین، مدبر اسلام، کاتب وحی، برادر نسبتی رسولؐ، بانی اسلامی بحریہ، خلیفہ راشد، امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دنیائے اسلام کی ان چند مقتدر، باعظمت اور بلند پایہ شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کے احسانات سے ملت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

اظہار اسلام کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد فی سبیل اللہ میں بھرپور شرکت، لسانِ نبوت سے خوشنودیٔ الٰہی اور حصول جنت کی عظیم تر بشارت کے حامل، خلفائے ثلاثہؓ کے عہدِ خلافت میں اپنی قائدانہ اور مدبرانہ صلاحیتوں سے اشاعتِ اسلام اور تسخیر وفتوحات میں نمایاں کردار، تاریخ اسلام میں سب سے پہلے بحری بیڑے کی تیاری، عالم اسلام کی نظریاتی وجغرافیائی سرحدوں کی حفاظت، بائیس برس تک اس وقت کی سپر پاور رومی سلطنت کی سرحد پر واقع اہم ترین اور حساس صوبہ شام کے امیر اور بیس برس تک حجاز مقدس سے افریقہ اور بحر روم سے بحر اوقیانوس تک پینسٹھ لاکھ مربع میل کے رقبہ پر پھیلی ہوئی وسیع اسلامی ریاست کے متفق علیہ اور ہر دلعزیز خلیفہ راشد ہونے کی حیثیت سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کے لیے بے شمار کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

اس تمام تر شرف وفضل کے ساتھ ساتھ آں معظمؓ دنیائے اسلام کی وہ واحد مظلوم ہستی بھی ہیں کہ جن کی تمام خوبیوں، ذاتی محاسن وکمالات اور عظیم کارناموں کو فراموش کر دیا گیا، جن کے قابل احترام رشتوں کا کوئی پاس نہیں کیا گیا، جن کے فضائل ومناقب زبان پر لانے کو بھی ''جرم'' تصور کیا گیا، جن کے ایمان کو نفاق، سخاوت کو خیانت، خشیت کو ریاکاری، تدبیر وسیاست کو مکر وفریب اور عدل وانصاف کو ظلم کا نام دیا گیا پھر ستم بالائے ستم یہ کہ مظلوم معاویہؓ کو بعد از وفات بھی آج تک معاف نہیں کیا گیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ وہ شخصیت ہیں کہ جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے اختلاف وشقاق کے بعد پھر دنیائے اسلام کو متحد ومتفق کر کے ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا تھا، آپ کے سریرآرائے خلافت ہوتے ہی فتوحات کا منقطع سلسلہ پھر سے جاری ہوا، بری اور بحری دونوں محاذوں پر دشمنانِ اسلام کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مساعی جمیلہ کی بدولت دین اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور یوں ان کا مبارک دور ''لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ'' کی

کامل عملی تصویر بن گیا؛اس سے سبائیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں ، کھلے اور چھپے ہوئے دشمنانِ اسلام پر عرصۂ حیات تنگ ہوگیالہٰذا جواباًوانتقاماًان کذاب سبائیوں نے آپ کے ''مثالب''میں خوب حکایات وروایات وضع کر کے انہیں ''اسلامی'' تاریخ کا حصہ بنادیا۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

حضرت معاویہؓ کے بارے میں کوئی گفتگو کرتے وقت دوباتیں ضروریاد رکھنی چاہئیں ۔ایک تو یہ کہ ان کے خلاف ان کے زمانے ہی میں پروپیگنڈہ بہت زیادہ کیا گیا ہے،خودحضرت معاویہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کو بڑھاپا بہت جلدآ گیا،اس کی کیا وجہ ہے؟تو آپ نے جواب دیا کہ:

کیوں نہ ہو؟ہروقت عرب کا کوئی شخص میرے سر پر کھڑا رہتا ہے جوایسی باتیں گھڑتا ہے جن کا جواب دینالازم ہوجاتا ہے ۔اگر میں کوئی صحیح کام کروں تو کوئی تعریف نہیں کرتا اوراگر مجھ سے غلطی ہوجائے تو اسے اونٹنیاں (ساری دنیا میں ) لے اڑتی ہیں ۔

لہٰذاان کے بارے میں تحقیق روایات کی ضرورت اوروں سے زیادہ ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جوپروپیگنڈہ کیا گیا ہے اسے بلاتحقیق درست مان لیاجائے توصرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی ذات مجروح نہیں ہوتی بلکہ دوسرے صحابہؓ پرطعن وتشنیع کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے۔چنانچہ تجربہ ہے کہ جولوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پرالزام عائد کرنے میں جری ہوجاتے ہیں ان کی زبان دوسرے صحابہؓ کے خلاف اورزیادہ دراز ہوجاتی ہے ۔(حضرت معاویہؓ ورتاریخی حقائق ص ۱۴۰)

مولانا شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ:

''بنی امیہ کے زمانے میں جس کے بانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں شیعانِ علیؓ پرسختیاں ہوئیں اس لیے وہ قدرتاًامیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے ۔انہوں نے ان واقعات سے جنہیں عام طور پرناپسند کیا جاتا تھافائدہ اٹھا کران کو ہرطرح کے الزاموں کانشانہ بنادیا ۔ممکن تھاان کی آواز کچھ عرصہ کے لیے دب جاتی لیکن ان ہی واقعات کی بنیاد پر بنی عباس نے حکومت کی تعمیر شروع کردی۔ان کا داعی اعظم ابومسلم خراسانی اوران کے بہت سے وزراءاورعمال حکومت شیعہ تھےاس لیے سیاسی مصالح کی بناء پرسینکڑوں افسانے تراش کربنی امیہ اورامیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردیے گئے اوران کی جانب سے نفرت وحقارت کے جذبات پیدا کرنے کے لیےان کی پوری تشہیر کی گئی۔بنی عباس کی حکومت سندھ سے لے کرسپین تک تھی اورکم وبیش چھ سوسال تک رہی ۔اس لیے بنی امیہ اورامیر معاویہؓ

کے مثالب جو سیاسی مصالح کی بناء پر گھڑے گئے تھے مشرق سے مغرب تک پھیل گئے۔

ان ہی کے زمانے میں تاریخیں لکھی گئیں اس لیے بہت سی کمزور روایات اور غلط واقعات بھی تاریخوں میں داخل ہو گئے۔ان ہی میں امیر معاویہؓ کے مثالب بھی ہیں۔" (تاریخ اسلام جلد اول ص ۳۷۰)

خلیفہ مامون الرشید عباسی نے شیعیت قبول کر کے سرکاری طور پر اعلان کرایا کہ جو شخص معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے حق میں کلماتِ خیر کہے گا تو حکومت اس کی حفاظت سے بری الذمہ ہے۔ملاحظہ ہو۔(دول الاسلام للذہبی جلد اول ص ۱۲۹ تحت حالات ۲۱۱ھ)

شیعہ مؤرخ علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ:

۲۱۲ھ میں مامون الرشید نے منادی کرائی کہ جو شخص معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیر کے ساتھ ذکر کرے گا یا اس کو کسی صحابی پر مقدم کرے گا تو حکومت اس کی حفاظت سے بری الذمہ ہے۔

(مروج الذہب جلد ۴۔ص ۴۰ تحت "ذکر ایّام المامون ، نداء المامون فی امر معاویة و سببه")

اس کے بعد ۳۵۲ھ میں بنی بویہ (۳۲۰ھ تا ۴۴۸ھ) نے بغداد کی جامع مسجد کے دروازے پر حضرت عائشہؓ خلفائے ثلاثہؓ اور سیدنا معاویہؓ پر لعنت کے الفاظ لکھوائے تو اہل سنت نے یہ عبارت مٹادی مگر بنی بویہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔انہوں نے یہ تبرائی عبارت دوبارہ لکھوادی جس پر شیعہ، سنی فسادات کی آگ بھڑک اٹھی اور ہزاروں اہل سنت شہید ہو گئے۔بقول شوستری یہ فتنہ تا بڑھ گیا کہ معزالدولہ بغداد کے تمام سنیوں کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا تو محمد بن مہلبی وزیر نے درخواست کی کہ معاویہؓ کے سوا کسی اور پر شخصی لعنت نہ کریں۔چنانچہ اس مشورہ کو قبول کرتے ہوئے جامع مسجد بغداد کے دروازہ پر یہ عبارت لکھوائی گئی کہ:

"لعن اللّٰه معاوية بن ابی سفيان ومن غصب فاطمة فدكاً ومن منع من دفن الحسن عند جده ومن نفیٰ اباذر ومن اخرج العباس عن الشوریٰ۔"

معاویہ بن ابی سفیانؓ، غاصبینِ فدک (اس سے مراد ابو بکرؓ و عمرؓ ہیں)، حضرت حسنؓ کو روضۂ نبوی میں دفن کرنے سے روکنے والوں (اس سے مراد حضرت عائشہؓ و حضرت مروانؓ ہیں) حضرت ابوذرؓ کو جلاوطن کرنے والوں (اس سے حضرت عثمانؓ مراد ہیں) اور حضرت عباسؓ کو شوریٰ سے خارج کرنے والوں (اس سے حضرت عمرؓ مراد ہیں) پر لعنت ہو۔(بحوالہ تاریخ ابن اثیر جلد ۸ ص ۱۷۹)

الغرض بنو عباس اور آل بویہ کے علاوہ فاطمی خلافت (۲۹۷ھ تا ۵۶۷ھ) حسن بن صباح اور اس کے جانشین (۴۸۳ھ تا ۶۵۵ھ) امیر تیمور اور اس کے جانشین (۷۸۲ھ تا ۹۰۶ھ) صفوی سلاطین (۹۰۵ھ تا ۱۱۴۸ھ) خمینی انقلاب (۱۹۷۹ء تا حال) اور ہندوستان میں مغل

بادشاہوں اوران کے زیر سایہ بہمنی سلطنت (۷۴۸ھ تا ۹۳۴ھ) عادل شاہی سلطنت (۸۹۵ھ تا ۱۰۹۷ھ) قطب شاہی سلطنت (۹۱۸ھ تا ۱۱۱۵ھ) نظام شاہی سلطنت (۹۴۴ھ تا ۱۰۱۲ھ) نوابانِ بنگال (۱۷۴۰ء تا ۱۷۶۵ء) نوابانِ اودھ (۱۷۴۴ء تا ۱۸۵۶ء) کشمیر میں جزوی شیعی اقتدار کے علاوہ "چک خاندان" کی صورت میں مستقل شیعی حکومت (۱۵۵۴ء تا ۱۵۸۶ء) اور حکومت برطانیہ کے زیر سایہ راجگانِ رام پور، راجگانِ خیرپوراورراجگانِ محمودآباد وغیرہ کے جملہ ادوار میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خصوصیت کے ساتھ ہدفِ طعن وتنقید بنے رہے۔

علاوہ ازیں تصوف، تفضیلیت اور شیعیت نوازی کے روپ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اپنوں کی نوازشات بھی اہل تشیع سے کچھ کم نہیں ہیں:

وہ تو ہیں کھلے دشمن ان کا خیر سے کیا ذکر
دوستی مگر حضرت آپ کی قیامت ہے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین مختلف پیرایوں سے انہیں ہدفِ تنقید بناتے رہے۔ بعض حضرات بزعم خویش اپنے وضع کردہ نظام سیاست کوعین اسلام کانظام حیات باورکراتے ہوئے اسے "معیارِحق" قراردیتے ہیں؛ پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیاسی عمل کا تجزیہ کرتے ہوئے اس پرتنقید کرتے ہیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی کتاب "خلافت وملوکیت" میں حضرت عثمان اورحضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے سیاسی عمل کواسی طریقہ سے ہدفِ تنقید بنایا ہے۔

حضرت معاویہؓ کے ناقدین کا طریقۂ واردات یہ بھی ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کو "طلقاء" اور "مؤلفۃ القلوب" میں شامل کرکے ان کی تنقیص کرتے ہیں۔ یہ حضرات فتح مکہ ۸ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے ان پر یوں تنقید کرتے ہیں کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کوکم مقدار میں صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوئی ہے جس سے ان کے ذہن اورسیرت وکردار کی پوری قلب ماہیت نہیں ہوسکی۔

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی "ناقدین معاویہؓ" کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"حضرت معاویہ رضی اللہ کے حق میں سوءِظن رکھنے والے تین گروہ ہیں:

اول روافض: خیران کا سوءِظن چنداں جائے تعجب نہیں کیونکہ وہ ایسے مقدس حضرات سے سوءِظن رکھتے ہیں جن کا مثل تمام امت مرحومہ میں ایک بھی نہیں۔

دوسرا گروہ ان جاہل صوفیوں کا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا تکملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بدگوئی کو سمجھتے ہیں۔یہ لوگ اپنے کو سنی کہتے ہیں مگر درحقیقت نہ صرف اس امر میں بلکہ بہت سے امور اصول وفروع میں اہل سنت کے مخالف ہیں اور فرقہ ہائے شیعہ میں داخل ہیں۔

تیسرا گروہ اس زمانہ کے بعض اہل ظاہر کا ہے۔بعض روایات میں حضرت معاویہ رضی اللہ کے مطاعن ان کی نظر سے گزرے اور بوجہ ظاہریت کے ان کی تاویل تک ان کے ذہن کی رسائی نہ ہوئی۔ان سب میں زیادہ مضرت رساں دوسرا گروہ ہے پھر تیسرا۔

(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء جلد اول ص ۵۷۱۔بر حاشیہ)

امام اہل سنت نے یہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین میں روافض کے علاوہ جاہل صوفیوں اور بعض اہل ظاہر کا ذکر کرکے دوسرے اور تیسرے گروہ کو بالترتیب سب سے زیادہ مضرت رساں قرار دیا ہے لیکن موصوف نے ''صرف نظر'' سے کام لیا ہے ورنہ اہل ظاہر اور جاہل صوفیوں کے علاوہ بعض مفسرین، محدثین، متکلمین، مبلغین، فقہاء، جید علماء اور مقررین بھی دوسرے اور تیسرے گروہ سے پیچھے نہیں رہے۔جس کا زیرِنظر کتاب کے مطالعہ سے ''کچھ کچھ'' اندازہ ہو جائے گا۔اس ضمن میں اگرچہ اور بھی بڑے بڑے نام تاریخ میں پائے جاتے ہیں لیکن ؎

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوفِ فسادِ خلق سے نا گفتہ رہ گئے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سنی ناقدین کے تنقیدی کلمات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''سبّ'' کے علاوہ ''طعن'' کی جملہ قسمیں بھی پائی جاتی ہیں:

''طَعَنَ فِیْہِ وَ عَلَیْہِ'' طنز کرنا،تنقید کرنا،اعتراض کرنا،آواز کسنا

''طَعَنَ فِیْ شَرَفِہٖ'' عزت پر حملہ کرنا

''طَعَنَ فِیْ قَوْلِہٖ'' بات کو غلط ثابت کرنا،ردوقدح کرنا

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''تنقید'' کی تعریف اور مختصر تشریح بھی ہدیۂ قارئین کر دی جائے:

امام لغت علامہ ابن منظور افریقی،مصری (م ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

''النقد: تمیز الدرھم وإخراج الزیف منھا، انتقدھا و تنقدھا اذا میز جیدھا من ردیھا'' (لسان العرب تحت ''النقد'')

یعنی لفظ ''تنقید'' کا مادہ ''نقد'' ہے جس کے معنی ہیں اچھی چیز سے خراب چیز کو نکال

کر باہر کر دینا، دونوں کے درمیان تمیز پیدا کر دینا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عربی میں ''تنقید'' کا لفظ ''نقد'' سے لیا گیا ہے اور ''نقد، انتقاد اور تنقد'' سب کے معنی کتب لغت میں ایک ہیں۔ یعنی کسی چیز میں غور وفکر اور تأمل کرنے کے بعد یہ تمیز کرنا کہ جید ہے یا ردّی، کھری ہے یا کھوٹی۔ اس کھرے اور کھوٹے کے درمیان تمیز کرنے کا نام ''تنقید، تنقد اور انتقاد'' ہے۔

ڈاکٹر سلطانہ بخش ''تنقید'' کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

تنقید کا لغوی معنی جانچنا، پرکھنا اور چھانٹ لینا ہے۔ اصول تنقید کی اصطلاح میں کلام کے عیوب ومحاسن کو ظاہر کرنا نقد الکلام کہلاتا ہے۔ گویا تنقید وہ جانچ پرکھ ہے جو کھرے کھوٹے میں تمیز کرے اور ایسے طرز مطالعہ کا نام ہے جس میں موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض مسلّمات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔ (اردو میں اصول تحقیق جلد۲۔ ص۳۰)

محدثین کی اصطلاح میں صحیح اور موضوع احادیث میں امتیاز کرنے کے لیے جانچ پرکھ کے اصول ''نقد حدیث'' کہلاتے ہیں جنہیں اصولِ روایت اور اصولِ درایت یا داخلی نقد اور خارجی نقد سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو: حدیث کا درایتی معیار ص ۱۷۸۔ مؤلفہ مولانا محمد تقی امینی)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی چیز میں غور وفکر کے بعد کھرے اور کھوٹے کے درمیان تمیز کرنے کا نام ''تنقید'' ہے۔ ''تحقیق'' کا مقصد علم میں توسیع ہے جب کہ ''تنقید'' کا مقصد اصل صداقت کی واقفیت یا احساس ہے۔

لیکن ''تنقید'' کی مذکورہ تعریف کے باوجود اس سے انکار ممکن نہیں ہے کہ عربی محاورے میں یہ الفاظ عیوب اور نقائص، فضائل اور محاسن کے اظہار میں بھی مستعمل ہوتے ہیں اور لفظ ''تنقید'' میں عیب جوئی کے معنی کی بھی گنجائش پائی جاتی ہے خواہ اردو زبان میں تنقید کا لفظ اس میں مستعمل ہو یا نہ ہو مگر اصل لفظ میں عیب جوئی کے معنی کی گنجائش ضرور پائی جاتی ہے۔

زیر نظر کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو'' کلمات'' استعمال ہوئے ہیں وہ فضائل ومحاسن میں تو ہرگز شمار نہیں ہوسکتے؛ ان کا شمار یقیناً ''توہین وتنقیص، عیب چینی اور عیب جوئی'' ہی میں ہوگا جو ان کی صریح توہین وتنقیص پر دلالت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی بھی تنقید سے بالا نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کس وناکس کو ہر شخص پر تنقید کا حق حاصل ہے۔

بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ ، اونیٰ پر تنقید کر سکتا ہے یا اپنے مساوی پر۔ اونیٰ کو اعلیٰ پر، جاہل کو عالم پر، غیر مجتہد کو مجتہد پر، غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق نہیں ۔

صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق ہے مگر وہاں بھی اول سند کو دیکھا جائے گا کہ روایتِ تنقید کی سند صحیح ہے یا نہیں؟ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ جس صحابی پر تنقید کی گئی ہے اس نے اس کا کچھ جواب دیا ہے یا نہیں؟ اگر جواب دیا ہے تو تنقید کو رد کر دیا جائے گا ۔ اور جواب نہیں دیا تو دونوں صحابیوں کے درجات میں نظر کی جائے گی کہ دونوں میں سے اعلیٰ وافضل اور ارجح کون سا ہے؟ اگر ایک ، دوسرے سے افضل وارجح ہے تو ادنیٰ کی تنقید کو رد کر دیا جائے گا ۔ اگر دونوں کا درجہ مساوی ہو تو ہم کو یہ کہہ کر الگ ہو جانا چاہیے کہ دونوں بڑے ہیں ۔ وہ جانیں اور ان کا کام ۔ ہم کو ان میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ۔" (براۃ عثمان رضی اللہ عنہ ص ۱۲ ۔ ۱۳ ۔ مطبوعہ مکتبہ مجلس خدام صحابہ پاکستان ملتان ۔ جنوری ۱۹۶۶ء)

حالاں کہ اہل سنت والجماعت کے تمام طبقات کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت ثابت ہے اور جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں "کف لسان" کا حکم دیا گیا ہے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واشگاف الفاظ میں امت کو ان پر طعن وتشنیع سے منع فرمایا ہے:

"اللّٰه اللّٰه في اصحابي لا تتخذوهم غرضاً من بعدي..."

میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کو میرے بعد تنقید کا نشانہ نہ بناؤ ۔

"إذا ذكر أصحابي فأمسكوا" جب میرے صحابہؓ کا خیر کے علاوہ ذکر کرو تو اپنی زبانوں کو بند رکھو ۔

"لا تسبّوا أصحابي ...." میرے صحابہؓ کو برا مت کہو ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں جھوٹے قصوں اور کہانیوں کا تو کیا ذکر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں حقائق اور واقعات پر مبنی کسی ناخوشگوار بات کا سننا تک پسند نہیں تھا ۔ چنانچہ آپؐ نے خود صحابہؓ کو اس بات کی تلقین فرمائی کہ:

"لا يبلغني أحد من أصحابي عن أحد شيئًا فإني أحبّ أن أخرج إليكم وأنا سليم الصدر ۔" (ترمذی جلد دوم ص ۲۵۲)

میرے صحابہؓ میں سے (بھی) کوئی میرے کسی صحابیؓ کی کوئی ناخوشگوار بات مجھ تک نہ پہنچائے ۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آؤں کہ میرا سینہ سب صحابہؓ کی

طرف سے صاف ہو۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرامؓ کی شکایت سننا بھی گوارا نہیں ہے تو پھر معلوم نہیں کہ یہ ''ناقدین'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کے تیر برسا کر کس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

اس سلسلے میں صحیح بخاری کی حسب ذیل روایت سے بھی بڑی رہنمائی حاصل ہوتی ہے: جس میں بتایا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر صحابہ کرامؓ کا لحاظ و پاس کیجیے:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑے کا کنارہ اٹھائے ہوئے اپنے گھٹنے کھولے ہوئے تشریف لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ساتھی کسی سے لڑ کر آئے ہیں۔ انہوں نے سلام کیا اور عرض کیا کہ خطاب کے بیٹے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) اور میرے درمیان کچھ تکرار ہوگئی تھی میں نے جلدی سے انہیں کچھ سخت سست کہہ دیا۔ پھر میں شرمندہ ہوا اور ان سے معافی چاہی لیکن انہوں نے انکار کیا۔ اب میں آپ کے پاس آیا ہوں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا

''یغفر اللّٰہ لک یاابابکر'' ''اے ابوبکر اللہ تمہیں بخشے۔

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرمندہ ہوئے (کہ میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معذرت کیوں قبول نہیں کی؟) وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آئے، پوچھا: ابوبکرؓ ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں ہیں۔ پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا، حضرت ابوبکرؓ ڈرے کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرؓ پر ناراض نہ ہوں تو وہ دو زانو ہو کر بیٹھے اور دو مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ:

''واللّٰہ أنا کنتُ أظلم'' ''اللہ کی قسم خطا میری تھی''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا:

''إنّ اللّٰہ بعثنی إلیکم فقلتم: کذبت، و قال أبوبکر: صدق، و واسانی بنفسہ ومالہ، فھل أنتم تارکوا لی صاحبی؟''

''لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا لیکن تم نے مجھے جھوٹا کہا، ابوبکرؓ نے مجھے سچا کہا اور اپنے مال وجان سے میری خدمت کی۔ کیا تم میرے دوست کو میری خاطر ستانا چھوڑتے ہو یا نہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد کسی نے ابوبکرؓ کو نہیں

ستایا''( صحیح بخاری۔کتاب فضائل اصحاب النبیؐ۔رقم الحدیث ۳۶۶۱،۴۶۴۰ )

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنا قصوروار ہونا تسلیم کیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا تو قسم کھا کر وہی بات دہرائی پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی طرف سے کوئی صفائی نہیں دی بلکہ ان کے حق میں دعائے مغفرت فرما دی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ میرے ساتھ ان کا جو تعلق ہے اور میری خاطر انہوں نے جو جانی و مالی قربانیاں دی ہیں ان کے پیش نظر اگر ان سے کوئی ایسی ویسی بات ہو جائے تو اسے نظر انداز کر دیا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مقام ہے وہ امت میں اول و دوم کی حیثیت رکھتے ہیں پھر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر افسوس ہوا لیکن کہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور کہاں یہ ناقدین حضرات؟

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسی معیاری مقام و مرتبہ کے پیش نظر ہی علمائے اہل سنت نے کتب عقائد میں ''ذکر بالخیر اور کف لسان'' کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

"لا نذکرھم إلّا بالخیر"

"ویُکَف عن ذکر الصحابة إلّا بخیر......و وجوب الکف عن الطعن فیھم"

بلکہ ترمذی کی روایت میں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کی تصریح کے ساتھ یہ الفاظ آئے ہیں کہ "لا تذکروا معاویة إلّا بخیر۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اللّٰھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھدبہ"

(جامع ترمذی۔کتاب المناقب باب مناقب معاویہ بن ابی سفیانؓ)

''اے اللہ! معاویہؓ کو ہادی و مہدی بنا اور ان کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت کر''

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ ''حمص'' کے گورنر تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کر دیا تو لوگ کہنے لگے کہ عمیرؓ کو ہٹا کر معاویہؓ کو والی بنا دیا گیا اور انہیں (یعنی حضرت معاویہؓ کو) سخت سست کہا تو حضرت عمیرؓ نے ان سے فرمایا کہ:

"لا تذکروا معاویة إلّا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یقول اللّٰھم اھدبہ"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ خیر و خوبی کے بغیر مت کیا کرو کیونکہ میں نے آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ ان کے ذریعے سے ہدایت عطا فرما۔ (حوالہ مذکور)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا (کہ اللّٰھم اجعلہ ھادیا ...) کی قبولیت پر ایک صحابی رسول حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو کس قدر یقین ہے کہ وہ گورنری کے منصب سے معزول ہونے اور اپنی جگہ نئے گورنر مقرر ہو کر آنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص کرنے سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خبردار! ان کا ذکر بھلائی کے ساتھ کیا کرو کیونکہ میں نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حق میں یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ ان کے ذریعے سے ہدایت عطا فرما۔ کیا ممانعت (ذکر بالشر) کا یہ حکم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیگر ناقدین پر عائد نہیں ہوتا؟

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''صحابیت'' قطعی اور یقینی ہے اور ارباب تاریخ و سِیَر کے اقوال و روایات ظنی ہیں اور یہ اصول ہے کہ جو چیز ظن سے ثابت ہو وہ قطعی کے مزاحم و معارض نہیں ہو سکتی۔ صد افسوس کہ اس اعتبار سے ناقدین ''امساک، کف لسان اور ''لاتذکروا معاویة إلّا بخیر'' کے تقاضا کو ملحوظ نہ رکھ سکے اور مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں ''شرعی حکم'' سے بھی تجاوز کر گئے جس میں بوقت ضرورت شدیدہ زیادہ سے زیادہ اور وہ بھی بلا تعیین صرف ''خطائے اجتہادی'' کی نسبت کی جا سکتی ہے لیکن ایمان کی سلامتی پھر بھی ''توقف، امساک، کف لسان اور ذکر بالخیر'' ہی میں مضمر ہے۔

کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خطاؤں کے بارے میں کوئی غیر صحابی جج اور منصف نہیں بن سکتا۔ ساری امت ''کف لسان اور امساک'' کی پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کی جملہ خطاؤں کو معاف کر کے ان سے اپنی دائمی رضا اور جنت کا وعدہ کر دیا ہے اس لیے اب کسی بھی مومن بالقرآن کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی خطاؤں کا تذکرہ کرتا پھرے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ''کف لسان'' کا حکم بھی ان خطاؤں کے بارے میں دیا گیا ہے جو فی الواقع ''خطائیں'' سمجھی جاتی ہیں جیسے حضرت ماعزؓ، امرأۃ غامدیہ، حضرت حسانؓ، حضرت مسطحؓ، سیدہ حمنہؓ اور حضرت حاطبؓ وغیرہم کے واقعات ہیں۔

جب کہ مشاجرات اور اجتہادی اختلافات پر تو حقیقت نفس الامری میں بھی گناہ یا خطا کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ مجتہد مخطی بہر صورت ''ماجور'' ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب کے ایک عقیدت مند اور ان کے جلیل القدر خلیفہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کے دارالافتاء والتحقیق کے معین مفتی شعیب احمد صاحب حضرت معاویہؓ کی خطائے اجتہادی کو بھی دنیا میں ''قابل گرفت'' سمجھتے ہیں چنانچہ وہ علامہ ابن جوزی کی ایک بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اصل بات یہ ہے کہ یہاں (اللّٰھم اجعلہ ھادیا ...) دعا ہدایت کی ہے اور ہدایت ضلالت وگمراہی کے منافی ہے، اجتہادی خطاء کو شامل نہیں۔ چنانچہ صفین کا واقعہ بتصریح اہل سنت ان کی اجتہادی خطاء پر مبنی تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے ان کو شہید کیا تھا۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''تقتلك الفئة الباغية'' تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔ چونکہ ان کو حضرت معاویہؓ کی فوج نے قتل کیا تھا اس لیے وہ باغی جماعت تھی اور شریعت کی اصطلاح میں باغی وہ ہوتا ہے جو امام برحق کے خلاف خروج کرے اگر چہ خروج کا فیصلہ اجتہاد ہی سے کیا ہو۔ چونکہ (حضرت معاویہؓ) صحابی تھے اور فقیہ تھے یعنی بڑے آدمی تھے اس لیے ان کی گرفت دنیا ہی میں ہوئی کہ ان کو باغی کہا گیا اور یہ اس وجہ سے کہ تم لوگ تو علم وعقل والے اور مرتبے والے تھے فیصلہ کرنے میں مزید غور وفکر کیوں نہیں کیا؟'' (یزید کی شخصیت علامہ ابن جوزی کی نظر میں۔ ص ۱۴۰۔ مطبوعہ شاہ نفیس اکادمی لاہور)

اس عبارت میں ''معین'' مفتی شعیب احمد صاحب کی طرف سے ۲۰۱۲ء میں ''حدیث عمارؓ'' کی بناء پر حضرت معاویہؓ کے خلاف جو توہین آمیز موقف پیش کیا گیا ہے وہ قدرے مزید شدت کے ساتھ صدر مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ۲۰۰۸ء میں پیش کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے ایک مضمون ''مولانا طارق جمیل صاحب کی بے اعتدالیاں اور ان کا جواب'' میں فرماتے ہیں کہ:

''اجتہادی غلطی کی اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی جانب سے نشاندہی کر دی جائے تو صرف اسی وقت وہ یقینی طور پر خطا ہوگی جیسا کہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو بتایا کہ: تقتلك الفئة الباغية ''تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔''

شریعت کی نظر میں باغی اس کو کہتے ہیں جو امام حق کے خلاف ناحق خروج کرے اگر چہ اس کی بنیاد اجتہاد پر ہو۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا اور حدیث نے بتایا کہ وہ امام حق کے خلاف ناحق تھا لہٰذا حضرت معاویہؓ کے اجتہاد کا خطا ہونا ہمیں معلوم ہو گیا۔

خلفائے اربعہ کے کسی اجتہاد کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسی کئی (کوئی۔ از راقم الحروف) تصریح تو کیا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ ان کا اجتہاد اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں پسندیدہ نہیں تھا۔'' (ماہنامہ حق چار یارؓ۔ ص ۳۸۔ جون ۲۰۰۸ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں کہ:

''اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھول دی

کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عمارؓ کے متعلق نبیؐ کا یہ ارشاد صحابہ میں معروف و مشہور تھا اور بہت سے صحابیوں نے اس کو حضورؐ کی زبان سے سنا تھا کہ "تقتلك الفئة الباغية" تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا" (خلافت و ملوکیت ص ۱۳۶)

صدر مفتی جناب ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کا حدیث عمارؓ کی رو سے حضرت معاویہؓ کو یقینی طور پر "خطا کار" ثابت کرنا جہاں مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں "شرعی حکم" سے تجاوز ہے وہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ایک عظیم "بہتان" بھی ہے۔ موصوف کی اس "ناروا جسارت" پر سخت تعجب ہے۔

"حدیث عمارؓ" کے حوالے سے صدر مفتی جناب ڈاکٹر عبدالواحد صاحب اور معین مفتی شعیب احمد صاحب کے غلط استدلال اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "فردِ جرم" کے جواب کا یہ موقع نہیں ہے تفصیل کے خواہش مند راقم الحروف کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

اگر ان مفتیانِ کرام کی "توضیح" کے مطابق "حدیث عمارؓ" کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یقینی طور پر "باغی، خطا کار اور دنیا میں ہی قابل گرفت" قرار دے دیا جائے تو ____

حدیث عمارؓ کے چار صحابی راویوں سمیت کثیر صحابہ "قتل عمارؓ" کے بعد بھی کیوں غیر جانبدار رہے؟ نیز دو صحابی راویوں سمیت دیگر ہزاروں صحابہ و تابعین نے حضرت معاویہؓ کی حمایت کیوں جاری رکھی؟ بلکہ خود حضرت علیؓ نے اس "نص صریح" کے باوجود جنگ بندی اور تحکیم کیوں قبول فرمائی؟

غلو عقیدت، مسلکی مصلحت اور شخصیت پرستی کے خول سے نکل کر کتاب و سنت کی روشنی میں قرآنی شخصیات یعنی صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فیصلہ کیا جائے کہ کیا کسی بھی غیر صحابی بزرگ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان کی توہین، تنقیص اور تخطیہ کرتا پھرے؟

اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ کسی بھی علمی و دینی شخصیت کی رائے کے ساتھ اختلاف کرنے کی بناء پر اختلاف کرنے والا اس کے مسلک و مشرب سے خارج نہیں ہو جاتا۔ کتب اسلامیہ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں۔

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں کہ:

"دارومدار دلائل پر ہوتا ہے نہ کہ شخصیتوں پر۔ شخصیتیں قابل صد احترام ہیں مگر صحت و سقم

کا معنیٰ دلائل ہیں ...

حضرت عبادہ بن الصامتؓ نے صحیح سمجھا یا غلط ۔ بہرحال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہؓ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور مسلک ومذہب تھا مگر فہم صحابی اور موقف صحابی حجت نہیں ہے ۔‘‘(احسن الکلام جلداول ص ۱۸۵ ۔ جلد دوم ص ۱۵۶)

موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

’’لہٰذا بواسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر اور حکم کے حضرات خلفائے راشدینؓ کا ہر قول اور ہر فعل بھی سنت ہی ہوگی ہاں اگر کسی معقول دلیل سے ان کی کسی بات میں غلطی ثابت ہوجائے تو معاملہ جدا ہے کیونکہ وہ معصوم نہ تھے ...

دینی اور دنیوی معاملات میں خطائے اجتہادی اور زلّـــۃ بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی ہوسکتی ہے ۔ اوروں کا تو قصہ ہی چھوڑیے خلاصۂ کائنات ، فخر موجودات آنحضرتؐ کی ذات گرامی باوجود: ع ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ ہونے کے بھی بعض اوقات خطائے اجتہادی اور زلّۃ سے دوچار ہوئی ۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے غلطی پر برقرار نہیں رکھا ۔ وحی کے ذریعے اصلاح فرمادی ۔ مگر حضرات مجتہدین پر چونکہ وحی نہیں اترتی اس لیے وہ مدت العمر خطا کا شکار رہ سکتے ہیں ...

جو (تقلید) اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مدمقابل ہو ایسی تقلید کے حرام ، شرک ، مذموم اور قبیح ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اہل اسلام اور اہل علم میں کون ایسی تقلید کو جائز قرار دیتا ہے؟ اور ایسے مقلدوں کو کون مسلمان کہتا اور حق پر سمجھتا ہے؟ ...

کوئی بدبخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن وحدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہوجائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے ۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ ”لا شك فیـــــــہ“ لیکن ہوش وحواس صحیح رکھتے ہوئے کون نامراد قصداً وعمداً ایسا کرتا ہے یا کرے گا؟ کسی غلط فہمی کا شکار ہو تو اس کا معاملہ الگ ہے ۔ (الکلام المفید ص ۷۔۸ ، ۱۶۴ ، ۲۹۸ ، ۳۱۰)

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

یہ حضرت ابن عمرؓ کا اپنا عمل اور اجتہاد ہے ۔ احادیث مرفوعہ میں اس تفریق کی کوئی بنیاد مروی نہیں نیز صحابی کا اجتہاد حجت نہیں ...

اب صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اثر رہ جاتا ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو اس میں شدید اضطراب ہے ۔ دوسرے اگر بالفرض اسے سنداً صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی وہ ایک صحابی

کا اجتہاد ہوسکتا ہے جو حدیث مرفوع کے مقابلہ میں حجت نہیں......

یہ صحابی جنہیں تیر لگا تھا حضرت عباد بن بشرؓ تھے۔حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس واقعہ میں آنحضرتؐ کی تقریر ثابت نہیں اور بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کے دوسری احادیث کے مقابلہ میں صحابی کا فعل حجت نہیں ہوسکتا.....

کیونکہ وہ حضرت عبادؓ کا اپنا اجتہاد ہے.... لیکن ان کا یہ استنباط احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں حجت نہیں ہوسکتا......

سواول تو یہ حضرت ابوہریرہؓ کا اپنا اجتہاد ہے جو احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں حجت نہیں ہوسکتا۔" (درس ترمذی جلد اول ص ۱۹۱،۲۸۳،۳۱۹۔جلد دوم ص ۵۷،۸۴)

اس تفصیل سے واضح ہوگیا ہے کہ جب "اکابر" کے نزدیک دلیل کی بناء پر اپنے امام کے قول کو بھی ترک کیا جاسکتا ہے حتیٰ کہ ان کے نزدیک "دلیل قوی" کے مقابلے میں خلفائے راشدین اور صحابہ کا قول بھی حجت نہیں ہے پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین کے ساتھ "دلیل قوی" کی بناء پر آخر اختلاف کیوں نہیں کیا جاسکتا؟

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اکابر کی بعض عبارات اور الفاظ کی اگرچہ "تاویل" کی جاسکتی ہے لیکن ان عبارات اور الفاظ پر بھی بہ ظاہر اور "صورتاً" نقد ہی کا اطلاق ہوتا ہے؛ جب "خطائے اجتہادی حقیقتاً نہیں بلکہ صورتاً معصیت ہوسکتی ہے تو "نقد" بھی صورتاً معصیت ہوسکتا ہے۔امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ:

"اور جو کچھ بعض سے حرب حضرت امیرؓ یا کچھ اور بشریت سے تقصیر ہوئی وہ خطائے اجتہادی تھی اور جو امر بخطاء اجتہاد سرزد ہوتا ہے وہ بصورتِ معصیت ہے نہ خود معصیت۔"
(تالیفات رشیدیہ۔ہدایت الشیعہ ص ۵۵۰۔مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

حضرت شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں کہ:

"غرضیکہ ایسا لفظ منہ سے نہ بولے جس سے کچھ بو شرک کی یا بے ادبی کی آوے کہ اس (اللہ تعالیٰ) کی بہت بڑی شان ہے اور وہ بڑا بے پروا ہے۔ایک نکتہ میں پکڑ لینا اور ایک نکتہ میں نواز دینا اسی کا کام ہے۔

اور یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے...." (تقویۃ الایمان ص ۸۰۔مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ گستاخی کے کلمہ میں قائل کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا اور نہ ہی بے ادبی کے صریح الفاظ میں کسی تاویل کی گنجائش ہوتی ہے کیونکہ کہنے اور لکھنے والوں کی نیت خواہ کچھ بھی ہو مگر پڑھنے والا اسے بے ادبی پر ہی محمول کرے گا۔

زیرِ نظر کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص پر مبنی اکابر کے جو اقوال پیش کیے گئے ہیں وہ صریح ہیں۔ ان کی تاویل ''خطائے اجتہادی'' کے مفہوم سے ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ کاش یہ اکابر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''تنقیصی الفاظ'' استعمال کرنے کے بجائے اپنے قلم کو ''خطائے اجتہادی'' کی اصطلاح تک ہی روک لیتے جس میں تحقیر و تنقیص کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا لیکن صد افسوس کہ وہ اس پر ''اکتفاء'' نہ کر سکے۔ اس کی مزید وضاحت کتاب کے آخر میں زیرِ عنوان ''اختتامیہ'' ملاحظہ فرمائیں۔

اکابر کی ''تنقیصی عبارات'' ان کے کسی ''مخطوطے'' یا ذاتی ڈائری سے نقل نہیں کی گئیں بلکہ وہ ان کتب سے پیش کی گئی ہیں جنہیں خود علمائے کرام نے بار بار اپنے اداروں سے شائع کیا ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض کتب ''درسِ نظامی'' کے نصاب میں بھی شامل ہیں۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ راقم الحروف کوئی پہلی مرتبہ اکابر کی ''تنقیصی عبارات'' کو منظرِ عام پر نہیں لا رہا بلکہ ان میں سے اکثر عبارات مع فوٹو اسٹیٹ نقول ایک معروف بریلوی پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی اپنے خلاف A-298 کے تحت حضرت معاویہؓ کی توہین کے ایک مقدمہ میں سات سال (یکم جولائی ۱۹۸۵ء۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ء) تک ایبٹ آباد کی بھری عدالت میں پیش کرتے رہے ہیں جو آج بھی عدالتی ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ سید محمود شاہ کے حالات زیرِ نظر کتاب میں اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے علاوہ شہید ناموسِ صحابہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کی مرتبہ کتاب ''تاریخی دستاویز'' (جس کی ضخامت ۷۴۴ صفحات ہے) کے جواب میں اہلِ تشیع کی طرف سے ۱۹۹۷ء میں ۱۲۲۲ صفحات پر مشتمل کتاب ''تحقیقی دستاویز'' شائع کی گئی ہے (ناشر مرکز مطالعات اسلامی پاکستان ۷۱۔ سی، سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی) اس میں از صفحہ نمبر ۱۹۵ تا ۲۷۱ صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف علماء اہلِ سنت کی کتب کی فوٹو اسٹیٹ نقول ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب کی ترتیب میں ''ناقدین'' کے مسلک و مشرب کے قطع نظر ان کی سن وفات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ صرف علامہ بابا خلیل احمد داس کی سن وفات اندازاً تحریر کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں اس فہرست میں ''ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، سید مہر حسین

بخاری، مولوی عبدالقیوم علوی، مفتی محمد سعید خان اسلام آبادی، ''عظیم مبلغ ''مولانا محمد طارق جمیل اور ''شاہین ختم نبوت''مولانا اللہ وسایا کے اسمائے گرامی بھی آئے ہیں جو''بقید حیات''ہیں۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ مکمل غور وفکر کے ساتھ اور غیر جانب دارانہ طور پر اس آیت کریمہ (النساء ۱۳۵) کی روشنی میں کریں:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَ لَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ...

اے ایمان والو! مضبوط کھڑے ہو انصاف کے ساتھ گواہ بن کر اللہ کے۔ اگر چہ یہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہو۔

راقم الحروف صابر حیدری صاحب سمیت اپنے جملہ احباب و معاونین کا شکر گزار ہے جن کے مخلصانہ تعاون سے زیر نظر کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔

آخر میں باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ جن علمائے حق کے قلم وزبان سے ''سہواً یا لاشعوری'' طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوءِ ادب پر مشتمل نازیبا کلمات صادر ہوئے ہیں انہیں بسلسلہ دین مبین ان کی دیگر خدمات جلیلہ کے عوض معاف فرماتے ہوئے زیر نظر کتاب کو امت مسلمہ بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان مخالفین، ناقدین اور معاندین کی اصلاح کا ذریعہ بنادے۔

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ٥

انظرو الی ماقال ولا تنظرو الی من قال۔ان اخطأت فمنّی وان اصبت فمن اللّٰہ۔

ان ارید الّا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الّا باللّٰہ۔علیہ توکّلت والیہ انیب۔ربنا تقبّل منّا انّک انت السمیع العلیم

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی
خطیب مرکزی جامع مسجد
سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چوک حویلیاں۔ہزارہ
۷۔رجب ۱۴۳۴ھ/۱۸۔مئی ۲۰۱۳ء

☆☆☆☆☆☆

# علامہ المدخلی کی پرسوز اپیل

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل استاذ علامہ ربیع بن ھادی عمیر المدخلی نے اپنی کتاب: "العواصم مما فی کتب سید قطب من القواصم" کے آخر میں "علماء، اساتذہ اورقضاۃ" کے نام ایک پرسوز اپیل شائع کی ہے جس کا تعلق اگرچہ سید قطب کی متنازعہ اور مختلف فیہ تحریرات کے ساتھ ہے لیکن اسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے جملہ ناقدین ومعاندین (جن میں سید قطب بھی شامل ہیں) کے تنقیدی واہانت آمیز کلمات سے پہلے علماء، اساتذہ، قضاۃ، دانشوروں اورعام مسلمانوں کے غورو استفادے کے لیے زیرنظر کتاب میں شامل کیا جارہا ہے۔ "العواصم، القواصم" کی توضیح آگے "سید قطب" کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں:

نداء الی العلماء وأساتذة الجامعات والقضاة

الی أساتذة الجامعات والمعاهد العلمية...

الی القضاة فی المحاكم الشرعية وفقهم الله و سدد خطاهم و جعلنا و اياهم من شهداء الله فی الارض۔

أما بعد:

فانی أری نفسی فيما أناقش فيه سيد قطب علی الحق و أری أنه قد جانب الصواب۔

وانی أری نفسی بهذه المحاولة أؤدی واجبا افترضه الله علیّ و عليكم ولا أدعی أننی معصوم من الخطأ۔ ولعل الناس قد اشرأبت أعناقهم واصغوا بآذانهم يسمعوا منكم كلمة الحق الفاصلة، فقوموا بواجب العبودية لله رب العالمين فی نصرة الحق سواء علیّ أولیّ۔

وانی أذكركم بقول الله تعالی:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○" (سورۃ النساء: آیت ۱۳۵)

وأذكركم بقول الله تعالی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ

عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ٥ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ٥ (سورة المائدة: آیت ۸۔۹)

قاثبتوا للعالم أنكم قوامون لله شهداء بالقسط

وأثبتوا للدنيا ميزتكم على علماء الملل الباطلة والنحل الضالة فى الصدع بالحق ونصرته ، والقيام بالحق والشهادة به ـ إن انظار الأمة والشباب لتمتد إليكم لتقولوا كلمة الحق مدوية ، و انّ الله مستخلفكم ينظر كيف تعملون ـ

و والله إن هذا المسكين لجاد فيما يقول ، و يرى نفسه باراً راشداً فيما يكتبه ، و فى الوقت نفسه لا يبرئ من الخطأ ـ فما كان فيما كتبت من صواب فمن الله و بتوفيقه وتسديده ـ

وماكان فيه من خطأ فمن نفسى و من الشيطان ، والله برئ من ذلك الخطأ

والمؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً و ان نصرتكم للحق لنصرة الله

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ...وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيْزٌ٥

كتبه

ربيع بن هادى عمير المدخلى

المدينة النبوية ١٤١٥ هـ

أما بعد!

سید قطب سے کیے جانے والے اختلاف کے بارے میں یقیناً میں اپنے آپ کو برحق سمجھتا ہوں اور یہ بھی میری پختہ رائے ہے کہ انہوں نے راہِ حق سے انحراف کیا ہے۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ اس بحث کے ذریعے میں نے اپنے اوپر اور آپ پر اللہ تعالٰی کی طرف سے تفویض کردہ ایک فریضہ ادا کر دیا ہے۔

اور نہ ہی میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں خطا سے پاک ہوں۔ اور شاید لوگ بھی اپنی گردنیں اٹھائے اور کان آپ کی طرف لگائے آپ سے حق بات سننے کے متمنی ہیں۔ پس تم دینِ حق کی مدد و نصرت کے لیے اللہ تعالٰی کے اپنے اوپر حق بندگی کو ادا کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہو، چاہے یہ فیصلہ میرے خلاف جاتا ہو یا میرے حق میں۔ اور میں تمہیں اللہ تعالٰی کا یہ فرمان یاد دلاتا ہوں کہ:

اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر، گواہی دینے والے محض اللہ کے لیے، چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف۔ (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) وہ دولت مند ہو یا فقیر۔ پس اللہ

تعالیٰ زیادہ خیر خواہ ہے دونوں کا تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ موڑ لو تو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔

اور میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی یاد دلاتا ہوں کہ:

اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے، اللہ کے لیے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ۔ اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو۔ یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

پس (اے مسلمانو!) دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دو کہ تم اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے والے ہو۔ اور دنیا کے سامنے کلمہ حق بلند کر کے اور حق کی گواہی دے کر یہ ثابت کر دو کہ تم ملت باطلہ و ضالہ کے علماء سے امتیاز رکھتے ہو۔ امت کے نوجوانوں کی نگاہیں آپ کے کلمہ حق بلند کرنے کے انتظار میں آپ کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسی لیے اپنا خلیفہ بنایا ہے تا کہ وہ دیکھے تم کیسے اعمال کرتے ہو؟

اور اللہ کی قسم یہ عاجز و مسکین بندہ اپنی رائے میں اپنے آپ کو حق پر اور اپنی تحریر میں خود کو سعادت مند اور ہدایت پر سمجھتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو غلطی و خطا سے مبرا بھی نہیں سمجھتا۔

اگر میں اپنی تحریر میں درستگی اور حق پر ہوں تو یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور رہنمائی سے ہے اور اگر کہیں خطا ہوئی ہے تو وہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔

(اور ارشاد نبوی ہے کہ) ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایک مضبوط عمارت کی طرح ہے۔ جس کا بعض حصہ، بعض کو مضبوط کرتا ہے۔ اور تمہارا حق کی مدد کرنا اللہ کے دین کی مدد و نصرت ہے۔

(اے ایمان والو!) اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (میدان جہاد میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا (سورۃ محمد ۷)

اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) سب پر غالب ہے۔ (سورۃ الحج آیت ۴۰)

ربيع بن هادي المدخلي۔

المدينة النبوية ١٤١٥هـ

# سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی، مدبر اسلام، فاتح عرب وعجم، کاتب وحی، خال المسلمین، خلیفہ سادس، راشد، عادل وبرحق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین قریشی اور پانچویں پشت میں "عبد مناف" پر جا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں شامل ہو جاتے ہیں۔

آپؓ کی ولادت اصح قول کے مطابق بعثت نبویؐ سے پانچ سال قبل مکہ مکرمہ کے قریب "منیٰ" میں مقام خیف پر ہوئی۔ آپؓ کے والد سیدنا ابوسفیانؓ نہ صرف اپنے قبیلہ "بنوامیہ" کے سردار تھے بلکہ جملہ قبائل قریش کے عسکری نظام کے منتظم اور سپہ سالار بھی تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے لخت جگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی جس کی بناء پر موصوفؓ نے شہ سواری، تیراندازی، شمشیر زنی، خطابت اور نسب دانی میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ فن کتابت تو موصوفؓ کا گھریلو شعبہ تھا اور اس فن میں مزید مہارت کے علاوہ انہوں نے ایک جدید طرز کتابت بھی پیدا کر لیا تھا جسے "خطِ دیوان" کہا جاتا ہے۔

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے سپہ سالار قریش ہونے کی حیثیت سے اسلام کے مخالف تھے لیکن اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذاتی وخاندانی مصاحبت وتعلقات رکھنے کے علاوہ دیگر مشرکین مکہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدسلوکی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کی ایذا دہی میں سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ یا ان کی اولاد کا نام شامل نہیں ہے بلکہ مکہ کے اوباش جس وقت نبی اکرمؐ کے ساتھ بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکہ کے گلی کوچوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوسفیانؓ کے گھر پناہ گزین ہو جاتے جس کا بدلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر یہ اعلان کر کے چکا دیا کہ:

"من دخل دار أبي سفيان فهو امن" (صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب فتح مکہ۔ جلد۲ص۱۰۲)

جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے بھی امن ہے۔

بعثت کے آغاز ہی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں اسلام کی آواز پہنچ چکی تھی اوراس آواز پران کی بہنیں سیدہ ام حبیبہؓ، سیدہ فارعہؓ، ماموں سیدنا حذیفہؓ بن عتبہ کے علاوہ دیگر قریبی رشتہ دار "لبیک" کہہ چکے تھے۔اس لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان حالات کا بغور جائزہ لیتے رہے جب کہ ان کے باقی افراد خاندان دیگر مشرکین کے ساتھ اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے مگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ آپ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے کبھی کسی موقع پر حتیٰ کہ کسی جنگ میں بھی مسلمانوں کے خلاف حصہ نہیں لیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہ صرف یہ کہ ایذا دہی کا کوئی واقعہ ثابت نہیں ہے بلکہ قریش کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاشرتی مقاطعہ جیسے کٹھن اور مشکل ترین وقت میں اناج اور کھجوریں شعب بنی ہاشم میں پہنچانا بھی ثابت ہے۔یہ سلسلہ محصوری کی پوری مدت دو تین سال تک جاری رہا۔

دشمنانِ معاویہؓ کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے اوران کے ساتھ کسی فضیلت کو جمع نہ ہونے دیا جائے۔وہ انہیں اسلام دشمن ثابت نہ کر سکے۔ انہیں کسی معرکے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدمقابل نہ دکھا سکے تو یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ مجبور ہو کر فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام لائے اور وہ "مـؤلـفـة الـقـلـوب" اور "طـلـقـاء" میں سے تھے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد پچیس سال کی عمر میں اسلام لائے تھے۔

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قرشی اموی، صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے اوران کے والد فتح مکہ میں مسلمان ہوئے۔''(ازالۃ الخفاء جلداول ص۴۷۲ حاشیہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرمایا کرتے تھے کہ وہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام لائے اورانہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی اوراپنے اسلام کو اپنے والدین سے مخفی رکھا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول نقل کرتے ہیں کہ:

"لقد أسلمت قبل عمرة القضية" (الاصابہ جلد۳ ص۴۳۳)

میں نے عمرۃ القضاء سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔

شیخ احمد بن حجر ہیتمی مکی لکھتے ہیں کہ:

واقدی کی روایت کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا حدیبیہ کے بعد کا ہے اوران کے علاوہ دیگر حضرات کا خیال ہے کہ وہ حدیبیہ کے دن اسلام لائے اور اپنے اسلام کو فتح مکہ تک اپنے والدین سے پوشیدہ رکھا۔(تطہیر الجنان ص ۷۔تحت "فی اسلام معاویۃؓ")

ڈاکٹر احمد عبدالرحمٰن عیسیٰ استاذ جامعہ امام محمد بن سعود لکھتے ہیں کہ:

"یقول إنّه أسلم عام عمرة القضية ۷ ھ وانـه لقي رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم بمكة مسلما ولكن كتم إسلامه عن أمه وأبيه وليس هذا ببعيد۔" (کتاب الوحی ص ۳۰۶)

اور وہ (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ انہوں نے عمرۃ القضاء کے سال ۷ھ میں اسلام قبول کیا اورانہوں نے مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی لیکن اپنے اسلام کو اپنے والدین سے پوشیدہ رکھا اور یہ کوئی بعید بات نہیں ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

''صحیح بخاری میں ہے کہ اگلے سال عمرۃ القضاء میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک قینچی سے تراشے تھے۔یہ واقعہ عمرۃ القضاء ہی کا ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق فرمایا ہے۔''

(تفسیر معارف القرآن جلد ہشتم ص ۹۰۔سورۃ الفتح تحت آیت ۲۷)

مشہور بریلوی عالم جناب مفتی احمد یار خان بدایونی لکھتے ہیں کہ:

''صحیح یہ ہے کہ امیر معاویہؓ خاص صلح حدیبیہ کے دن اسلام لائے ...امیر معاویہؓ کے حدیبیہ کے دن اسلام لانے کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ کے احرام سے فارغ ہوتے وقت سر شریف کے بال کاٹے مروہ پہاڑی کے پاس۔نیز وہ حدیث بھی دلیل ہے جو بخاری شریف نے بروایت طاؤس،عبداللہ بن عباسؓ سے روایت فرمائی کہ حضورؐ کی یہ حجامت کرنے والے امیر معاویہؓ ہیں اورظاہر یہ ہے کہ یہ حجامت عمرۃ القضاء میں واقع ہوئی جو صلح حدیبیہ سے ایک سال بعد ہوا کیونکہ حجۃ الوداع میں نبی اکرمؐ نے قران کیا تھا اورقارن مروہ پر حجامت نہیں کرواتے بلکہ منیٰ میں دسویں ذی الحجہ کو کراتے ہیں۔نیز حضورؐ نے حجۃ الوداع میں بال نہ کٹوائے تھے بلکہ سر منڈایا تھا۔حضرت ابوطلحہؓ نے حجامت کی تھی تو لامحالہ امیر معاویہؓ کا حضورؐ کے سر شریف کے بال تراشنا عمرۃ القضاء میں فتح مکہ سے پہلے ہوا۔معلوم ہوا کہ امیر معاویہؓ .... نہ فتح مکہ

کے مؤمنین میں ہیں، نہ مؤلفۃ القلوب میں سے۔" (امیر معاویہؓ ص ۳۸۔۴۰)

حضرت مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی فرماتے ہیں کہ:

""جہاں تک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا تعلق ہے، ان کا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا کہ سیدنا عباسؓ کا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جو جنگ بدر کے قریب مسلمان ہو گئے لیکن اپنے اسلام کا اظہار فتح مکہ سے کچھ پہلے کیا۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح حدیبیہ سے متصل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے لیکن اظہار فتح مکہ کے موقع پر کیا۔"

(حماۃ الاسلام جلد اول ص ۱۶۳۔ بحوالہ خلفائے راشدین حسن کردار و عمل ص ۵۴۲)

دراصل ہمارے مؤرخین اور سبائیت زدہ طبقے کا اس پر بس نہیں چل رہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن کو کس طرح گرایا جائے۔ کبھی تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، کبھی ایمان کا قبل از فتح مکہ اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ "کتمان ایمان" کا الزام عائد کر دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرۃ القضاء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تراشے تو اخفاء ایمان کہاں باقی رہا؟ گویا ان کا ایمان بھی ناقدین کے لیے سانپ کے منہ میں چھچھوندر کی مثل ہو گیا ہے، نہ گلتے بنتی ہے اور نہ نگلتے بنتی ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے یہ کہہ کر جان چھڑائی ہے کہ "أسلم قبل الفتح" انہوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ عام مؤرخین کے اقوال کے مقابلے میں خود صاحب معاملہ کے اپنے قول کو ترجیح دینا ہی زیادہ صحیح ہے۔

قبول اسلام کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تا آنکہ ۶۰ھ میں ۷۸ سال کی عمر میں اسلام اور ایمان کی حالت میں ان کی موت واقع ہوئی، صحابی رسول حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق میں ہی تدفین عمل میں آئی۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایمان و اسلام کتاب وسنت، اجماع سلف اور نقل متواتر نیز خود ان کے قبول اسلام سے لے کر وفات تک واقعات وحالات کی روشنی میں آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن ہو کر سامنے آجاتا ہے جو ہر منصف مزاج انسان بالخصوص مومن بالقرآن کو انہیں مخلص مومن ومسلم تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

# سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت

''صحابی'' کالفظ باتفاق اہل لغت ''صحبت'' سے مشتق ہے؛یعنی صحابی ہونا ، دوستی کرنا اور ساتھ زندگی گزارنا۔''صَحِبَ''کا اسم فاعل''الصاحب'' ہے،یعنی ساتھی اور ساتھ زندگی گزارنے والا۔اس کی جمع''اصحاب،صحابہ'' ہے۔

''الصحابی''صحابہ کا اسم نسبت ہے۔صحابہ کی طرف منسوب ایک صحابی یعنی وہ ایک شخص جس نے صحبت حاصل کی مگر صحبت کی کسی مخصوص مقدار سے مشتق نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوسکتا ہے جس نے کم یا زیادہ کسی کی صحبت اٹھائی ہو۔لہٰذا صحبت کی تھوڑی یا زیادہ مقدار دونوں حالتوں پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

اصطلاح شریعت میں''صحابی''اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے حالت ایمان واسلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہواور اسلام ہی پر اس کی موت بھی واقع ہوئی ہو۔

امام بخاری (م ۲۵۶ھ) فرماتے ہیں:

''من صحب النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم او راٰہ من المسلمین فھو من اصحابه''

(صحیح بخاری۔کتاب فضائل اصحاب النّبیؐ)

جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت ایمان و اسلام میں دیکھ لیا تو وہ زمرہ صحابہ میں شامل ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

''وأصح ماوقفت علیه من ذٰلك أنّ الصحابی من لقی النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم مؤمنا ومات علی الإسلام۔''

(الإصابه جلداول ص۷۔تحت الفصل الأول فی تعریف الصحابی)

''صحابی'' کی سب سے زیادہ صحیح تعریف جس سے میں آگاہ ہوں وہ یہ ہے کہ:

صحابی وہ ہے جس نے حالت ایمان واسلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہواور اسلام ہی پر اس کی موت بھی واقع ہوئی ہو۔

علامہ عبدالعزیز فرہاروی (م ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں: "من صحب النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ولو ساعۃ من الایمان ومات مؤمنا" (النبراس شرح لشرح العقائد ص ۵۴۶)

جس نے حالت ایمان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہو تو وہ صحابی ہے۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص کے "صحابی" ہونے کے لیے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

۲۔ اسی ایمان کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات

۳۔ اور اسلام وایمان ہی کی حالت میں وفات

علامہ ابن حجر عسقلانی نے "صحابی" کی مذکورہ تعریف ہی کو سب سے زیادہ جامع اور صحیح قرار دیا ہے۔ اگر چہ بعض حضرات نے دیگر شرائط کا ذکر بھی کیا ہے مثلاً:

اس نے ایک طویل عرصہ (کم از کم ایک سال) تک شرف صحبت حاصل کیا ہو، یا حدیث کی روایت کی ہو، یا کسی غزوہ میں شرکت کی ہو، یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حصول علم وعمل کے لیے اختیار کی ہو، یا حالت شعور یا حالت بلوغ میں ملاقات کی ہو۔

## صحابی کی معرفت:

محدثین کرام اور ائمہ اسماء الرجال نے صحابی کی معرفت کے لیے حسب ذیل طریقے یا اصول متعین کیے ہیں:

۱۔ ایسا شخص جس کا صحابی ہونا تواتر سے ثابت ہو جیسے حضرات عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم۔

۲۔ ایسا شخص جس کا صحابی ہونا مشہور ہو یا مشہور روایات سے ثابت ہو اگر چہ تواتر کے درجے تک نہ پہنچا ہو۔ مثلاً ضمام بن ثعلبہ اور عکاشہ بن محصن۔

۳۔ کوئی مشہور صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی شہادت دے جیسے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا تھا کہ حممہ بن ابی حممہ دوسی صحابی ہیں۔

۴۔ کسی صحابی کا یہ کہنا کہ میں فلاں شخص کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے فلاں شخص سے گفتگو فرمائی۔

۵۔ اس کا صحابی ہونا تابعی کے قول سے ثابت ہو اور وہ شخص ایسے زمانے تک بقید حیات رہا ہو جس سے اس کے صحابی ہونے کا امکان پایا جاتا ہو۔ علماء نے یہ زمانہ ۱۱۰ھ تک مقرر کیا ہے،

اس کے بعد کوئی شخص صحابی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بلا شک وشبہ اور بالیقین ان سعادت مند حضرات میں شامل ہیں جن پر مفسرین، محدثین، اصولیین، متکلمین اور جمہور کی بیان کردہ صحابی کی ہر تعریف صادق آتی ہے۔ اسی لیے ناقدین سمیت اہل سنت کے تمام طبقات بالاتفاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی تسلیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی تمام تر نقد وجرح کے باوجود یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

''صحابی کی تعریف میں اگرچہ سلف میں اختلاف ہے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہر تعریف کے لحاظ سے شرف صحابیت حاصل ہے۔ (سیرت اصحاب رسول ص ۱۵۴۔ مطبوعہ مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت اگر صحابی کی معرفت کے مذکورہ اصولوں میں سے کسی ایک اصول یا طریقے کے مطابق بھی ثابت ہو جاتی تو وہ بلا شبہ جماعت صحابہ میں ہی شامل سمجھے جاتے لیکن موصوف تو ایک ایسے صاحب فضیلت ومنقبت اور عظیم المرتبت صحابی ہیں کہ ان کی صحابیت مذکورہ تمام اصولوں اور طریقوں سے ثابت ہے اور ان کا صحابی ہونا اس قدر تواتر اور شہرت سے ثابت ہے کہ کم از کم کسی ''سنی'' مسلمان عالم یا صوفی ناقد کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ ان کی صحابیت کے انکار کی جرأت کر سکے۔ ''فمن ادّعی خلافه فعليه البيان و لا يمكنه ان شاء الله الى يوم البعث و الميزان''۔

صحابہ کرامؓ کے حالات سے متعلق ہر کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بحیثیت صحابی تذکرہ موجود ہے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ طبقات ابن سعد مؤلفہ علامہ محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ) جلد ہفتم ص ۴۱۲ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی تحت ''شام میں آنے والے صحابہ کرامؓ''

۲۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب مؤلفہ حافظ ابن عبدالبر اندلسی قرطبی مالکی (م ۴۶۳ھ) جلد سوم از ص ۳۹۵ تا ۴۰۳۔ طبع بیروت۔

۳۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ مؤلفہ ابن اثیر الجزری (م ۶۳۰ھ) تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیانؓ۔

۴۔ الاکمال فی اسماء الرجال مع مشکوٰۃ المصابیح مؤلفہ شیخ ولی الدین الخطیب (م ۷۴۲ھ) ص ۶۱۷۔ تحت معاویہ بن ابی سفیانؓ۔

۵۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ مؤلفہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) جلد سوم ص ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ تحت معاویہ بن ابی سفیانؓ۔

علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلاواسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث روایت کی ہیں۔ صحاح ستہ سمیت تقریباً حدیث کی ہر کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مرویات پائی جاتی ہیں جن کی تعداد تقریباً ۱۶۳ ہے۔

کتب اسماء الرجال، طبقات الصحابہ اور سیر الصحابہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کے علاوہ کتب حدیث میں ان کی مرویات کا پایا جانا ان کی صحابیت کی روشن اور واضح دلیل ہے۔

مزید برآں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بار بار طلب کرنا اور بلانا بھی ان کی صحابیت پر دال ہے:

"ادعوا معاوية...، كان معاوية ردف النبيؐ فقال يامعاوية ..."، معاوية بن أبي سفيان أحلم امتي واجودها... ، يامعاوية إن وُلّيت أمراً فاتق اللّٰه واعدل، انه صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال لمعاوية اللّٰهم اجعله هاديا مهديا واهدبه۔" ملاحظہ ہو: جامع ترمذی، مشکوٰۃ، التاریخ الکبیر للبخاری، تطہیر الجنان۔

محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں جہاں دیگر صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب سے متعلق ابواب قائم کیے ہیں وہیں انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کے لیے بھی ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: جامع ترمذی جلد دوم ص ۲۴۷۔ "مناقب معاویہ بن ابی سفیانؓ"

امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں کتاب المناقب کے تحت "ذکر معاویة" کے نام سے ایک مستقل باب باندھا ہے۔ اس عنوان سے بعض ناقدین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی اسی لیے امام بخاری نے "مناقب معاویہؓ" کے بجائے "ذکر معاویہؓ" کا باب قائم کیا ہے۔

امام موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی یہ "قابل اعتراض" رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ دیگر اکابر صحابہؓ کے لیے بھی یہی عنوان اختیار کیا ہے۔ مثلاً:

باب ذكر عباس بن عبدالمطلب، باب ذكر عبداللّٰه بن عباس، باب ذكر طلحه بن عبيداللّٰه، باب ذكر أسامه بن زيد، باب ذكر عبداللّٰه البجلي، باب ذكر حذيفه بن يمان، باب ذكر اصهار النبيؐ منهم أبوالعاص بن الربيع، باب ذكر هند بنت عتبه رضي اللّٰه عنهم۔

کیا ان جلیل القدر صحابہؓ کے بارے میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی کوئی فضیلت ثابت نہیں کیونکہ امام بخاری نے ان کے اسماء کے ساتھ بھی "مناقب" کے بجائے "ذکر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ دراصل یہ عبارت کا تفنن ہے کہ کہیں مناقب اور فضائل فرمایا اور کہیں "ذکر" فرمایا جس

سے مراد ''ذکر بالخیر'' ہی ہے اور ''ذکر بالخیر'' بھی فضیلت ہی ہوتی ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حدیث میں ''صحیح'' ایک اصطلاحی لفظ ہے جس سے حدیث کی ایک خاص قسم اور درجہ مراد ہے۔ یہ لفظ اردو زبان کا صحیح نہیں جو ''غلط'' کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ اگر بالفرض کوئی صحیح حدیث وارد نہ بھی ہو تو یہ کیونکر تصور کرلیا گیا کہ ''صحیح حدیث'' کی نفی سے اس سے نیچے کے درجہ کی حدیث (یعنی حسن وغیرہ) کی بھی نفی ہوجاتی ہے؟

پھر اگر بالفرض اس ''دعویٰ'' کو کسی حد تک درست بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس سے بھلا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''صحابیت'' پر کیا اثر پڑتا ہے؟ کیونکہ ہزاروں صحابہ کرامؓ ایسے ہیں جن کے انفرادی وخصوصی فضائل کتب حدیث میں مروی ہی نہیں ہیں اور ہزاروں صحابہ کرامؓ ایسے ہیں جن کے حالات سے ائمہ اسماء الرجال اور ارباب تاریخ وسیر بھی نا آشنا ہیں۔

کیا ان تمام صحابہ کرامؓ کی فضیلت کا انکار کیا جاسکتا ہے؟ کیا ان صحابہ کرامؓ کے قرآن وحدیث میں مذکور مجموعی اور عمومی فضائل کسی صحابی کی فضیلت ومنقبت کے لیے کم حیثیت کے حامل ہیں؟ جو لوگ حضرت معاویہؓ کو کسی بھی حوالے سے ہدف طعن وتنقید بناتے ہیں وہ اہل سنت میں سے ہرگز نہیں ہیں بلکہ ''سنیت'' کے لبادے میں وہ دراصل ''سبائیت'' کے ایجنٹ ہیں۔

''صحابی کی معرفت'' کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کوئی دوسرا صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی گواہی دے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت اس معیار پر بھی پورا اترتی ہے۔

اصحاب عشرہ مبشرہ سمیت تمام اکابر واصاغر صحابہؓ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت کی شہادت دیتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں ایک عسکری لشکر کا امیر مقرر کر کے شام کے محاذ پر بھیجا، حضرت عمرؓ نے انہیں ترقی دے کر شام کا گورنر مقرر کیا، حضرت عثمانؓ نے ان کی حدود امارت میں کچھ دیگر علاقے شامل کر کے انہیں اس منصب پر برقرار رکھا، حضرت علیؓ نے بھی بعد میں ان کے ساتھ مصالحت کر کے انہیں سابقہ پوزیشن پر بحال رکھا، حضرت حسنؓ نے نہ صرف ان کے حق میں خلافت سے دست برداری اختیار کی بلکہ امور خلافت انہیں سونپ کر احباب سمیت ان کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت بھی کی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت پر مذکورہ شواہد کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور جلیل القدر صحابی ابن صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ ''صریح قول'' بھی موجود ہے کہ:

''فإنّه قد صحب رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه و سلّم..... أصاب إنّه فقیه''

(صحیح بخاری۔ کتاب فضائل اصحاب النبیؐ۔ باب ذکر معاویہ رقم الحدیث ۳۷۶۴۔۳۷۶۵)

یقیناً انہوں (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ) نے رسول اللہ کی صحبت کا شرف اٹھایا ہے ...انہوں نے درست عمل کیا ہے یقیناً وہ دینی مسائل میں فقیہ ومجتہد ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ احادیث روایت کی ہیں وہیں خود ان سے بھی بہت سے صحابہ (حضرت ابوذر، ابن عباس، ابوسعید خدری، جریر بن عبداللہ البجلی، معاویہ بن خدیج، سائب بن یزید کندی، عبداللہ بن زبیر اور نعمان بن بشیر وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین) نے احادیث روایت کی ہیں جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے "سماع عن النبی" کی تصریح کرتے ہیں کہ:

"سمعت رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه و سلّم یقول ..... ، أین علماء کم سمعت النبی صلّی اللّٰه علیه و سلّم"

ملاحظہ ہو صحیح بخاری۔ کتاب العلم باب من یرد اللّٰه به خیرا ، کتاب اللباس بالوصل فی الشعر ، کتاب الانبیاء باب مناقب قریش۔

صحابہؓ کے علاوہ اکابر تابعین نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے مثلاً: ابوادریس خولانی، سعید بن میسّب، خالد بن معدان، ہمام بن منبہ، قیس بن ابی حازم، عبداللہ بن الحرث بن نوفل، عیسٰی بن طلحہ، محمد بن جبیر بن مطعم، حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف، ابومجلّہ، علقمہ بن وقاص، عمیر بن ہانی، مطرف بن عبداللہ، محمد بن سیرین، عکرمہ مولٰی ابن عباس وغیرہم۔ (ملاحظہ ہو الناھیۃ عن طعن معاویہ ص ۱۷، الاصابہ جلد ۳۔ ص ۴۳۴ .....)

صحابی کی معرفت کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا صحابی ہونا خود ظاہر کرے۔ اس طریقے کے مطابق بھی حضرت معاویہؓ کی صحابیت ثابت ہے۔ موصوفؓ ایک مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"إِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلٰوةً لَقَدْ صَحِبْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْنَاهُ يُصَلِّيْهِمَا وَلَقَدْ نَهٰى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ" (صحیح بخاری کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، باب ذکر معاویة رقم الحدیث ٣٧٦٦)

اس حدیث میں "صَحِبْنَا النبیّ" کے الفاظ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت خود ان کے اپنے "صریح قول" سے ثابت ہو رہی ہے۔

صحابی کی معرفت کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ کسی شخص کا صحابی ہونا کسی تابعی کے قول سے

ثابت ہوتو اس طریقے کے مطابق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ پیچھے تابعین کی ایک فہرست گزر چکی ہے جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث روایت کی ہیں جن سے ان کی صحابیت پر تابعین کی طرف سے بھی مہر تصدیق ثبت ہوگئی ہے۔

علاوہ ازیں مشہور محدث اور فقیہ عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز؟ تو انہوں نے فرمایا:

واللّٰہ إن الغبار الّذی دخل فی أنف فرس معاویة مع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم أفضل من عمر بألف مرّة... (تطہیر الجنان ص ۱۰)

اللہ کی قسم وہ مٹی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے نتھنوں میں داخل ہوئی وہ بھی عمر بن عبدالعزیز سے ہزار درجے افضل ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جواب میں "ربّنا لك الحمد" کہتے تھے اس کے بعد اس سے بڑا شرف اور کیا ہوسکتا ہے؟

مشہور تابعی حضرت معافی بن عمران سے ایک آدمی نے پوچھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز میں سے کس کا مقام بلند ہے؟

"فغضب غضباً شدیداً وقال لا یقاس بأصحاب النبیّ أحد معاویة صاحبہ و صھرہ وکاتبہ وأمینہ علی وحی اللّٰہ۔" (تطہیر الجنان ص ۱۰)

تو معافی بن عمران غضبناک ہوئے اور کہا، اصحاب پیغمبر کے مقابلے میں کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، برادر نسبتی، اللہ کی وحی کے کاتب اور امین ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ائمہ اسماء الرجال نے "صحابی کی معرفت" کے جتنے طریقے وضع کیے ہیں ان میں سے اگر چہ کسی ایک طریقے سے بھی کسی کا صحابی ہونا ثابت ہوسکتا ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو وہ خوش نصیب صحابی ہیں کہ جن کی صحابیت ہر ہر طریقے کے ذریعے ثابت ہے جس کے انکار کی کم از کم کوئی مسلمان یا کوئی باشعور انسان جسارت نہیں کرسکتا۔

☆☆☆☆☆☆

# مشاجرات صحابہؓ کا شرعی حکم

گذشتہ بحث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً زمرہ صحابہؓ میں شامل ہیں اور مقام صحابیت کی عظمت اور جلالت کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سچا گواہ اور کون ہوسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس پورے طبقہ کو ''من حیث الطبقہ'' مقدس، پاک باطن، صالح القلب، عدول، متقی، محفوظ من اللہ، راضی ومرضی، خیر البریہ اور معیار حق وہدایت قرار دیا ہے، انہیں سچا مومن کہا ہے، ان کی بشری خطائیں معاف کردی ہیں، ان کی سابقہ باہمی عداوت کو محبت ومودت میں تبدیل کردیا ہے، ایمان کو ان کے دلوں میں مزین کردیا ہے، انہیں کفر، فسق اور عصیان سے نفرت دلادی ہے اور ان کی اتباع کو لازمی قرار دیتے ہوئے ان سے غیظ رکھنے والوں کو کفار کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان پر غیظ کے ساتھ اپنی انگلیاں چبانے والوں کے خلاف خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائے ضرر کرنے کا حکم دیا ہے:

''وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ۔'' (آل عمران ۱۱۹)

اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو چباتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے (اے حبیبؐ) آپ فرمایئے مرجاؤ اپنے غصہ (کی آگ میں جل کر)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا ہے، انہیں جنت کی بشارتوں سے نوازا ہے، انہیں نجوم ہدایت کہا ہے، انہیں اللہ کا انتخاب قرار دیا ہے، ان کے باہمی اختلافات وتنازعات کو چھیڑنے سے منع کیا ہے، انہیں برا بھلا کہنے سے سختی کے ساتھ روکا ہے، ان کے بارے میں بہ تکرار اللہ کا خوف یاد دلایا ہے، ان سے محبت کو اپنے ساتھ محبت، ان کے ساتھ بغض کو اپنے ساتھ بغض، ان کی ایذا دہی کو اپنی ایذا دہی قرار دیا ہے، ان کی تنقیص کرنے والوں کے ساتھ مناکحت، مجالست، مشاربت ومواکلت سے منع فرمایا ہے اور ایسے گمراہی ماحول میں اپنا علم ظاہر نہ کرنے والے علماء کو اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔

امام طحاوی (م ۳۲۱ھ) نے یہ اعلان فرمایا ہے کہ:

ونحب أصحاب رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم، ولا نفرط في حبّ أحد منهم ولا نتبرّء من أحد منهم ونبغض من يبغضهم وبغيرالحق يذكرهم، ولا نذكرهم الّا بالخير، وحبّهم دين وإيمان وإحسان وبغضهم كفر ونفاق وطغيان"

(عقیدۃ الطحاوی ص ۲۶ ۔مطبوعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ)

اور ہم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہؓ سے محبت کرتے ہیں اور کسی ایک کی محبت میں غلو اور زیادتی نہیں کرتے اور نہ ان میں سے کسی سے بیزاری کرتے ہیں ۔اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اور خیر کے سوا ان کا ذکر کرتا ہے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں ۔اور ہم صحابہ کرامؓ کا سوائے نیکی کے ذکر نہیں کرتے ۔حضرات صحابہؓ سے محبت دین، ایمان اور احسان (اعلیٰ درجے کی نیکی) ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ سے بغض کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔

موصوف نے اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی تصریح فرمائی ہے کہ

"ومن أحسن القول في أصحابِ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم وأزواجه وذريته فقد بريئ من النفاق" (عقیدہ طحاویہ ص ۸ طبع دیوبند)

جو شخص رسول اللہ کے اصحاب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریات کے بارے میں اچھی رائے رکھے وہ نفاق سے بری ہے۔

امام ابوالحسن الاشعری (م ۳۲۴ھ) فرماتے ہیں کہ: "ونتولّى سائر اصحاب النبيّ صلّى اللّه عليه وسلّم ونكفّ عمّاشجربينهم" (الابانة من اصول الديانة ص ۱۵ ۔اصل: ۵۱)

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہؓ سے محبت کرتے ہیں اور ان کے درمیان باہمی اختلافات و تنازعات میں اپنی زبانوں کو روکتے ہیں۔

امام نجم الدین نسفی (م ۔۵۷۳ھ) اور علامہ سعدالدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

"ويُكَف عن ذكر الصحابة إلّا بخير لما ورد من الأحاديث الصحيحة في مناقبهم ووجوب الكف عن الطعن فيهم كقوله عليه السلام لاتسبّوا أصحابي فلو أنّ أحدكم أن أنفق مثل أحد ذهبا ما بلغ مدّ أحدهم ولا نصيفه، وكقوله عليه السلام أكرموا أصحابي فإنهم خياركم... وكقوله عليه السلام اللّٰه اللّٰه في أصحابي لا تتخذوهم غرضا من بعدي فمن أحبهم فبحبّي أحبّهم ومن أبغضهم فببغضي

أبغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله ومن آذالله تعالٰى فيوشك أن يأخذه۔ (شرح عقائد ص۱۱۶)

اور خیر کے علاوہ کسی طریقہ پر صحابہ کے ذکر سے کف لسان کیا جائے ان احادیث صحیحہ کی وجہ سے جو ان کے مناقب میں وارد ہیں۔ان پر طعن کرنے سے زبان روکنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جیسے نبی علیہ السلام کا فرمان کہ: میرے صحابہ کو برا نہ کہو اس لیے کہ تم میں سے کوئی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرڈالے تو وہ ان میں سے کسی کے خرچ کیے ہوئے ایک مد کو بھی نہ پہنچے گا اور نہ نصف مد کو۔اور جیسے نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ میرے صحابہ کی تعظیم کرو اس لیے کہ وہ تم سب سے بہتر ہیں۔اور جیسے نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔میرے بعد تم انہیں نشانہ نہ بنانا۔پس جو شخص ان سے محبت کرے گا تو وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ہی ان سے محبت رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ہی ان سے بغض رکھے گا۔اور جو ان کو تکلیف پہنچائے گا وہ مجھے تکلیف پہنچائے گا اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ کو ناراض کیا اور جس نے اللہ کو ناراض کیا عنقریب اللہ اس کا مواخذہ کرے گا۔

امام نووی (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: فإنا مأمورون بحسن الظن بالصحابة ونفي كل رذيلة عنهم۔ (شرح صحیح مسلم جلد۲ ص۲۷۸)

ہم صحابہ کے بارے میں حسن ظن اور ان سے ہر برائی کی نفی کرنے کے مکلف ہیں۔

موصوف اسی سلسلہ میں ایک دوسرے مقام پر یہ فرماتے ہیں:

وإذا انسدت طرق تأويلها نسبنا الكذب إلى رواتها۔ (حوالہ مذکور ص۹۰)

اور جب اس روایت کی تاویل کے راستے محدود ہو جائیں تو اس کے راویوں کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے۔

موصوف ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:

"وأعلم أنّ سبّ الصحابة حرام من فواحش المحرّمات، سواء لابس الفتنة منهم أو غيره" (شرح مسلم جلد۲ ص۳۱۰)

اچھی طرح سمجھ لو کہ صحابہؓ کا نازیبا الفاظ سے ذکر کرنا حرام ہے اور بڑے حراموں میں ہے۔خواہ وہ صحابی باہمی جنگ کے فتنہ میں مبتلا ہوئے ہوں یا اس سے بری ہوں۔

حضرت امام مالک (م ۱۷۹ھ) کا قول مشہور شارح حدیث ان الفاظ میں نقل کرتے

ہیں کہ: "من شتم أحداً من أصحاب النبیﷺ أبابکر أو عمر أو عثمان أو علیًا أو معاویة أو عمرو بن العاص فإن قال شاتمهم کانوا علٰی ضلال أو کفر قتل وأن شتم بغیر هٰذا نکل نکالاً شدیداً۔ (شرح الشفاء جلد۲ ص۵۵۵)

جس نے اصحاب رسولؐ میں سے کسی کو (مثلاً) ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ کو گالی دی اگر انہیں گالی دینے والا یہ کہتا ہے کہ وہ کفر وضلالت پر تھے تو اسے قتل کیا جائے گا اگر اس کے علاوہ کچھ کہتا ہے تو اسے سخت عبرت ناک سزا دی جائے گی۔

عظیم المرتبت محدث امام ابوزرعہ الرازیؒ فرماتے ہیں کہ:

"إذا رأیت الرجل ینتقص أحداً من أصحاب رسول الله صلّی الله علیه وسلّم فاعلم إنّه زندیق وذٰلك أنّ الرّسول حق والقرآن حق وماجاء به حق وإنما أدی إلینا ذٰلك کله الصحابة وهٰؤلاء یریدون أن یجرحو الشهودنا لیبطلوا الکتاب والسنة والجرح بهم أولٰی وهم زنادقة" (الاصابہ جلد اول ص۱۰۔ بیروت)

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہؓ میں سے کسی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو یہ زندیق ہے اور یہ اس لیے ہے کہ رسولؐ حق ہیں، قرآن حق ہے، قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے حق ہے اور ان سب کو ہم تک پہنچانے والے صحابہؓ ہیں۔ ناقدین صحابہؓ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں اور واسطہ کو مجروح کردیں تا کہ وہ کتاب وسنت کو باطل اور بے اصل ٹھہرادیں۔ لہٰذا یہی بدگو ناقدین مجروح ہونے کے زیادہ مستحق ہیں، یہ لوگ تو زندیق ہیں۔

امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) اپنی مشہور کتاب ''الکبائر'' میں لکھتے ہیں:

"وذکر عیبا وأضافه إلیهم کان منافقا....الخ" (۲۳۹)

جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی کسی نوع کی مذمت کی اور ان کے عیوب اور لغزشوں کے پیچھے لگا رہا یا کسی عیب کا ذکر کرکے اس کی نسبت صحابہؓ کی طرف کردی تو وہ منافق ہے۔

امام احمد بن حنبل (م ۲۴۸ھ) کا قول ان کے تلمیذ المیمونی ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

سمعت أحمد یقول مالهم ولمعاویة، نسأل الله العافیة وقال لی یا أبا الحسن! اذا رأیت أحداً یذکر أصحاب رسول الله صلّی الله علیه وسلّم بسوء فاتهمه علی الاسلام" (ذکره ابن تیمیة فی الصارم المسلول ۔بحواله مقام صحابہؓ ص۷۷ مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

میں نے امام احمد کو فرماتے ہوئے سنا: لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کی برائی کرتے ہیں، ہم اللہ سے عافیت کے طلب گار ہیں۔ پھر مجھ سے فرمایا: کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہؓ کا ذکر برائی سے کر رہا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

مشہور محقق علامہ کمال الدین ابن ہمام (م ۸۶۱ھ) کہتے ہیں:

"واعتقاد أهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة وجوبا، بإثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن منهم والثناء عليهم كما أثنى الله سبحانه وتعالى عليهم ......وأثنىٰ عليهم رسول الله صلّى الله عليه وسلّم" (المسامرۃ بشرح المسایرہ جلد ۲ ص ۱۳۲)

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تمام صحابہؓ کی لازمی طور پر پاکی بیان کرنا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی عدالت ثابت کرنے، ان پر کسی قسم کا طعن نہ کرنے اور ان کی مدح و تعریف بیان کرنا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی ہے...... اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی تعریف فرمائی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) اس عقیدہ کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ومن أصول أهل السنة سلامة قلوبهم وألسنتهم لاصحاب رسول الله صلّى الله عليه وسلّم" (شرح عقیدہ واسطیہ ص ۴۰۳ بحوالہ مقام صحابہؓ ص ۷۹)

اہل سنت کے اصول عقائد میں سے ہے کہ وہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہؓ کے معاملے میں صاف رکھتے ہیں۔

امام المفسرین قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

یہ جائز نہیں کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے۔ اس لیے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرزِ عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور ان سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی۔ یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات میں کفِ لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقہ پر کریں کیونکہ صحابیت بڑی حرمت کی چیز ہے اور نبیؐ نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے انہیں معاف کر رکھا ہے اور وہ ان سے راضی ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۶ ص ۱۲۲)

امام ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

"فهي مردودة على قائلها و ناقلها والمظنون بالصحابة خلاف ما يتوهم كثير من الرافضة وأغبياء القصاص الذين لاتميز عندهم بين صحيح الأخبار وضعيفها

وسقیمها" (البدایة والنهایة الجزء السابع ص ۱۳۹)

(صحابہ کے خلاف اوران کے مطاعن پر مشتمل) روایات کو ان کے قائلین اور ناقلین کے منہ پر پھینک دینا چاہیے اور صحابہ سے رافضیوں اور بے وقوف قصہ گو حضرات کے اوہام کے خلاف حسنِ ظن رکھنا چاہیے جنہیں صحیح وضعیف اور درست ونا درست میں تمیز نہیں۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی حنفیؒ (م ۹۷۳ھ) فرماتے ہیں کہ:

"فمن طعن فی الصحابة فقد طعن فی نفس دینه" (الیواقیت الجواھر جلد ۲ ص ۳۴۴)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ:

ونکف ألسنتنا عن ذکر الصحابة إلّا بخیر وھم أئمتنا وقادتنا۔

(العقیدة الحسنة مع عقیدة الطحاوی ص ۹۷)

اور تمام صحابہؓ کے بارے میں ہم اپنی زبانوں کو روکتے ہیں اور سوائے بھلائی اور خیر کے ان کا ذکر نہیں کرتے۔ وہ دین میں ہمارے پیشوا اور مقتداء ہیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ:

یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت امیر (یعنی علیؓ) تمام اجتہادی واختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر۔ (مکتوبات جلد دوم ص ۵۵۔ مکتوب نمبر ۳۶)

حضرت موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

اے برادر! اس امر میں بہتر طریق یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحابؓ کے لڑائی جھگڑوں سے خاموش رہیں۔ ان کی خطا کو بھی زبان پر نہ لانا چاہیے۔ ان کے ذکر خیر کے سوا اور کچھ نہ بیان کرنا چاہیے۔ (مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص ۵۸۲)

علامہ عبدالعزیز فرہاروی (م ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں کہ:

"بہت سے محققین نے ذکر کیا ہے کہ مشاجرات صحابہؓ کا تذکرہ حرام ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ اس سے بعض صحابہ کرامؓ سے بدگمانی ہو جائے۔ اس کی تائید اس حدیث مرفوع سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

میرے صحابہ میں سے کوئی شخص کسی کی شکایت نہ پہنچائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہاری طرف نکلوں تو سب کی طرف سے میرا سینہ صاف ہو"۔ (ابو داؤد عن ابن مسعود)

امام ابولیث کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی سے صحابہ کرامؓ کی باہمی خانہ جنگی کے بارے میں

پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا۔ کیا اب ہم ان سے اپنی زبانوں کو آلودہ کریں؟...

اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ ان میں سے جو واقعات ثابت ہیں، ان کی مناسب تاویل کی جائے گی تا کہ عوام کو وساوس وشبہات سے بچایا جائے اور جو لائق تاویل نہ ہوں وہ مردود ہیں اس لیے کہ صحابہ کرامؓ کی بزرگی، ان کی حسن سیرت اور ان کا متبع حق ہونا نصوصِ قاطعہ اور اجماع اہل حق سے ثابت ہے، پس یہ آحاد روایات خصوصاً متعصب اور کذاب رافضیوں کی ان (قطعی نصوص اور اہل حق کے اجماع) کا کس طرح معارضہ کر سکتی ہیں؟...

جاننا چاہیے کہ ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی کے بارے میں عصمت کا دعویٰ نہیں کرتے۔ عصمت ملائکہ اور انبیائے کرامؑ کی خصوصیت ہے جیسا کہ علم الکلام میں ان کی تحقیق کی گئی ہے۔ اس کے باوجود انبیائے کرامؑ سے بہت سی باتیں جو سہواً یا بطور بشریت ثابت ہوئی ہیں انہیں ''لغزش'' کہا جاتا ہے مگر ان کا نام ''ترک افضل'' رکھنا افضل ہے۔

اور اگر کسی صحابی سے کوئی ایسی بات صادر ہو جو ان کے مقام کے لائق نہیں تو یہ بعید از امکان نہیں اور جب صحابہ کرامؓ کے درمیان مشاجرات رونما ہوئے تو ان کی آپس میں جنگیں بھی ہوئیں سخت کلامی بھی ہوئی اور ایسے امور بھی سرزد ہوئے جن میں تامل کرنے والے کو توحش ہوتا ہے۔

لیکن ہمارا اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ ایسے امور میں حتی الوسع تاویل کی جائے اور جہاں تاویل ممکن نہ ہو، وہاں روایت کا رد کر دینا واجب ہے اور سکوت اختیار کرنا اور طعن سے گریز کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ بات قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اکابر سے مغفرت اور بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ آگ ان کو نہیں چھوئے گی۔ اور جو شخص ان پر زبان طعن دراز کرے اس کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔

پس تمام صحابہ کرامؓ سے حسن ظن رکھنا اور ادب واحترام بجالانا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ سلف صالحین، اہل حدیث واصول کا یہی مذہب ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں اسی پر ثابت قدم رکھے۔

اور اکثر لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی کرتے ہیں شاید اس میں یہ حکمت ہے کہ ان سے کوئی چیز صادر ہوئی اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ رہتی دنیا تک ان کے لیے اعمال صالحہ

کا سلسلہ جاری رہے (کیونکہ جو لوگ ان کی برائی کرتے ہیں وہ غیبت کے مرتکب ہیں اس کی پاداش میں ان کی نیکیاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملتی ہیں۔اس لیے یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید نہیں کرتے بلکہ درحقیقت اپنی نیکیوں کا تحفہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں)اور بہت ممکن ہے کہ ایک چیز کو تم ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔

(الناهية عن طعن امير المؤمنين معاوية رضي الله عنه ص۵۔تحت "فصل في النهي عن ذكر التشاجر" ، ص۳۲۔تحت "فصل الاجوبة عن مطاعنه")

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء) فرماتے ہیں کہ:

...صحابہؓ کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ، احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود وماَول قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایات تاریخ؟ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ص ۲۶۶)

اہل سنت والجماعت کا اعتقاد ہے کہ صحابہ کرامؓ معصوم نہ ہونے کے باوجود خطاؤں سے محفوظ تھے اور جن بعض صحابہؓ سے بشری تقاضے کے تحت بعض اوقات اگر لغزشیں صادر بھی ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی معافی کا اعلان کر دیا:

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ، وَلَقَدْ عَفَا عَنْهُمْ۔ (آل عمران ۱۵۲،۱۵۵)

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آل عمران ۱۵۹)

تمام صحابہ کرامؓ جنتی ہیں "وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" (الحدید ۱۰)

جب اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کی بدولت صحابہؓ کے ساتھ حالت کفر میں شدید ترین عداوت کو بھی باہمی مودت سے بدل دیا ہے (عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً۔الممتحنہ ۷) تو پھر وہ ذات صحابہ کرامؓ کے باہمی نزاعات ومشاجرات (جو حالت اسلام میں پیش آئے) میں پیدا ہونے والی کدورت کو مودت میں کیوں تبدیل نہیں کرے گی؟

اگر بالفرض یہ کدورت دنیا میں ان کی وفات تک دور اور زائل نہ بھی ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ کا اہل جنت کے متعلق یہ اعلان ہے کہ:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ٥ (الحجر ۴۷)

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ۔ (الاعراف ۴۳)

ہم ان کدورتوں کو ان کے دلوں سے نکال دیں گے اور وہ جنت میں تختوں پر ایک دوسرے

کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کو یہ خوش خبریاں دیں کہ وہ ان کے "سیات کو" حسنات "میں بدل دے گا۔"اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ"(سورہ ہود ۱۱۴)

یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

"وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ"(الطلاق ۵)

جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ مٹا دے گا۔

"فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ"(الفرقان ۷۰)

ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا۔

تو کیا وہ صحابہ کرامؓ کی لغزشوں اور خطاؤں کو "حسنات "میں تبدیل نہیں کرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے تو خصوصیت اور تاکید در تاکید کے ساتھ ان کے "سیـــات "کو اس انداز کے ساتھ مٹا دینے کا اعلان کیا ہے کہ گویا وہ خطائیں وجود ہی میں نہیں آئی تھیں:

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ (ال عمران ۱۹۵)

اس آیت میں دو کلمات خاص طور پر قابل غور ہیں، ایک "لَاُكَفِّـــرَنَّ عَنْهُـم" اور دوسرا "وَلَاُدْخِـلَـنَّهُـم۔" ان دونوں کلمات میں ہر صیغہ فعل مضارع واحد متکلم کا ہے۔ یہ دونوں صیغے دراصل "اُكَـفِّـرُ" اور "اُدْخِـلُ" ہیں۔ دونوں صیغوں کی ابتداء میں قاعدہ صرفیہ کے مطابق "لام تاکید" لایا گیا ہے۔ اور دونوں کے اجراء میں نون ثقیلہ یعنی مشددہ بھی تاکید ہی کے لیے آیا ہے۔ اس طرح ہر کلمے میں دو تاکیدیں ذکر کی گئی ہیں جس سے آیت میں کل چار تاکیدیں جمع ہو گئیں۔ اس لیے ہر کلمے کے ترجمہ میں دو تاکیدوں کا لحاظ رکھنا چاہیے مثلاً:

"لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ" کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے کہ:

میں ضرور بالضرور ان (یعنی صحابہؓ) کی سیآت کو مٹا دوں گا۔ اور

"وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ" کا ترجمہ یوں ہو گا کہ:

اور میں ضرور بالضرور ان (یعنی صحابہ کرامؓ) کو جنت میں داخل کروں گا۔

گویا زیر نظر آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار تاکیدات کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ میں صحابہؓ کے سیآت کو ضرور بالضرور مٹا دوں گا اور ضرور بالضرور انہیں جنت میں داخل کروں گا۔ اس کے

بعد فرمایا:

"ثَوَاباً مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ" یہ اللہ کی طرف سے ان کے اعمال صالحہ کا نیک بدلہ ہے جس سے وہ سرفراز ہوں گے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ آیت میں تاکیدات کے ساتھ "لَاُکَفِّرَنَّ" استعمال کیا گیا ہے جس کا مادہ اور مصدر "تکفیر" ہے۔امام راغب اصفہانی "تکفیر" کی لغوی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "تکفیر کا معنی کسی چیز کا چھپانا اور ڈھانک لینا ہے اس طور پر کہ وہ چیز یا عمل گویا وجود میں ہی نہیں آیا۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ کے سیآت کی اس طرح پردہ پوشی فرمائیں گے کہ گویا ان سے وہ گناہ سرزد ہی نہیں ہوئے۔پھر ان کے دخول جنت کا وعدہ بھی تاکیدات کے ساتھ کیا گیا ہے اور اگر تاکیدات نہ بھی ہوتیں اور صرف وعدہ ہی ہوتا تب بھی وہ کافی ہوتا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے قول اور وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

اس تفصیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی خطاؤں کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر کے ان سے اپنی دائمی رضا اور جنت کا وعدہ کر دیا ہے اس لیے اب کسی بھی فرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی خطاؤں کو زبان پر لائے اور ان کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرے۔

یہ ملحوظ رہے کہ یہ ان خطاؤں کا معاملہ ہے جو "فی الواقع" خطائیں سمجھی جاتی ہیں جیسے حضرت ماعزؓ، امرأۃ غامدیہؓ، حضرت حسانؓ، حضرت مسطحؓ، سیدہ حمنہؓ، حضرت حاطبؓ کے واقعات لیکن ان حقائق کے باوجود ان خطاؤں کے بارے میں "کف لسان" اور ذکر بالخیر کا ہی حکم دیا گیا ہے۔

ان خطاؤں کے برعکس "مشاجرات" اور "اجتہادی اختلافات" پر تو حقیقت نفس الامری میں بھی گناہ یا خطاء کا اطلاق ہرگز نہیں ہو سکتا۔خلفائے راشدین، ان کے امراء و گورنروں اور دیگر صحابہؓ وائمہ مجتہدین میں سے کس کس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان سے کبھی "خطائے اجتہادی" سرزد نہیں ہوئی؟ کیا ان کی خطائیں بھی زیر بحث لائی جاتی ہیں؟

پھر معلوم نہیں کہ تمام صحابہؓ وائمہ مجتہدین کی اجتہادی خطاؤں کو "نظر انداز" کر کے تنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو ہدف تنقید کیوں بنایا جاتا ہے؟ کیا باقی سب حضرات اپنے اجتہاد میں ہمیشہ "مصیب" ہی تھے۔پھر یہ بھی کوئی قطعی بات نہیں کہ جسے "مجتہد مصیب" کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مصیب ہو اور جسے "مجتہد مخطی" کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مخطی

ہو۔ کیونکہ "مصیب" قرار دیے جانے کے باوجود "خطاء" کا احتمال باقی رہتا ہے اور "مخطی" کہنے کے باوجود "صواب" کا احتمال ہوسکتا ہے یعنی "صواب محتمل الخطاء" اور "خطاء محتمل الصواب"۔ لہٰذا ایسی صورت میں صحابہؓ وائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک فریق یا فرد کو پورے تیقن کے ساتھ مخطی کہنا، کہلوانا اور دوسروں سے جبراً منوانا "ذکر بالخیر" اور "کف لسان" کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں امت کو واضح حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"إذا ذكر أصحابي فأمسكوا" (طبرانی بحوالہ مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص ۵۸۱)

جب میرے صحابہؓ کا ذکر کرو تو اپنی زبانوں کو بند رکھو۔

"إيا كم و ماشجربين أصحابي" (حوالہ مذکور)

میرے صحابہؓ کے درمیان جو جھگڑے ہوئے ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

سخت تعجب ہے کہ ہمارے علماء کرام، ائمہ مجتہدین کو "مخطی" کہنے میں تو ان کی بے ادبی تو ہین سمجھتے ہیں لیکن دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو موقع بے موقع "مخطی" کہنے، کہلوانے کو "حب علیؓ" کا تقاضا خیال کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ:

"چاروں امام وحدتِ حق کے قائل ہیں اور "المجتهد يخطى ويصيب" کے مدلول کو صحیح جانتے ہیں لیکن تاہم کسی مجتہد کا جھٹ پٹ مخطی کا لفظ استعمال کرنے کو نازیبا اور خلاف احتیاط سمجھتے ہیں...

امام احمد کے اس کلام سے اندازہ کرو کہ ایسے بڑے بڑے جلیل القدر اور رفیع المنزلت ائمہ پر یقین رکھنے کے باوجود کہ ہر مسئلہ میں حق صرف ایک ہی ہوسکتا ہے پھر بھی اپنے مخالف کے تخطیہ میں کس قدر محتاط تھے چنانچہ جو کچھ بھی حسن ظن ائمہ کرام کی نسبت آج باقی ہے وہ ان ہی پاک نفس بزرگوں کی احتیاط اور بے تعصبی اور فراخ دلی اور حسن تادیب کا نتیجہ ہے۔" (ہدیہ سنیہ ص ۴۰، ۴۳)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معارف القرآن جلد دوم ص ۱۴۳-۱۴۴، جلد ۸ ص ۳۸۲

اگر امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور دیگر ائمہ مجتہدین کے تخطیہ کے بارے میں یہ احتیاط ملحوظ رکھی جاسکتی ہے تو کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کم از کم یہ سلوک روا نہیں رکھا جاسکتا؟

کاش کہ بسلسلہ ''مشاجرات''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی حسن ظن اورادب واحتیاط کا ''کم ازکم''وہی سلوک ملحوظ رکھ لیاجاتا جوائمہ مجتہدین کے ساتھ روا رکھا گیا ہے۔لیکن یہاں تواس سلوک کے بالکل ہی برعکس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو''خاطی'' ثابت کرنے کے لیے''خارجی فتنہ'' جیسی بڑی بڑی ضخیم کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے''مشاجرات صحابہؓ'' کا شرعی حکم واضح ہوگیا ہے کہ اصحاب پیغمبرؐ کا ذکر ہمیشہ''بالخیر''ہی کرنا چاہیےاوران کے باہمی اختلافات ومشاجرات کے بارے میں''امساک، توقف اورسکوت اختیارکرنا چاہیے کیونکہ اسی صورت میں ایمان کی سلامتی اورصحابہؓ کے بارے میں ہرطرح کی بدظنی سے حفاظت ہے۔

جب کہ اس کے بالمقابل صحابہؓ کا تخطیہ اہل سنت والجماعت کا اصل مذہب نہیں ہے بلکہ ایک رخصت اور"مَـخْلَصْ"ہے۔یعنی اصل تو یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مشاجراتی اوراجتہادی خطا کوبھی زبان پر نہ لایا جائے لیکن اگرکسی وقت کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی وجہ سے یہ موضوع زیربحث آ بھی جائے تواجتہادی خطاءوصواب سے زیادہ کوئی لفظ ہرگز استعمال نہ کیاجائے۔

محقق اہل سنت،سابق شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی صاحبؒ اپنے شاگردرشیدمولاناظہورالٰہی صاحب کےنام ایک خط میں ارشادفرماتے ہیں کہ:

''سیدناومولاناحضرت علیؓ سے متعلق بالکل میراوہی عقیدہ ہے جواصولی طورپراہل السنّت والجماعت کا ہےاس مسئلہ میں میری کوئی الگ رائے ہرگزنہیں ہے البتہ اپنے دوسرےاورچھوٹے سرداراورمولیٰ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جوادھراُدھرکی ہانکی جاتی ہیں ان سے میں ضروربیزارہوں۔ان کوجائر، عادل عن الحق، ظالم، تارک القرآن والحدیث اورباغی طاغی کہنا تو بہت دورکی بات ہے میں تو ان کو''مخطی'' کہنے کے لیےبھی تیارنہیں بلکہ حضرت علیؓ کی طرح ان کوبھی مصیب ہی سمجھتااورکہتاہوں۔اگریہ''جرم''ہےتواس''جرم''سے میں بازنہیں آسکتا۔''

باری تعالیٰ امت مسلمہ کوجملہ صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوءظن اوربدگمانی سے بچاکرکامل حسن ظن نصیب فرمائے۔آمین

☆☆☆☆☆☆

# سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین کا شرعی حکم سے تجاوز

گذشتہ بحث میں قرآن، حدیث، کتبِ عقائد اور سلف صالحین کی تصریحات کی روشنی میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا ذکر ہمیشہ "بالخیر" ہی کرنا چاہیے اور مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں اول تو "امساک، توقف اور سکوت" ہی "احوط، اسلم، اقویٰ، احسن، سلامتی ایمان اور بدظنی سے حفاظت ہے۔ لیکن اگر کسی وقت کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی وجہ سے اس موضوع پر کلام کرنا پڑ ہی جائے تو بطور "رخصت اور مَخْلَص" اجتہادی خطاوصواب کا پہلو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" کی فہرست میں جن حضرات کے نام آئے ہیں ان میں سے بعض تو یقیناً سنیت کے لبادے میں "رفض وتفضیلیت" کے نمائندے ہیں جب کہ اکثر حضرات اہل سنت والجماعت کے اساطین میں شامل ہیں لیکن انہوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر بالکل بے موقع و بے محل اور بلاضرورتِ شرعیہ وشدیدہ بلکہ بعض ایسے امور میں بھی جن کا سرے سے مشاجرات صحابہؓ کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شدید ترین تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو یقیناً "مشاجرات صحابہؓ کے شرعی حکم" سے انحراف کے زمرے میں آتا ہے۔ بعض حضرات، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت بیان کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کے مرتکب ہوئے ہیں جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کے بغیر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ بیان کیا جا سکتا تھا۔ یہ وہی انداز ہے جو محمود احمد عباسی اور "مجلس عثمان غنیؓ کراچی" سے وابستہ حضرات نے اختیار کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان ومنزلت بیان کی ہے۔

حالانکہ نہ حضرت علیؓ کے دفاع کے لیے حضرت معاویہؓ کی تنقیص کی ضرورت تھی اور نہ ہی حضرت معاویہؓ کو اپنے مقام ومرتبہ پر رکھنے کے لیے حضرت علیؓ کی تعریض وتوہین کی کوئی ضرورت۔ یہ دونوں امور اہل السنّت والجماعت کے دائرے سے باہر ہیں جو "سبِ صحابہؓ" میں شامل ہیں۔

یہ ملحوظ رہے کہ حدیث میں ''سبّ صحابہؓ'' کی جو ممانعت آئی ہے اس سے مراد گالیاں دینا نہیں بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ ہے جو صحابہ کرامؓ کے استخفاف میں کہا جائے۔

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی (م ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء) فرماتے ہیں کہ:

''یہ ناکارہ عرض کرتا ہے کہ جس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرات خلفائے راشدینؓ سے کوئی نسبت نہیں، اسی طرح بعد کے لوگوں کو خواہ وہ کتنے ہی بلند و بالا ہوں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی نسبت نہیں۔ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین کے مقابلہ میں فروتر نظر آتے ہیں تو بعد کے لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں صفر نظر آتے ہیں۔ اگر (بالفرض) وہاں آسمان و زمین کا فاصلہ ہے تو یہاں عرش سے تحت الثریٰ تک کا فاصلہ ہے...

الغرض جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ خلفائے راشدینؓ سے کرنا بوالعجبی ہے اسی طرح ناقدین معاویہؓ کا ان کو اپنے اوپر قیاس کرنا بھی کچھ کم بوالعجبی وستم ظریفی نہیں۔

ان ناقدین میں آخر کون ہے جس کو بحالت ایمان زیارت نبویؐ کا شرف حاصل ہوا ہو اور جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نمازیں پڑھنے کی سعادت میسر آئی ہو؟ ایسا کون ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب اور برادر نسبتی ہونے کا فخر حاصل ہو؟ ایسا کون ہے جس کے حق میں ہادی و مہدی ہونے کی دعا ہو؟'' (شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم ص ۴۱۶ ـ ۴۱۷)

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی صحابہ کرامؓ پر شدید ترین تنقید پر مبنی کتاب ''خلافت و ملوکیت'' کی اشاعت کے بعد مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب نے ماہنامہ بینات (محرم ۱۳۹۰ھ) کے اداریہ میں ''عصمت انبیاء علیہم السلام اور حرمت صحابہؓ'' کے عنوان سے ایک انتہائی اہم مضمون سپرد قلم فرمایا تھا جو حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کی تالیف لطیف ''خلافت و ملوکیت کی تاریخی اور شرعی حیثیت'' (صفحہ نمبر ۵۵ تا ۶۷) اور علامہ خالد محمود کی کتاب ''خلفائے راشدین'' (حصہ اول صفحہ نمبر ۹ تا ۱۶) میں بطور ''مقدمہ'' شائع ہوا۔

مذکورہ مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اسے ''تحریک خدام اہل سنت والجماعت'' چکوال نے بھی مولانا محمد بنوری اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی باقاعدہ اجازت (۱۶۔ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ) سے ۳۲ صفحات پر مشتمل ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رقم طراز ہیں کہ:

''مقام صحابہؓ کی اس سے بڑھ کر نزاکت اور کیا ہو سکتی ہے کہ امت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ

ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون ومردود سمجھیں بلکہ برملا اس کا اظہار کریں۔ فرمایا...

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں اور انہیں ہدف تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے یعنی صحابہ اور ناقدین صحابہ میں سے جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت (ظاہر ہے کہ صحابہؓ کو برا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا)

یہاں تمام احادیث کا استیعاب مقصود نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ ان قرآنی ونبوی شہادتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضرات صحابہ کرام میں عیب نکالنے کی کوشش کرے تو اس بات سے قطع نظر کہ اس کا یہ طرزِ عمل قرآن کریم کے نصوص قطعیہ اور ارشادات نبوت کے (انکار کے) مترادف ہے یہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے نبی کریمؐ پر جو فرائض بحیثیت مقصد نبوت کے عائد کیے تھے اور جن میں اعلیٰ ترین منصب تزکیہ نفوس کا تھا، گویا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرائض منصبی کی بجاآوری سے قاصر رہے اور صحابہ کرام کا تزکیہ نہ کر سکے اور یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے۔ حق تعالیٰ تو ان کے تزکیہ کی تعریف فرمائے اور ہم انہیں مجروح کرنے میں مصروف رہیں۔ اور جب نبی کریمؐ ان کے تزکیہ سے قاصر رہیں تو گویا حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب صحیح نہیں فرمایا تھا۔ اناللہ!

بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں قصور نکلا تو اللہ تعالیٰ کا علم غلط ہوا۔ نعوذباللّٰہ من الغواية والسفاهة...

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ، بعد کی امت کے لیے حق وباطل کا معیار ہیں۔ انہیں معیت نبوت کا جو شرف حاصل ہوا، اس کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی فضیلت ایک جو کے برابر بھی نہیں۔ کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب کو ان کی خاک پا بننے کا شرف حاصل ہو جائے تو اس کے لیے مایۂ صد افتخار ہے۔ اس لیے امت کے کسی فرد کا خواہ وہ اپنی جگہ مفکر دوران اور علامہ زمان ہی کہلاتا ہو ان پر تنقید کرنا قلبی زیغ کی علامت ہے...

اہل حق کی شان تو یہ ہے کہ اگر ان کے قلم وزبان سے کوئی نامناسب لفظ نکل جائے تو تنبیہ کے بعد فوراً حق کی طرف پلٹ آئیں...

(مولانا یوسف لدھیانویؒ نے حضرت بنوری کی محولہ حدیث "إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا لعنة الله على شركم" کے تحت حسب ذیل "توضیحی نوٹ" دیا ہے:)

ا۔ حدیث میں سب سے بازاری گالیاں دینا مراد نہیں بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ مراد ہے جو ان حضرات کے استخفاف میں کہا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ پر تنقید اور نکتہ چینی جائز نہیں بلکہ

وہ قائل کے ملعون ومطرود ہونے کی دلیل ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو ایذا دینے میں حبط اعمال کا خطرہ ہے۔

۳۔ صحابہ کرام کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا ملت اسلامیہ کا فرض ہے۔

(فانّ الامر للوجوب)

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ناقدین صحابہ کو ایک ایک بات کا تفصیلی جواب دیا جائے کیونکہ اس سے جواب اور جواب الجواب کا ایک غیر مختتم سلسلہ چل نکلے گا۔ بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ ہے "لعنة الله علی شرّکم"

"شـــــرّکـــم" اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقدین صحابہ کے لیے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے لیے تنقید صحابہ کے روگ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل کھلی ہے کہ صحابہ کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے ...... تم میرے صحابہ کو لاکھ برا کہو مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی میرے صحابہ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر تم میرے صحابہ کو بدنام کرتے ہو تو کیا میرا خدا تمہیں سر محشر سب کے سامنے رسوا نہیں کرے گا؟ اگر تم میں انصاف اور حیا کی کوئی رمق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور میرے صحابہ کے بارے میں زبان بند کرو۔ اور اگر تمہارا ضمیر بالکل مسخ ہو چکا ہے تو بھری دنیا یہ فیصلہ کرے گی کہ کیا میرے صحابہ پر تنقید کا حق ان کپوتوں کو حاصل ہونا چاہیے......

۶۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقید صحابہ کا منشا ناقد کا نفسیاتی شر اور خبث وتکبر ہے۔ آپ جب کسی شخص کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے..... یہ ہے تکبر کا وہ "شر" اور نفس کا وہ خبث جو تنقید صحابہ پر ابھارتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی "شر" کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

۷۔ حدیث میں بحث ومجادلہ کا ادب بھی بتایا گیا ہے یعنی خصم کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ تم پر لعنت۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ تم دونوں میں جو برا ہو اس پر لعنت۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی منصفانہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا چاہیے ۔اس میں کسی کے برہم ہونے کی گنجائش نہیں ۔

اب رہا یہ قصہ کہ تم دونوں میں ''برا'' کا مصداق کون ہے؟ خود ناقد؟ یا جس پر وہ تنقید کر رہا ہے؟ اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں، دونوں کے مجموعی حالات سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے نکال سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی برا ہو سکتا ہے یا اس کا خوش فہم ناقد؟

۸۔ حدیث میں "فقولوا" کا خطاب امت سے ہے، گویا ناقدین صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت نہیں سمجھتے بلکہ انہیں امت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں اور یہ ناقدین کے لیے شدید وعید ہے، جیسا کہ بعض دوسرے معاصی پر "فلیس منا" کی وعید سنائی گئی ہے ۔

۹۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ناموسِ شریعت کا اہتمام تھا اسی طرح ناموسِ صحابہ کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا کیونکہ ان ہی پر سارے دین کا مدار ہے ۔

۱۰۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناقدین صحابہ کی جماعت بھی ''مارقین'' سے ہے جن سے جہاد باللسان کا حکم امت کو دیا گیا ہے ۔ یہ مضمون کئی احادیث میں صراحۃً بھی آیا ہے ۔(عصمتِ انبیاء وحرمتِ صحابہ ص ۱۹ تا ۲۲ ۔ مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت مدنی جامع مسجد چکوال )

ایک مرتبہ ابو سعید خدریؓ ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص میں کوئی بات کہی تو وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے پھر انہوں نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جس نے حضرات انصارؓ کی ''ہجو'' کی تھی ۔اسے حضرت عمرؓ کے پاس پکڑ کر لایا گیا تو حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل نہ ہوتی تو مجھے معلوم نہیں کہ اس نے کیا ''ہجو'' یا تنقیص کی ہے تو میں تم سب کی طرف سے اسے کافی ہوتا لیکن اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے ۔

حضرت عمرؓ نے اس صحبت کی وجہ سے اسے عتاب کرنے میں بھی توقف کیا چہ جائیکہ اسے سزا دیتے (وقد توقف عمرؓ عن معاتبته فضلاً عن معاقبته)

اس واقعہ میں اس بات کی بڑی واضح دلیل ہے کہ خلفائے راشدین کا یہ اعتقاد تھا کہ شرف صحابیت کے برابر کوئی چیز نہیں ۔

(الاصابہ لابن حجر عسقلانی ص ۱۱۔۱۲ ۔طبع بیروت، لبنان ۱۳۲۸ھ )

حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس واقعہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرنے والے

کو اشتباہ کیا کہ حضرت عمرؓ نے ''شرف صحابیت'' کا لحاظ کرتے ہوئے سزا دینا تو دور کی بات ہے انہیں قابل عتاب بھی نہ سمجھا۔لہٰذا اگر کوئی غیر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی بھی صحابی کو ہدف تنقید بنائے گا تو وہ ''عقاب وعتاب'' کا مستحق ہوگا۔

غیر متعصب، غیر جانبدار اور شخصیت پرستی سے پاک قارئین کرام ہی فیصلہ فرمائیں کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص پر مبنی بعض اساطین اہل سنت والجماعت کے حسب ذیل کلمات ''أکرموا أصحابی''، ''ذکر بالخیر'' اور ''کف لسان'' کے حکم میں آتے ہیں؟

''ایک شخص نے محدث عبدالرزاق م۲۱۱ھ (راوی صحیح بخاری) کے سامنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو موصوف نے فرمایا کہ:

ہماری مجلسوں کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے گندہ نہ کرو۔

امام محمد بن جریر بن یزید (سنّی) طبری (م۳۱۰ھ) حضرت عمر، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہم کی شدید توہین و تنقیص کے علاوہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ جابجا نہ صرف ''لعنہ اللہ'' کے الفاظ نقل کرتے ہیں بلکہ ان کے خلاف خلیفہ مامون عباسی کا تیار کردہ موجبات لعن وطعن پر مشتمل ایک رسالہ بھی منظر عام پر لے آئے جس میں حضرت معاویہؓ پر لعن وطعن کے دلائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آخر میں یہ بددعا بھی نقل کی گئی ہے: اللهم العن أباسفيان بن حرب و معاوية إبنه ...'' (تفصیل آگے اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں)

امام ابوبکر جصاص رازی م۳۷۰ھ فرماتے ہیں کہ:

عبدالملک اور حجاج سے بڑھ کر پورے عرب میں اور آل مروان میں کوئی کافر، ظالم اور فاجر نہیں، نیز معاویہ، عبدالملک اور حجاج کی مثل ہے۔

معاویہ ''لاینال عهدی الظلمین'' کی رو سے امامت، خلافت اور امارت کا مستحق نہیں، معاویہ ایک متغلب حکمران تھا، حضرت علیؓ، حضرات حسنینؓ اور دیگر صحابہ وتابعین معاویہ سے دوستی ومحبت نہیں رکھتے تھے بلکہ اس پر لعنت وتبرا اور اس سے نفرت کرتے تھے، ''أئمة الكفر'' میں ابوسفیان اور ان کا گروہ شامل تھا۔

محدث امام حاکم نیشاپوری م۴۰۵ھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکاروں سے سخت منحرف اور بیزار تھے جس کا کوئی عذر بیان نہیں کیا جا سکتا اور اعلانیہ کہتے تھے کہ میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آرہی۔

امام برہان الدین مرغینانی م۵۹۳ھ صاحبِ ہدایہ کے نزدیک حضرت معاویہؓ ''سلطان جائر'' تھے،

علامہ سعدالدین تفتازانی م۷۹۲ھ فرماتے ہیں کہ:

تعظیم لفظ علی سے ماخوذ ہے کہ اس میں ''علو'' یعنی سربلندی کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اہانت لفظ معاویہ سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ ''عویٰ'' سے مشتق ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے، معاویہ فاسد تاویل کرتا تھا۔ اول جس نے اسلام میں بغاوت کی ہے وہ معاویہ ہے۔

میر سید شریف جرجانی م۸۱۶ھ کے نزدیک حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اختلافات اجتہادی نہیں تھے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی م۸۹۸ھ کے نزدیک بھی یہ خطائے اجتہادی نہیں بلکہ ''خطائے منکر'' یعنی ناپسندیدہ خطا تھی۔

ملاعلی قاری حنفی م۱۰۱۴ھ کے نزدیک:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطی، باغی، طاغی، حضرت علیؓ کے نافرمان اور حکم عدول تھے۔ انہوں نے منفی خلافت کی طلب وخواہش ترک نہیں کی، ظاہری ہی نہیں بلکہ باطنی اور حقیقی بغاوت اختیار کی، قصاص عثمانؓ کا لبادہ ریاکارانہ طور پر اوڑھا اور انہوں نے قرآن وحدیث دونوں کے احکام ترک کر دیے۔ انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہ کو مذکورہ امور کا مرتکب سمجھا جائے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی م۱۰۵۲ھ فرماتے ہیں کہ:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کو اپنے نسب میں شامل کر کے احکامات رسالت مآبؐ کی نفی کی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ دونوں ''فسادی'' تھے، مدینہ منورہ میں مسلم بن عقبہ (جس کے ہاتھوں واقعہ حرہ میں عصمت دری، قتل وغارت، مسجد نبویؐ اور مدینۃ النبیؐ کی پامالی کے جو واقعات رونما ہوئے) کی تقرری کی وصیت بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ نیز بیعت معاویہؓ ''بیعت ضلالت'' تھی۔

ملاجیون م۱۱۳۰ھ صاحب نورالانوار نے ایک فیصلے کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ''جہل باطل'' کی نسبت کی ہے جو آخرت میں عذر کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی م۱۲۲۵ھ فرماتے ہیں کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی اور باطل پر تھے اور ان کی خلافت بھی اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے قائم نہیں ہوئی تھی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی م ۱۲۳۹ھ فرماتے ہیں کہ:

حضرت معاویہؓ امام وقت کی اطاعت چھوڑ کر حق پر نہیں رہے، باغی کا کردار ادا کرتے رہے، اہل سنت انہیں ''امام'' یا ''خلیفہ'' نہیں کہتے بلکہ وہ (من شرالملوک) بادشاہ تھے، انہوں نے مردود زمانہ زیاد بن ابیہ کو اپنے نسب میں شامل کر کے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی۔ چونکہ بغاوت بھی گناہ کبیرہ ہے لیکن اس کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکب پر لعن جائز نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعدؓ کو حکم دیا کہ وہ حضرت علیؓ پر ''سب'' کریں۔ بعض طرف داران معاویہ رضی اللہ عنہ یہاں تاویل کرتے ہیں بہتر یہی ہے کہ ان کو مرتکب کبیرہ کا جاننا چاہیے لیکن زبان طعن ولعن بند رکھنا چاہیے، محققین اہل حدیث کے نزدیک مطالبۂ قصاص عثمانؓ و جنگ صفین وغیرہ جیسی حرکات شائبۂ نفسانی سے خالی نہ تھے۔ یہ حرکات اموی تعصب کی بناء پر صادر ہوئیں جس کا غایت نتیجہ یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور باغی قرار دیے جائیں۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی م ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء فرماتے ہیں کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہر چند بظاہر تمکین میسر آئی لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی، خلفائے اربعہ کے اطوار و انداز اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اطوار اور انداز میں زمین و آسمان کا فرق تھا، ان کا طور ملوک کا سا تھا، اہل سنت ان کو صحابی سمجھتے ہیں لیکن خلفاء میں نہیں گنتے، ملوک میں شمار کرتے ہیں، اگر کسی نے خلیفہ کہہ بھی دیا تو اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں اس کے معنی فقط جانشین ہیں سو تمہی کہو اس میں کیا بزرگی ہے اگر کسی نیک آدمی کی جگہ کوئی بدمعاش بیٹھ جائے تو اس کو جانشین تو ضرور کہیں گے پر اس میں کچھ بزرگی نہ نکلے گی ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے جب کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس باب میں نہ خلیفہ راشد ہیں نہ ناخلف ہیں۔

استخلاف یزید کے معاملہ میں حضرت معاویہؓ پر ترک افضل کا گناہ نہیں تھوپا جاسکتا کہ امیر معاویہؓ کے ساتھ گالم گلوچ سے ہم پیش آئیں اور پھر ہم امیر معاویہؓ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے کہ افضل اور اولیٰ کے ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں۔

قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ م ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء فرماتے ہیں کہ:

اور معاویہؓ کا محاربہ حضرت امیرؓ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے

ہیں، ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں مگر معاویہ اس خطاء کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے، فسق و گناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا اور حضرت امیرؓ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہؓ اوران کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن نہیں کرنے دیا اور منع لعن سے فرمایا اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ منع لعن کی ہوتی۔البتہ اس میں بسبب شبہ تاویل بھی آ گئی تھی اور یہ خود یقین ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔سو اس نص سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ حرب معاویہ سے خطاء ہوئی مگر بتاویل۔

خاتمۃ المحدثین علامہ محمد انور شاہ کاشمیری ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء فرماتے ہیں کہ:

امام بخاری اپنی صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں یہ روایت لائے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک غلام نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حضرت معاویہؓ کے متعلق یہ شکایت کی کہ انہوں نے ایک رکعت وتر ادا کی ہے تو ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ انہوں نے درست کیا ہے کیونکہ وہ صحابی اور مجتہد ہیں۔حضرت شاہ صاحبؒ اس ''تصویب'' سے اختلاف کرتے ہوئے جواباً حضرت ابن عباسؓ ہی سے مروی طحاوی کی روایت پیش کرتے ہیں جس کے مطابق حضرت ابن عباسؓ نے ''تصویب'' نہیں کی بلکہ فرمایا:

''من أین تری أخذھا الحمار'' اس گدھے نے ایک رکعت کہاں سے لے لی؟

حالانکہ رکعات وتر میں اختلاف فقہی اور اجتہادی ہے اور اس نوعیت کے اختلاف میں ادب واحترام ملحوظ رکھا جاتا ہے اور ''حمار'' کہنا یقیناً اس کے منافی ہے۔حضرت شاہ صاحبؒ اس ''حمار'' والی روایت کو صحیح سمجھ کر صحیح بخاری کی روایت کے جواب میں معرض استدلال میں لائے ہیں۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی م ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء فرماتے ہیں کہ:

ابن عم رسول خلیفہ راشد علی المرتضی اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا؟

چراغ مردہ کجا، شمع آفتاب کجا۔

امیر معاویہؓ ایک دنیوی حکمران تھے اوران کی حکومت دنیوی بادشاہت تھی، امیر معاویہؓ میں یقیناً کمزوریاں تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ان کی ناحق صف آرائی اور اس میں کامیابی کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل کا استعمال، حضرت علیؓ پر سب وشتم کی رسم، یزید کی ولی عہدی یہ سب ان کی ایسی کھلی ہوئی غلطیاں ہیں جن سے کوئی حق پرست انکار نہیں کر سکتا۔

مولانا **ابوالکلام آزاد** م ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۸ء فرماتے ہیں کہ:

فـأيـن الثـريـا وأيـن الثـرى

وأيـن مـعـاويـة مـن عـلـيؓ

موصوف کی حضرت معاویہؓ پر طعن اور تبرا کی تفصیل زیر نظر کتاب میں اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی م۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء فرماتے ہیں کہ:

حضرت علی مرتضیٰ سابقین اولین کی پہلی صف کے اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہؓ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰؓ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال (جوتوں کی صف) میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔

سید قطب (م۱۹۶۶ء) نے بھی اپنی کتاب "العدالة الاجتماعية في الاسلام" میں حضرت عثمان، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ھند اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہم کو خوب ہدف تنقید بناتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "سبائیہ" کے عائد کردہ تمام الزامات نقل کر دیئے کہ ان کی خلافت "ملک عضوض" میں شامل ہے اور انہوں نے صحابہ و تابعین کو ڈرا دھمکا کر، دھونس، دھاندلی اور مال کے ذریعے یزید کی بیعت پر آمادہ کیا۔

ابوحنیفہ ثانی مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی م۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء فرماتے ہیں کہ:

حضرت معاویہؓ نے یزید کے لیے بیعت لینے میں غلطی کی۔ لیکن اس غلطی کے باوجود یزید کے اعمال وافعال کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوگی۔ اس لیے حضرت معاویہؓ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنی چاہیے۔

(ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس غلط کام کی صحابہ و تابعین کی غالب ترین اکثریت نے تائید، حمایت وتوثیق کی تھی۔ چودہ صدیاں بعد معلوم ہوا کہ سب نے غلط کام کیا تھا)

مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی م۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء فرماتے ہیں کہ:

یزید نوجوانی میں ہی شراب پیتا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ:

بیٹا ایسے کام نہ کرو جس سے مروت ختم ہو جائے، دشمن خوش ہوں، دوست برا سمجھیں اور فرمایا کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی

ہے ۔کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت وعیش میں گزارتے ہیں۔

(کوئی کمزور اور فاسق باپ بھی اپنے بیٹے کو اس طرح کی نصیحت نہیں کرسکتا چہ جائیکہ ایک جلیل القدر صحابی اور فاتح عرب وعجم، خلیفۂ وقت...؟)

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین م۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۴ء فرماتے ہیں کہ:

از روئے نص قرآنی حضرت علیؓ کی پیروی حضرت معاویہؓ پر لازم ہے لیکن بجائے پیروی کے انہوں نے مخالفت کی اور صرف زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ بجائے اطاعت کے قتال کیا خواہ دفاعی ہو تو اس صورت میں حضرت معاویہؓ کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے؟ اس عدم اطاعت کی وجہ سے وہ رضائے الٰہی سے محروم ہو کر تیسرے طبقے سے بھی خارج ہو گئے، حضرت معاویہؓ نص قرآنی کے مخالف، باغی اور خاطی تھے۔وغیرہ۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی (م۱۴۲۶ھ) نے سیدنا ابوسفیانؓ، سیدہ ہندؓ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شدید ترین تنقید کا نشانہ بنایا کہ کربلا کا واقعہ بنوامیہ اور بنوہاشم کی دیرینہ عداوتوں کا ایک منطقی نتیجہ تھا۔فتح مکہ کے بعد یہ گروہ اسلام لایا بلکہ استسلام کیا۔اس کے بعد بھی وہ بدر کا غم نہیں بھولے، اسلام کے خلاف ہر سازش کی۔حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے خلاف حضرت علیؓ کو اکسایا۔جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں میں شکست کا غم وغصہ آج تک موجود ہے اسی طرح اس گروہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ سینہ کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مارتا رہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف سے ان لوگوں کا دل کبھی صاف نہیں ہوا۔

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی نے بھی جابجا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف خوب دل کی بھڑاس نکالی ہے کہ معاویہؓ "شر الملوک" تھا، حضرت عمرؓ نے دُرّے مار کر اس کی بڑائی کا احساس ختم کیا، وہ کاتب وحی نہیں تھے، لوگوں نے خوامخواہ یہ بات مشہور کر دی، اقتدار تو فاجر کو بھی ملتا ہے۔فرعون نے چار سو سال تک مصر پر حکومت کی تھی۔بغض علیؓ کی وجہ سے معاویہ کے فضائل ومناقب گھڑے گئے۔

مبلغ اسلام مولانا طارق جمیل صاحب فرماتے ہیں کہ:

"خلافت ختم ہو رہی تھی، حکومت آ رہی تھی جسے کوئی بڑا صحابی قبول نہیں کرسکتا تھا لہٰذا معاویہؓ نے قبول کرلی، معاویہؓ درجے کے اعتبار سے عبداللہ بن عمرؓ کے ناخن کے برابر بھی نہیں تھے۔حضرت معاویہؓ خطاء کے مرتکب ہوئے اسے صرف خطاء ہی کہو یہ "اجتہادی" وغیرہ تو ہمارے سابقے لاحقے ہیں تاویل نہ کرو، مانو خطاء ہوئی ہے۔خطاء کی تاویل کرنا تو کمزور راستہ ہے۔"

العجب۔ العجب و یاللعجب!!!

زیر بحث عنوان کے تحت یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق صرف ''علمائے حق'' کے چند کلمات پیش کیے گئے ہیں (تفصیل کتاب کے اندر ملاحظہ فرمائیں) کیا ان علماء کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس طرح کے ''ریمارکس'' دیں؟ کیا ان ''ریمارکس'' پر خطائے اجتہادی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے؟ کیا اکابر نے ان ریمارکس کے ذریعے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی بیان فرمائی ہے؟ کیا یہ ''ریمارکس'' سب اور طعن میں شامل نہیں ہیں؟ کیا ان ''ریمارکس'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین اور تنقیص نہیں پائی جاتی؟ کیا یہ ''ریمارکس'' فرامین نبویؐ:

''إذا ذکر أصحابی فأمسکوا'' اور ''إیّا کم و ما شجر بین أصحابی'' کی تعمیل ہے؟

کیا یہ ''ریمارکس'' صحابہ کرامؓ کے بارے میں اس عقیدے کہ ''ویکفّ عن ذکر الصحابۃ، و جوب الکفّ عن الطعن فیھم، فإنّا مأمورون بحسن الظنّ بالصحابۃ و نفی کلّ رذیلۃ عنھم'' کا اظہار ہے؟ کیا ''لا نذکرھم إلّا بالخیر'' کے اصول اور عقیدے کے تحت ان ''ریمارکس'' کا شمار ہو سکتا ہے؟

کیا یہ ''ریمارکس'' اور اقوال ''ومن أحسن القول فی أصحاب رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ و سلم.....'' کے عقیدے کے مطابق ہیں؟

کیا یہ ''ریمارکس'' احترام صحابیت کے جذبے کے ساتھ کچھ میل کھاتے ہیں؟

جو شخص مشاجرات صحابہؓ کے شرعی حکم سے انحراف اور تجاوز کرے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے انہیں ان کے ناخن کے برابر بھی قرار نہ دے یا انہیں ''خاطی، باغی، طاغی، جائر'' قرار دے یا حضرت علیؓ کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے انہیں ان کی ''صف نعال'' میں (وہ بھی مشروط طور پر) جگہ دے یا اس تقابل میں ''أین الثریا و أین الثریٰ'' کی مثال دے یا انہیں ''چراغ آفتاب'' (حضرت علیؓ) کے مقابلے میں ''چراغ مردہ'' کا مصرع قلم سے نکال دے وہ ایڈیٹر ماہنامہ ''تجلی'' مولانا عامر عثمانی کے الفاظ میں:

کتنا ہی بڑا عالم اور مداح صحابہ ہو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ نفس صحابیت کی قرار واقعی تقدیس سے اس کا وجدان عاری ہے.... عاجز کا ذہن تو احترام صحابیت کے باب میں کچھ ایسا ہے کہ اگر ایک طرف کوئی غیر معروف صحابی ہو جس کی کوئی نمایاں خدمت اور ممتاز سیرت سامنے نہ آئی ہو،

بس اتنا معلوم ہو کہ ایمان لانے کے بعد اس نے کفر اختیار نہیں کیا اور دوسری طرف حضرت علیؓ نہیں بلکہ خیر الامت حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوں اور پھر ان کے تقابل میں یہ مصرع (چراغ مردہ کجا، شمع آفتاب کجا) پڑھ دے تو مجھے ایسا محسوس ہوگا جیسے کسی نے رگِ احساس میں نشتر چبھا دیا ہے۔ صحابیت کے بے مثال شرف سے جو مومن مشرف ہو چکا ہو وہ "چراغ مردہ" کبھی نہیں ہو سکتا......

العظمۃ للّٰہ! "صحابیت" تو وہ گوہر نایاب ہے جس کے بارے میں ہمارے اور آپ کے بزرگوں کا اور خود ہمارا اور آپ (ماہر القادری مدیر فاران کراچی) کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ کسی بڑے سے بڑے امام، ولی اور شیخ وجد د کا تمام سرمایہ علم وتقویٰ بھی اس کا مول نہیں۔ پھر یہ کیسے قرین قیاس ہے کہ یہ عقیدہ جس کے دل میں اتر چکا ہو وہ اس خوش نصیب کو "چراغ مردہ" قرار دے جس کی خاتم حیات میں مشیت ایزدی نے یہ ہیرا جڑ دیا ہو، صحابہ کے لیے صحیح ترین تشبیہ وہی ہے جس کی نسبت سرور کونینؐ کی طرف کی گئی ہے "اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ"۔

زیادہ تفصیل میں جایئے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ ممتاز صحابہ چھوٹے بڑے چاند تھے اور باقی اصحابؓ ستارے، جو اپنی اپنی صلاحیت کے بقدر آفتاب نبوت کی ضیاء وطلعت سے مستنیر ہوئے۔ میرے نزدیک تو معاویہ بھی چاند ہی تھے لیکن کوئی اس سے متفق نہ ہو تو تارا کہہ سکتا ہے، مگر "چراغ مردہ"! .....

یہ لفظ تو بڑا ہی اہانت آمیز ہے۔ ویسے آپ لفظی وحشت کو نظر انداز کر دیں تب یہ محض غلو ہی ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ سے اتنی لامحدود برتری دی جائے۔ آپ (ماہر القادری) کی لطافت احساس اور قوت نقد سے مجھے توقع تھی کہ شاہ (معین الدین ندوی) صاحب کے قلم سے ایسا مصرع پڑھ کر چیں بجبیں ہوتے، انہیں تنبیہ کرتے کہ حضرت قلم کو قابو میں رکھئے کہ یہ کیسی توصیفِ معاویہؓ ہے کہ ایک ہی کروٹ میں آپ نے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ لیکن میری توقع پوری نہیں ہوئی۔ یوں نہیں ہوئی کہ فضائل علیؓ کے حق میں افراط کی وبا عام ہو چکی ہے اور احترامِ صحابیت کا کوئی جاندار احساس بہت کم پایا جا رہا ہے۔ محراب ومنبر پر اہل سنت کی زبان سے آپ مناقب علیؓ کے ساتھ معاویہؓ پر تبرا نہیں سنتے مگر اس خاموش تبرا اور تقلیل وتضلیل کو کیا کہیں گے جو بالواسطہ طور پر جاری ہے۔ آپ تو جیہ وتاویل کی سعی مت کیجیے بلکہ ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ عام رجو کچھ کہہ رہا ہے وہ محض وہم ہے یا حقیقت۔" (ماہنامہ تجلی۔ اکتوبر ۱۹۶۱ء بحوالہ تجلیات ص ۲۵۸۔۲۶۰)

☆☆☆☆☆☆

# ۱۔ راوی بخاری محدث عبدالرزاق

## (م ۲۱۱ھ)

امام ابو بکر عبدالرزاق صنعانی (ولادت ۱۲۶ھ) قبیلہ حمیر سے نسبت ولاء کی وجہ سے حمیری کہلاتے ہیں۔ صنعاء کے رہنے والے، ممتاز حافظ حدیث اور متعدد کتب کے مصنف ہیں۔

امام ذہبی کہتے ہیں کہ بہت سے ائمہ فن نے ان کی توثیق کی ہے۔ ان کی احادیث صحاح ستہ کی ساری کتابوں میں مذکور ہیں۔ البتہ کچھ احادیث کے بیان کرنے میں یہ منفرد ہیں۔ ان کی "تشیع" پسندی کو محدثین نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا حالانکہ یہ اس (یعنی تشیع) میں غلو سے کام نہیں لیتے تھے، صرف حضرت علیؓ سے محبت اور ان کے ساتھ لڑنے والوں سے بغض رکھتے تھے۔ انہوں نے ۲۱۱ھ میں بعمر ۸۵ سال وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ تحت امام عبدالرزاق صنعانی)

امام ترمذی نے عبدالرزاق محدث کے متعلق امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

"یھم فی بعض مایحدث بہ" (العلل الکبیر جلد ۱۔ ص ۵۳۵)

عبدالرزاق کو بعض احادیث کے بیان کرنے میں وہم ہو جاتا ہے۔

امام سفیان ابن عیینہ نے عبدالرزاق محدث کو آیت "اَلَّذِینَ ضَلَّ سَعیُهُم فِی الحَیٰوۃِ الدُّنیا" کا مصداق قرار دیا ہے۔ (الضعفاء للعقیلی جلد ۳ ص ۱۰۹)

ائمہ اسماء الرجال نے موصوف کے متعلق تشیع کے علاوہ "اختلاط وتغیر وتدلیس" کا بھی ذکر کیا ہے، اس حقیقت کا ان کے وکلائے صفائی بھی انکار نہیں کر سکتے۔

ابن عساکر نے بھی بروایت زید بن المبارک عبدالرزاق محدث کے متعلق "کذاب یسرق" کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۳۸ ص ۱۳۰)

یہ ملحوظ رہے کہ کسی راوی کے صادق یا کاذب ہونے کا اس کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کیونکہ ائمہ رجال نے جہاں بہت سے سنی راویوں کو جھوٹا قرار دیا ہے وہاں انہوں نے متعدد شیعہ رواۃ کو سچا بھی کہا ہے۔

جس طرح سنی اسماء الرجال میں بعض راویوں کے متعلق یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ بڑے عالم، حافظ الحدیث اور امام الحدیث تھے لیکن اس کے باوجود وہ "تشیع" سے بھی آلودہ تھے۔

اسی طرح شیعہ اسماء الرجال میں بھی یہ بات ملتی ہے کہ یہ راوی ثقہ اور صادق تھے لیکن ان میں کچھ "تسنن" پایا جاتا تھا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی راوی کے سچا یا جھوٹا ہونے کا اس کے سنی یا شیعہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک سنی راوی بھی سچا یا جھوٹا ہو سکتا ہے اور شیعہ راوی بھی۔

اس اصول کے تحت دونوں مذاہب کے محدثین نے اپنی کتب حدیث میں ایسے لوگوں سے مروی روایات قبول کی ہیں۔ لیکن بایں ہمہ انہوں نے یہ قاعدہ بھی بیان کیا ہے کہ اگر کسی راوی کی روایت ایسی ہو جو اس کے نظریے اور مذہب کی تائید کرتی ہو اور دوسرے فریق کے عقیدے پر اس کی زد پڑتی ہو تو وہ روایت مردود اور باطل سمجھی جائے گی۔

ظاہر ہے کہ اہل تشیع ازواج مطہرات، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور صحابہ کرامؓ (جو ان کے "معیار صحابیت" پر پورا نہیں اترتے) کی عظمت و تقدیس کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کی تکفیر کرتے ہیں اور ان کے ساتھ بغض رکھتے ہیں تو اب مذکورہ اصول کے تحت جن راویوں میں "غیر مفرط" اور معمولی درجے کا بھی تشیع پایا جاتا ہو تو ان کی ازواج مطہرات اور صحابہ کرامؓ کی تنقیص پر مبنی روایات کیونکر قبول کی جا سکتی ہیں۔ اگرچہ وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں کیوں نہ پائی جاتی ہوں۔

امام ذہبی اپنی ایک دوسری کتاب میں عبدالرزاق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"وَنَسَبُوْهُ اِلَى التَّشَيُّعِ سَمِعْتُ مُخَلِدًا الشُّعِيْرِى يَقُوْلُ كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِالرَّزَّاقِ فَذَكَرَ رَجُلٌ مُعَاوِيَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ لَاتُقَذِّرْ مَجْلِسَنَابِذِكْرِ وِلْدِاَبِى سُفْيَانَ"

(میزان الاعتدال۔ جلد ۲ ص ۱۲۷)

علماء نے اسے تشیع کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں نے مخلد شعیری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں عبدالرزاق کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ چھیڑا تو عبدالرزاق نے کہا ہماری مجلسوں کو ابو سفیان کے بیٹے کے ذکر سے گندہ نہ کرو۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ:

"وَقَالَ ابْنُ عَدِى وَلِعَبْدِالرَّزَّاقِ اَصْنَافٌ وَحَدِيْثٌ كَثِيْرٌ وَقَدْرَحَلَ اِلَيْهِ ثِقَاتُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَئِمَّتُهُمْ وَكَتَبُوْا عَنْهُ اِلَّا اَنَّهُمْ نَسَبُوْهُ اِلَى التَّشَيُّعِ وَذَكَرَهُ ابْنُ حَبَّانَ فِى الثِّقَاتِ

وَقَالَ كَانَ مِمَّنْ يُخْطِئُ إِذَا حَدَّثَ مِنْ حِفْظِهِ عَلَى تَشَيُّعٍ فِيْهِ'

(تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۳۱۳۔۳۱۴)

ابن عدی نے کہا کہ عبدالرزاق کی احادیث بہت ہیں اور کئی اصناف ہیں۔ ان کی طرف ثقہ مسلمان لوگوں نے اور ان کے ائمہ نے سفر کیا اور پھر ان سے احادیث وروایات لکھیں مگر انہوں نے اسے تشیع کی طرف منسوب کیا۔

ابن حبان نے عبدالرزاق کو ثقہ راویوں میں ذکر کیا اور کہا کہ وہ اپنی یادداشت پر بھروسہ کرتے ہوئے حدیث بیان کرتے ہیں تو خطا کر جاتے ہیں اور ان میں تشیع بھی پایا جاتا تھا۔

ابن اثیر جزری (م ۶۳۰ھ) نے بھی لکھا ہے کہ "وَ كَانَ يَتَشَيَّعُ" ان میں تشیع پایا جاتا تھا۔

(کامل ابن اثیر جلد ۶ ص ۴۰۶۔ مطبوعہ بیروت)

مشہور شیعہ عالم شیخ عبداللہ مامقانی لکھتے ہیں کہ:

عبدالرزاق بن ہمام الیمانی الصنعانی، صنعاء یمن کا باشندہ تھا۔ شیخ نے اسے اپنے رجال اصحاب صادق سے شمار کیا ہے اور کہا کہ عبدالرزاق دونوں یعنی امام باقر اور امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے اور محمد بن ابی بکر بن ہمام کے ترجمہ میں ایک طویل روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالرزاق شیعہ عالم تھا۔ اپنی آخری عمر میں بینا بینا ہو گئے تھے اور ان کے حفظ میں بھی تغیر واقع ہو گیا تھا۔ "وَ كَانَ يَتَشَيَّعُ" اور ان میں تشیع بھی پایا جاتا تھا۔ (تنقیح المقال جلد دوم ص ۱۵۰ من ابواب العین مطبوعہ نجف اشرف)

شیخ عباس قمی نے عبدالرزاق کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ دشمنان آل رسولؐ (یعنی صحابہ کرامؓ) سے بیزاری (یعنی تبرا بازی) اور امامت کا اعتقاد رکھتا تھا۔ (ملاحظہ ہو الکنی والالقاب جلد دوم ص ۴۲۷ مطبوعہ تہران)

اوپر میزان الاعتدال کے حوالے سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ عبدالرزاق نے حضرت معاویہؓ کا نام سن کر کہا تھا کہ "ہماری مجلس کو ابوسفیان کے بیٹے کا تذکرہ کر کے گندہ نہ کرو۔"

اس جملے سے بھی موصوف کا عام شیعہ نہیں بلکہ پکا اور کٹر شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خطیب بغدادی اور ابن عساکر دونوں نے ایک روایت کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرزاق محدث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی گستاخی کرتے تھے۔

(ملاحظہ ہو تاریخ بغداد جلد ۱۴ ص ۴۲۷، تاریخ دمشق جلد ۳۸ ص ۱۲۹)

لیکن امام ذہبی ان کے مزید حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

علی ابن عبداللہ صنعانی بیان کرتے ہیں کہ:

زید ابن مبارک زیادہ تر ان کی صحبت میں رہتے تھے اور بکثرت ان سے روایتیں لیتے تھے، پھر بعد میں نہ صرف ان کی صحبت ترک کردی بلکہ ان کی روایات پر مشتمل تمام کتابوں کو بھی جلا ڈالا۔لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو بتایا کہ ایک دفعہ ہمارے سامنے عبدالرزاق، ابن حدثان کی وہ حدیث بیان کررہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے حصہ طلب کرنے کے لیے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ جب حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو انہوں نے عباسؓ سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کی وراثت سے حصہ لینے آئے ہو اور حضرت علیؓ سے کہا کہ تم وہ حصہ طلب کرنے آئے ہو جو تمہاری بیوی کو باپ کی طرف سے ملتا ہے۔

زید ابن مبارک نے بتایا کہ یہاں پہنچے تو عبدالرزاق رک گئے پھر کہا "اُنظُرْ اِلٰی ھٰذَا الْاَنْوَكْ، یَقُوْلُ "مِنِ ابْنِ اَخِیْكَ......مِنْ اَبِیْھَا لَا یَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔"

ذرا دیکھو اس جھوٹے (یعنی حضرت عمرؓ) کو کبھی کہتا ہے بھتیجے کی وراثت اور کبھی کہتا ہے "بیوی کے باپ" کی وراثت، یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہ کی وراثت۔زید ابن مبارک کہتے ہیں یہ بات سن کر میں اٹھ کر چلا آیا پھر لوٹ کر نہیں گیا، نہ اس سے کوئی روایت اخذ کی۔

اب جو شخص حضرت عمرؓ کو بے دھڑک "انوك" (کذاب) کہہ دے کیا وہ معمولی درجے کا شیعہ ہوسکتا ہے؟

اس پر مستزاد یہ کہ عبدالرزاق کا سچا ہونا بھی مختلف فیہ ہے۔اگرچہ بہت سے محدثین نے ان کو سچا اور صدوق کہا ہے۔مگر عباس بن عبدالعظیم، جو خاص طور پر ان کے آبائی شہر صنعاء گئے تھے اور کافی عرصہ ان کے پاس رہے تھے قسم اٹھا کر کہتے ہیں: "وَاللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِنَّ عَبْدَالرَّزَّاقِ کَذَّابٌ و محمد بن عمر الواقدی أصدق منه" اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں عبدالرزاق انتہائی درجے کا جھوٹا ہے اور محمد بن عمر الواقدی ان سے زیادہ سچے تھے۔(الکامل فی الضعفاء جلد ۳ ص ۵۳۸، سیر اعلام النبلا جلد ۹ ص ۵۷۱۔میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۲۸۔۱۲۹)

امام ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" میں محدث عباس بن عبدالعظیم کے قول کی تردید کی ہے کہ انہیں عبدالرزاق کو "کذاب" اور واقدی کو ان سے زیادہ سچا نہیں کہنا چاہئے تھا۔

سخت حیرت ہے کہ عبدالرزاق جیسے محدث نے حضرت عمرؓ کو ایک صحیح اور جائز بات (کہ عمرؓ نے بھتیجا اور بیوی کا باپ کیوں کہا رسول اللہ کیوں نہیں کہا) کہنے کی بنا پر انوک یعنی کذاب کہہ دیا۔ظاہر ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت اس بناء پر طلب

نہیں کرر ہے تھے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں بلکہ حضرت عباسؓ چچا ہونے کی بناء پر اور حضرت علیؓ اس وجہ سے وراثت طلب کرر ہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیوی کے باپ ہیں۔حضرت عمرؓ نے اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے "بھتیجا اور بیوی کا باپ" کہا تھا۔آخر اس میں کون سی بات غلط تھی جس کی بناء پر اس امام الحدیث نے حضرت عمرؓ کو "انوک" کہہ دیا۔

عبدالرزاق نے مجوسیت ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا۔یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے سنی تھے بعد میں شیعیت اختیار کی لیکن ان کے ریمارکس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کے باوجود "تشیع" کے اثرات ان سے کبھی زائل نہیں ہوئے تھے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ:

"جعفر بن سلیمان بصری' مسلکا شیعہ تھے اور ثقہ تھے۔عبدالرزاق نے ان سے متاثر ہو کر ہی شیعہ مسلک اختیار کیا تھا۔(تذکرۃ الحفاظ تحت جعفر بن سلیمان ضبعی بصری۔طبقہ خامسہ)

یحیٰی ابن معین فرماتے ہیں کہ:

میں نے عبدالرزاق سے ایسی گفتگو سنی جس سے اس کا شیعہ ہونا ظاہر ہوتا تھا۔میں نے اس سے کہا کہ تیرے سارے استاد جن سے تو نے حدیث سیکھی ہے، سنی تھے پھر تو نے شیعہ مذہب کس سے اخذ کر لیا؟ اس نے کہا جعفر ابن سلیمان میرے پاس آئے تھے تو میں نے ان کو اچھی سیرت والا فاضل پایا۔اس لیے میں نے بھی ان کا مسلک اختیار کر لیا۔

اس تفصیل سے جہاں عبدالرزاق کا شیعہ ہونا ثابت ہو گیا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ موصوف کا تشیع ہرگز "یسیر" اور "لاتضر" کا مصداق نہیں تھا۔

موصوف کی محاربین علیؓ یعنی اصحاب جمل وصفین سے بیزاری، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض حضرت عثمانؓ کی شان میں گستاخی اور حضرت عمرؓ کو "انوک" کہنا جہاں کھلی تبرابازی ہے وہیں تشیع کے ساتھ ساتھ رفض بھی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

# ۲۔امام طبری

## (م ۳۱۰ھ)

ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الطبری ،طبرستان کے شہر ''آمل'' میں ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے ۔بارہ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لیے مختلف ملکوں اور شہروں بالخصوص عراق ، بغداد ،مصر ، شام ، بصرہ اور کوفہ میں سرگرداں رہے حتیٰ کہ ہر علم وفن میں کمال حاصل کیا۔تفسیر، حدیث ،فقہ اور تاریخ میں ان کی ''شہرت'' رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔

موصوف تحصیل علم کے بعد بغداد میں درس وتدریس کے علاوہ دس سال تک منصب ''افتاء'' پر بھی فائز رہے اور اس دوران میں وہ فقہ شافعی کے مطابق فتوے دیتے رہے جس کی بناء پر ان کا شمار شافعی علماء میں ہونے لگا۔بالآخر بغداد میں ہی ہفتہ کی شام ۲۸ شوال ۳۱۰ھ میں انتقال کر گئے ۔ان کی تدفین اگلے دن اتوار کو اپنے گھر میں ہی عمل میں آئی کیونکہ لوگوں نے انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے سے روک دیا تھا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب (م ۱۳۹۹ھ ) لکھتے ہیں کہ:

''بعض فقہی مسائل اور حدیث غدیر خُم کے معاملہ میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بناء پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ انہیں شیعہ قرار دے ڈالا اور ایک بزرگ نے تو ان کو"امام من ائمة الامامیة" تک قرار دے دیا....

دراصل سب سے پہلے حنابلہ نے ان پر رفض کا الزام اس غصے کی بناء لگایا تھا کہ وہ امام احمد بن حنبل ؒ کو صرف محدث مانتے تھے ،فقیہ نہیں مانتے تھے ۔اسی وجہ سے حنبلی ان کی زندگی ہی میں ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ان کے پاس جانے سے لوگوں کو روکتے تھے اور ان کی وفات کے بعد انہوں نے مقابر مسلمین میں ان کو دفن تک نہ ہونے دیا حتیٰ کہ وہ اپنے گھر پر دفن کیے گئے ۔'' (خلافت وملوکیت ص ۳۱۳۔۳۱۴)

الحافظ المتقن احمد بن علی السلیمانی (م ۴۱۳ھ )فرماتے ہیں کہ:

''کان یضع للروافض'' محمد بن جریر بن یزید طبری رافضیوں کے لیے احادیث گھڑتے

تھے۔(لسان المیزان جلد۵ص۱۰۰)

**یاقوت حموی (م۶۲۶ھ) لکھتے ہیں کہ:**

"و دفن لیلا خوفا من العامة لأنه کان یتهم بالتشیع ...."

(معجم الادباء ارشاد الأریب الی معرفة الأدیب۔المجلد السادس ص ۵۱٤)

امام طبری عوام کے خوف سے رات کے وقت دفن کیے گئے کیونکہ وہ "شیعیت" سے متہم تھے۔

**علامہ ابن اثیر جزری (م۶۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ:**

"ودفن لیلاً بداره لأنّ العامّة اجتمعت ، و منعت من دفنه نهاراً وادّعوا علیه الرفض ثم ادّعوا علیه الحاد......"(الکامل فی التاریخ جلد۸۔ص ۱۳٤)

امام طبری رات کے وقت اپنے گھر پر ہی دفن کیے گئے کیونکہ عام لوگ اکٹھے ہو گئے تھے جنہوں نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا۔پہلے ان پر رفض یعنی رافضی ہونے کا پھر اس کے ساتھ ساتھ ان پر ملحد ہونے کا بھی الزام لگایا گیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) کے شیخ الشیوخ مفسر ابوحیان اندلسی (م۷۴۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

"ابو جعفر الطبری و هو امام من ائمة الامامیة....."(لسان المیزان جلد۵۔ص۱۰۰)

ابو جعفر طبری فرقہ امامیہ کے اماموں میں سے ایک امام ہیں۔

امام ذہبی (م۷۴۸ھ) اور ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) دونوں نے امام طبری کے متعلق لکھا ہے کہ:

"فیه تشیع و موالاة لاتضرّ۔"(میزان الاعتدال جلد۳۔ص ۳۵،لسان المیزان جلد۵ص۱۰۰)

امام طبری میں تھوڑی سی شیعیت اور موالات ہے جو مضر نہیں ہے۔

**امام ابن کثیر (م۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:**

"و دفن فی داره لأن بعض عوام الحنابلة و رعاعهم منعوا من دفنه نهاراً ونسبوه الی الرفض۔"(البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۱۔ص ۱۴۷)

امام طبری اپنے گھر پر ہی دفن کیے گئے کیونکہ کچھ حنبلی حضرات نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا اور انہیں رافضیوں کی طرف منسوب کیا تھا۔

امام طبری (۲۲۴ھ تا ۳۱۰ھ) کا دور اہل تشیع کے اعتقاد کے مطابق "غیبتِ صغریٰ" کا دور تھا جو

۲۶۰ھ سے شروع ہوا (اس وقت طبری کی عمر ۳۶ برس تھی) اور ۳۲۹ھ تک جاری رہا پھر ۳۲۹ھ سے تا قیام قیامت یعنی خروج مہدی تک "غیبت کبریٰ" کا دور ہے۔"غیبت صغریٰ" سے پہلے امام طبری نے اہل تشیع کے دو اماموں حضرت علی نقی اور حضرت حسن عسکری کا دور بھی پایا تھا۔

بہر حال امام طبری کے دور میں شیعہ مذہب مدوّن نہیں ہوا تھا بس اس دور میں "امام زماں" کے خاص محرم راز صرف چار سفیروں کی ان کے پاس آمد ورفت ہوتی تھی اور ان سفیروں کے ذریعے ہی اہل تشیع اپنے امام کی خدمت میں خطوط، درخواستیں اور قیمتی تحائف بھیجا کرتے تھے۔

"غیبت صغریٰ" کے دور میں اہل تشیع تعلیمی، تدریسی، سیاسی، سماجی اور مذہبی طور پر اہل سنت کے ساتھ ہی گھلے ملے ہوئے تھے (حتیٰ کہ آج بھی یہی کیفیت ہے) اس دور میں مجموعی حیثیت سے "شیعیت" کی عمارت صرف "تقیہ" کے بل بوتے پر قائم تھی مگر اس احتمال کے باوجود حافظ احمد بن علی السلیمانی اور مفسر ابو حیان اندلسی نے واضح طور امام طبری کو "رافضی" اور "امام من ائمة الامامية" قرار دیا۔

اس وقت کے مسلمانوں نے انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن تک نہ ہونے دیا حتیٰ کہ وہ رات کے وقت لوگوں کے خوف سے گھر پر ہی دفن کیے گئے۔

کیوں نہ لوگ سر راہ لگائیں جوتے
کام بھی واقعی ہم نے پٹنے کے کئے تھے

ان کے "افکار ونظریات" کی بناء پر انہیں "رفض والحاد" سے بھی متہم کیا گیا تھا۔ امام ذہبی اور ابن حجر عسقلانی نے اگر چہ ان کے رفض کی تردید کی مگر وہ اس کے ساتھ ان کے تشیع کا اعتراف بھی کر گئے۔ امام طبری کی تفسیر "جامع البيان في تاويل القرآن" اور "تاريخ الامم والملوك" میں متعدد روایات ایسی ملتی ہیں جن میں انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کی توہین وتنقیص پائی جاتی ہے۔ ان انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کی طرف ایسے ایسے افعال اور واقعات منسوب کیے گئے ہیں جو سراسر عقیدہ عصمت انبیاء اور محفوظیت صحابہ عظام کے منافی ہیں۔

امام طبری کی تفسیر "جامع البیان فی تأویل القرآن" میں متعدد روایات ایسی پائی جاتی ہیں جن سے انبیاء کرام کی شدید ترین توہین وتنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔ بعض انبیاء کرام کی طرف ایسے ایسے افعال اور واقعات منسوب کئے گئے ہیں جو سراسر عقیدہ عصمت انبیاء کے منافی ہیں۔ حالانکہ

انبیاء کرامؑ بعد از نبوت ہی نہیں بلکہ قبل از نبوت بھی صغائر و کبائر سے پاک ہوتے ہیں۔اس عقیدہ کے برعکس تفسیر طبری میں منقول موضوع اور اسرائیلی روایات کی رو سے انبیاء کرامؑ کی طرف قصداً و عمداً انتہائی خسیس اور گھٹیا صغائر و کبائر کی نسبت کرنا پڑتی ہے۔جن کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

امام طبری نے سورۃ الاعراف کی آیت ۱۹۰ کی تفسیر میں متعدد ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت آدم اور حواء علیہما السلام نے پہلے بچوں کے فوت ہونے کی وجہ سے شیطان کی ''وحی'' و حکم پر اپنے نومولود کا نام ''عبدالحارث'' رکھا۔جبکہ ''حارث'' شیطان کا نام تھا۔ اس طرح حضرت آدمؑ اور حواء دونوں شرک فی الطاعت کے مرتکب ہو گئے۔(العیاذ باللہ)،ملاحظہ ہو:(تفسیر الطبری المجلد السادس ص۱۴۴۔۱۴۵۔طبع بیروت)

ابراہیم علیہ السلام کے دل میں شیطان نے ''شک'' ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ:

''واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی ......''

تفسیر الطبری تحت سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۰ ۔المجلد الثالث ص ۵۱)

امام طبری نے سورۃ یوسف آیت ۲۴:''ولقد ھمت بہ و ھم بھا'' کے تحت متعدد روایات نقل کی ہیں جن میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ وہ عورت برائی کی خواہش لئے ہوئے یوسفؑ کے سامنے چت لیٹ گئی اور یوسفؑ نے بھی اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ کر اپنی شلوار اتار دی اور اس کے کپڑے بھی......''وحل ثیابہ أو ثیابھا'' (تفسیر الطبری المجلد السابع ص۱۸۱ تا ۱۸۳) بلکہ ایک دوسری روایت میں موصوف نے یہاں تک الفاظ لکھے ہیں کہ یوسف علیہ السلام زوجہ عزیز کی دونوں ٹانگوں کے درمیان اس طرح بیٹھ گئے جس طرح ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ مقاربت کے وقت بیٹھتا ہے۔(حوالہ مذکور)

امام طبری سورۃ ''ص'' آیت ۲۳ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

داؤدؑ نے اپنے محل کی چھت پر ٹہلنے کے دوران میں ایک خوبصورت ترین عورت کو غسل کرتے ہوئے دیکھا تو آپ علیہ السلام کی رغبت بڑھ گئی پھر اس کے خاوند کو قتل کرانے کی نیت سے بار بار دشمن کے ساتھ مقابلے کے لئے بھیجا یہاں تک کہ وہ تیسری مرتبہ قتل ہو گیا تب اس کی ''بیوہ'' سے خود شادی کر لی۔(تفسیر الطبری المجلد العاشر ص۱۷۵)

امام طبری سورۃ ''ص'' آیت ۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

شیطان نے سلیمانؑ کی انگوٹھی حیلے بہانے سے حاصل کر کے اس کو سمندر میں پھینک دیا اور

خود سلیمانؑ کا روپ دھار کر ایک عرصہ تک امورِ حکومت و سلطنت انجام دیتا رہا۔

(تفسیر الطبری المجلد العاشر ص ۵۸۱۔۵۸۲)

امام طبری سورۃ الحج آیت ۵۲ کی تفسیر میں زنادقہ وملاحدہ کی وضع کردہ روایت لے آئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے نماز کی حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں اپنے الفاظ آیت میں بڑھا دیئے (العیاذ باللہ)(تفسیر الطبری المجلد التاسع ص ۱۷۴ تا ۱۷۸)

اسی طرح امام طبری نے سورۃ الاحزاب آیت ۳۷ کی تفسیر میں منافی عصمت ایک انتہائی گھٹیا اور خسیس واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا کہ آپؐ نے سیدہ زینبؓ زوجہ زیدؓ کو ان کے صحن میں دیکھا تو ان کا حسن آپؐ کے دل میں اتر گیا۔ جس سے حضرت زیدؓ کے دل میں بیوی کی کراہت آ گئی اور معاملہ طلاق تک پہنچ گیا۔ بعد میں آپؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔

(تفسیر الطبری المجلد العاشر ص ۳۰۲۔۳۰۲)

امام طبری کے مفصل حالات و "خدمات" نیز تفسیر طبری میں انبیاء کرامؑ کی توہین و تنقیص پر مبنی روایات سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے راقم الحروف کی کتاب "امام طبری کون؟...مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز" کی طرف مراجعت کریں۔

یہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شدید ترین توہین وتنقیص سے متعلق امام طبری کی چند روایات ہدیہ قارئین کی جا رہی ہیں:

موصوف نے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین پر مبنی روایات ہی نقل نہیں کیں بلکہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ابوسفیان، حضرت عباس بن عبدالمطلب اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم تک کو بھی نہ بخشا۔

اگر امام طبری بالفرض صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہی ہدف تنقید بناتے تو پھر بھی اس کا یہی مطلب لیا جاتا کہ وہ جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ جس طرح ایک نبی یا رسول کا انکار سب انبیاء و رسل کے انکار کو مستلزم ہے اسی طرح ایک صحابی رسول کی توہین بھی جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین سمجھی جائے گی۔ قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور قوم نوح نے اگرچہ اپنے اپنے رسول ہی کی تکذیب کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے سب رسولوں کی تکذیب قرار دیا۔ ملاحظہ ہو:

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ o (الحجر آیت ۸۰)

اور حجر والوں (یعنی قوم ثمود) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِيْنَ o (الشعرآء آیت ۱۰۵)

نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَتْ عَادُنِ الْمُرْسَلِيْنَ o (الشعرآء آیت ۱۲۳)

قوم عاد نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ o (الشعرآء آیت ۱۴۱)

قوم ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطِنِ الْمُرْسَلِيْنَ o (الشعرآء آیت ۱۶۰)

قوم لوط نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ o (الشعرآء آیت ۱۷۶)

ایکہ والوں (قوم شعیبؑ) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

امام طبری نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت متعدد صحابہ کے خلاف بہ تصریحِ نام مبنی بر توہین روایات نقل کی ہیں؛ جن میں جا بہ جا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ "لعنہ اللّٰہ" کے الفاظ اور جواز لعنت کے دلائل تحریر کیے گئے جو صدیوں سے مسلسل نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں جنہیں برابر لکھا اور پڑھا بھی جا رہا ہے۔ حضرت معاویہؓ کو بہ تصریح نام "ضال و مضل" لکھا گیا، پھر امام طبری نے وہ کارنامہ سرانجام دیا جس کا کوئی ملحد بھی شاید تصور نہ کر سکتا۔ موصوف معلوم نہیں کس حالت میں یہ بد دعا نقل کر گئے؟ اگر طبری کا بغض صحابہ ظاہر کرنا مقصد نہ ہوتا یا اگر مولانا اسماعیل ریحان صاحب اسلامی صحافت کے علمبردار اخبار "روزنامہ اسلام" میں اپنے کالم کی پانچ قسطوں میں "امام" طبری کو مفسر، محدث، فقیہہ، مجتہد اور مستند مؤرخ کے روپ میں پیش نہ کرتے تو اس بد دعا کو ہرگز نقل نہ کرتا

والعنوا من لعنه الله و رسوله و فارقوا من لا تنالون القربة من الله الا بمفارقته: اللهم العن ابا سفيان بن حرب و معاوية ابنه و يزيد بن معاوية و مروان بن الحكم وولده، اللهم العن ائمة الكفر....

کیا مذکورہ بالا آیات کریمات کی روشنی میں موصوف جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین کے مرتکب نہیں ہوئے؟ کیا اس موقع پر یہ جواب کہ "وہ سند لکھ کر بری الذمہ ہو گئے ہیں" بجائے

خود "توہین و گستاخی" نہیں ہے؟ کیا اس جواب کو صحیح سمجھنے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے بھی "گستاخانِ صحابہؓ" کے زمرہ میں شامل نہیں ہو جاتے؟

ع　　بات پہنچی ہے کہاں تک یہ تجھے کیا معلوم؟

اگر بالفرض امام طبری کے اپنے والد صاحب کے نام کے ساتھ کوئی راوی لعنت کے الفاظ روایت کرتا تو کیا وہ انہیں پھر بھی نقل کر کے راوی کی چھان پھٹک کی ذمہ داری آنے والوں پر چھوڑ سکتے تھے؟ کیا ان کے تصدیق کنندگان بھی اپنے اکابر کے بارے میں اس طرح کے الفاظ پر مطمئن یا خاموش رہ سکتے تھے؟ کیا وہ تب بھی یہ دلیل دے سکتے تھے کہ بعد میں آنے والوں کا کام ہے کہ وہ "سند" کی چھان پھٹک کریں؟

راقم الحروف کو صد فیصد یقین ہے کہ امام طبری اور ان کے تصدیق کنندگان راوی کے پیچھے بھاگنے کے بجائے خود ناقل یا "مدعی" کو پہلے پکڑتے۔ کیا جس سے اللہ راضی ہو وہ لعنت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اعزاز "رضی اللہ عنہ" کو کوئی مؤرخ یا راوی "لعنہ اللہ" میں تبدیل کر سکتا ہے؟ اگر کوئی شخص فی الواقع لعنت کا مستحق نہ ہو تو کیا شریعت کی رو سے اس پر لعنت کرنے والا یا نقل کرنے والا یا تصدیق کرنے والا یا صفائی پیش کرنے والا خود لعنت کا مستحق نہیں ہو جاتا؟ حضرت معاویہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے بصیغۂ ماضی ابدالآباد تک "رضی اللہ عنہم" کے اعزاز سے نوازا ہے لہٰذا وہ اس "الٰہی اعزاز" سے کبھی بھی محروم نہیں کیے جا سکتے۔

بہر حال تصدیق کنندگان کا یہ جواب کہ امام طبری "سند" بیان کرنے کے بعد بری الذمہ ہو گئے ہیں قرآن و حدیث (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا ...، كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ) کی صریح مخالفت ہے۔ اس بحث کی تفصیل راقم الحروف کی کتاب "امام طبری۔۔۔ حیات و خدمات" میں زیرِ عنوان "بلا تحقیق نقل روایت کا شرعی حکم" ملاحظہ فرمائیں۔

پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ امام طبری "تشیع و رفض" کے ساتھ آلودہ تھے، اس کے ساتھ ساتھ عقیدہ موالات اور حدیث غدیر خم کے نہ صرف قائل تھے بلکہ اس موضوع پر انہوں نے باقاعدہ کتابیں بھی تصنیف کر رکھی تھیں۔

موالاۃ اور تشیع و رفض کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ طبری محاربین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہرگز نرم گوشہ نہیں رکھ سکتے؛ اس لیے موصوف نے "راویوں" کے کندھے پر بندوق رکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خوب چاند ماری کی۔ جس کا ایک ہلکا سا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

فقال أبو موسیٰ مالك لا وفقك الله غدرت و فجرت انما مثلك كمثل الكلب ان تحمل عليه يلهث أو تتركه يلهث۔

قال عمرو: انما مثلك كمثل الحمار يحمل اسفاراً۔

(تاریخ الامم والملوك ۔الجزء الرابع **ص۵۲ ۔طبع بیروت**)

**ابوموسیٰ اشعریؓ** نے کہا: اے عمروؓ تجھے کیا ہو گیا ۔اللہ تجھے نیک کام کی توفیق نہ دے، تو نے غداری کی اور دھوکہ دیا ۔تیری مثال کتے کی مثال کی طرح ہے کہ اگر اسے کچھ ڈالو تب بھی زبان نکالے رہتا ہے اور اگر چھوڑ دو تب بھی زبان نکالے رہتا ہے ۔

اس پر عمرو بن عاصؓ نے جواب دیا: تمہاری مثال گدھے کی مثال کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوں ۔

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما دونوں جلیل القدر صحابی ہیں ۔انہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی طرف سے جنگ صفین کے بعد ثالثی کا کردار ادا کیا تھا جس کی بناء پر امام طبری نے خود "كان يضع للروافض" کے تحت یہ روایت گھڑ لی یا پھر کسی رافضی راوی کے الفاظ نقل کر دیے ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اس فیصلے سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے نماز میں **"قنوت"** میں یہ پڑھنا شروع کر دیا کہ:

كان اذا صلّى الغداة يقنت فيقول: اللّٰهم العن معاوية و عمرو و أبا الاعور السلمى و حبيباً و عبدالرحمٰن بن خالد(بن وليد) والضحاك بن قيس والوليد ... فبلغ ذالك معاوية فكان اذاقنت: لعن عليًا و ابن عباس والأشتر و حسناً و حسيناً **(حوالہ مذکور ص۵۲)**

حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے اور فرماتے:

اے اللہ! معاویہ، عمرو بن عاص، ابوالاعور سلمی، حبیب بن مسلمہ، عبدالرحمٰن بن خالد (بن ولید) ضحاک بن قیس اور ولید بن عقبہ پر لعنت نازل فرما ...... جب معاویہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بھی قنوت میں علی، ابن عباس، اشتر، حسن اور حسین پر لعنت بھیجنی شروع کر دی ۔

لا حول و لا قوة الا بالله العلى العظيم۔ فلعنة الله على الكذبين۔

امام طبری نے تحکیم کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے رفقاء کے لیے یہ الفاظ بھی نقل کیے کہ:

"عباد اللّٰہ! امضوا علی حقکم و صدقکم قتال عدوکم فانّ معاویة و عمرو بن العاص و ابن أبی معیط و حبیب بن مسلمة و ابن أبی سرحة والضحاك بن قیس لیسوا بأصحاب دین و لا قرآن أنا اعرف بھم منکم وقد صحبتھم أطفالاً و صحبتھم رجالاً فکانوا شرّ أطفال و شرّ رجال ..... (حوالہ مذکور ص۳۴)

اے اللہ کے بندو! تم اپنے حق وصداقت اوراپنے دشمنوں سے جنگ پر قائم رہو کیونکہ معاویہ، عمرو بن عاص، عقبہ ابن ابی معیط، حبیب بن مسلمہ، عبداللہ بن ابی سرح اور ضحاک بن قیس، دین دار لوگ اور قرآن پر چلنے والے نہیں۔ میں تم سے زیادہ ان لوگوں سے واقف ہوں۔ میں تو بچپن میں بھی ان لوگوں کے ساتھ رہا اور بڑے ہو کر بھی ان کے ساتھ رہا۔ یہ بچپن میں نہایت شریر بچے تھے اور بڑے ہو کر بھی نہایت شریر آدمی نکلے۔

"قنوت" میں حضرت معاویہؓ پر العیاذ باللہ لعنت کرنا امام طبری کو اس قدر پسند آیا کہ انہوں نے اسے بطور "وظیفہ" کے اپنا لیا چنانچہ انہوں نے اپنی تاریخ میں جابجا جلیل القدر صحابی کے لیے "لعنت" کے الفاظ تحریر کیے ہیں۔

"أقرّ معاویة سمرة(بن جندب)بعد زیاد ستة أشھر ثم عزله فقال سمرة:لعن اللّٰہ معاویة واللّٰہ لو أطعت اللّٰہ کما أطعت معاویة ما عذبنی أبداً۔"

(تاریخ الامم والملوك ـالجزء الرابع ـص ۲۱۷ ـطبع بیروت)

زیاد کی وفات کے بعد حضرت معاویہ نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو بصرہ پر چھ ماہ تک حاکم رکھا پھر انہیں معزول کر دیا۔ سمرہ کہتے تھے اللہ لعنت کرے معاویہ پر جتنی اطاعت اس کی میں نے کی اگر اللہ تعالیٰ کی کرتا تو عذاب ابدی سے نجات پاتا۔

وکان جعفر بن أبی سفیان ممن ثبت یوم حنین مع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم من أصحابه و لم یزل مع أبیه ملازماً لرسول اللّٰہ حتیٰ قبض۔

وتوفّی جعفر فی وسط خلافة معاویةلعنه اللّٰہ۔

(تاریخ الامم والملوك جلد۱۳ ـص ۲٤تحت ذکرمن مات أو قتل سنة ۵۰ھ ، تاریخ الرسل والملوك القسم الرابع ـ۱۳ ص۲۳ ـ ۲٤ )

جعفر بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام میں سے ایک ہیں جو غزوہ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے اور زندگی بھر اپنے والد (ابوسفیان رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہے۔

حضرت جعفر، معاویہ لعنہ اللہ (اللہ اس پر لعنت کرے۔) کی خلافت کے درمیان میں فوت ہوئے۔ العیاذ باللہ

وقد روی نوفل بن معاویة عن النبیّ صلّی اللّٰہ تعالٰی علیه وعلیٰ آله وسلّم و توفّی نوفل بالمدینة فی خلافةیزید بن معاویة لعنهما اللّٰہ۔

(المنتخب من کتاب ذیل المذیل من تاریخ الصحابة والتابعین الملحق بالجزء الثامن ص ۳۷ طبع بیروت۔ لبنان ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء/تحت ذکر من مات أو قتل سنة ۸۰ھ)

نوفل بن معاویہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے اور نوفل مدینہ منورہ میں یزید بن معاویہ لعنھما اللہ (ان دونوں پر اللہ کی لعنت ہو) کی خلافت کے دوران فوت ہوئے۔

امام طبری (م ۳۱۰ھ) اپنی تاریخ میں ۶۱ھ کے واقعات کے تحت بروایت ابومخنف لکھتے ہیں کہ:

یزید بن معقل نے بریر سے کہا کہ تم کو یاد ہوگا کہ میں بنی لوذان میں تمہارے ساتھ چل رہا تھا اور تم یہ کہتے جاتے تھے کہ:

"ان عثمان بن عفان کان علی نفسه مسرفاً و ان معاویة بن ابی سفیان ضال مضل و ان امام الهدی و الحق علی بن ابی طالب۔

فقال له بریر: اشهد أن هذا رأی و قولی ......

عثمان بن عفان نے اپنے نفس کے ساتھ اسراف کیا اور معاویہ گمراہ و گمراہ کنندہ ہیں اور امام ہدیٰ و برحق علی بن ابی طالب ہیں۔

بریر نے کہا ہاں ہاں یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی میرا قول ہے۔

(تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع ص ۳۲۸۔ تحت سنة ۶۱ھ طبع بیروت۔ لبنان)

امام طبری، حضرت علی (م ۴۰ھ) اور حضرت معاویہ (م ۶۰ھ) دونوں کی وفات کے بعد کا مکالمہ لکھ رہے ہیں۔ حضرت علیؓ کے خلیفہ برحق و راشد ہونے میں تو کوئی مومن شک نہیں کر سکتا مگر کیا اس کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہؓ کو "ضال و مضل" کہنا بھی ضروری ہے۔

امام طبری نے ایک بدترین ظلم یہ کیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے خلاف خلیفہ

''المامون'' (م ۲۱۸ھ) عباسی کی تیار کردہ ''خفیہ دستاویز'' (جو المعتضد باللہ (م ۲۷۹ھ) کے برسر اقتدار آنے تک ''خفیہ'' رہی) کو اپنی تاریخ میں محفوظ کر کے حضرت معاویہؓ پر لعن وطعن اور سب و شتم کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھول دیا جس سے ہر دور میں خود ''اہل سنت'' کا ایک طبقہ متاثر ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ (اس کی ایک جھلک زیر نظر کتاب میں پیش کی گئی ہے)

مذکورہ ''خفیہ دستاویز'' کے متعلق امام طبری لکھتے ہیں کہ:

اسی سال (یعنی ۲۸۴ھ میں) المعتضد باللہ نے منبروں پر حضرت معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت کرنے کا پختہ ارادہ کیا اور اس کے متعلق ایک فرمان لکھنے کا حکم دیا کہ لوگوں کو پڑھ کر سنایا جائے۔عبیداللہ بن سلیمان بن وہب نے عوام کے اضطراب کا خوف دلایا کہ اندیشہ ہے کہ فتنہ ہوگا مگر اس نے اس کی پرواہ نہ کی۔

''وفی هذه السنة عزم المعتضد بالله علی لعن معاویة بن ابی سفیان علی المنابر وأمر بانشاء کتاب بذلك یقرأ علی الناس فخوّفه...... فلم یلتفت الی ذلك ......

پھر المعتضد نے یہ فرمان جاری کیا کہ جو لوگ مناظرہ یا بحث کے لئے جمع ہوں گے سلطنت ان سے بری الذمہ ہے جو شخص یہ کرے گا وہ اپنے لئے زدوکوب کو حلال کر دے گا......پھر سب کو یہ حکم دیا گیا کہ معاویہ پر رحمت نہ بھیجیں (یعنی رحمۃ اللہ علیہ نہ کہیں) اور نہ بھلائی کے ساتھ ان کا ذکر کریں۔(''...... الا یترحموا علی معاویة ولا یذکروه بخیر'')

بعد ازاں المعتضد نے اس کتاب کے نکالنے کا حکم دیا جو لعن معاویہ میں المامون کے حکم سے لکھی گئی تھی یہ کتاب اس کے حکم سے دفتر سے نکالی گئی اس کے جمع کرنے والوں سے اس کتاب کی نقل لے لی گئی۔

اس کتاب میں قرآن اور حدیث کی رو سے ثابت کیا گیا کہ بنی امیہ کا ''شجر ملعونہ'' ہے (والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن) یہ خاندان نبوت کے دشمن ہیں۔آپ کا سب سے بڑا مخالف بنوامیہ کا ابوسفیان بن حرب اور اس کا گروہ ہے، جن پر کتاب اللہ میں لعنت کی گئی، جن پر لسان نبوت سے لعنت کی گئی، یہ لوگ اسلام کے غلبہ کی وجہ سے منافقانہ اسلام لائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے پر سوار ابوسفیان اور اسے کھینچنے والے معاویہ اور ہانکنے والے یزید بن ابی سفیان کے متعلق فرمایا کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ کے لئے فرمایا:

"یطلع من هذا الفج رجل من أمتي يحشر على غير ملّتي فطلع معاوية ___، اذا رأيتم معاوية على منبري فاقتلوه___

''اس پہاڑی راستے سے میری امت میں سے ایک شخص نکلے گا جس کا حشر میرے دین کے خلاف ہوگا۔ اس کے بعد اس راستے سے معاویہ نمودار ہوا۔

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

جب تم لوگ معاویہ کو میرے منبر پر دیکھنا تو اسے قتل کر دینا''

مجملہ ان کے وہ حدیث مرفوع و مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

معاویہ آگ کے ایک صندوق میں ہے جو اس کے سب سے نیچے کے درجے میں ہے جو یا حنان یا منان کی صدا لگاتا ہے کہ یا اللہ اس وقت مجھ پر رحم کر، حالانکہ اس کے قبل میں نے نافرمانی کی تھی اور میں مفسدین میں سے تھا، معاویہ نے حضرت علیؓ سے ناحق جنگ کی، ان ہی افعال کا ارتکاب کیا جس کا ارتکاب اس کے باپ دادا کرتے رہے جو اللہ کے نور کا گل کرنا اور اس کے دین کا انکار کرنا تھا حالانکہ اللہ کو سوائے اپنے نور کے پورا کرنے کے اور سب چیزوں سے انکار ہے جو اپنے اس مکر و بغاوت سے بے وقوفوں کو مائل کرتا تھا نادانوں کو فریب دیتا تھا جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے خبر دے دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارؓ سے فرمایا کہ:

تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی، تو انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ تجھے دوزخ کی طرف بلائیں گے۔

جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا، آخرت سے اسے انکار تھا، جو اسلام کے حلقے سے خارج تھا، جو حرام خون کو حلال سمجھتا تھا یہاں تک کہ اس نے اپنے فتنے میں اور اپنی گمراہی کے راستے میں ان مسلمانوں کے اتنے خون بہائے جن کا شمار نہیں ہو سکتا، ایسے مسلمانوں کے خون بہائے جو برگزیدہ تھے، اللہ کے دین کے محافظ تھے، اس کے حق کے مددگار تھے، یہ (معاویہ) اللہ سے جہاد کرنے والا، اس امر کی کوشش کرنے والا تھا کہ اللہ کی نافرمانی کی جائے، اس کی اطاعت نہ کی جائے، اس کے احکام اس طرح باطل ہو جائیں کہ پھر نہ قائم ہوں، اس طرح اس کے دین کی مخالفت ہو کہ پھر دین ہی باقی نہ رہے، گمراہی کا بول بالا ہو، باطل کی دعوت بلند ہو، حالانکہ اللہ ہی کا بول بالا ہے، اسی کا دین منصور ہے، اسی کا حکم مانا جاتا ہے اور نافذ ہے اور اسی کا حکم غالب ہے۔ اس شخص کا مکر مغلوب اور باطل ہے جو اللہ سے عداوت کرے۔

یہاں تک کہ اس (معاویہ) نے ان تمام جنگوں کے اور جو ان کے بعد ہوئیں سب کے بوجھ

برداشت کئے، ان خونوں کا طوق اور جوان کے بعد ہوئے اپنی گردن میں ڈالا، ایسے فساد کے طریقے ایجاد کئے کہ ان کا بھی گناہ اس پر ہے اور قیامت تک اس کا بھی گناہ اس پر ہے جو اس پر عمل کرے گا۔
ان امور میں سے جن کی وجہ سے اللہ نے اس پر لعنت واجب کردی اور اس (معاویہ) کا ان اہل فضیلت و دیانت نیک صحابہ وتابعین کا قتل کرنا جو جبر کے ساتھ قتل کئے گئے مثلاً:
عمرو بن الحمق اور حجر بن عدی۔ ان کو محض اس لئے قتل کیا کہ عزت اور ملک اور غلبہ اسی کا ہو۔ حالانکہ اللہ ہی کے لئے ملک وقدرت ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:
''جو مومن کو عمداً قتل کرے گا اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہے اور لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے عذاب دردناک تیار کیا ہے''
ومما استحق به اللعنة من الله و رسوله"
منجملہ ان امور کے جن کی وجہ سے وہ (معاویہ) اللہ ورسول کی لعنت کا مستحق ہے۔
اس کا زیاد ابن سمیہ کا، اللہ پر جرأت کر کے، استلحاق ہے۔ حالانکہ اللہ فرماتا ہے کہ انہیں ان کے باپ کے نام سے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ درست ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وہ شخص ملعون ہے جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی کو باپ بنایا اور اپنے آقا کے سوا اپنے کو کسی اور سے منسوب کیا اور فرماتے ہیں کہ: بیٹا (جو زنا سے ہو) ماں کا ہے اور زانی کی سزا یہ ہے کہ اس پر سنگ باری ہو۔
اس (معاویہ) نے اللہ عزوجل کے حکم کی اور اس کے نبی کی سنت کی اعلانیہ مخالفت کی، اولاد کو غیر صاحب الفراش کے لئے کردیا۔
منجملہ ان کے اللہ کے دین کے لئے اس کا اپنے بیٹے یزید کو اختیار کرنا ہے اور اللہ کے بندوں کو اس کی طرف دعوت دینا ہے جو بکثرت شراب خوار، متکبر، مرغ والا، بندروالا، چیتے والا تھا۔ اس (معاویہ) کا بہترین مسلمانوں سے قہر وغلبہ و دہشت وخوف و جبر واکراہ سے اس کی بیعت لینا ہے حالانکہ وہ اس کی نادانی کو جانتا تھا۔ یزید کے جرائم میں اہل حرہ کے علاوہ سب سے بڑا جرم، عظیم ترین قتل حضرت حسین ابن علیؓ وفاطمہؓ کا قتل ہے۔ اللہ تعالیٰ پر جرأت کے باعث، اللہ کے دین پر کفر کے سبب، اللہ کے رسول کی عداوت رکھنے کی بناء پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو مشقت میں ڈالنے اور ان کے احترام میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے یہ حرکتیں اس سے ہوئیں۔ اہل بیت نبوت کو اس طرح تہ تیغ کررہا تھا کہ گویا کفار ترک و دیلم کی جماعت کو قتل کرتا تھا......

"و العنوا من لعنه الله و رسوله و فارقوا من لا تنالون القربة من الله و رسوله الا بمفارقته،

اللهم العن أبا سفيان بن حرب و معاوية إبنه و يزيد بن معاوية و مروان بن الحكم و ولده، اللّٰهم العن ائمة الكفر وقادة الضلالة و أعداء الدين و مجاهدی الرسول و مغيری الأحكام و مبدلی الكتاب و سفاكی الدم الحرام۔

اللّٰهم انّا نتبرأ اليك من موالاة أعدائك و من الاغماض لأهل معصيتك كما قلت: "لا تجد قوماً يؤمنون بالله و اليوم الآخر يوادّون من حادّالله و رسوله"۔

اور اس پر لعنت کرو جس پر اللہ و رسول نے لعنت کی، اس سے مفارقت اختیار کرو جس کی مفارقت کے بغیر تم اللہ کی قربت نہیں حاصل کر سکتے۔

اے اللہ! لعنت کر ابوسفیان بن حرب اور اس کے بیٹے معاویہ پر، یزید ابن معاویہ پر، مروان بن الحکم پر اور اس کی اولاد پر۔

اے اللہ! لعنت کر کفر کے اماموں، گمراہی کے پیشواؤں، دین کے دشمنوں، رسول سے لڑنے والوں، احکام میں تغیر کرنے والوں، کتاب کے بدلنے والوں اور محترم خون بہانے والوں پر۔

اے اللہ! ہم تیرے دشمنوں کی دوستی سے، تیرے گناہ گاروں سے چشم پوشی کرنے سے، تیرے سامنے اپنی بے زاری ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ تو نے کہا ہے کہ:

"تو کسی جماعت کو جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان لاتے ہیں ایسا نہ پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے محبت کریں جو اللہ اور رسولؐ کے دشمن ہیں"......

كتب أبوالقاسم عبيدالله بن سليمان فی سنة ٢٨٤ھ/بقلم ابوالقاسم عبيدالله بن سليمان ٢٨٤ھ

اس کتاب کو ملک میں نافذ کرنے سے پہلے عبیداللہ بن سلیمان (وزیر) نے قاضی یوسف بن یعقوب سے کہا کہ کسی تدبیر سے خلیفہ المعتضد کو اس کتاب کے نفاذ سے روک دے۔ چنانچہ قاضی موصوف نے خلیفہ سے گفتگو کی۔

"اے امیر المومنین! مجھے یہ خوف ہے کہ عوام میں اضطراب پھیل جائے گا اور اس کتاب کے سننے کے وقت ان میں ایک حرکت پیدا ہو جائے گی۔

خلیفہ نے جواب دیا کہ: اگر عوام متحرک ہوئے یا کلام کیا تو میں شمشیر زنی کروں گا (ان

تحرکت العامة أو نطقت و ضعت سيفي فيها) قاضی نے کہا:امیر المومنین !ان طالبین (اولاد علیؓ بن ابی طالب ) کے بارے میں کیا کیا جائے گا جو ہر علاقے میں بغاوت کرتے رہتے ہیں اور لوگ ان کی قرابت رسول اور ان کے اعمال حسنہ کی وجہ سے ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اس کتاب میں ان ہی کو پیش کیا گیا ہے، جب لوگ یہ سنیں گے تو ان کی طرف اور زیادہ مائل ہو جائیں گے، ان کی زبانیں بھی اور زیادہ کشادہ ہو جائیں گی اور آج سے زیادہ ان کی حجت قوی ہو جائے گی"

"فأمسك المعتضد فلم يرد عليه جواباً و لم يأمر في الكتاب بعده بشئ"

المعتضد رک گیا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی اس کتاب کے متعلق کوئی حکم دیا۔

(تاریخ الامم والملوک۔الجزء الثامن طبع بیروت لبنان ص ۱۸۲ تا ۱۹۰، تاریخ طبری حصہ دہم خلافت بغداد کا دور انحطاط حصہ دوم ۲۵۷ھ تا ۳۰۲ھ مترجمہ علامہ عبداللہ العمادی ص ۲۵۳ تا ۲۶۶۔مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ کیا سنی اور کیا شیعہ؟ حضرت معاویہؓ کے جملہ معاندین وناقدین کا اصل مأخذ امام طبری کا تصنیف کردہ یہی رسالہ یا کتاب ہے جسے موصوف نے اپنی تاریخ الامم والملوک میں محفوظ کر دیا ہے۔

امام طبری (۳۱۰ھ) کی "تحقیق" کے مطابق مذکورہ "کتاب" مامون الرشید نے اپنی خلافت (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) کے دوران میں لکھوائی تھی جامعین اور مؤلفین کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟ اس "کتاب" کو پڑھنے اور نافذ کرنے کے بجائے دفتر میں محفوظ کر دیا گیا۔ مامون کی وفات کے بعد معتضد کی خلافت سے پہلے آٹھ عباسی خلفاء معتصم باللہ، واثق باللہ، متوکل علی اللہ، منتصر باللہ، مستعین باللہ، معتز باللہ، مہتدی باللہ، معتمد علی اللہ (از ۲۱۸ھ تا ۲۷۹ھ) گزرے ہیں مگر یہ کتاب "دیوان" میں ہی محفوظ رہی جسے معتضد باللہ نے ۲۸۴ھ میں نکلوایا اور بزور شمشیر نافذ کرنے کا اعلان کیا مگر قاضی کے مشورے کے مطابق اپنا ارادہ ترک کر دیا۔مؤرخین نے مامون اور معتضد کے شیعہ ہونے کی تصریح کی ہے اور ان دونوں کے درمیان آٹھ "سنی" خلفاء گزرے ہیں مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اس کتاب کو تلف نہیں کرایا۔اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مامون کی طرف اس کتاب کی "نسبت" مشکوک ہے۔سوال یہ ہے کہ خلیفہ کے دفتر میں محفوظ یہ کتاب امام طبری تک کیسے پہنچی جو موصوف کی ولادت (۲۲۴ھ) سے پہلے لکھی گئی تھی اور جب معتضد نے اسے ۲۸۴ھ میں نکلوایا اس وقت طبری کی عمر ۶۰ سال تھی اور ماشاءاللہ تفسیر لکھنے میں

مصروف تھے ۔پھر تاریخ پر کام شروع کیا جسے اپنی وفات سے آٹھ سال پہلے ۳۰۲ھ تک مکمل کرلیا۔ معتضد باللہ کی خلافت ۲۷۹ھ سے ۲۸۹ھ تک قائم رہی پھر امام طبری کی وفات (۳۱۰ھ) تک دو خلفاء مکتفی باللہ (۲۸۹ تا ۲۹۵ھ) اور مقتدر باللہ (۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ) گزرے ہیں ۔مؤخرالذکر دونوں خلفاء معتضد باللہ کے بیٹے ہیں اور یہ تینوں اس کے نفاذ میں ناکام رہے ہیں ظاہر ہے کہ اموی صحابہؓ کی شدید ترین توہین پر مبنی زیر تبصرہ کتاب امام طبری تک پہنچانے میں ان تینوں خلفاء میں سے کسی ایک ہی خلیفہ کا کردار ہوسکتا ہے لیکن یہ کیوں کر ممکن ہے کہ سرکاری دستاویز سرکاری دفتر سے نکلوا کر اسے امام طبری تک پہنچا دیا جائے اور کسی کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی ہو۔

معتضد جیسا ظالم اور شیعہ خلیفہ شدید خواہش کے باوجود محض اس خوف سے کتاب کے نفاذ سے باز آ گیا تھا کہ کہیں خلافت عباسیوں سے نکل کر ''اہل بیت'' میں نہ پہنچ جائے لہٰذا وہ تو اسے طبری کے حوالے کر کے اپنی خلافت کو غیر مستحکم نہیں کرسکتا تھا جبکہ کتاب لکھنے والا اس کا وزیر عبیداللہ بن سلیمان اور قاضی یوسف بن یعقوب تو ابتداء ہی سے اس کے نفاذ کے حق میں نہیں تھے ۔

یہ بات یقیناً باعث حیرت ہے کہ امام طبری نے اتنی اہم ''کتاب'' کی کوئی سند نہیں دی اور نہ ہی ان ''جامعین'' کے نام بتائے جنہوں نے یہ نسخہ نقل کر کے معتضد کو دیا تھا ۔پھر آخر میں ''ذُکِرَ'' (یعنی مذکور ہے ) کے صیغہ سے اس کتاب کا ''ڈراپ سین'' بتایا گیا ہے ۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کتاب کے ''مصنف'' دراصل امام طبری خود ہی ہیں جنہیں بنوامیہ بالخصوص حضرت معاویہؓ کے ساتھ شدید بغض تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ طبرستان حضرت معاویہؓ کے دور میں فتح ہوا تھا ۔انہوں نے ۲۸۴ھ میں اس کتاب کے ''وجود'' میں آنے سے بہت پہلے حضرت معاویہؓ کے نام کے ساتھ متعدد مقامات پر ''لعنہ اللہ'' کے الفاظ لکھے تھے جبکہ اس کتاب میں بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں موجبات لعن ہی بتائے گئے ہیں ۔طبری کی اس ناپاک جسارت پر ترجمان اہل سنت مولانا محمد نافع صاحبؒ جیسے معتدل مفکر بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

غور طلب یہ بات ہے کہ صاحب التاریخ محمد ابن جریر الطبری کے لئے عباسیوں کے اس فراہم کردہ غلیظ مواد کو من وعن نقل کر کے اپنی تصنیف میں شامل کرنے کا کون سا داعیہ تھا؟ اور اس نے کون سی مجبوری کی بناء پر یہ کار خیر پورا کیا؟ گویا الطبری نے اس مواد کو اپنی تاریخ میں درج کر کے آنے والے لوگوں کو اس پر آگاہ کیا اور سب وشتم اور لعن طعن کے جو دلائل عباسیوں نے مرتب کروائے تھے ان پر آئندہ نسلوں کو مطلع کرنے کا ثواب کمایا ۔چنانچہ شیعہ اور روافض رسالہ

مذکورہ میں مندرجہ مواد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی کتب میں ابوسفیانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ پر مطاعن قائم کرتے ہیں اور شدید اعتراضات پیدا کرتے ہیں۔

درحقیقت الطبری نے اہل اسلام میں انتشار پھیلانے اور افتراق ڈالنے کے لئے بڑی عجیب تدبیر اور حکمت عملی اختیار کی، جس سے مخالفین صحابہ کو ایک گونہ رہنمائی حاصل ہوئی اور ان کو عداوت پوری کرنے کے لئے ایک تیار شدہ مواد دستیاب ہو گیا۔

کئی لوگ ان دلائل پر نظر کرنے سے متذبذب ہوں گے، کئی ناظرین صحابہ کرام سے متنفر ہوں گے اور بعض قارئین دل برداشتہ ہو کر اموی صحابہ سے منحرف ہو جائیں گے۔ الطبری کو اس باطل مواد کا اس تفصیل سے ذکر ہی نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ صرف ایک واقعہ تاریخی حیثیت سے اجمالاً ذکر کر دینا کافی تھا جیسا کہ باقی مؤرخین نے واقعہ ھذا کو اجمالاً درج کیا ہے اور دلائل کی تفصیل کی طرف نہیں گئے۔ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ذکر کیا تھا تو پھر اس مواد کے بطلان پر کچھ کلام کرنا لازم تھا تا کہ لوگ اس سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں لیکن الطبری نے ایسا نہیں کیا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب التاریخ الطبری کی نیت بخیر نہ تھی بلکہ فاسد تھی اور ان صحابہ کرامؓ کے حق میں" الطبری" خود سوء ظن کا مریض تھا۔" (فوائد نافعہ جلد اول ص ۵۸۰۔۵۸۱)

یہ ملحوظ رہے کہ جن مؤرخین نے اس واقعہ کو اجمالاً ذکر کیا ہے تو ان کا ماٰخذ بھی تاریخ طبری ہی ہے لہٰذا اس من گھڑت، باطل اور سراسر کذب وافتراء پرمبنی واقعہ کو اجمالاً بھی ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا۔
امام طبری نے حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ کی زبانی انہیں "فرعون" کا لقب دیا ہے۔
جبکہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آخر وقت تک مثالی تعلقات قائم رہے اور ان حضرات نے باہمی ادب واحترام میں بھی کبھی کوئی فرق نہ آنے دیا۔

امام ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

فیکرمهما معاویة اکراماً زائداً و یقول لهما مرحباً و اهلاً و یعطیهما عطاءً جزیلا و قد اطلق لهما فی یوم واحد مائتی الف ....." (البدایة والنهایة جلد ۸۔ص ۱۵۱)

تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں کی بہت زیادہ تکریم کرتے، مرحباً واھلاً کے الفاظ سے ان کا استقبال کرتے، عطیات کثیرہ سے نوازتے اور بعض اوقات ایک دن میں دو، دو لاکھ درہم بھی پیش کر دیتے تھے ...."

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات (۵۰ھ) کے بعد بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ باقاعدہ ہر سال شام تشریف لے جاتے رہے۔ اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز نہ بھی ہوتے تو پھر بھی بحیثیت صحابی اور عمر میں بڑے ہونے کی بناء پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر ان کا ادب واحترام فرض تھا لیکن امام طبری نے اپنے ''راوی'' کے ذریعے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلوائے وہ کسی عام مسلمان کے بھی شایانِ شان نہیں ہیں۔ تو پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت کی طرف ان کو کیوں کر منسوب کیا جا سکتا ہے؟ مگر امام طبری کو اس سے کیا غرض؟ ان کا مقصد وحید محض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد گورنر مدینہ ولید بن عتبہ نے اپنے قاصد کے ذریعے حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلوایا:

فوجدهما في المسجد وهما جالسان فأتاهما في ساعة لم يكن الوليد يجلس فيها للناس ولا يأتيانه في مثلها فقال: أجيبا الأمير يدعوكما فقال له انصرف الآن نأتيه ثم أقبل أحدهما على الآخر فقال عبدالله بن الزبير للحسين ظنّ فيما تراه بعث الينا في هذه الساعة التي لم يكن يجلس فيها۔ فقال حسين:

قد ظننت أرى طاغيتهم قد هلك فبعث الينا ليأخذنا بالبيعة قبل أن يفشو في الناس الخبر فقال وأنا ما أظنّ غيره.....

فدخل فسلّم عليه بالامرة و مروان جالس عنده فقال حسين كأنه لا يظن ما يظن من موت معاوية الصلة خير من القطعية أصلح الله ذات بينكما فلم يجيباه في هذا بشيء و جاء حتىٰ جلس فأقرأه الوليد الكتاب و نعى له معاوية و دعاه الى البيعة فقال حسين: إنّا لله وانّا اليه راجعون ورحم الله معاوية و عظّم لك الاجر.....

(تاريخ الامم والملوك الجزء الرابع ص۲۵۱، تحت سنة ۶۰ھ۔ طبع بیروت)

اس (قاصد) نے ان دونوں (حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) کو مسجد میں پایا، وہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اس نے آکر کہا کہ امیر نے تم دونوں آدمیوں کو طلب کیا ہے۔ یہ وقت ایسا تھا کہ ولید اس وقت لوگوں سے نہیں ملتا تھا نہ یہ دونوں شخص کبھی ایسے وقت اس سے ملنے کو جاتے تھے۔ دونوں نے یہ جواب دیا: تم جاؤ ہم ابھی آتے ہیں۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اب حسین رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس وقت تو ولید کسی سے ملتا نہیں۔ بتاؤ کیوں ہم لوگوں کو بلایا ہے؟ حسین رضی اللہ عنہ نے کہا میں سمجھتا ہوں ان لوگوں کا فرعون ہلاک ہوگیا ہے۔ ہم کو اس لیے بلا بھیجا ہے کہ اس خبر کے فاش ہونے سے پہلے ہی بیعت کے لیے ہم پر مواخذہ کرے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بھی یہی سمجھتا ہوں (پھر پوچھا تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کہا اسی وقت اپنے جوانوں کو ساتھ لے کر ولید کے پاس جاتا ہوں، دروازہ پر ان لوگوں کو روک دوں گا اور خود اس کے پاس جاؤں گا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم اس کے پاس گئے تو مجھے تمہاری جان کا اندیشہ ہے۔ حسین رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس طرح جاؤں گا کہ نکل بھی سکوں)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور السلام علیک یا امیر کہا۔ مروان (رضی اللہ عنہ) اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ حسین رضی اللہ عنہ نے موت معاویہ رضی اللہ عنہ سے انجان ہو کر کہا: میل رکھنا ترک ملاقات سے بہتر ہے۔ خدا نے تم دونوں آدمیوں میں صلح کرا دی۔ دونوں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ حسین رضی اللہ عنہ آ کر بیٹھ گئے تو ولید نے خط پڑھ کر سنایا، معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرنے کی خبر دی اور بیعت کا طالب ہوا۔

حسین رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر "انا للّٰہ و انا الیہ راجعون کہا اور کہا کہ خدا معاویہ رضی اللہ عنہ پر رحم کرے اور (بیعت کا جو تم نے مجھ سے سوال کیا تو میں پوشیدہ طور پر بیعت کرنے والا نہیں.....) (تاریخ طبری جلد چہارم ص ۱۶۴۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی مترجمہ سید حیدر علی طباطبائی)

امام طبری نے ایک ہی صفحہ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا متضاد کردار پیش کیا ہے کہ پہلے مسجد نبوی میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو یہ کہتے ہیں کہ "ان کا فرعون ہلاک ہوگیا ہے" (یہ کردار کسی بھی مسلمان کے شایان شان نہیں ہے) پھر گورنر کے سامنے تعزیت کرتے ہوئے کلمہ استرجاع پڑھتے ہیں۔

امام طبری نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کے موقع پر بھی جی بھر کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردار کشی کی۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے تو بقول طبری: حضرت معاویہؓ کے والد ابوسفیانؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:

ما بال هذا الأمر في أقل حيّ من قريش والله لئن شئت لأملأنها عليه خيلا و رجالاقال فقال عليّ يا أباسفيان طال ما عاديت الاسلام واهله فلم تضره بذلك شيئاً

انا وجدنا أبابكر لها أهلا ......

لما اجتمع الناس على بيعة ابى بكر أقبل ابوسفيان و هو يقول:واللّٰه انى لأرى عجاجةً لا يطفئها الّا دم يا آل عبد مناف فيما ابوبكر من أموركم. أين المستضعفان ، أين الأذلان عليّ و العباس وقال أنك واللّٰه ماأردت بهذا الّا الفتنة و انك واللّٰه طال ما بغيت الاسلام شرّا، لاحاجة لنا فى نصيحتك.....لمّا بويع أبوبكر قال أبو سفيان لعليّ والعباس أنتم الأذلان۔ (تاريخ الامم والملكوك۔الجزء الثانى **ص ۴۴۹۔طبع بيروت )**

حضرت **ابوبکر** رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد ابوسفیانؓ نے حضرت **علی** رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: ''کیا وجہ ہے کہ قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا ایک آدمی خلیفہ بن گیا۔ اللہ کی قسم اگر آپ یہ منصب چاہیں تو میں وادی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوسفیانؓ، تیری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کی عداوت پر مبنی ہے پہلے بھی تو اسلام کے ساتھ دشمنی کرتا رہا ہے لیکن تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا۔ یقیناً ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس منصب کا اہل پایا ہے''......

ابوسفیانؓ نے کہا: اے آل عبد مناف! ابوبکرؓ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ تمہارا سربراہ بن جائے۔ وہ دونوں ذلیل و کمزور یعنی عباسؓ اور علیؓ کہاں ہیں؟ اور کہا اے ابوالحسنؓ! ہاتھ آگے بڑھایئے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور ابوسفیانؓ کو ڈانٹ پلائی اور کہا کہ اللہ کی قسم تیرا مقصد صرف فتنہ و فساد پھیلانا ہے۔ اللہ کی قسم تو اسلام کے خلاف شر انگیزی ہی کرتا رہا ہمیں تمہاری نصیحت کی کوئی ضرورت نہیں ہے.... جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو گئی تو ابوسفیانؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سے کہا کہ تم دونوں ذلیل ہو...

یہی نہیں بلکہ امام طبری نے سقیفہ بنی ساعدہ میں بھی خود صحابہ کی زبان سے ایک دوسرے کو مطعون ٹھہرایا ہے:

فأقبل الناس من كل جانب يبايعون أبابكر وكادوا يطؤون سعد بن عباده فقال ناس من اصحاب سعد اتقوا سعدا لاتطؤه فقال عمر: اقتلوه قتله اللّٰه ثم قام على رأسه فقال لقد هممت أن أطأك حتى تندر عضوك فأخذ سعد بلحية عمر فقال :واللّٰه لو حصصت منه شعرة ما رجعت وفى فيك واضحة.......

لمّا قام الحباب بن المنذرانتضى سيفه .....فحامله عمر فضرب يده فندر

السیف فأخذہ ثم وثب علی سعد و وثبوا علی سعد وتتابع القوم علی البیعة وبایع سعد و کانت فلتة کفلتات الجاھلیة۔

قام أبوبکر دونھا و قال قائل حین أوطی سعد قتلتم سعداً فقال عمر:قتله اللّٰه انه منافق....(تاریخ الامم والملوك۔الجزء الثانی ص٤٥٩۔تحت سنة١١ھ۔طبع بیروت)

**اب ہر طرف سے لوگ آ آ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے لگے۔قریب تھا کہ وہ سعد (بن عبادہ رضی اللہ عنہ) کو روند ڈالتے۔اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کسی آدمی نے کہا کہ سعد رضی اللہ عنہ کو بچاؤ، ان کو نہ روندو۔عمر رضی اللہ عنہ کہا:اللہ اسے ہلاک کرے، اس کو قتل کردو اور خود ان کے سر پر آ کر کھڑے ہو گئے اور کہا میں چاہتا ہوں تم کو روند کر ہلاک کر دوں۔سعد رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی۔عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: چھوڑ دو اگر اس کا ایک بال بھی بیکا ہوا تو تمہارے منہ میں ایک دانت نہ رہے گا.....**

**عمر رضی اللہ عنہ نے اس (حباب بن منذر رضی اللہ عنہ) پر حملہ کیا، اس کے ہاتھ پر وار کیا، تلوار گر پڑی، عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اٹھا لیا اور پھر سعد رضی اللہ عنہ پر جھپٹے......**

**اس وقت عہد جاہلیت کا سا منظر پیش آیا اور تو تو، میں میں ہونے لگی۔ابو بکر رضی اللہ عنہ اس جھگڑے سے دور رہے۔جس وقت سعدؓ پر لوگ چڑھ گئے کسی نے کہا کہ تم لوگوں نے سعدؓ کو مار ڈالا۔عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اسے ہلاک کرے وہ منافق ہے۔**

**امام طبری اسی موقع پر اہل تشیع کی تائید میں حضرت عمرؓ پر ایک یہ گھناؤنا اور مکروہ الزام بھی عائد کرتے ہیں کہ:"زیاد بن قلیب سے مروی ہے کہ وہاں (یعنی سقیفہ بنی ساعدہ) سے عمرؓ بن خطاب علیؓ کے مکان پر آئے وہاں طلحہؓ، زبیرؓ اور دوسرے مہاجر (رضی اللہ عنہم) موجود تھے، عمرؓ نے کہا چل کر بیعت کرو، ورنہ میں اس گھر میں آگ لگا کر تم سب کو جلا دوں گا۔زبیرؓ تلوار نکال کر عمرؓ کی طرف بڑھے مگر فرش میں پاؤں الجھ جانے کی وجہ سے گرے اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی، تب اور لوگوں نے فوراً زبیرؓ پر یورش کر کے ان کو قابو میں کر لیا"(تاریخ طبری جلد اول سیرت النبی ص ۵۴۹ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)**

**یہ ملحوظ رہے کہ یہ اس وقت کا منظر نامہ ہے کہ ابھی حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو نہ تو غسل دیا گیا تھا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین و تدفین عمل میں آئی تھی۔امام طبری نے تو اس منظر کو عہد جاہلیت کے ساتھ تشبیہ دے دی۔جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے حالات میں اس کی نظیر عہد جاہلیت میں بھی نہیں مل سکتی۔**

سخت تعجب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رئیس انصار اور بدری صحابی کو "منافق اور واجب القتل" قرار دے دیا گیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ تو زندگی میں بخشا گیا اور نہ ہی بعد از وفات۔ بلکہ امام طبری نے توعین مرض موت میں بھی ان کے ساتھ یہ سلوک جاری رکھا حالانکہ اس نازک وقت میں تو بڑے سے بڑے گناہ گار کو بھی فکرِ آخرت دامن گیر ہو جاتی ہے۔ موصوف نے "سقیفہ بنی ساعدہ" والا نقشہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری لمحات کے موقع پر بھی کھینچ دیا جس میں حضرت معاویہ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنھم تینوں کی شدید ترین توہین پائی جاتی ہے۔ چنانچہ امام طبری لکھتے ہیں کہ:

أن معاوية لما مرض مرضته التي هلك فيها دعا يزيد ابنه فقال: يا بنيّ انّي قد كفيتك الرحلة والترحال وطأت لك الأشياء و ذللت لك الأعداء و أخضعت لك أعناق العرب و جمعت لك من جمع واحد۔

واني لا أتخوّف أن ينازعك هذا الأمر الّذي استتب لك الاّ أربعة نفر من قريش الحسين بن عليّ و عبدالله بن عمر و عبدالله بن الزبير و عبدالرحمٰن بن أبي بكر۔

فاما عبدالله بن عمر فرجل قد وقذته العبادة و اذا لم يبق أحد غيره بايعك۔

وأما الحسين بن عليّ فان أهل العراق لن يدعوه حتىٰ يخرجوه فان خرج عليك فظفرت به فاصفح عنه فان له رحماً ماسة وحقاً عظيما"۔ و أما ابن أبي بكر فرجل ان رأى أصحابه صنعوا شيئاً صنع مثلهم ليس له همة الاّ في النساء واللهو۔

و أما الّذي يجثم لك جثوم الأسد ويراوغك مراوغة الثعلب فاذا أمكنته فرصة وثب فذاك ابن الزبير فان هو فعلها بك فقدرت عليه فقطعه ارباً ارباً۔

(تاريخ الامم والملوك۔ الجزء الرابع۔ ص ٢٣٨۔ تحت سنة ٦٠ھ)

**معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب مرض موت لاحق ہوا تو اپنے بیٹے یزید کو بلا بھیجا اور کہا:**

**اے میرے بیٹے میں نے تجھے زحمت و مشقتِ سفر سے بچا لیا، تیرے ہر امر کو آسان کر دیا۔ تیرے لیے دشمنوں کو میں نے رام کر دیا، تیرے لیے عرب کی گردنوں کو میں نے جھکا دیا۔ تیرے لیے جو کچھ میں نے جمع کیا ہے وہ کسی نے نہ کیا ہو گا۔**

**مجھے اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ امرِ خلافت جو تیرے لیے یقینی ہو چکا ہے، قریش میں**

سے چار شخصوں کے سوا کوئی تجھ سے اس باب میں نزاع کرے گا۔

حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم۔

ان میں سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عبادت نے کام تمام کردیا ہے اور جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے سوا کوئی باقی نہیں رہا تو وہ بھی تجھ سے بیعت کر لیں گے۔

اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو عراق کے لوگ جب تک خروج پر آمادہ نہ کر لیں گے ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ اگر وہ تجھ پر خروج کریں اور تو ان پر قابو پا جائے تو درگزر کرنا۔ ان کو قرابتِ قریبہ حاصل ہے اور بہت بڑا حق رکھتے ہیں۔

اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما وہ شخص ہے کہ اپنے ساتھیوں کو جو کام کرتے دیکھے ویسا ہی خود بھی کرے گا۔ اسے عورتوں اور لہو ولعب کے سوا کسی بات کا خیال نہیں۔

ہاں جو شخص شیر کی طرح تیری گھات میں بیٹھے گا اور لومڑی کی طرح تجھے دھوکا دے گا جب اسے موقع ملے گا حملہ کر دے گا، وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہے۔ اگر ایسی حرکتیں وہ تیرے ساتھ کرے اور تیرے قابو میں آجائے تو اس کے ٹکڑے اڑا دینا۔

امام طبری نے حضرت معاویہؓ کا یہ "وصیت نامہ" اپنے ہم مسلک جناب ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور حضرت ابومخنف کی سند سے نقل کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ امام طبری نے اپنی تاریخ کا اکثر حصہ ان ہی راویوں اور ان کے ہم خیال حضرات کے "تعاون" سے ہی مرتب کیا ہے۔ علمائے رجال نے کلبی اور ابومخنف پر شدید قسم کی جرح کی ہے کہ یہ غیر معتبر، ضعیف ومتروک، قصہ گو، اخباری، کذاب، دجال، رافضی اور آگ لگانے والے شیعہ ہیں۔

امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

ابومخنف وهشام بن محمد بن السائب وامثالهما من المعروفين بالكذب عند أهل العلم۔ (منهاج السنة الجزء الاوّل ص ۱۳)

اہل علم کے نزدیک ابومخنف اور ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ان جیسے دیگر راویوں کا کذاب ہونا معروف ہے۔

صد افسوس کہ امام طبری نے ان خبیث، مردود، سبائی، رافضی، شیعہ، کذاب اور دروغ گو راویوں پر "اعتماد" کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزامات عائد کر کے قرآن وحدیث کے واضح احکامات کو پس پشت ڈال دیا۔

اگر بفرض محال یہ سارے راوی اور ناقل ، رافضی اور کذاب نہ بھی ہوتے تو پھر بھی اس ''وصیت نامے'' کے جھوٹے اور جعلی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہے۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت رجب ۶۰ھ میں ان کے مرض الموت میں محفوظ کی جارہی ہے نگران جیسے صاحب بصیرت، ملکی اور عالمی حالات ،شخصیات اور واقعات پر گہری نظر رکھنے والے عظیم مدبر اور سیاست دان کی زبان سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا نام نکلوایا جارہا ہے جو وصیت نامہ تحریر ہونے سے سات سال پہلے ۵۳ھ میں ہی وفات پا چکے تھے۔اگر کوئی اس سن وفات سے ''اتفاق'' نہ کرے تو یہ بات تو قطعی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما وصیت نامہ کی تحریر یا املاء سے پہلے وفات پا چکے تھے۔

علاوہ ازیں ان پر یہ بدترین الزام بھی لگایا گیا ہے کہ انہیں ''عورتوں اور لہو ولعب'' کے سوا کسی بات کا خیال نہیں جب کہ ان کی ساری زندگی جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ میں بسر ہوئی۔اول تو وہ وصیت کے وقت دنیا میں موجود ہی نہیں تھے اگر بالفرض وہ زندہ بھی ہوتے تو اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال سے زائد بنتی ہے۔کیا یہ عمر کھیل کود لہو ولعب اور عورتوں سے دلچسپی کی ہوتی ہے؟

تاریخ طبری میں صحابہ کرام بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی پر مبنی روایات اور امام طبری کی خصوصی ''کاوشوں'' کا ہی یہ نتیجہ نکلا کہ ان کی وفات کے صرف ۱۰ سال بعد ۳۲۰ھ میں آل بویہ جیسے ظالم اور سفاک شیعہ اقتدار میں آگئے جنہوں نے امام طبری کی پیروی میں جامع مسجد بغداد کے دروازے پر ''لعن اللّٰہ معاویۃ بن أبی سفیان'' کے الفاظ کندہ کرادیے۔جس کتاب میں صحابہ کرامؓ کی توہین کی گئی ہو اور حضرت معاویہؓ کے اسم گرامی کے ساتھ نہ صرف ''لعنہ اللہ'' کے الفاظ لکھے ہوں بلکہ ان پر لعنت کے جواز کو بہ دلائل بھی ثابت کیا گیا ہو تو اس مؤلف کا دفاع کرنے والے بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

# ۳۔امام ابوبکر جصاص رازی حنفی

## (م ۳۷۰ھ)

مشہور مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، مجتہد، حجۃ الاسلام ابو بکر احمد بن علی رازی حنفی الجصاص بغداد میں ۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔اپنے دور میں حنفیہ کے سرخیل تھے اور ان کی ذات پر احناف کی امامت وسیادت ختم ہو گئی تھی۔انہوں نے ابوالحسن کرخی اور دیگر فقہائے عصر سے استفادہ کیا۔ بغداد میں تدریس کا آغاز کیا پھر وہیں کے ہو کے رہ گئے۔منصور باللہ نے طبقات معتزلہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔موصوف معتزلی عقائد سے متاثر تھے اور ان کا یہ رجحان ان کی تفسیر میں صاف جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔امام ابوبکر جصاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغض وعناد میں جملہ دشمنان معاویہ رضی اللہ عنہ سے سبقت لے گئے ہیں۔موصوف کی تفسیر "احکام القرآن" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قلم نے جابجا "بغض معاویہؓ" کا زہر بکھیرا ہے:

قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفي صدورهم اكبر۔(آل عمران ۱۱۸)

محقق اہل سنت اور سابق شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ راولپنڈی مولانا ابو ریحان عبدالغفور صاحبؒ سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ:

"معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خدا واسطے کا بیر اور بغض ہے۔احکام القرآن میں کوئی موقع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹ کرنے کا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ جہاں ذرا سا بھی موقع ملتا ہے ان پر ضرور چوٹ کرتے ہیں بلکہ موقع نہ ہو تو موقع نکال لیتے ہیں۔

ان کے نزدیک چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قابل تولی نہیں بلکہ ہیں ہی قابل تبراء۔اس لئے بایں ہمہ علم وفضل اور امامت واجتہاد اپنے مقام رفیع سے کہیں نیچے اتر کر ان پر خوب تبراء کرتے ہیں۔چونکہ مجتہد ہیں اس لئے ان کا یہ تبراء بھی مجتہدانہ شان کا حامل ہے۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایسا تبراء نہ ان سے پہلے آپ نے کسی سنی حنفی امام سے سنا ہوگا، نہ ان کے بعد۔"

(سبائی فتنہ طبع دوم ص ۶۲۰۔۶۲۱)

کلیۃ الشریعۃ جامعہ ازہر کے پروفیسر اور مصر کے ممتاز عالم ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے اپنی

کتاب "التفسیر والمفسرون" میں "حملة الجصاص علیٰ معاویة" (یعنی حضرت معاویہؓ پر جصاص کی یورش) کا عنوان قائم کر کے چند عبارات نقل کی ہیں:

امام جصاص آیت تمکین '' الذین ان مکنٰھم فی الارض'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

اس آیت میں خلفائے راشدین کے اوصاف ذکر کیے گئے ہیں اور وہ حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ و عثمانؓ وعلیؓ تھے۔اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی امامت جائز اور درست تھی اس لئے کہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو جب زمین کا اقتدار سونپا جاتا ہے تو وہ اللہ کے فرائض وواجبات کو قائم کرتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ خلفاء کو اقتدار عطا کیا گیا اس لئے خلفائے راشدین خداوندی اوامر و احکام کو نافذ کرنے والے اور شرعی منہیات ومحرمات سے باز رہنے والے تھے۔

معاویہؓ ان کے زمرے میں شامل نہیں ہوسکتے۔اس لئے کہ اس آیت میں مہاجرین کا ذکر کیا گیا ہے اور معاویہؓ مہاجر نہ تھے بلکہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے۔(احکام القرآن جلد ۳ ص ۳۰۲)

موصوف آیت استخلاف کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کی امامت صحیح ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ ان کو خلافت ارضی سے نوازا تھا۔

معاویہؓ ان کے زمرے میں اس لئے شامل نہیں کہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا۔
(حوالہ مذکور ص ۴۰۶)

موصوف سورۃ الحجرات کی آیت "فقتال اھل البغی" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علیؓ لڑائی میں حق پر تھے۔اس کے برخلاف معاویہؓ اور ان کے ہم نوا باغی تھے۔ علاوہ ازیں جس نے بھی ان کے خلاف خروج کیا وہ باغی ہے''۔(حوالہ مذکور ص ۴۹۲)

علامہ محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں کہ:

جصاص کا یہ طرز عمل سخت قابل اعتراض ہے۔اچھا ہوتا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں ملوث نہ کرتے اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کردیتے۔

مذکورہ صدر آیات کو اپنے جذبات ونظریات کے سانچہ میں ڈھالنا بھی کوئی قابل تعریف کام نہیں۔

جناب جصاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک قول "توریث المسلم من الکافر" کو "احداث فی الاسلام" اور "بدعت شرعی" قرار دیتے ہیں۔(احکام القرآن جلد ۲ ص ۱۰۲)

جبکہ یہی قول حضرت معاذ بن جبلؓ، محمد بن حنفیہ، زین العابدین، جناب باقر، حسن بصری، سعید بن مسیّب، شعبی، مسروق، ابراہیم نخعی، عبداللہ بن معقل، مکی اور اسحاق کی طرف بھی منسوب ہے اگر مذکورہ قول کی نسبت ان حضرات کی طرف صحیح ہے تو پھر اسے احداث فی الاسلام اور بدعت شرعی سے تعبیر کرنا نہایت ہی نا رواجسارت ہے۔

امام حصاص آیت "لاینال عھدی الظالمین" (البقرۃ ۱۲۴) کی تفسیر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مزید تبرا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

إن الظالم لا يكون إماماً ......فلا يجوز ان يكون الظالم نبيًا و لا خليفة لنبي و لا قاضيا۔ (احکام القرآن جلد ا ص ۶۹)

ظالم امام نہیں ہوسکتا ...... یہ جائز نہیں ہے کہ ظالم شخص نبی ہو یا نبی کا خلیفہ یا قاضی۔

اس کے بعد موصوف عبدالملک بن مروانؒ اور حجاج کا ان الفاظ تذکرہ کرتے ہیں کہ:

ولـم يكن من العرب و لا آل مروان أظلم و لا آكفر و لا أفجر من عبدالملك ولم يكن في عماله آكفر و لا أظلم و لا أفجر من الحجاج۔ (حوالہ مذکور ص ۷۱)

"عبدالملک سے بڑھ کر عرب اور آل مروان میں کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا اور نہ اس کے عمال میں سے حجاج سے بڑھ کر کوئی کافر، ظالم اور فاجر تھا"۔

موصوف پھر اس دور کے صحابہ و تابعین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

و سائر التابعين يأخذون أرزاقهم من أيدي هؤلاء الظلمة لا علىٰ أنهم كانوا يتولو نهم ولا يرون إمامتهم۔ وإنما كانوا يأخذونها علىٰ أنها حقوق لهم في أيدي قوم فجرة وكيف يكون ذالك علىٰ وجه موالاتهم وهم خالفون لعبدالملك بن مروان، لاعنون لهم متبرؤن منهم، وكذالك كان سبيل من قبلهم مع معاوية حين تغلب على الأمر بعد مقتل علي عليه السلام، وقد كان الحسن والحسين يأخذان العطاء وكذالك من كان في ذالك العصر من الصحابة وهم غير متولين له بل متبرؤن منه على السبيل الّتي كان عليها علي عليه السلام الى أن توفاه اللّٰه تعالى الى جنته ورضوانه۔ فليس إذا في ولاية القضاء من قبلهم ولا أخذ العطاء منهم دلالة على توليتهم واعتقادا مامتهم۔ (احکام القرآن جلد اول ص ۷۱)

اور تمام صحابہ و تابعین ان ظالموں کے ہاتھوں سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے لیکن اس بناء

پر نہیں کہ وہ ان کو دوست یا ان سے محبت رکھتے ہوئے یا ان کی خلافت وامامت اور امارت کو درست سمجھتے ہوئے بلکہ وہ اس خیال سے وظائف قبول کرتے تھے کہ یہ ان کے اپنے حقوق تھے جو ظالم اور فاجر لوگوں کے قبضے میں تھے اور یہ طرزِ عمل ان کے ساتھ دوستی اور محبت کی بناء پر نہیں ہوسکتا بلکہ وہ حضرات عبدالملک بن مروان کی بیعت توڑے ہوئے تھے۔ ان پر لعنت کرتے تھے اور ان پر تبرا کرتے تھے۔

اور ان سے پہلے صحابہ و تابعین کا معاویہ کے ساتھ بھی یہی سلوک اور رویہ تھا جب وہ علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد خلافت پر جبراً قابض ہو گیا تھا اور حضرات حسنین اور جو صحابہ اس کے دور میں موجود تھے وظائف تو قبول کرتے تھے مگر اس کے ساتھ دوستی اور محبت کے بغیر۔ بلکہ اس سے اسی طرح تبرا کرتے تھے جس طرح علی علیہ السلام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنی جنت اور رضوان میں لے گئے۔

لہٰذا اس دور کے صحابہ و تابعین کا (عبدالملک، حجاج اور معاویہ جیسے اظلم، افجر اور اکفر لوگوں کے ہاتھوں سے) عہدہ قضاء اور وظائف قبول کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حضرات ان سے محبت اور دوستی رکھتے تھے یا ان کی امامت وخلافت کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔

امام جصاص حنفی رازی کی مذکورہ تبرائی عبارت سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے:

۱۔ معاویہ، عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف کی مثل ہے۔

۲۔ عبدالملک اور حجاج سے بڑھ کر پورے عرب اور آل مروان میں کوئی کافر، ظالم اور فاجر نہیں (اظلم و افجر و اکفر)

۳۔ قرآن (لا ینال عھدی الظالمین) کی رو سے معاویہ، امامت، خلافت اور امارت کا مستحق نہیں۔

۴۔ معاویہؓ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بھی جائز حکمران یا خلیفہ نہیں تھا بلکہ متغلب تھا۔

۵۔ حضرت علیؓ، حضرات حسنینؓ اور دیگر صحابہؓ و تابعینؒ، معاویہؓ سے دوستی ومحبت نہیں رکھتے تھے بلکہ اس پر لعنت اور تبرا کے علاوہ اس سے نفرت بھی کرتے تھے۔

۶۔ جو صحابہؓ و تابعینؒ معاویہؓ سے وظائف، تحائف اور مناصب قبول کرتے تھے وہ دراصل ان کے اپنے حقوق تھے جو اس ظالم اور فاجر کے قبضہ میں تھے۔

قارئین کرام! امام ابوبکر جصاص کی اس جرأت سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس تبرے کی زد سے کون کون سے حضرات محفوظ رہے؟

تبرے کی انتہا یہ ہے کہ اس حنفی اور معتزلی مفسر نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یکے از

"ائمة الکفر" قرار دے دیا۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے مقام پر سورۃ التوبہ کی آیت "فقاتلوا ائمة الکفر" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے روایت ہے کہ ائمۃ الکفر سے سردارانِ قریش مراد ہیں اور قتادہ نے کہا کہ اس سے مراد ابوجہل، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ اور سہیل بن عمرو ہیں۔

ابوبکر نے کہا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سورۃ برأت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اور ابوجہل، امیہ بن خلف اور عتبہ بن ربیعہ اس سے پہلے ہی مارے گئے تھے اور سردارانِ قریش میں سے سورۃ برأت کے نزول کے وقت کوئی بھی باقی نہ بچا تھا جس نے کفر کا اظہار کیا ہو۔ ائمۃ الکفر کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ اس سے مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے اسلام کا اظہار تو کیا تھا لیکن ان کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے اور وہ طلقاء ہیں جیسے ابوسفیان اور اس کا گروہ۔

إلا أن یکون المراد قوما من قریش قد کانوا أظهروا الاسلام وهم الطلقاء من نحو أبي سفیان و أحزابه ممن لم ینق قلبه من الکفر۔ (احکام القرآن جلد ۳ ص ۸٦)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی یقیناً حضرت ابوسفیانؓ ہی کے گروہ میں شامل تھے لیکن جصاص نے ان کے بارے میں یہ تصریح بھی کی ہے کہ:

لیس معاویة من المهاجرین بل هو من الطلقاء (حوالہ مذکور ص ۲۴٦)

معاویہ مہاجرین میں سے نہیں بلکہ طلقاء میں سے ہیں۔

اس طرح معاویہ بھی ان کے نزدیک یکے از ائمة الکفر ہو گئے۔ (العیاذباللہ)

قاضی ابوبکر جصاص رازی "فاسق امراء" کی زیرِ قیادت جہاد کے جواز پر یہ دلیل لائے ہیں کہ:

"وقد کان أصحاب النبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم یغزون بعد الخلفاء الأربعة مع الأمراء الفسّاق وغزا أبوأیوب الأنصاري مع یزید اللعین..." (احکام القرآن جلد ۳ ص ۱۱۹)

یہاں جصاص حنفی نے "خلفاء اربعہ" کے بعد مطلقاً سب امراء کو "فسّاق" کہہ دیا جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی آ جاتے ہیں۔

جصاص کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جابجا صریح توہین کے بعد یہاں کوئی تاویل بھی کارگر ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے قلم سے ہمیشہ "بغض معاویہؓ" ہی ٹپکتا بلکہ چھلکتا رہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

# ۴۔امام ابوعبداللہ حاکم
# نیشاپوری (م۴۰۵ھ)

امام حاکم کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور نام محمد بن عبداللہ اور عرف ابن البیع ہے۔جس کا معنیٰ ''بیوپاری کا بچہ'' ہے۔ان کی پیدائش ۳ ربیع الاول ۳۲۱ھ میں بعہد عباسیہ اور غالی شیعہ دیلمی حکومت (آل بویہہ) کے قیام کے ایک سال بعد نیشاپور میں ہوئی۔نیشاپور ایران کے صوبہ خراسان کے جنوبی پہاڑوں کے دامن میں ایک شہر ہے، جو مشہد کے قریب ہے۔پانچویں صدی میں اس کا نام ساسانی بادشاہ ''شاہ پور'' کے نام سے پڑا۔

آل بویہہ کی انتہائی سفاک اور ظالم شیعہ حکومت کا دور ۳۲۰ھ سے لے کر ۴۴۸ھ تک رہا ہے۔نیشاپور کا علاقہ بھی اسی ظالم حکومت کی ماتحتی میں تھا۔گویا امام حاکم کی ساری زندگی (۳۲۱ھ تا ۴۰۵ھ) اسی عہد میں گزری۔جب کہ اسی حکومت کے دور عروج یعنی ۳۶۵ھ میں اس حکومت کی طرف سے وہ عہدۂ قضاء پر بھی مامور ہوئے جس کی بناء پر ان کا لقب ''الحاکم'' مشہور ہو کر نام پر غالب آ گیا، حتیٰ کہ وہ آج تک اسی لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

امام حاکم نے ۳ صفر ۴۰۵ھ میں اس طرح اچانک وفات پائی کہ غسل خانے میں غسل کے لیے گئے۔فراغت کے بعد اس حال میں باہر نکلے کہ جسم پر صرف تہ بند تھا، ابھی کرتا نہیں پہنا تھا کہ ایک آہ منہ سے نکلی اور طائر روح قفص عنصری سے پرواز کر گیا۔

ظاہر ہے کہ جو شخص ایک ظالم، سفاک اور مذہبی انتہاپسند شیعی حکومت کے دور میں پروان چڑھا ہو، اسی حکومت کی طرف سے محکمہ قضاء پر فائز رہا ہو، جس میں تساہل وتجاہل بھی پایا جاتا ہو، جو ذہنی، جسمانی اور فکری ونظری تغیرات وغفلت کا بھی شکار رہا ہو، اس کا تشیع بھی مشہور ومعروف رہا ہو مذہب شیعہ سے اس کی محبت، رغبت اور اس کی طرف میلان بھی مسلمہ ہو اور اختلاط مع الروافض سے بھی اجتناب نہ کر سکتا ہو تو ایسا شخص کس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''حسن ظن'' رکھ سکتا ہے؟

محدثین اور متقدمین کی اصطلاح کے مطابق صحابہ کرامؓ کے ساتھ بغض رکھنے والا اور ان پر ''سب'' کرنے والا محض رافضی ہی نہیں بلکہ غالی رافضی ہے۔علامہ ابن طاہر مقدسی امام حاکم کا

علمی مرتبہ ومقام بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"رافضی خبیث ... کان شدیدالتعصب للشیعة فی الباطن و کان یظهر التسنن فی التقدیم والخلافة ... کان منحرفا عن معاویة وآله متظاهرا بذلك ولا یعتذر منه۔
(تذکرة الحفاظ للذهبی تحت ابو عبدالله الحاکم)

امام ذہبی اپنی ایک دوسری کتاب میں فرماتے ہیں کہ:

وکان منحرفاغالیا عن معاویة و عن أهل بیته یتظاهر بذلك ولا یعتذر منه
(سیر اعلام النبلاء للذهبی جلد ۱۷ص ۱۷۴)

وہ (یعنی امام حاکم) حضرت معاویہؓ وران کی آل وپیروکاروں سے سخت منحرف اور بے زار تھے۔ اس چیز کا برملا اظہار کرتے تھے جس کا کوئی عذر بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حاکم حضرت معاویہؓ سے اعلانیہ وبرملا برأت کا اظہار کرتے تھے اور یہ انحراف ومخالفت بھی انتہائی درجے کی تھی۔ (کان منحرفاً غالیاً)

جب امام حاکم کی اس ناپاک جسارت کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا عام ہونے لگا تو ایک جماعت اور گروہ نے اس رویہ سے تنگ ہوکر موصوف کے اس منبر کو (جس پر بیٹھ کروہ مجلس تبرا پڑھتے تھے) توڑ دیا اور آئندہ کے لئے انہیں گھر سے باہر مسجد کی طرف نکلنے اور خطبہ دینے سے بھی منع کردیا۔

اس گروہ کا صرف یہی مطالبہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں لہٰذا ان کے خلاف بد زبانی نہ کی جائے۔ چنانچہ ابوعبدالرحمٰن السلمی، امام حاکم کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے درخواست کی کہ: حضرت لوگوں کا بس یہی ایک مطالبہ ہے کہ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو تبرا کرتے ہیں اس سے معذرت کرلیں اور ان کی منقبت وشان میں کوئی حدیث بیان کردیں تا کہ اس محصوری سے نجات مل جائے تو موصوف نے جواباً واشگاف الفاظ میں کہا کہ: "لایجئی من قلبی، لایجئی من قلبی"

یعنی میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آرہی۔ مجھے یہ تکلیف تو گوارا ہے لیکن اس شخص (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی فضیلت میں حدیث بیان کرکے چھٹکارا حاصل نہیں کرنا چاہتا۔

امام حاکم سے متعلق مزید تفصیل وتحقیق کے متلاشی قارئین کرام راقم الحروف کی کتاب "حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ" اور الکلام الحاوی فی تحقیق عبارة الطحاوی مؤلفہ امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

☆☆☆☆☆☆

# ابوالحسن علی برہان الدین مرغینانی

## صاحب ہدایہ (م ۵۹۳ھ)

صاحب ہدایہ کے ہم وطن بادشاہ بابر نے ان کے گاؤں کا نام ''رشدان'' بتلایا ہے اس لیے وہ ''رشدانی'' بھی کہلاتے ہیں۔ صاحبِ ''الجواھر المضیئة'' کے حسب ذیل القابات سے ان کے علمی مقام کا کچھ اندازہ ہوتا ہے:

''کان اماماً، فقیهاً، حافظاً، محدثاً، مفسّراً، جامعاً للعلوم، ضابطاً للفنون، متقناً، محققاً، نظاراً، مدققاً، زاهداً، ورعاً، بارعاً، فاضلاً، ماهراً، أصولياً، أديباً، شاعراً لم ترى العيون مثله في العلم والأدب۔''

جب کہ علامہ مرغینانیؒ کی بلند پایہ تصنیف ''الهداية'' کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ:

إنّ الهداية كالقرآن قد نسخت　　ما صنفوا قبلها في الشرع من كتب

فاحفظ قرأتها و الزم تلاوتها　　يسلم مقالك من زيغ و من كذب

ہدایہ اس باب میں گویا قرآن سے مشابہ ہے۔ جس نے گذشتہ شرائع کی کتابوں کو منسوخ کر دیا۔ پس اس کتاب کو پڑھتے رہو اور اس کی تلاوت کو لازم کر لو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری گفتگو بھی اور غلطیوں سے پاک ہو جائے گی۔

(بحوالہ مصنفین درس نظامی ص ۱۵۶-۱۵۷۔ مؤلفہ مولانا محمد حنیف گنگوہی فاضل دیوبند)

بایں ہمہ علم و فضل علامہ مرغینانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت کے فیصلوں کے حوالے سے ''السلطان الجائر'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''ثم يجوز التقلد من السلطان الجائر كما يجوز من العادل لأنّ الصحابة تقلدوه من معاوية والحق كان بيد عليّ في نوبته''(الهداية۔ كتاب ادب القاضي)

پھر سلطان جائر کی طرف سے عہدہ قضا قبول کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح سلطان عادل سے قبول کرنا جائز ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عہدہ قضا قبول کیا تھا۔ حالانکہ اپنی خلافت کی نوبت آنے پر حق حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔

علامہ ابن ہمام صاحب ہدایہ کی اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هذا تصريح بجور معاوية والمراد في خروجه لا في أقضيته..."

(فتح القدیر جلد ۵۔ص ۴۶۱ طبع مصر)

''یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''جور'' کی تصریح ہے اور اس سے مراد عدالتی فیصلوں میں ان کا جور مراد نہیں بلکہ ان کا خروج ہے ......''۔

دراصل صاحب ہدایہ نے یہ بات (سلطان جائر) ایک مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھی ہے کہ جس طرح ''سلطان عادل'' سے عہدہ قضا قبول کرنا جائز ہے اسی طرح ''سلطان جائر'' سے بھی عہدہ ومنصب قبول کرنا جائز ہے اور اس کی دلیل میں یہ بات پیش کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ عہدے اور مناصب صحابہؓ نے قبول کیے تھے باوجود اس کے کہ حق حضرت علیؓ کی طرف تھا۔

صاحب ہدایہ خود امام اعظم کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقوله (أي قول أبي حنيفة) وهو ظلم "أي ميل عن سواء السبيل" وهكذا يكشف عن مذهبه رحمه الله أنّ المجتهد يخطي ويصيب لا كما ظنّه البعض۔

(الهداية كتاب ادب القاضي جلد ۲۔ص ۱۱۷)

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول ''وھو ظلم'' میں ''ظلم'' سے مراد سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ جانے کے ہیں اور اس سے ان کا مذہب ظاہر ہوتا ہے کہ مجتہد خطا پر بھی ہوتا ہے اور صواب پر بھی نہ جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے۔

اس سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ ''ظلم'' سے خود صاحب ہدایہ نے خطائے اجتہادی ہی مراد لی ہے اور خطائے اجتہادی جس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سرزد ہو سکتی ہے اسی طرح حضرت علیؓ سے بھی صادر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

''لازم نیست امیر در جمیع امور خلافیہ محقق باشد و مخالف ایشاں بر خطا''

(مکتوبات جلد ۲۔ص ۵۵، مکتوب نمبر ۳۶)

یہ لازم نہیں کہ حضرت امیر تمام اجتہادی واختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر۔

امام ابن ہمام کی توضیح میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علیؓ کے خلاف خروج۔ اس وجہ سے ان پر جائر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کا ''جور'' تا زیست نہیں تھا بلکہ ''صلح حسنؓ'' تک تھا۔ اس سے پہلے جو عہدے قبول کیے گئے

وہ ''سلطان جائر'' کی طرف سے ہیں اور ان کا قبول کیا جانا بھی جائز ہے لیکن صلح حسنؓ کے بعد ان کی یہ حیثیت بھی باقی نہیں رہی بلکہ ''سلطان عادل'' کی ہوگئی۔یعنی حضرت حسنؓ کی دست برداری سے قبل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''جائر'' تھے اور مصالحت کے بعد ''جائر'' نہ رہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابن ہمام کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت حسنؓ کی دست برداری سے پہلے ''جائر'' ہونا بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس ''دور جور'' میں عہدے دیے تھے۔

موصوف صاحب ہدایہ کی عبارت کی تشریح کر کے ان کے استدلال کو غیر تام بتا رہے ہیں یعنی صاحب ہدایہ نے جو دور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''جور'' کا فرض کیا ہے اس میں انہوں نے نہ کسی کو عہدہ قضا دیا، نہ کسی نے لیا۔اور جس دور میں یہ لینا دینا باقاعدہ پایا گیا تو وہ دور مصالحت حسنؓ کے بعد کا ہے جسے بالاتفاق وبالاجماع ''دور عدل'' قرار دیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے اگرچہ ظلم کا معنی ''میل عن سواء السبیل'' یعنی سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ جانے کے لیے ہیں اور اسے مجتہد کی ''خطاء وصواب'' پر محمول کیا ہے لیکن ان کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔کیونکہ ''سلطان عادل'' کے مقابلے میں ''سلطان جائر'' کا ذکر کیا ہے اور ''سلطان عادل'' کے مقابلے میں ''سلطان جائر'' بمعنی مجتہد مخطی کسی لغت میں نہیں ہے۔یہ درست ہے کہ ''جور'' کا معنی صرف ظلم ہی نہیں بلکہ ''میل عن الاستواء والاعتدال'' بھی ہے لیکن یہاں بات مطلق ''جور'' کی نہیں ہو رہی ہے بلکہ ''سلطان عادل'' کے بالمقابل ''سلطان جائر'' کے ''جور'' کی ہو رہی ہے جس کا معنی ظلم ہی بنتا ہے۔اللہ تعالیٰ صاحب ہدایہ کی اس ''خطاء'' کو معاف فرمائے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

''اور یہ جو بعض فقہاء کی عبارتوں میں ''جور'' کا لفظ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں واقع ہوا ہے اور کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ ''جور'' کرنے والے امام تھے تو اس ''جور'' سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیرؓ کی خلافت کے زمانے میں وہ خلافت کے حق دار نہ تھے نہ کہ وہ ''جور'' جس کا انجام فسق وضلالت ہے تاکہ اہل سنت کے اقوال کے موافق ہو۔اور نیز استقامت والے لوگ ایسے الفاظ بولنے سے جن سے مقصود کے برخلاف وہم پیدا ہو، پرہیز کرتے ہیں۔

''کیف یکون جائراً وقد صح انہ کان إماماً عادلاً فی حقوق اللہ وحقوق المسلمین کما فی الصواعق۔'' (مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم)

وہ کس طرح جائز ہو سکتے ہیں جب کہ یہ بات صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے جیسا کہ صواعق میں ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ پر مصالحت حسنؓ سے قبل بھی "جائز" کا الزام عائد کرنا بجائے خود ایک "جور" ہے۔

صاحب ہدایہ کے ہاں صرف یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ کیا "سلطان جائز" کی طرف سے عہدہ قضا قبول کیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب بھی انہوں نے دے دیا کہ ہاں ہو سکتا ہے لیکن اس جواب کی دلیل میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کو درمیان میں لا کر مشاجرات صحابہ سے متعلق اہل سنت والجماعت کے قوی ترین، راجح ترین اور مقبول ترین مسلک "امساک یا توقف وسکوت" کو نظر انداز کیا ہے۔

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی مثال نہیں دی جا سکتی تھی؟ کیا جائز وہی کہلا سکتا ہے جو امام عادل کے مقابلے میں خروج کرے؟ کیا ایک مستقل امام جائز نہیں ہو سکتا؟ کیا اس "جور" کا تعلق خروج کے ساتھ ہی ہے؟

اسی زیر بحث عبارت کے بعد صاحب ہدایہ نے یہ لکھا ہے:

والتابعين تقلّدوا من الحجاج وهو كان جائزا اس عبارت میں بھی موصوف نے بہ تصریح نام خادم قرآن حجاج بن یوسف کو ظالم و جائز کہہ دیا حالانکہ بیت اللہ کی تعمیر، قرآن کریم کی حفاظت و خدمت اور سرزمین ہند تک اسلام کا دائرہ بڑھانا حجاج کے وہ کارہائے نمایاں ہیں جن کا ان کے مخالفین بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہیں لیکن ان کی یہی خوبی سبائیوں کے نزدیک بہت بڑا "جرم" تھا۔ اس لئے انہوں نے حجاج پر ظلم وستم کا الزام لگایا جس سے بعض علمائے اہل سنت بھی متاثر ہو گئے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: "دولت مروانیہ" مؤلفہ حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی ص ۲ے تا ۸۵۔ زیر عنوان حجاج کے خلاف الزامات کا تحقیقی جائزہ "مطبوعہ نشریات" اردو بازار لاہور۔

علاوہ ازیں حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف نہ تو کوئی لشکرکشی یا فوج کشی کی جسے "خروج" کا نام دیا جا سکے اور نہ ہی ان کے مقابلے میں دعویٰ خلافت کیا وہ تو صرف قاتلین عثمانؓ سے قصاص کے طالب تھے اور وہ یہ مطالبہ کرنے میں بھی حق بجانب تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور دیگر ہزاروں جلیل القدر صحابہؓ اور تابعینؒ ان کے موقف کی حمایت میں تھے بلکہ خود امیر المؤمنین حضرت علیؓ اور حکمین نے بھی اس مطالبہ کو درست تسلیم کیا۔ وہ ایک عبوری دور تھا۔ ہر فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا۔ دشمنان اسلام سبائیوں کی سازش سے وقتی طور پر اختلاف

رونما ہوگیا جس پر جلد ہی قابو پا لیا گیا۔ بالآخر ۳۷ھ مفروضہ دورِ "جور" میں ثالثوں کی متفقہ رائے اور حضرت علیؓ کی توثیق سے ان ہی کی نوبت (خلافت) میں حضرت معاویہؓ کو اپنے زیر تسلط علاقوں میں اختیارات سونپ دیے گئے تھے تو پھر حضرت معاویہؓ پر "سلطان جائر" کا اطلاق کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسولؐ کی طرف "سلطان جائر" کی نسبت خواہ کسی تاویل سے کی جائے انتہائی نامناسب اور احترام صحابیت کے خلاف ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جن صحابہؓ کے درمیان اختلاف واقع ہوا تھا (جسے بالاتفاق اجتہادی اختلاف قرار دیا گیا ہے) اسے انہوں نے اپنی زندگی ہی میں طے کر کے باقاعدہ مصالحت کر لی تھی اور ایک دوسرے کی حیثیت بھی تسلیم کر لی تھی تو پھر کسی دوسرے شخص کو کسی بھی دور میں صحابہؓ کے تنازعات پر "حَکَم" بن کر ایک فریق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "سلطان جائر" قرار دینے کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

اگر بالفرض حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا تھا یا ان کی اطاعت و بیعت نہیں کی تھی تو جب بعد میں اسی خلیفہ راشد نے اپنی مرضی اور اختیار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف دورِ عثمانی کی پوزیشن پر برقرار رکھا بلکہ ان کے دور "جور" کے توسیعی علاقے مصر سمیت ان کی تولیت میں دے دیے تو اب انہیں "سلطان جائر" کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟

انصاف کا تقاضا اور بین الاقوامی ضابطہ بھی یہی ہے کہ جب کسی کے مطالبات کو درست اور جائز تسلیم کر لیا جائے اور اسے سابقہ پوزیشن پر برقرار بھی رکھا جائے تو اس کے سابقہ اقدامات کا تخطیہ نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ تخطیہ یا خطا کا امکان تو "سلطان عادل" کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ صاحب ہدایہ نے شیعی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے "جائر" کا لفظ استعمال کر دیا ہو اور یہ بات کچھ بعید بھی نہیں ہے۔

مفتی اعظم پاکستان جناب مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی فرماتے ہیں:

"شیعہ نے اپنی افتراپردازیوں کو کچھ اس طرح شہرت دی اور عوام میں اس قدر پھیلایا کہ اس عام شہرت سے بعض خواص بھی دھوکہ کھا گئے جس کی بہت سی نظائر موجود ہیں مثلاً: امام مالک کے مذہب میں متعہ کا جواز اس قدر مشہور کیا گیا کہ صاحب ہدایہ جیسے محقق دھوکہ کھا گئے۔ کسی بڑے سے بڑے عالم کا دھوکہ میں آ جانا مستبعد نہیں۔ (احسن الفتاویٰ جلد اول ص ۵۲۳)

صاحبِ ہدایہ سے ایک "سہو" یہ بھی ہوا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب ایک لغو، جھوٹا اور وضعی قصہ صحیح سمجھ کر اسے "معرض استدلال" میں نقل کر دیا جس میں حضرت ابوبکرؓ،

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تینوں کی تنقیص پائی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"فان اقتصر علٰی ذکر اللّٰہ جاز عند أبی حنیفۃ، وقالا لابد من ذکر طویل یسمّی خطبۃ، لأن الخطبۃ ھی الواجبۃ، والتسبیحۃ والتحمیدۃ لاتسمی خطبۃ ....وعن عثمان رضی اللّٰہ عنہ أنہ قال، الحمد للّٰہ، فارتج علیہ، فنزل وصلّی... (الھدایۃ جلد اول ص۱۲۹۔ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ)

پس اگر اس نے اکتفا کی (صرف) اللہ کے ذکر پر تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے کہا ذکر طویل ضروری ہے جس کا نام (عادۃً) خطبہ رکھا جاسکے کیونکہ خطبہ واجب ہے اور تسبیح وتحمید کا نام خطبہ نہیں ہے ...اور حضرت عثمانؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے (خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ جمعہ میں) الحمد للہ کہا تو ان پر اختلاط واقع ہوگیا، کپکپی طاری ہوگئی، زبان بند ہوگئی جس کی وجہ سے وہ منبر سے اتر آئے اور نماز پڑھادی۔

فاضل محشی ابوالحسنات محمد عبدالحئی لکھنوی (م۱۳۰۴ھ) نے اس "قصہ" کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: "وھو ما روی أنّ عثمان رضی اللّٰہ عنہ لما صعد المنبر فی أول جمعۃ ولّی فارتج علیہ فقال إن أبابکر وعمر رضی اللّٰہ عنھما کان یعدان لھٰذا المکان مقالا وأنتم إلی إمام فعال أحوج منکم إلی إمام قوال" (حاشیۃ الہدایہ)

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ بننے کے بعد جب پہلے خطبہ کے لیے منبر پر چڑھے تو (الحمد للہ) کہنے کے بعد ان پر کپکپی طاری ہوگئی اور زبان بند ہوگئی (اور نیچے اتر آئے اور نماز پڑھادی۔ بعد میں فرمایا کہ) ابوبکرؓ اور عمرؓ اس جگہ خطبہ کی تیاری کر کے آتے تھے (اس جگہ کلام کرنے کے اہل شمار کیے جاتے تھے) اور تم کو "قوال" (زیادہ بولنے والے) امام کی بہ نسبت فعال امام کی زیادہ ضرورت واحتیاج ہے۔

فاضل محشی نے "فارتج علیہ" کے معنی "وقع فی اختلاط" کے کیے ہیں۔ یعنی حضرت عثمانؓ اختلاط میں پڑ گئے، ان پر کپکپی طاری ہوگئی، ان کی زبان بند ہوگئی اور وہ "الحمد للہ" کے سوا اور کچھ نہیں ادا کرپائے۔

اس قصہ کی روایتی حیثیت "روی" کے صیغہ سے بخوبی واضح ہوگئی ہے۔ جب کہ امام ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے یہ وضاحت فرمائی ہے: "فانھا لم تعرف فی کتب الحدیث بل فی کتب الفقہ" یعنی یہ قصہ کتب حدیث میں نہیں بلکہ کتب فقہ میں پایا جاتا ہے۔

علامہ ابن العربی لکھتے ہیں: "حکی المؤرخون عن عثمان رضی اللّٰہ عنہ کذبۃ عظیمۃ" (عارضۃ الاحوذی جلد۲۔ص۲۹۶)

مؤرخین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت بڑا جھوٹا قصہ ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن ابی العز کہتے ہیں:

"أنکرہ ابن العربی وغیرہ من أھل الأثر" (التنبیہ علی مشکلات الھدایۃ جلد۲ص ۷۴۶)

"اس قصہ کا ابن العربی اور دیگر اہل اثر نے انکار کیا ہے۔"

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"لم أجدہ مسنداً و ذکرہ قاسم بن ثابت فی الدلائل بغیر إسناد" (الدرایۃ جلد۱۔ص۲۱۵)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

"ھذا غریب ولکن قد اشتھر فی کتب الفقہ....." (البنایۃ جلد۳۔ص۷۱)

یہ غریب ہے مگر فقہ کی کتابوں میں مشہور ہے۔

فاضل محشی نے حضرت عثمانؓ کے اس خطبہ کی حسب ذیل توضیح فرمائی ہے:

"أراد بہ الخطباء والذین یأتون بعد الخلفاء الراشدین یکونون علی کثرۃ المقال و أنا إن لم أکن قوالا مثلھم فأنا علی الخیر دون الشر فأما أن یرید بھذا تفضیل نفسہ علی الشیخین فلا۔ کذا فی المحیط۔"

(الھدایۃ جلداول ص ۱۲۹۔ حاشیہ نمبر۸۔ کتاب الصلوۃ۔ باب صلوۃ الجمعۃ)

"اس سے ان (حضرت عثمانؓ) کی مراد خطباء اور وہ لوگ تھے جو خلفائے راشدین کے بعد آنے والے ہیں وہ بہت زیادہ بولنے والے ہوں گے اور میں اگر ان کی طرح زیادہ بولنے والا نہ ہوں تو میں بہتری پر ہوں نہ کہ شر پر۔ پس اس سے اگر ان کا شیخینؓ پر اپنے آپ کو فضیلت دینا مراد لیا جائے تو ایسا نہیں ہے۔ "محیط" میں اسی طرح ہے"

یہ توضیح نفس مضمون کے ساتھ بالکل ہی مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ صاحب ہدایہ نے اس جھوٹے اور وضعی قصے کو امام ابوحنیفہ کے اس قول "فان اقتصر علی ذکر اللّٰہ جاز" (یعنی صرف ذکر اللہ سے خطبہ ہو جائے گا) کی دلیل کے طور پر صحیح سمجھ کر نقل کیا ہے لیکن وہ اس قصہ کی "حقیقت" پر غور نہیں فرما سکے کہ کس قدر لغو اور بے بنیاد ہے۔ اس میں حضرت عثمانؓ کی توہین بھی پائی جاتی ہے کہ انہیں "اختلاط" ہو گیا تھا، زبان بند ہو گئی تھی، کپکپی طاری ہو گئی تھی، وہ خلیفہ تو منتخب ہو گئے مگر خطبہ

نہیں دے سکے یا بغیر تیاری کے وہ منبر پر چڑھ گئے ۔بعد میں وہ اس پر کوئی عذر تو پیش نہیں کر سکے (کہ اس منبر پر پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین خطبہ دیا کرتے تھے ان کی یاد آ گئی اور "اختلاط" واقع ہو گیا وغیرہ) البتہ حضرات شیخین کو "قوال" (زیادہ باتیں کرنے والا) اور خود کو "فعال" (باتیں کم اور کام زیادہ کرنے والا) قرار دے دیا جس سے ان حضرات کی بھی اہانت کا پہلو نکلتا ہے۔

سخت تعجب ہے کہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی بھی حضرت عثمانؓ کے اس "اولین خطبہ" کو صحیح سمجھ کر بیان فرما گئے ۔موصوف لاہور میں جمعیت علمائے اسلام کے زیر اہتمام پہلی صوبائی کانفرنس میں خطبہ صدارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"حضرات علمائے کرام! میں نہ کوئی خطیب ہوں اور نہ گویائی کی ایسی ممتاز قوت رکھتا ہوں جس سے دوسرے حضرات محروم ہوں بلکہ اگر آپ مجبور نہ کریں تو اس سے زیادہ ایک لفظ بھی بولنا نہیں چاہتا جو میرے جد بزرگوار خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذی النورینؓ نے مدینہ طیبہ کے منبر پر فرمایا تھا کہ: "أيها الناس إنكم إلى إمام فعّال أحوج منكم إلى إمام قوّال" (خطبات اکابر جلد ۳ ۔ص ۲۵۷ ۔مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

حضرت عثمانی نے کہنے کی حد تک تو حضرت ذی النورینؓ کے اس "قول" کو نقل فرما دیا لیکن نہ تو ان پر کپکپی طاری ہوئی اور نہ ہی اس قول کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا خطبہ ختم کیا ۔البتہ اس سے صاحب ہدایہ کی بات کی تصدیق ضرور ہو گئی ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "بیعت خلافت" کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ نذر قارئین کر دیا جائے:

بدر بن عثمان نے اپنے چچا سے روایت کی ہے کہ عثمانؓ بیعت کے بعد نہایت غمگین و رنجیدہ صورت میں منبر پر رونق افروز ہوئے اور حمد و نعت و درود و سلام کے بعد فرمایا:

"اے لوگو! تم ایک کھنڈر گھر (دنیا) میں رہتے ہو ۔عمروں کا کچھ حصہ باقی ہے ۔اکثر گزر گیا ۔وقت مقرر یعنی موت کے آنے سے پہلے پہلے جو بھلائی کر سکتے ہو کر لو کیونکہ صبح یا شام وہ تمہارا وقت مقرر آنے کو ہی ہے ۔آگاہ رہو یہ دنیا فریب پر تہ کی گئی ہے ۔کوشش کرو کہ دنیوی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور وہ فریب کار یعنی شیطان تمہیں اللہ تعالیٰ کے متعلق فریب میں مبتلا نہ کر دے ۔گزرے ہوئے لوگوں سے عبرت پکڑو ۔پھر جد وجہد کرو اور غفلت نہ برتو ۔فرزندانِ دنیا کہاں ہیں؟ برادرانِ دنیا کیا ہوئے جنہوں نے دنیا میں ہلچل مچائی، اسے بسایا اور مدتوں یہاں

نعمتوں سے بہرہ مند رہے؟ کیا دنیا نے انہیں پھینک نہیں دیا؟

دنیا کو نظر انداز کر دو جس طرح کہ اللہ تعالٰی نے نظر انداز کر دیا ہے اور آخرت کے طالب بنو۔ کیونکہ اللہ تعالٰی نے اس کی یہ عمدہ مثال بیان فرمائی ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا o اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا o(الکہف ۴۵، ۴۶)

''اے نبیؐ بتلا دے ان کو مثال دنیوی زندگی کی جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے اتارا۔ پس رل مل کر نکلا اس سے زمین کا سبزہ۔ پھر دوسرے دن ہو گیا وہ چورا چورا ہوا میں اڑتا ہوا اور اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے۔ مال اور بیٹے رونق ہیں دنیوی زندگی کی۔ اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے یہاں بہتر ہیں ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہیں توقع و آرزو کے لحاظ سے''

یعنی تم دیکھتے ہو کہ سوکھی، خزاں رسیدہ اور مردہ زمین پر بارش ہوتی ہے تو وہ زندہ ہو کر بہار و سبزہ زار بن جاتی ہے۔ مگر چند روز گزرنے کے بعد جب خزاں کا دور آتا ہے تو زمین کا وہ نظر فریب لہلہاتا ہوا سبزہ جو جنت نگاہ تھا چورہ چورہ اور ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔ ایسے ہی یہ دنیوی زندگی ہے جو اپنی رعنائیوں اور بہاروں کے ساتھ چند روز جلوہ گر ہوتی ہے اور بالآخر نیست ہو جاتی ہے۔ اول بھی عدم تھا آخر بھی عدم ہوا۔

پھر اس فانی زندگی اور اس کی فانی زیب و زینت پر انسان کیوں فریفتہ ہو؟ ہاں اس مہلتِ حیات میں جو نیکیاں کر لی جائیں تو وہی آئندہ کام آنے والی ہیں۔ لہٰذا عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اعمالِ صالحہ اور حسنات کا اکتساب کیا جائے۔

## سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اچھا خطیب نہ ہونے کا الزام:

مگر بہتان طرازوں سے خدا سمجھے اور بہت سے بہتانوں کی طرح ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر ایک بہتان یہ بھی باندھا ہے کہ آپ پہلی بار تقریر نہیں کر سکے۔ حضرت عثمانؓ کا خطبہ بالا نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر اس بہتان کے متعلق لکھتے ہیں:

وما يذكره بعض النّاس من أنّ عثمان رضي الله عنه لمّا خطب أول خطبةٍ أزعج عليه، فلم يدر ما يقول حتىٰ قال: "أيهاالنّاس إنّ اول مركب صعب وان أعش

فستأتیکم الخطبة علٰی وجهها" (البدیة والنهایة جلد ۷۔ ص ۱۴۸)

"کہ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ عثمانؓ منبر پر آ کر مبہوت وورماندہ رہ گئے اور کچھ نہ بول سکے اور صرف یہ کہہ کر منبر پر سے اتر آئے کہ حضرات پہلی بار کی سواری دشوار ہوتی ہے۔ میں زندہ رہا تو آئندہ تمہارے سامنے تقریر کرسکوں گا۔"

تو یہ العقد الفرید کے مصنف وغیرہ کی اڑائی ہوئی ہے اور اس کی کوئی ایسی اسناد نہیں جس پر اطمینان کیا جاسکے۔

مقصد اس بکواس سے بھی یہی تھا کہ حضرت عثمانؓ کی مزعومہ نااہلیت کا ڈھنڈورا پیٹا جائے تا کہ لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ جو شخص مجمع کے سامنے اپنا مافی الضمیر بھی ادا نہ کر سکے وہ امامت وخلافت کا بارگراں کیسے اٹھا سکتا اور اس کی ذمہ داریوں سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتا تھا؟ (شہادت حضرت عثمانؓ کا تاریخی پس منظر مؤلفہ علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی۔ ترتیب ونظر ثانی ڈاکٹر عطر یف شہباز ندوی ص ۲۶۔۲۷)

صاحب ہدایہ نے اذان میں "ترجیع" کے حوالے سے صحابی رسول حضرت ابومحذورہؓ کے فہم پر بھی چوٹ کی ہے کہ:

"ولا ترجیع فیه ... و قال الشافعی فیه ذلك له حدیث أبی محذورة أنّ النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم أمره بالترجیع و لنا أنه لاترجیع فی المشاهیر و کان ماروٰه تعلیما فظنه ترجیعاً۔" (الهدایة مع الدرایة جلد اول ص ۸۷۔ کتاب الصلوٰة۔ باب الاذان)

حالانکہ اذان میں "ترجیع" حدیث سے ثابت ہے، امام مالک اور امام شافعی اس کے قائل ہیں۔ لیکن صاحب ہدایہ نے حضرت ابومحذورہؓ کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ان کے فہم پر "چوٹ" کردی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی غرض سے کلمات شہادتین کو بار بار دہرایا مگر ابومحذورہؓ سمجھے کہ یہ اذان کا جزء ہے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "لیکن صاحب ہدایہ کی یہ توجیہ حضرت ابومحذورہؓ کی فہم سے بدگمانی پر مبنی ہے جو مناسب نہیں۔" (درس ترمذی۔ جلد اول ص ۴۵۵)

یہاں موصوف نے حضرت ابومحذورہؓ کے حوالے سے صاحب ہدایہ کی توجیہ کو "نامناسب" کہا لیکن موصوف خود بھی ایک مقام پر ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق "نامناسب" انداز اختیار کر گئے۔ چنانچہ وہ ایک مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایک یہ کہ اگر ابن عمرؓ صحیح طریقہ پر طلاق دینے سے عاجز ہو گیا اور اس نے بحالت حیض طلاق دے کر حماقت کا ارتکاب کر لیا تو یہ بات طلاق کے واقع ہونے سے کیسے مانع بن سکتی ہے؟... دوسرا مطلب یہ

ہے کہ اگر ابن عمرؓ اپنی بیوی سے رجوع کرنے سے عاجز ہو جاتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کر کے حماقت کا ارتکاب کرتا تو بھی ظاہر ہے طلاق واقع ہو ہی جاتی۔(درس ترمذی جلد سوم ص ۴۶۵)

سخت تعجب ہے کہ اپنے مشائخ واساتذہ کا تذکرہ کس قدر احترام کے ساتھ کیا جاتا ہے جب کہ ایک صحابی کے بارے میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا یہ انداز کہ:

''ابن عمرؓ عاجز ہو گیا اور اس نے ... عاجز ہو جاتا ... ارتکاب کرتا ہے''

بھلا اس ''اسلوب'' کی کس طرح تحسین کی جا سکتی ہے؟

صاحب ہدایہ نے ایک مسئلہ کے ذیل میں ''وہم'' کا شکار ہو کر راوی کنانۃ بن عباس بن مرداس السلمی کے بجائے حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب مراد لے لئے۔امام ابن ہمام (م ۸۶۱ھ) نے اسے صاحب ہدایہ کا وہم قرار دیا ہے۔ملاحظہ ہو ہدایۃ مع فتح القدیر جلد ۲ ص ۴۸۲ تحت باب الاحرام۔

ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

"اذا اطلق ابن عباس لا يراد به الا عبدالله بن عباس رضي الله عنه الصحابي، هذا هو اصطلاح العلماء من الفقهاء والمحدثين واما اطلاق صاحب الهداية في اواخر باب الاحرام حيث قال ثم وقف بالمزدلفة ووقف الناس معه ودعاء لأن النبي صلى الله عليه وسلم وقف في هذا الموضع يدعو حتى روى في حديث ابن عباس ... فهذا الاطلاق ليس بجيد، فانه ليس بابن عباس الصحابي و إنما هو كنانة بن عباس بن مرداس السلمي" (ذيل الجواهر المضيئة جلد ۲ ص ۴۳۸۔بحوالہ ''علمی کشکول'' ص ۱۶ ام مؤلفہ ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف)

صاحب ہدایہ کا یہ اطلاق مناسب نہیں، اس لئے کہ ابن عباس سے یہاں مراد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نہیں ہیں بلکہ کنانۃ بن عباس بن مرداس سلمی مراد ہیں جو اس روایت کو عن ابیہ عن جدہ نقل کرتا ہے، اس سے یہ روایت اس کے بیٹے عبداللہ بن کنانۃ نے نقل کی ہے جو دونوں ضعیف ہیں اور ان کی وجہ سے امام بخاری امام ابن حبان نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

اسی طرح بعض دیگر مسائل میں بھی خود حنفی علماء نے صاحب ہدایہ کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے حقیقی بھائی مولانا محمد طاہر قاسمی صاحبؒ کے متعلق مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی فرماتے ہیں کہ:

''تدریس پر بیٹھے تو قدوری کے درس میں ہدایہ کے مصنف پر اعتراضات کی بھرمار کر ڈالی، اہتمام میں پہنچے تو اپنے استاذ مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی درخواست رخصت نامنظور کر کے طلبہ میں

ناراضگی کا ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ لیگ سے قریب اور کانگریس کے جانی دشمن تھے۔ جوڑتوڑ میں پوری مہارت رکھتے تھے لیکن تلون مزاجی نے ترقی کے قدم روک دیے....''

(نقش دوام۔ دیوبند۔ ص ۲۷۸ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، مؤلفہ مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودی)

اگر بدگمانی کے شبہ پر صاحب ہدایہ کے قول کو نامناسب کہا جا سکتا ہے تو کاتب وحی اور جلیل القدر صحابی کو ''جائر'' کہنے پر ان کے ساتھ اختلاف کیوں نہیں کیا جا سکتا؟

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ صاحب ہدایہ کا حضرت معاویہؓ کے متعلق ''سلطان جائر'' کا یہ قول کسی بھی تاویل کے ساتھ صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا اور یہ یقیناً بسلسلہ مشاجرات حکم ''امساک، توقف اور سکوت'' کے منافی ہے بلکہ الٹا روافض اور معاندین اس قول سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف دلیل پکڑتے ہیں جیسا کہ محمود شاہ محدث ہزاروی صاحب اور غلام حسین نجفی وغیرہ کا زندگی بھر کا طرزِ عمل اس پر شاہد ہے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی یزید سے متعلق ایک استفتا کا جواب دینے سے پہلے بطور تمہید لکھتے ہیں کہ:

''اہل عدل سے محبت اور اہل جور سے بغض اہل سنت کا طریقہ ہے۔ امام طحاوی نے فقہائے ملت امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے عقائد کو ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے جو ''العقائد الطحاویہ'' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ بہت سے علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ یہ رسالہ مصر اور ہندوستان میں بار بار طبع ہو چکا ہے اور ہر جگہ دستیاب ہے اور مملکت سعودیہ میں داخل درس بھی ہے۔ اس میں ان حضرات ائمہ کا یہ عقیدہ لکھا ہے: ''اور ہم اہل عدل وامانت سے محبت کرتے ہیں اور اہل جور و خیانت سے بغض رکھتے ہیں۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس کے بارے میں حدیث پاک میں تصریح ہے:'' (ص ۶۔ طبع دیوبند)

جس نے اللہ کے لیے محبت رکھی اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھا اور اللہ ہی کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے نہ دیا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔ (مشکوۃ)

اسی ہدایت کے مطابق ''عقیدہ طحاویہ'' میں یہ بھی مصرح ہے کہ ومن أحسن القول فی أصحاب رسول اللّٰہ علیہ وسلم وأزواجہ وزریاتہ فقدبریئ من النفاق۔ (ص ۸)

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریات کے بارے میں اچھی رائے رکھے وہ نفاق سے بری ہے۔''

(حادثہ کربلا کا پس منظر تحت یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں ص ۲۵۸)

کیا ''سلطان جائر'' کا قول ''حسن القول فی اصحاب ...'' میں محسوب کیا جا سکتا ہے؟

☆☆☆☆☆☆

# ٦۔علامہ سعدالدین تفتازانی

## شارح عقائد نسفی متوفی ۷۹۲ھ

علامہ سعدالدین ماہ صفر ۷۲۲ھ میں ولایت خراسان کے ایک شہر ''تفتازان'' میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوئے اور صرف، نحو، منطق، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث، عقائد اور معانی جیسے علوم وفنون سے متعلق کتب تصنیف فرمائیں۔

موصوف کے فقہی مسلک کے بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ حنفی تھے یا شافعی؟ اس کے ساتھ ساتھ شجاع بن مظفر کے دربار میں ان کا بہت رسوخ تھا۔ پھر شاہ تیمور لنگ کے ہاں صدر الصدور مقرر ہو گئے تھے۔ شاہ تیمور ان کا بڑا معتقد تھا اور بہت احترام کرتا تھا۔ امیر تیمور ۷۳۶ھ میں سمر قند میں پیدا ہوا۔ اس کا شجرہ نسب چغتائی خان سے جاملتا ہے۔ تیمور کو بچپن سے ایک شکاری کی حیثیت سے شہرت ملی اور جوانی میں جنگجو سپاہی ہونے کی وجہ سے ناموری حاصل ہوئی۔

امیر تیمور کو ''تیمور لنگ'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک جنگ میں ایک تیر پاؤں پر لگا اور ایسا کاری زخم آیا جس کی وجہ سے تمام عمر کے لیے لنگڑا ہو گیا اور ''تیمور لنگ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ ایشیا کے فاتحین میں سے جس نے ایشیا اور یورپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ امیر تیمور ہے۔ تیمور سکندر اور چنگیز کی آخری فاتحانہ حدود سے بھی آگے نکل گیا اور اس نے اس قدر فتوحات حاصل کیں کہ کوئی ایشیائی فاتح اس کی فتوحات کو نہیں پہنچ سکا۔ امیر تیمور بعمر ۷۱ سال ۸۰۷ھ میں سمر قند میں فوت ہوا جسے دنیا کے ایک عظیم اور خوبصورت مقبرے میں دفن کر دیا گیا۔

امیر تیمور رافضی انتہائی سفاک، ظالم اور درندہ صفت شخص تھا۔ اس نے مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا اور تقریباً بارہ لاکھ مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگین کیے۔

یورپ کے فاتح سلطان بایزید خان اول (جنہیں دشمن پر انتہائی سرعت کے ساتھ حملہ آور ہونے کی وجہ سے ''یلدرم'' یعنی بجلی کا لقب دیا گیا تھا) جو اسلام کا جھنڈا بلند کرنے اور عیسائی اقتدار کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے، امیر تیمور کی رگِ سبائیت پھڑکی تو اس نے قیصر روم کے ساتھ سازباز کر کے بایزید کے ساتھ جنگ چھیڑ دی جسے تاریخ میں ''جنگ انگورہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ

میں بایزید شکست کھا کر گرفتار ہو گئے اور یوں عیسائیوں کو سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔

شیعہ عالم غلام احمد کاکوروی لکھتے ہیں کہ:

''سب سے پہلا تعزیہ امیر تیمور نے رکھا تھا اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ تیمور کو حضرت امام حسینؓ سے بے حد عقیدت تھی اور وہ ہر سال کربلائے معلّیٰ روضۂ اطہر کی زیارت کو جاتا تھا۔ ایک سال جنگ وجدل میں وہ اس قدر مصروف رہا کہ وہ زیارت نہ کر سکا۔ چنانچہ اس نے روضۂ اقدس کی شبیہ منگوا کر اس کو تعزیہ کی صورت میں بنا لیا اور اس کی زیارت سے تسکین حاصل کر لی۔'' (ماہنامہ المعرفت حیدرآباد ۱۳۸۹ھ)

الغرض امیر تیمور اور اس کے جانشینوں کے ایک سو چھبیس سالہ (۷۸۲ھ تا ۹۰۶ھ) دور میں شیعہ اور مذہب شیعہ نے خوب ترقی کی اور اس میں اہل سنت مظالم کا نشانہ بنتے رہے۔

بہر حال علامہ تفتازانی امیر تیمور کے دربار کے صدر الصدور اور بے پناہ اثر ورسوخ کے حامل تھے۔ بالآخر اپنے ہم عصر اور نامور عالم میر سید شریف جرجانی کے ساتھ ایک مناظرہ میں شکست کھانے کے صدمے کی وجہ سے صاحب فراش ہو کر ۲۲ محرم الحرام ۷۹۲ھ کو سمرقند میں وفات پا گئے اور وہیں تدفین عمل میں آئی مگر جلد ہی دو ماہ اور سترہ دن کے بعد ان کا جسد خاکی ۹ جمادی الاولیٰ ۷۹۲ھ کو مقام ''سرخس'' کی طرف منتقل کر دیا گیا۔

علامہ تفتازانی اہل سنت کے ہاں امام فی العقائد مانے جاتے ہیں مگر وہ بھی اپنے آپ کو شیعی اثرات وجراثیم سے محفوظ نہیں رکھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیتے۔ چنانچہ موصوف مسند اور مسند الیہ کی بحث میں ''بغض معاویہ'' پر مبنی ایک انتہائی مکروہ مثال دیتے ہیں کہ:

رکب علي و هرب معاوية ...... فالتعظيم ماخوذ من لفظ علي لأ خذه من العلو، والإهانة مأخوذ من لفظ معاوية لأنه مأخوذ من العوى وهو صراح الذئب والكلاب۔

(مختصر المعانی ص ۷۱ تحت احوال المسند الیہ، تعریفہ بالعلمیة)

''علیؓ سوار ہوئے اور معاویہؓ بھاگ گیا''..... موصوف اس مثال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''پس تعظیم لفظ علی سے ماخوذ ہے کہ اس میں ''علوّ'' (یعنی سربلندی) کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور اہانت لفظ معاویہ سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ ''عوی'' سے مشتق ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے۔''

دارالعلوم دیوبند کے ایک جلیل القدر مفسر، محدث اور استاذ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ،

تفتازانی کی اس مکروہ مثال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ولا يخفى ما فيه من سوء الأدب في حق سيدنا معاوية والجرأة عليه بما لا يليق۔"(حاشیہ مختصر المعانی ص ۷۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو جرأت، بے ادبی اور گستاخی اس مکروہ مثال میں پائی جاتی ہے وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ یہ مثال نامناسب ہے۔

حضرت شیخ الہند کی طرف سے تفتازانی کا تعاقب اور گرفت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی ہوئی ہے۔

علامہ تفتازانی عقائد نسفی کی شرح میں احترام صحابیت کو فراموش کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت کے جواز کا مسئلہ زیر بحث لائے ہیں اگرچہ انہوں نے لعنت سے متعلق عدم جواز کا قول نقل کیا ہے لیکن انہیں "رضي الله عنهم ورضوا عنه" کی ربانی سند کے بعد سرے سے اس مسئلہ کو زیر بحث لانا ہی نہیں چاہیے تھا کیونکہ اس اسلوب میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی واضح طور پر بے ادبی پائی جاتی ہے:

وبالجمله لم ينقل عن السلف المجتهدين والعلماء الصالحين جواز اللعن على معاوية وأحزابه لأن غاية أمرهم البغي والخروج على الإمام وهو لا يوجب اللعن (شرح العقائد ص ۱۱۶)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ پر لعنت کا جواز مجتہدین اور علماء صالحین سے منقول نہیں ہے کیونکہ زیادہ سے زیادہ ان سے امام برحق (حضرت علیؓ) کے خلاف بغاوت اور خروج کا ارتکاب ہوا تھا اور اس فعل سے لعنت واجب نہیں ہوتی۔

یعنی خروج وبغاوت کے ارتکاب سے لعنت واجب تو نہیں لیکن کیا "وجوب" سے کم درجہ کی "گنجائش" نکل سکتی ہے؟ موصوف نے اگرچہ یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کو لعنت سے مستثنٰی قرار دیا ہے لیکن اس اسلوب سے بھی اہانت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ نے بھی علامہ تفتازانی کے اس تبصرہ کو "تقصیر" پر مبنی قرار دیتے ہوئے صاف طور پر لکھا ہے کہ:

"لايخفى أنّ الشارح قصر مافى حق هذا الصحابي حيث اكتفى بعدم جواز اللعن، و أقول قد صرح علماء الحديث بأن معاوية رضي الله عنه من كبار الصحابة و نجبائهم

ومجتهديهم ولو سلّم أنه من صغارهم فلاشك في أنه داخل في عموم الأحاديث الصحيحة الواردة في تشريف الصحابة رضي اللّٰه عنهم بل قد ورد فيه بخصوصه أحاديث..."(النبراس شرح لشرح العقائد **ص۵۵۰**)

"**اور یہ بات مخفی نہیں کہ شارح (علامہ تفتازانی) نے اس صحابی (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے حق میں تقصیر کی ہے، بایں طور کہ اس نے عدم جوازِ لعنت پر اکتفاء کیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ علمائے حدیث نے صراحت کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ نیز اشراف اور مجتہدین صحابہؓ میں سے ہیں۔ اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ وہ اصاغر صحابہؓ میں سے تھے تب بھی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان صحیح احادیث کے عموم میں داخل ہیں جو صحابہؓ کے شرف وفضیلت میں وارد ہوئی ہیں بلکہ خاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی احادیث وارد ہوئی ہیں..."**

**یہ ملحوظ رہے کہ علامہ تفتازانی نے لعنت کے عدم جواز کے متعلق سلف کا مذکورہ قول نقل کیا ہے لیکن آگے انہوں نے یزید کی بحث میں اشارۃً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی لعنت کرنے کی "گنجائش" نکال لی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس مقام پر مطلقاً "اعوان وانصار" کا ذکر کیا ہے۔(وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ) چنانچہ موصوف یزید پر لعنت کے جواز اور عدم جواز کے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنا عقیدہ بایں الفاظ بیان فرماتے ہیں کہ:**

والحق أنّ رضا يزيد بقتل الحسين واستبشاره بذالك وإهانة أهل بيت النبيّ عليه السلام ممّا تواتر معناه وإن كانت تفاصيله أحاداً فنحن لا نتوقف في شأنه بل في إيمانه لعنة الله عليه وعلىٰ أنصاره وأعوانه۔(**شرح العقائد ص۱۱۷**)

**یہی قول علامہ قسطلانی نے بھی اپنی کتاب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں تحریر کیا ہے:**

لانتوقف في شانه بل في ايمانه لعنة اللّٰه عليه وعلىٰ انصاره واعوانه۔

**(بحوالہ مقالات جلد دوم ص ۳۳۵۔ پیر کرم شاہ صاحب ازہری)**

"**اور حق یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کے قتل پر اس کا راضی ہونا اور اس پر اس کا خوش ہونا اور نبی علیہ السلام کے گھر والوں کی توہین کرنا ایسی بات ہے جو معنًا متواتر ہے اگر چہ اس کی جزئیات اخبار احاد ہیں۔ ہم اس کی شان بلکہ اس کے ایمان ہی کے بارے میں کوئی توقف نہیں کرتے۔ اللہ کی پھٹکار ہو یزید پر اور اس کے تمام یاروں اور مددگاروں پر۔"**

**علامہ تفتازانی نے یزید کی "شان" میں یہ اشعار بھی کہے ہیں:**

اللعن علی یزید فی الشرع یجوز　　والـلاعن یجزی حسنات و یفوز
قد صحّ لدیّ انّہ معتل　　والـلـعن مضاعف و ذالك مهموز

(حالات مصنفین درس نظامی ص ۷۳۔۷۴۔ مؤلفہ مولانا محمد حنیف گنگوہی فاضل دیو بند)

''یزید پر لعنت کرنا شریعت میں جائز ہے اور لعنت کرنے والے کو نیکیوں کے ساتھ بدلہ دیا جائے گا اور وہ کامیاب ہو گا۔ میرے نزدیک یہ درست ہے کہ وہ (یعنی یزید) ''بیمار'' تھا اور ''روگ'' کا شکار تھا۔ اس پر دگنی لعنت ہو وہ معیوب و مطعون تھا۔''

شرح عقائد کی عبارت اور مذکورہ اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف خود امیر تیمور رافضی کی مصاحبت سے ''یزید فوبیا'' کا شکار ہو گئے تھے۔ اسی لیے انہوں نے جمہور علماء کے موقف کے برعکس یزید پر سنگین ترین 'کفر و جرم' عائد کی ہے۔

یزید کے اعوان و انصار کے عموم سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور دیگر مجوزین و مبایعین صحابہ و تابعین کو کیوں کر مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے؟ جن کی مساعی جمیلہ سے وہ منصب خلافت پر فائز ہوا تھا۔ یا جن صحابہؓ و تابعین نے واقعہ کربلا کے بعد بھی اس بیعت کو نہیں توڑا تھا اور بیعت و اطاعت پر قائم رہے۔ علاوہ ازیں یزید پر لعنت کے جواز میں جو تین وجوہات (قتل حسینؓ پر رضا مندی، اس پر خوشی کا اظہار اور اہانت اہل بیت) بیان کی گئی ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ نیز موصوف کے نزدیک یہ امور موجب لعنت و کفر ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اس پر کفر کا حکم لگاتے ہوئے اسے اعوان و انصار سمیت لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔ حالانکہ اگر بالفرض یزید کا حضرت حسینؓ کو قتل کرنے کا حکم دینا ''ثابت'' بھی ہو جائے تو پھر بھی اس پر ''کفر'' کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ ایسا حکم گناہ کبیرہ کے زمرے میں ہی آتا ہے۔ لیکن یہاں یزید کا قتل حسینؓ کا حکم دینا، اس قتل پر خوشی کا اظہار کرنا اور قافلہ اہل بیت کی اہانت کرنا تینوں امور ثابت نہیں ہیں۔

مزید برآں یزید کا حالت کفر پر مرنا بھی یقینی طور پر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا کیونکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے لہٰذا یزید کی نہ تو تکفیر کی جا سکتی ہے اور نہ ہی مع اعوان و انصار اس پر بالتعیین لعنت۔ کسی بھی مسلمان کو معین طور پر کافر اور لعنت کا مستحق قرار دینے کا شرعی حکم اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ یہاں حضرت معاویہؓ اور دیگر مبایعین صحابہؓ و تابعینؒ سے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ یزید کی تکفیر اور اس پر لعنت کا مسئلہ ایک علیحدہ اور مستقل عنوان ہے جس پر یہاں بحث کا موقع نہیں ہے۔

علامہ تفتازانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ:

ویتأول تاویلا فاسدا، و لھذا ذھب الأکثرون إلی أن أول من بغی فی الإسلام

(شرح المقاصد جلد ۲ ص ۳۰۶)

معاویہؓ فاسد تاویل کرتا تھا۔لہٰذا اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اول جس نے اسلام میں بغاوت کی ہے وہ معاویہؓ ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جمہور نے اسے اجتہادی اختلاف قرار دیا ہے اور موصوف کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ پہلا شخص ہے جس نے اسلام میں بغاوت کی۔ حالانکہ جنگ جمل پہلے ہوئی ہے اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑی ہے۔کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرسکتا۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو بیعت ہی نہیں کی تھی تو پھر ان کی طرف کس طرح "أول من بغی فی الإسلام " کی نسبت کی جا سکتی ہے؟ قاتلین عثمانؓ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو بالاتفاق سب سے پہلے بغاوت اور قتل وغارت کے مرتکب ہوئے تھے؟

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ تفتازانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "چوٹ" یا "تعریض" کا کوئی سا موقع بھی ضائع نہیں جانے دیتے۔چنانچہ وہ "شرح تلخیص" میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت معاویہؓ بیمار تھے، حضرت حسن بن علیؓ عیادت کے لیے تشریف لائے تو حضرت حسنؓ کے سامنے انہوں نے یہ شعر پڑھے (ترجمہ):

۱۔اور بدخواہوں کے سامنے میرا اظہار بہادری اس مقصد کے لیے ہے کہ میں زمانے کے حوادث کے سامنے جھکنے والا نہیں ہوں۔

۲۔اور جب موت اپنے پنجے گاڑ لیتی ہے تو تم کسی تعویذ کو کارگر نہیں پاؤ گے۔

مولانا عبدالعزیز فرہاروی اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"إن الروایة غیر صحیح ولو سلمت فلیس فیھا تصریح بإرادته الحسن"

(الناھیة عن طعن أمیر المؤمنین معاویة رضی اللّٰہ عنہ ص ۴۷)

"یہ روایت صحیح نہیں اور بر تقدیر تسلیم اس میں تصریح نہیں کہ انہوں نے حضرت حسنؓ کو مراد لیا تھا۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں علامہ تفتازانی کے "ارشادات" قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں اب جمہور اہل سنت کے عقیدے کے برعکس شیعہ فرقہ "تفضیلیہ" کی موافقت

میں موصوف کا ایک اور عقیدہ ملاحظہ فرمائیں:

جمہور اہل سنت خلفائے اربعہؓ کی بترتیب افضلیت کے قائل ہیں اور وہ حضرت علیؓ پر حضرت عثمانؓ کو فضیلت دیتے ہیں لیکن اس کے برعکس علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

"وأمّا نحن فقد وجدنا دلائل الجانبين متعارضة (أي في أفضلية عثمانؓ أو عليؓ) ولم نجد هذه المسألة مما يتعلق به شيء من الأعمال أو يكون التوقف فيه مخلا بشيء من الواجبات، والسلف كانوا متوقفين في تفضيل عثمانؓ حيث جعلوا من علامات السنة والجماعة تفضيل الشيخين و محبة الختنين ـ والانصاف انه ان اريد بالافضلية كثرة الثواب فللتوقف جهة و إن أريد كثرة ما يعده ذو والعقول من الفضائل فلا۔" (شرح العقائد ص ۱۰۸)

"رہے ہم تو ہم نے جانبین کے دلائل کو متعارض پایا اور اس مسئلہ کو ایسا نہیں پایا کہ اس سے کسی عمل کا تعلق ہو اور اس بارے میں توقف کسی واجب میں مخل ہو اور سلف حضرت عثمانؓ کو افضل قرار دینے میں توقف کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اہل سنت والجماعت کی علامات میں سے تفضیل شیخینؓ اور محبت ختنینؓ کو قرار دیا۔ اور انصاف یہ ہے کہ اگر افضلیت سے کثرت ثواب مراد ہو تو توقف کی وجہ ہے اور اگر وہ چیزیں مراد ہوں جن کو اہل دانش فضائل اور کمالات میں سے شمار کرتے ہیں تو (توقف کی) کوئی وجہ نہیں۔"

علامہ تفتازانی کا موقف یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر ترجیح دینے کا مسئلہ ظنی ہے۔ ہمارے اسلاف سے یہی ترتیب منقول ہے۔ اگر ہم اسلاف کے ساتھ حسن ظن کی بنیاد پر ان کی تقلید نہ کرتے تو اس بارے میں توقف ہی افضل تھا۔ ایک تو اس لیے کہ اس سلسلے میں شیعہ اور اہل سنت کے دلائل متعارض ہیں۔ لہٰذا کسی بات کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔

دوم یہ کہ مسئلہ اعتقادی ہے، ظنی نہیں اور اعتقادیات میں ظنیات کافی نہیں ہوا کرتے۔ سوم یہ کہ اس مسئلے میں توقف اور سکوت کسی واجب شرعی میں مخل نہیں۔

علامہ تفتازانی کی یہ تینوں باتیں خلاف واقع، ضعیف اور کمزور ہیں۔ اسی طرح موصوف کا یہ کہنا (کہ ہمارے اسلاف نے توقف کو ترجیح دی ہے) بھی اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان متنازع فیہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان افضلیت کی بات نہیں بلکہ حضرت ابوبکرؓ کے حضرت علیؓ سے افضل ہونے کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا انہوں نے توقف نہیں کیا بلکہ "تفضیل شیخینؓ" کو اہل السنّت والجماعت کی علامات سے شمار کیا ہے۔

اس موقف کے آخر میں موصوف نے جو"انصاف" فرمایا ہے وہ شیعیت ہی کی ترجمانی ہے۔بعض علماء نے ان کے اس"انصاف" کی بناء پر پورا پورا انصاف کرتے ہوئے فرمایا کہ علامہ تفتازانی کے اس"انصاف" سے شیعیت کی بو آتی ہے۔یعنی ان کا یہ کہنا کہ اگر افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے پھر تو توقف کی کوئی بنیاد ہے کیونکہ کثرت ثواب کا تعلق عقل سے ممکن نہیں اور نقل وارد نہیں۔

اور اگر ان اشیاء کی زیادتی مراد ہے جن کو لوگ کمالات میں شمار کرتے ہیں تو پھر توقف کی کوئی وجہ نہیں۔اس لیے کہ حضرت علیؓ کے کمالات اور کرامات زیادہ ہیں۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلاف نے حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر فضیلت وترجیح دی ہے اور اس کے برعکس عقیدے کو شیعیت قرار دیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل عليؓ على عثمانؓ و ان علياً كان مصيبا في حروبه، ان مخالفه مخطي مع تقديم الشيخين وتفضيلهما، وأما التشيع في عرف المتأخرين فهوالرفض المحض فلا تقبل رواية الرافضي الغالي ولا كرامة۔"

(تہذیب التہذیب جلداول ص۹۴)

متقدمین کے عرف واصطلاح میں تشیع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو صرف عثمانؓ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علیؓ ان جنگوں میں حق بجانب تھے اور ان کے مخالف خطاء پر تھے اس کے ساتھ ساتھ وہ شیخینؓ کی تفضیل کے بھی قائل تھے۔(مگر پھر بھی انہیں شیعہ سمجھا جاتا تھا)

جب کہ متاخرین کے نزدیک شیعیت خالص رفض کا نام ہے لہذا نہ تو اس غالی رافضی کی روایت قبول کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کی عزت کی جاسکتی ہے۔

اس سے واضح ہوگیا ہے کہ متقدمین،سلف صالحین اور محدثین نے اس شخص کو جو تمام اصول وفروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہے لیکن حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دیتا ہے،شیعہ قرار دیا ہے۔محدث کبیر مولانا بدر عالم صاحب فرماتے ہیں:

"واضح رہنا چاہیے کہ سلف میں جو شخص حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دیتا تھا وہ شیعیت سے متہم ہو جاتا تھا۔"(ترجمان السنۃ جلداول ص ۲۶۸)

حضرت مجدد الف ثانی "اکیسویں عقیدے" کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"اورفضیلت کی ترتیب خلفائے راشدین کے درمیان خلافت کی ترتیب کے موافق ہے

لیکن شیخین کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہوئی ہے ... لیکن حضرت عثمانؓ کی فضیلت حضرت علیؓ پر، پس اکثر اہل السنّت اس بات پر ہیں کہ شیخین کے بعد افضل حضرت عثمانؓ ہیں۔حضرت علیؓ اور ائمہ اربعہ مجتہدین کا بھی یہی مذہب ہے اور وہ توقف جو حضرت عثمانؓ کی فضیلت میں امام مالک سے نقل کیا ہے، اس کے بارہ میں قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امام مالک نے توقف سے حضرت عثمانؓ کی تفضیل کی طرف رجوع کیا ہے اور قرطبی نے کہا ہے "هو الاصح ان شآء اللّٰه تعالى" "یہی درست ہے ان شاءاللہ۔

اور ایسے ہی توقف جو بعض نے امام اعظم کی اس عبارت سے سمجھا ہے کہ:

"من علامات السنة والجماعة تفضيل الشيخين ومحبة الختنين" "یعنی شیخین کی تفضیل اور ختنین کی محبت سنت وجماعت کی علامات میں سے ہے۔

اس فقیر کے نزدیک اس عبارت کے اختیار کرنے کا محل اور ہے چونکہ حضرات ختنینؓ کی خلافت کے زمانے میں فتنہ وفساد لوگوں میں بہت ظاہر ہوگیا تھا اور اس سبب سے لوگوں کے دلوں میں بہت کدورت آگئی تھی اس لیے امامؒ نے اس بات کو مدنظر رکھ کر ان کے حق میں محبت کا لفظ اختیار کیا ہے اور ان کی دوستی کو سنت کی علامات سے فرمایا ہے بغیر اس امر کے کہ کسی قسم کا توقف ملحوظ ہو، اور ہو بھی کیونکر جب کہ حنفیہ کی کتابیں اس مضمون سے بھری ہیں کہ ان (خلفاء) کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔الغرض شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمانؓ کی افضلیت اس سے کم تر ہے لیکن احوط یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ کی افضلیت کے منکر بلکہ شیخین کی افضلیت کے منکر کو بھی کفر کا حکم نہ کریں اور مبتدع اور ضال جانیں ...اور جو کچھ مولانا سعدالدین نے شرح عقائد نسفی میں اس افضلیت کے حق میں انصاف سمجھا ہے وہ انصاف سے دور ہے اور وہ تردید جو اس نے کی ہے وہ سراسر لا حاصل ہے۔

کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اس جگہ افضلیت سے وہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بکثرت ثواب کے اعتبار سے ہے نہ کہ وہ افضلیت جو فضائل اور مناقب کے بکثرت ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہے کیونکہ ایسی افضلیت عقل مندوں کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں رکھتی۔کیونکہ سلف صحابہ و تابعین نے جس قدر فضائل ومناقب حضرت امیرؓ کی نسبت نقل کیے ہیں وہ اور کسی صحابی کی نسبت منقول نہیں ہیں۔حتیٰ کہ امام احمد نے فرمایا ہے کہ:

"اور جو فضائل حضرت علیؓ کے بارے میں آئے ہیں وہ کسی اور صحابی کی نسبت نہیں آئے۔"اور باوجود اس امر کے امام مذکور نے خلفائے ثلاثہؓ کی افضلیت کا حکم کیا ہے۔پس معلوم

ہوا کہ افضلیت کی وجہ ان فضائل ومناقب کے سوا کچھ اور ہے۔اور اس افضلیت پر اطلاع پانا دولت وحی کی ان مشاہدہ کرنے والوں کو میسر ہے جنہوں نے صریح طور پر یا قرائن سے معلوم کی ہے اور وہ صحابہ پیغمبر علیہ وعلیہم صلوٰت والتسلیمات ہیں۔

پس جو کچھ شارح عقائد نسفی نے کہا ہے اگر مراد افضلیت سے کثرت ثواب ہے تو پھر توقف کی جہت ساقط ہے۔کیونکہ توقف کی تب ہی گنجائش ہوتی ہے جب کہ اس افضلیت کو صاحب شریعت کی طرف سے صریح طور پر یا دلالت کے طور پر معلوم نہ کیا ہوا اور جب معلوم ہو چکی ہو تو پھر کیوں توقف کریں؟ اور اگر معلوم نہ کیا ہو تو پھر افضلیت کا حکم کیا کریں؟ اور جو شخص سب کو برابر جانے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا فضول سمجھے وہ بوالفضول اور احمق ہے۔'' (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی جلد دوم۔دفتر اول حصہ چہارم ص ۱۶۷۔۱۷۰)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی فرماتے ہیں:

''تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں افضل اور بہتر اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق ابوبکر صدیقؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذی النورینؓ اور ان کے بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ان کی فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے...

غرض یہ کہ کل صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ سے اور تمام صحابہ سے افضل سمجھ کر خلیفہ بنا دیا اور صحابہ کرامؓ کو حضرت عثمانؓ کی افضلیت میں کوئی شبہ اور تردد نہ تھا، سب نے بالاتفاق اور بلاتردد اور بلا کسی بحث کے عثمان غنیؓ کو افضل سمجھ کر خلیفہ مقرر کیا۔

لہٰذا علامہ تفتازانی کو اگر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی افضلیت میں کوئی تردد پیش آئے تو صحابہ کرامؓ کو تو تردد نہ تھا اور یہی اہل السنّت کا مسلک ہے کہ عثمان غنیؓ کا مرتبہ حضرت علیؓ سے بڑھا ہوا ہے۔'' (عقائد الاسلام ص ۱۶۳، ۱۷۹)

علامہ عبدالعزیز فرہاروی (م ۱۲۳۹ھ) نے بھی ''شرح عقائد'' کے اس مقام پر نہایت مدلل انداز کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی حضرت علیؓ پر افضلیت ثابت کرتے ہوئے بعض سلف کا رجوع نقل کیا ہے:

''وذکر القاضی عیاض عن الامام مالک أنه رجع عن التوقف إلی هذا وحکی القسطلانی عن سفیان الثوری أنه رجع عن تفضیل علیؓ إلی تفضیل عثمانؓ۔فاحفظ هذا التحقیق۔بقی ههنا بحثان الأول قال بعض المحشین فی الکلام

للشارح (تفتازانی) هذا شائبة من الرفض و تعقبه محشی آخر و قال: الاعتراف بفضائل علیؓ و مناقبه لیس رفضا۔قلت الاعتراف بمناقبه رکن الإیمان لکن لم یکن یخفی علی الشارح أن مراد أهل السنة بالأفضلیة أکثریة الثواب فالتردید لیس علی ماینبغی......"(النبراس شرح لشرح العقائد ص۴۹۲)

اس عبارت کا مفہوم پیچھے واضح کردیا گیا ہے؛ بہر حال مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ تفتازانی تیموری دربار میں بے پناہ رسوخ کی وجہ سے بعض شیعی عقائد وافکار سے متاثر ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

# ۷۔میر سید شریف جرجانی

## (م۸۱۶ھ)

علی نام، ابوالحسن کنیت، زین الدین لقب، والد کا نام محمد اور دادا کا نام علی ہے۔میر سید شریف کے ساتھ مشہور ہیں۔علوم ادبیہ اور علوم نقلیہ میں درجہ کمال تک پہنچے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ علم باطن کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔آپ نے علم تصوف خواجہ عطار سے حاصل کیا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ "ہم نے خدا کو کماینبغی اس وقت تک نہیں پہچانا جب تک کہ ہم خواجہ عطار کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے۔

موصوف علامہ سعدالدین تفتازانی کے ہم عصر تھے اور ان ہی کی وجہ سے تیموری دربار میں رسوخ حاصل کیا (تیمور کے افکار ونظریات پیچھے گزر چکے ہیں)۔لیکن بعد میں "معاصرانہ چشمک" کی وجہ سے اپنی تحریرات میں علامہ تفتازانی پر خوب اعتراضات کرنے کے علاوہ قطبی کے حاشیہ میں سخت الفاظ میں چوٹیں بھی کیں بلکہ تیمور کے دربار میں اپنی اپنی علمی دھاک بٹھانے کے لیے دونوں فضلاء کے درمیان نوک جھونک، بحث ومباحثہ اور مکالمہ ومناظرہ رہتا تھا۔

اس نوعیت کے ایک مناظرہ میں "حَکَم" نے میر سید شریف کے حق میں فیصلہ کردیا جس کے نتیجے میں شاہ نے علامہ تفتازانی پر میر سید شریف کا رتبہ بڑھادیا۔بعد میں اسی شکست کے صدمہ کی وجہ سے علامہ تفتازانی کچھ عرصہ صاحب فراش رہ کر ۷۹۲ھ میں انتقال کر گئے۔

میر سید شریف جرجانی کی بہت سی کتب اور شروح درس نظامی کے نصاب میں شامل ہیں۔

جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ "اجتہادی" تھا جب کہ میر سید شریف جرجانی شارح مواقف نے کہا ہے کہ "ہمارے بہت سے اصحاب کا قول ہے کہ یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی نہیں تھا۔"

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بحوالہ شیخ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

"حضرت معاویہؓ اور امیر کے درمیان جھگڑے از روئے اجتہاد کے ہوئے ہیں اور اس قول کو اہل سنت کے معتقدات سے فرمایا ہے۔اور شارح مواقف نے جو یہ کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس بات پر ہیں کہ وہ منازعات از روئے اجتہاد کے نہیں ہوئے۔معلوم نہیں، اصحاب

سے اس کی مراد کون سا گروہ ہے؟ جب کہ اہل سنت اس کے برخلاف حکم دیتے ہیں اور قوم کی کتابیں خطائے اجتہادی سے بھری پڑی ہیں جیسے کہ امام غزالی اور قاضی ابو بکر وغیرہ نے تصریح کی ہے۔پس حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کے حق میں "فسق وضلال" کا گمان جائز نہیں ہے۔" (مکتوبات امام ربانی اردو۔مکتوبات حصہ چہارم دفتر اول جلد دوم ص ۵۷۸۔مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی فرماتے ہیں کہ:

"اور جو لڑائیاں (جمل اور صفین) اور جھگڑے صحابہ کرامؓ کے درمیان ہوئے...تو ان کے لیے اچھی توجیہات و تاویلات ہیں اور وہ توجیہ یہ ہے کہ بے شک وہ حضرات حق کے طلب گار تھے لیکن بعض ان میں سے اپنے اجتہاد میں مصیب ہوئے اور بعض مخطی۔اور اجتہادی خطاء والے پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ وہ بھی اجر و ثواب کا مستحق ہے۔سلف صالحین کی یہی عادت رہی ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے افعال کو نیک مقاصد پر محمول کرتے ہیں۔" (النبراس شرح لشرح العقائد ص ۵۴۹)

علامہ خفاجی شرح شفاء میں لکھتے ہیں کہ:

"یہ کچھ ایسے امور تھے جو ان سے اجتہاداً صادر ہوئے۔ان کا منشاء کوئی اغراض نفسانیہ نہ تھیں نہ ان کا مطمح نظر کوئی دنیوی امور تھے (کما یظنّہ الجھلۃ) جیسا کہ جاہلوں نے سمجھ رکھا ہے۔" (نسیم الریاض جلد ۳۔ص ۴۶۷)

علمائے اہل سنت کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات اجتہاد پر مبنی تھے لہٰذا علامہ میر سید شریف جرجانی کی یہ بات خلاف حقیقت ہے کہ یہ اختلافات اجتہادی نہیں تھے۔

☆☆☆☆☆☆

# ۸۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی

(م ۸۹۸ھ)

نام عبدالرحمٰن، لقب اصلی عمادالدین، لقب مشہور نورالدین، کنیت ابوالبرکات اور تخلص جامی ہے۔ علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل کے بعد تصوف وسلوک کی منازل طے کیں۔ شعروشاعری سے نہ صرف یہ کہ آپ کو دلچسپی تھی بلکہ فارسی شعراء میں آپ کو ممتاز مقام بھی حاصل ہے۔ ''کلیات جامی'' کے نام سے آپ کا مستقل دیوان طبع ہو چکا ہے۔

مختلف علوم وفنون میں تصانیف کی تعداد چون (۵۴) ہے جن میں سے ایک اہم تصنیف ''شرح جامی'' ہے جو کافیہ کی مشہور ومعروف شرح ہے۔ اسی طرح ''مثنوی جامی'' کے نام سے ''یوسف زلیخا'' کے شروع میں ۱۳۲ اشعار پر مشتمل آپ کی ایک مشہور نعت فارسی میں ہے جسے مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ نے مع ترجمہ اپنی کتاب فضائل درود شریف میں درج کیا ہے۔ اس سے پہلے موصوف نے اپنے والد صاحب کی زبانی مولانا جامی کے متعلق ایک قصہ بھی نقل کیا ہے کہ:

''مولانا جامی یہ نعت کہنے کے بعد ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ روضہ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے۔ جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور اقدس کی زیارت کی۔ حضور اقدس نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں۔ امیر مکہ نے ممانعت کردی مگران پر جذب وشوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔

امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آرہا ہے۔ اس کو یہاں نہ آنے دو۔ امیر نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑوا کر بلایا، ان پر سختی کی اور جیل میں ڈال دیا۔

اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور اقدس کی زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آکر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لیے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا۔ اس پر ان کو جیل سے

نکالا گیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا۔(فضائل درود شریف ص ۱۳۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی پہچان تو صحابہ کرامؓ سے محبت ہے۔تعجب ہے کہ مولانا جامی جیسے ''عاشق رسولؐ'' نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''اجتہادی خطاء'' کو نہ صرف ''خطائے منکر'' کہا بلکہ آں معظمؓ پر تعریض کرتے ہوئے ان کا نام لینا بھی گوارا نہ کیا۔

پیر نصیرالدین گولڑوی نے جمہور اہل سنت والجماعت کے نظریہ کے برعکس اپنے باطل نظریے کو مولانا جامی کے نظریہ سے ہی ثابت کیا ہے۔چنانچہ پیر گولڑوی لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خلیفہ برحق تھے اور اس پر اجماع امت ہے کہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ کے خلاف جو رویہ اختیار کیا وہ کسی بھی لحاظ سے پسندیدہ نہ تھا۔ان کے اس رویے کو محض خطائے اجتہادی قرار دے کر موجب اجر و ثواب سمجھنا محل نظر ہے۔کسی شرعی مسئلہ میں حتی الوسع جد وجہد کے بعد اجتہادی غلطی کا معاملہ کچھ اور ہے مگر دینوی اور ملکی امور میں ایسی اجتہادی خطاء کو جو موجب فتنہ بنے، باعث اجر و ثواب قرار دینا قرین دانش مندی وانصاف نہیں۔

ہمیں درجۂ صحابیت کا لحاظ ہے اور ہم جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی عناد نہیں رکھتے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ہم ان کے اس طرزِ عمل کو اجتہادی کارنامہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

(پیر صاحب کے خیالات وافکار آگے مستقل عنوان کے تحت آرہے ہیں)

ہم اپنے اس نقطۂ نظر کی تائید میں اہل سنت والجماعت کی چند ناموراور معتبر شخصیات کی عبارات ونظریات پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

مشہور عاشق رسولؐ اور عارف حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی نقشبندی فرماتے ہیں:

جمعے از بیعتش ابا کردند و ندراں سرکشی خطا کردند

ترجمہ:ایک جماعت نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کیا اور اس جماعت نے سرکشی میں خطا کی۔

اپنی اسی تصنیف میں مولانا جامی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

واں خلافے کہ داشت با حیدرؓ در خلافت صحابی دیگر

حق در آنجا بدست حیدرؓ بود جنگ با او خطائے منکر بود

ترجمہ: اور وہ دوسرا صحابی جو بہ سلسلہ خلافت حضرت علیؓ سے اختلاف رکھتا تھا (یعنی جناب معاویہ رضی اللہ عنہ) اس وقت حق علی المرتضیٰؓ کی طرف تھا اور ان سے جنگ کرنا خطائے منکر تھا یعنی ناپسندیدہ خطا تھی۔ (نام ونسب ص۵۴۳)

پیر نصیرالدین صاحب گولڑوی "لعنت بر یزید" سے متعلق مولانا جامی کا ایک مکالمہ نقل کرتے ہیں:

"عارف نامی حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی (م۸۹۸ھ) کے دور میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ چنانچہ مولانا جامی کے فارسی کلیات کے مقدمہ نگار ہاشم رضا اپنے طویل مقدمے میں بہ روایت تذکرہ کرمی، خزینۃ الاصفیاء، لطائف الطوائف اور مولانا فخر الدین علی کاشفی کے حوالے سے رقم طراز ہیں...

مرزا بابر کے زمانے میں سمرقند کے ایک "مزید" نامی دانش مند فقیہ ہرات آئے۔ مولانا جامی اور مولانا مزید دونوں مرزا بابر کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مرزا نے لعن یزید کے بارے میں "مزید" سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ اہل قبلہ میں سے تھا۔ چنانچہ مرزا نے یہی سوال مولانا جامی سے کیا کہ مولانا مزید کا تو یہ خیال ہے، آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟

اس پر مولانا جامی کہنے لگے کہ ہم کہتے ہیں "صد لعنت بر یزید وصد دیگر بر مزید" سو لعنت یزید پر اور سو بر مزید۔

اس کے دو معنی نکلتے ہیں یعنی سو لعنت یزید پر ہو اور سو "مزید" پر۔ یعنی جو شخص یزید کو مستحق لعنت نہ سمجھتا ہو اس پر بھی لعنت۔ اس طرح حضرت جامی نے لفظ "مزید" سے زائد کا مفہوم نکال لیا اور مولانا مزید جو لعن یزید کے مخالف تھے ان کا نام لے کر ان پر بھی چار حرف بھیج دیے۔ ایسے واقعات اور نکتہ آفرینیاں ان لوگوں کی حاضر جوابی اور ذہانت وفطانت کا بین ثبوت ہیں۔" (نام ونسب ص۵۴۰)

بہر حال مولانا جامی کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تعریض اور ان کی خطاء کو منکر کہنا بڑی ہی نا روا جسارت ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جامی نے "اگر" کے ساتھ لعنت کی بھی نسبت کی ہے یعنی "اگر وہ لعنت کا مستحق ہے" چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

حضرت مولانا جامی نے جو خطائے منکر کہا ہے اس نے بھی زیادتی کی ہے۔ خطاء پر جو کچھ زیادہ کریں خطاء ہے اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ اگر وہ لعنت کا مستحق ہے... الخ یہ بھی نا مناسب

کہاہے۔اس کی تردید کی کیاحاجت ہے؟اوراس میں کون سامحل اشتباہ ہے۔اگر یہ بات یزید کے حق میں کہتے ہیں تو بے شک جائز تھا لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کہنابرا ہے۔

اوراحادیث نبوی میں معتبراورثقات کی اسناد سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا کی ہے:

"اللّٰهم علّمه الكتاب والحساب وقه العذاب"

یااللہ تو اس کو کتاب وحساب سکھااورعذاب سے بچا۔

اوردوسری جگہ دعا میں فرمایا:

"اللّٰهم اجعله هاديا و مهديا"۔یااللہ تو اس کو ہادی اورمہدی بنا۔

اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول ہے۔

بظاہرایسامعلوم ہوتا ہے کہ یہ بات مولانا (جامی) سے سہو ونسیان کے طور پر سرزدہوئی ہوگی اورنیزمولانا (جامی) نے ان ہی ابیات میں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے) نام کی تصریح نہ کر کے کہاہے وہ صحابی اورہےاوریہ عبارت بھی ناخوشی سے خبردیتی ہے۔"

(مکتوبات امام ربانی جلددوم ص ۵۸۰)

☆☆☆☆☆☆

# ۹۔ملا علی قاری

## متوفی ۱۰۱۴ھ

حضرت شیخ نورالدین علی بن سلطان محمد ہروی الشہیر بہ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں زیر عنوان "اختلف اهل السنة فی تسمیة للمعاویة باغیا" لکھتے ہیں کہ:

ثم کان معاویة مخطئا الا انه فعل ما فعل عن تاویل فلم یصر به فاسقاً واختلف اهل السنة والجماعة فی تسمیة باغیا فمنهم من امتنع من ذالك والصحیح من اطلق(بلفظ الباغی ای علی معاویة) لقوله لعمار تقتلك الفئة الباغیة وکان علیؓ مصیبا فی التحکیم وزعمت الخوارج انه کان مخطئا فیه و قد کفر اذا الواجب فی اهل البغی المحاربة لقوله سبحانه وتعالٰی: "فان بغت احدهما علی الاخریٰ فقاتلوا الّتی تبغی حتیٰ تفیٓء الی امراللّٰه"

ولکنّا نقول المقصود اراد دفع الشر وتالیف القلوب وذا فیما فعل علیؓ۔

(شرح فقہ اکبر ص ۸۲)

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مخطی تھے مگر انہوں نے جو کچھ کیا تاویل کے ساتھ کیا۔ پس وہ اس فعل کی وجہ سے فاسق نہیں ہو گئے۔[1] اور اہل سنت والجماعت نے انہیں "باغی" کا نام دینے میں اختلاف کیا ہے۔ پس بعض نے اس سے منع کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ پر باغی کا اطلاق درست ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عمارؓ کے لئے اس قول کی بناء پر کہ تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تحکیم میں مصیب تھے اور خوارج نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ اس

[1] راقم الحروف کی کتاب "تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ" مطبوعہ ۱۹۹۵ء میں ملا علی قاری کے عنوان کے تحت "فلم یصر به فاسقا" کے ترجمہ اور اس سے اخذ کردہ نتیجے میں مؤلف کی نشاندہی کے باوجود کاتب، کمپوزر اور پروف ریڈر کے سہو سے تصحیح نہیں ہو سکی۔ اب بعض ناشرین بلا اجازت اور بلا تصحیح اسے شائع کر رہے ہیں جو اخلاقاً اور قانوناً درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس غلطی سمیت جملہ خطاؤں کو معاف فرمائے۔ آمین

میں مخطی تھے اور انہوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ ان پر باغیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی بناء پر لڑنا فرض تھا کہ "اگر ان دونوں گروہوں میں سے ایک دوسرے گروہ پر بغاوت کرے تو تم اس کے ساتھ قتال کرو جس نے بغاوت کی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔"

اور لیکن ہم کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے دفع شر اور تالیف قلوب کی وجہ سے تحکیم قبول کی تھی۔ (شرح فقہ اکبر ص ۸۲)

اس عبارت سے درج ذیل امور ثابت ہوئے:

۱۔ حضرت معاویہؓ مخطی تھے۔

۲۔ اس فعل کی وجہ سے وہ فاسق نہیں ہوئے۔

۳۔ جو اہل سنت ان پر باغی کا اطلاق نہیں کرتے وہ غلط ہے۔

۴۔ انہیں باغی کہنا صحیح ہے۔

۵۔ حضرت علیؓ بھی انہیں باغی سمجھتے تھے مگر انہوں نے حکم الٰہی: "فقاتلوا التی تبغی" کی خلاف ورزی "دفع شر اور تالیف قلوب" کی خاطر کی تھی۔

موصوف اپنی ایک دوسری کتاب میں حدیث عمارؓ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

"اعلم ان عمارا قتله معاوية و فئته فكانوا طاغين باغين بهذا الحديث"

جاننا چاہیے کہ حضرت عمارؓ کو معاویہ اور اس کے گروہ نے قتل کیا تو وہ اس حدیث کی رو سے طاغی (سرکش) باغی ہوگئے۔

جن حضرات نے لفظ (باغی) کی تاویل طالب دم عثمانؓ سے کی ہے انہیں جواب دیتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں کہ:

قلت فاذا كان الواجب عليه ان يرجع عن بغيه باطاعته الخليفة و يترك المخالفة و طلب الخلافة المنيفةفتبيّن بهذا انه كان في الباطن باغيا و في الظاهر مستترا بدم عثمان مراعيا مرائيا فجاء هذا الحديث عليه ناعيا وعن عمله ناهيا لكن كان ذلك في الكتاب مسطورا فصار عنده كل من القرآن والحديث مهجورا فرحم الله من انصف ولم يتعصب ولم يتعسف وتولى الاقتصاد في الاعتقاد لئلا يقع في جانبي سبيل الرشاد من الرفض والنصب بان يحب جميع الآل والصحب۔ (المرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ المصابیح جلد ۱۱ ص ۱۷۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

میں کہتا ہوں کہ جب معاویہ پر وا جب تھا کہ وہ خلیفہ کی اطاعت کر کے اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے رجوع کرتا اور خلیفہ کی مخالفت اور منفی خلافت کی طلب وخواہش ترک کر دیتا (مگر اس نے یہ کام نہیں کیا) تو ظاہر ہوگیا کہ وہ باطن (حقیقت) میں باغی تھا اور ظاہری طور پر اس نے قصاص عثمانؓ کا لبادہ اپنی حفاظت کے لئے ریا کارانہ طور پر اوڑھ رکھا تھا سو یہ حدیث اس کے گناہ کو ظاہر کرنے اور اس کے عیب کا اعلان کرنے اور اس کے عمل بغاوت سے روکنے کے لئے آگئی ۔لیکن یہ سب کچھ مقدر ہو چکا تھا ۔پس قرآن وحدیث دونوں معاویہ کے نزدیک متروک ہو گئے ۔سواللہ رحم کرے اس شخص پر جس نے تعصب نہ کیا اور نہ ہی ظلم کیا اور اعتقاد میں میانہ روی اختیار کی تا کہ صراط مستقیم سے ہٹ کر رافضیت اور ناصبیت میں نہ جا پڑے اور تمام آل واصحاب سے محبت رکھے۔

ملاعلی قاری کی مذکورہ تشریح سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے:

۱۔معاویہؓ کو چاہیے تھا کہ بغاوت سے رجوع کرتا۔

۲۔معاویہؓ کو خلیفہ کی اطاعت کرنی چاہیے تھی۔

۳۔معاویہؓ کو چاہیے تھا کہ وہ خلیفہ کی مخالفت اور ناجائز خلافت کی طلب ترک کر دیتا۔

۴۔معاویہؓ حقیقت (باطن) میں باغی تھے۔

۵۔معاویہؓ نے دکھلاوے اور ریا کارانہ طور پر دم عثمانؓ کی آڑ لے رکھی تھی۔

۶۔حدیث عمارؓ معاویہؓ کے باغی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔

۷۔معاویہؓ نے قرآن وحدیث کے واضح احکام کی خلاف ورزی کی۔

۸۔انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مذکورہ بالا امور کا مرتکب سمجھا جائے۔

حضرت ملاعلی قاری کے نزدیک محاربین اہل بیت کی مذمت کرنا امت کا ''اجماعی'' مسئلہ ہے چنانچہ وہ ایک دوسرے مقام پر اس ''اجماعی عقیدے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

فـفـضل اهل البيت وذم من حاربهم امر مجمع عليه عند العلماء السنة واكابر أئمة الامة'' (مرقاۃ المفاتیح ۔کتاب المناقب والفضائل جلد ۱۰ ۔ص ۵۲۴)

پس اہل بیت کی فضیلت بیان کرنا اور جن حضرات نے ان کے ساتھ جنگ کی ہے ان کی مذمت بیان کرنا ایسا مسئلہ ہے جس پر اہل سنت کے علماء اور امت کے اماموں کا اجماع ہے۔

سخت حیرت ہے کہ ملاعلی قاری ''محاربین اہل بیت'' کے تخطیہ ہی کو نہیں بلکہ ان کی مذمت کو امت کا اجماعی مسئلہ قرار دے رہے ہیں ۔حالانکہ محدثین کرام کے نزدیک ایسا رجحان تشیع کے

زمرے میں آتا ہے۔

"فالتشیع فی عرف المتقدمین ھو اعتقادتفضیل علیؓ علی عثمان وان علیًا کان مصیبا فی حروبہ وان مخالفہ مخطی مع تقدیم الشیخین و تفضیلھما" (تہذیب التہذیب جلداول ص۹۴، فتح الملہم جلداول ص ۶۵)

متقدمین کی اصطلاح میں تشیع کامفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؓ کوصرف حضرت عثمانؓ پرفضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علیؓ اپنی جنگوں میں حق بجانب اوران کے مخالف خطاپر تھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ شیخین کی تفضیل کا بھی قائل ہو۔

امام ربانی مجددالف ثانی فرماتے ہیں کہ:

یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت امیر (یعنی علیؓ) تمام اجتہادی واختلافی امور میں حق پر ہوں اوران کے مخالف خطاپر۔(مکتوبات جلددوم ص ۵۵۔مکتوب نمبر ۲۶)

حضرت موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

اے برادر! اس امر میں بہتر طریق یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحابؓ کے لڑائی جھگڑوں سے خاموش رہیں۔ان کی خطا کوبھی زبان پر نہ لانا چاہیے۔ان کے ذکر خیر کے سوااور کچھ نہ بیان کرنا چاہیے۔(مکتوبات امام ربانی جلددوم ص۵۸۲)

مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ:"زلت انبیاء سے بھی ہوئی،حضرت علیؓ بھی خطا سے مامون نہ تھے۔"(ملاحظہ ہوتالیفات رشیدیہ۔ھدیۃ الشیعہ ص۵۸۴)

بہرحال یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مشاجراتی اختلافات میں اصل مذہب سکوت وتوقف ہے۔مشاجرات میں وہی قوی ترین، مقبول ترین، راجح ترین اورصریح نصوص کے عین مطابق ہے۔ائمہ اربعہ کے مذاہب سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس معاملہ میں سکوت وتوقف ہی کے قائل تھے۔

ملاعلی قاری کا یہ جارحانہ انداز (میں کہتاہوں کہ جب معاویہ پرواجب تھا کہ وہ خلیفہ کی اطاعت کرکےاپنی باغیانہ سرگرمیوں سے رجوع کرتا...) توسراسرحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین پرمبنی ہے جس میں یقینی طورپر مطلق صحابیت کی رعایت بھی ملحوظ نہیں رکھی گئی۔پھرمعلوم نہیں کہ انہوں نے "شرح فقہ اکبر" میں "فلم یصربہ فاسقا" کے جملے سے "فسق" کی نفی کس طرح کردی؟ موصوف نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو "فرد جرم" عائد کی ہے کیا وہ امور "فسق" کی تعریف میں نہیں آتے؟

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:

''فسق کے لفظی معنی خروج اور باہر نکل جانے کے ہیں۔ اصطلاحِ شرع میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کو ''فسق'' کہتے ہیں اور اطاعت الٰہیہ سے نکل جانا کفر و انکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی۔ اس لیے لفظ ''فسق'' کافر کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بیشتر لفظ ''فاسقین'' کافروں ہی کے لیے استعمال ہوا ہے اور مومن گناہ گار کو بھی فاسق کہا جاتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ان کی اصطلاح میں فاسق کو کافر کے بالمقابل اس کی قسیم قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے، اس کی عادت بنا لے وہ فقہاء کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے اور جو شخص یہ فسق کے کام اور گناہ اعلانیہ جرأت کے ساتھ کرتا پھرے اس کو فاجر کہا جاتا ہے۔'' (معارف القرآن جلد اول ص ۱۶۸۔ تحت آیت ''وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝'')

حضرت ملا علی قاری کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''مخطی کہنا، باغی طاغی بتانا، خلیفہ راشد حضرت علیؓ کا نافرمان اور حکم عدول ثابت کرنا، اس بغاوت سے رجوع نہ کرنا، منفی خلافت کی طلب کرنا، قصاص عثمانؓ کا لبادہ محض اپنی حفاظت کے لیے ریاکارانہ طور پر اوڑھنا اور قرآن و حدیث دونوں (کے احکام کو) ترک کر دینا'' جیسے امور کا مرتکب قرار دینا ___ یقیناً یہ جملہ امور لفظ ''فسق'' کی لغوی، لفظی، اصطلاحی اور فقہی تعریف میں داخل ہیں۔

مذکورہ جملہ امور کے ارتکاب کی صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ''فسق کی نفی کس طرح ممکن ہے؟ پس ملا علی قاری کے اس قول کہ ''فلم یصر بہ فاسقا'' میں فسق کی نفی کو صرف ''کفر و انکار'' کی نفی پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ دوسری کوئی صورت ممکن نہیں۔

محقق اہل سنت مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی ملا علی قاری کے مذکورہ منصفانہ اور معتدلانہ نظریہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

کیا خوب! اگر یہ بھی اعتدال و انصاف، تعصب و تعسف سے پاک سبیل الرشاد اور حب آل واصحاب ہے تو ملا علی قاری کو تسلی رکھنی چاہیے کہ پھر آل واصحاب کے حق میں بے اعتدالی و بے انصافی، تعصب و تعسف اور بغض آل واصحاب نامی کوئی چیز دنیا میں نہیں، پھر رافضی و ناصبی اور خارجی و سبائی دنیا میں کوئی نہیں۔ (سبائی فتنہ جلد ا ص ۹۹ طبع اول، جلد ا ص ۱۲۰ طبع دوم)

☆☆☆☆☆☆

# ۱۰۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی

## (م ۱۰۵۲ھ)

آپ کے آباء واجداد بخارا سے دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ یہیں ۹۵۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اپنے زمانے کے "فقیہ، محقق محدث، مدقق، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، فخر مسلمانان برصغیر اور جامع علوم ظاہری وباطنی" تھے۔ آپ صاحب تصنیف بزرگ ہیں جن میں سے "اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، مدارج النبوت، اخبار الاخیار، جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب اور تکمیل الایمان و تقویت الایقان" زیادہ مشہور ہیں۔

آپ نے ۱۰۵۲ھ میں رحلت فرمائی اور آپ کا مقبرہ حضرت قطب صاحبؒ مہرولی دہلی میں حوض شمسی کے کنارہ پر واقع ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ آپ کے ہم عصر تھے۔ دین اسلام پر مذاہب باطلہ ہنود ونصاریٰ، دشمنان اصحاب رسولؐ، صوفیہ ملاحدہ اور مبتدعین کی طرف سے یلغار جاری تھی۔ ان باطل گروہوں کو اکبر بادشاہ کی بھرپور تائید وحمایت حاصل تھی لیکن حضرت سرہندیؒ نے مشکلات کی پروا کیے بغیر معرکہ حق وباطل میں اپنی مجاہدانہ سرگرمیاں جاری رکھیں۔

مگر صد افسوس ان کے راستے میں بعض "اپنے" بھی رکاوٹ بنے اور جہانگیر کو ان کے خلاف سخت ترین کاروائی پر آمادہ کرنے کے لیے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نام بھی آتا ہے۔ چنانچہ شیخ المشائخ مولانا خان محمد صاحب کے مرید خاص مولانا محمد محبوب الٰہی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ان اصلی دشمنوں نے سمجھ لیا کہ وار خالی گیا اور مراد حاصل نہ ہوئی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد موقع پا کر پھر بادشاہ سے عرض کیا کہ شیخ احمد نے ایک بہت بڑی جماعت فراہم کرلی ہے۔ لاکھوں جاں نثار مرید ان کے گرد جمع ہیں عنقریب یہ لوگ کوئی فتنہ برپا کریں گے اور ملک وسلطنت پر متصرف ہونے کی کوشش کریں گے۔ (یہ وہم دل میں ڈال کر) بادشاہ کو اس پر آمادہ کیا کہ بادشاہوں کے لیے سجدہ تعظیمی جائز ہے۔ اگر شیخ احمد بھی بادشاہ کے حضور میں آکر سجدہ تعظیم کرلیں گے تو سمجھا جائے گا کہ وہ بادشاہ کے مخالف نہیں (ورنہ مخالف ہونا کھل جائے گا)

جہانگیر نے پھر حضرت شیخ کو اپنے پاس بلایا اور سجدہ تعظیم کا مطالبہ کیا۔ چونکہ حضرت شیخ نے اس کی تعمیل نہ کی تو مخالفین نے پھر ہنگامہ آرائی کی اور اسی سابق ذکر کردہ مکتوب کے ساتھ دوسرے مکتوبات کی ایسی عبارتیں شامل کر لیں کہ ظاہر بین لوگوں کی سمجھ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی اور اعتراضات کی بھرمار کر دی۔ خصوصاً مولوی عبدالحق دہلوی نے بھی (دشمنوں کے ورغلانے میں آ کر) اعتراضات کے خطوط لکھے اور ان کے شافی جواب پائے۔ غرض سب علماء نے درباری امراء کی خاطرداری سے حضرت شیخ (مجدد الف ثانی) کے قتل کا فتویٰ دے دیا اور بادشاہ نے (ہوشمندی سے کام لے کر) آنجناب کو قلعہ گوالیار کے قید خانہ میں بند کر دیا۔ حضرت شیخ دو سال تک وہاں قید رہے۔"

(تائید مذہب اہل سنت اردو ترجمہ رد روافض ص۳۴۔۳۵۔ مطبوعہ ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور)

"ممکن ہے کہ یہ "معاصرانہ چشمک" کی کارفرمائی ہو تاہم دونوں بزرگوں کا اہل سنت کے ہاں ممتاز مقام ہے۔

یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "نقد" کے حوالے سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا کردار زیر بحث ہے۔ موصوف نے "شرح سفر السعادۃ" میں اس بات کی تائید کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی۔ علامہ عبدالعزیز فرہاروی اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"ولم ينصف الشيخ عبدالحق الدهلوى فى شرح سفر السعادة فانه اقر كلام المصنف ولم يتعقبه كتعقبه على سائر تعصباته" (الناهية عن طعن امير المؤمنين معاويةؓ۔ ص۳۴)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح سفر السعادۃ میں انصاف نہیں کیا۔ کیونکہ انہوں نے مصنف کے اس فقرہ پر تعقب نہیں کیا جیسا کہ اس کے دوسرے تعصبات پر تعقب کیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے ایک مضمون زیر عنوان "فضائل مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں فرماتے ہیں:

"امام احمد بن حنبل صحیح حدیث میں جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ فتنہ پرداز سرداروں میں سے ایک سردار مدینہ میں آیا۔ جابر رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ میں تھے اور آپ کی بینائی کبرسنی کی وجہ سے جاتی رہی تھی۔ ان سے کہا کہ مصلحت وقت اس میں ہے کہ اس ظالم کے مقابلے سے تھوڑے دنوں کے لئے کنارہ کشی اختیار کی جائے تاکہ اس فتنہ کی آفت اور اس ابتلاء کے خوف سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ آپ اپنے دونوں صاحبزادوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر مدینہ منورہ

سے باہر جا رہے تھے۔ضعف پیری اور بینائی کے نہ ہونے کی وجہ سے یکا یک زمین پر گر پڑے۔اس وقت آپ نے کہا ہلاکت ہو اس شخص کی جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا۔آپ کے ایک لڑکے نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرانا کس طرح ہے۔حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے دار بقاء کو تشریف لے جا چکے ہیں۔اس پر جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس شخص نے اہل مدینہ کو ڈرایا بے شک گویا اس نے مجھ کو ڈرایا۔نسائی کی روایتوں میں آیا ہے:"جو شخص اہل مدینہ کو ڈرائے اس کو اللہ ظلماً ڈراتا ہے اور اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔"

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ:"اس کا کوئی عمل فرض یا نفل مقبول نہیں ہے۔" نیز اس باب میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔سیدؒ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر مشارالیہ جس سے جابرؓ بھاگے تھے بُسر ابن ارطاۃ تھا۔اس لئے کہ قرطبی ابن عبدالبر سے روایت لاتے ہیں کہ معاویہؓ نے دو حکموں کے فیصلہ کرنے کے بعد بُسر ابن ارطاۃ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا، تا کہ اس شہر کے باشندوں سے ان کی خلافت پر عہد بیعت لیں۔حضرت ابوایوب انصاریؓ اس وقت امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ میں عامل تھے۔خوف فرار کی وجہ سے جناب ولایت مآب مرتضوی سے جا ملے۔بُسر مدینہ میں آیا اور کہا کہ اگر امیر المؤمنین کا عہد اور ان کا حکم نہ مانو گے تو اس شہر میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا اور سب کو تیغ سیاست سے ہلاک کر دوں گا۔اس کے بعد تمام اہل مدینہ منورہ کو معاویہؓ کی بیعت کے لئے طلب کیا اور ایک قاصد بنی سلمہ میں بھیجا کہ اگر تم جابر ابن عبداللہؓ کو حاضر نہ کرو گے تو میرے ذمہ اور امان میں نہیں ہو۔جابرؓ نے جب یہ خبر سنی تو ام سلمہؓ کی خدمت میں آئے اور ان سے صورتحال بیان کی اور بُسر کی مجلس میں حاضر ہونے کی بابت مشورہ کیا اور کہا کہ یہ بیعت ضلالت ہے اس میں فلاح کی امید نہیں ہے۔لیکن ترک بیعت میں امان بھی نہیں ہے۔ام سلمہؓ نے حضرت جابرؓ کو چارو ناچار بیعت کی اجازت دے دی۔اکثر اہل مدینہ بھاگ کر حرہ بنی سلیم میں جا چھپے۔علماء نے فرمایا ہے یہ لعنت جو اہل مدینہ پر ظلم و فساد کا ارادہ کرنے والوں پر وارد ہوئی ہے لعنت کفار اور اہل شرک کے مثل نہیں ہے۔جس میں رحمت الٰہی اور نعمت غیر متناہی سے مطلقاً ناامیدی پائی جاتی ہے یا جنت میں داخلہ سے محرومی کے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔بلکہ اس لعنت کا مآل دربار رجل جلالہ میں رحمت خاص حاصل کرنے سے دور رہنا ہے اور اول اول اہل قرب اور اصحاب پاکیزہ کے گروہ کے ساتھ بہشت میں داخل ہونے سے محروم رہنا ہے۔جن کا دامن عصمت ظلم و فساد کی نجاست سے پاک رہا ہے۔اس لعنت کا مقصد حقیقت میں

لوگوں کو بے ادبی پر ڈرانا دھمکانا ہے کہ اس مقام پاک کا احترام کیوں نہیں کیا اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس شہر میں گناہ صغیرہ، کبیرہ کا حکم رکھتا ہے جس طرح بعض علماء حرم مکہ میں گناہ کے دوگنا ہو جانے کے قائل ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم!'' (ماہنامہ لولاک صفر ۱۴۳۷ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۵ء)

موصوف نے زیر نظر مضمون میں حضرت معاویہؓ، حضرت بسرؓ بن ارطات، حضرت جابرؓ، حضرت علیؓ، حضرت جاریہؓ، حضرت ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو ہدف تنقید بنا ڈالا۔ اور اس ''ظلم'' میں نہ صرف ماہنامہ لولاک کے بلکہ پوری عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کے کرتا دھرتا ''مولانا اللہ وسایا صاحب'' مدیر کے شریک ہیں، جنہوں نے حسب عادت بالکل غیر ضروری طور پر دور مشاجرات کے غیر ثابت واقعات کو لولاک کے اوراق کی زینت بنایا۔

پھر تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ حضرت بسر رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا جنہوں نے بقول انہی مورخین کے پوری بستی کو جلا ڈالا اور حامیان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پکڑ پکڑ کر ان کی گردنیں اڑا دیں۔ مسجد نبوی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے تو حضرت علی کے سپہ سالار جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ کی آہٹ سن کر حالت نماز میں ہی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تو حضرت جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا کہ:

''واللہ لو أخذت أبا سنور (أبا هريرة) لضربت عنقه''

''اللہ کی قسم بلی والا (ابو ہریرہ) اگر میرے قابو میں آجاتا تو میں اس کی گردن مار دیتا''

(تاریخ طبری جلد ۶ ص ۸۱ تحت ۴۰ھ، البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد ۷ ص ۳۲۲ تحت ۴۰ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرستادہ حضرت جاریہ رضی اللہ عنہ کے مظالم، قتل و غارت، آگ میں جلانے کی سزا دینا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی توہین کرنا نیز پہلے مدینہ کو خوف زدہ کرنا کیا شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی بیان کردہ مذکورہ احادیث کی وعید میں شامل نہیں ہیں؟ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت جاریہ رضی اللہ عنہ کو ان مظالم کے بپا کرنے پر کوئی سزا دی؟

تفصیل کے خواہشمند قارئین سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد دوم از ص ۱۰۲ تا ۱۰۹ مولفہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخی حقائق از ص ۴۹ تا ۵۱، ۱۸۹ تا ۱۹۱ مولفہ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی طرف مراجعت کریں۔

یہ ملحوظ رہے کہ حافظ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) نے حضرت بسر بن ارطات رضی اللہ عنہ کو

صحابہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲) نے بھی حضرت بسر بن ارطات رضی اللہ کا ذکر "القسم الاول" کے تحت کرتے ہوئے واضح طور پر لکھا ہے کہ:

"وقال الدارقطني له صحبة و قال ابن يونس كان من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ........ وقال ابن حبان ........ وله أخبار شهيرة في الفتن لا ينبغي التشاغل بها" (الاصابه في تمييز الصحابه مع الاستيعاب ص ١٤٨، ١٥٤ تحت حرف الباء ـ القسم الاول طبع بيروت، لبنان ١٣٢٨ه)

امام دار قطنی نے کہا کہ بسر بن ارطات رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔

اور ابن یونس نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں شامل ہیں۔

اور ابن حبان نے کہا کہ ان کے دور فتن کے کچھ واقعات مشہور ہیں، ان میں مشغول نہیں ہونا چاہئے۔

کاش! کہ مولانا اللہ وسایا صاحب بھی اس نصیحت پر عمل کر کے حضرت معاویہؓ اور ان کے گروہ میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردار کشی کے "شغل ناپاک" سے باز آجاتے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ میں فوت ہوئے تھے، ان کے غیر تحقیقی اور توہین صحابہ پر مبنی اس مضمون کو تقریباً چار سو سال بعد ۱۴۲۷ھ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ترجمان رسالہ ماہنامہ لولاک میں مولانا اللہ وسایا صاحب نے کس طبقہ کی خوشنودی کی خاطر اور کن مقاصد کے حصول کے لئے شائع کرانا مناسب سمجھا؟

اس مضمون میں واضح طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص سیدنا معاویہؓ کی توہین و تنقیص کے علاوہ ان کی بیعت کو "بیعت ضلالت" قرار دیا گیا ہے۔ مزید برآں حضرت جابر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی پر بھی الزام لگایا ہے کہ انہوں نے جان کے خوف سے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ پر چار و نا چار بیعت ضلالت کر لی تھی۔

اس کے علاوہ حضرت شاہ عبدالحق دہلوی کی دوسری کتاب "ما ثبت بالسنّة في أيام السنة" مع ترجمہ "مومن کے ماہ و سال" مطبوعہ دارالاشاعت کراچی راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔ اس میں سے چند اقتباسات ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں:

حضرت شیخ زیر عنوان "استطراد بذكر مصالحة امام المسلمين حسن بن علىؓ ومعاوية بن أبي سفيانؓ" (امام المسلمین حضرت حسن بن علیؓ اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ

کی مکروفریب سے بالکل علیحدگی اور باہمی میل ملاپ) لکھتے ہیں کہ:

''اسی سال یعنی ۴۳ھ میں امیر معاویہؓ نے زیاد بن ابیہ کو اپنا نائب بنایا اور (اسلام میں) یہی وہ پہلا عمل ہے جس کے ذریعے احکامات رسالت مآبؐ کی نفی (تبدیلی) کی گئی (ثعالبی وغیرہ)

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کاتب اور مترجم مولانا محمد الدین احمد دونوں سے سہو ہوا ہے کہ انہوں نے ''استلحق'' کے بجائے ''استخلف'' لکھ دیا۔ اصل میں یہ عبارت اس طرح ہے:

''استلحق معاویة زیاد بن سمیه و هو اول قضیة غیّر فیها حکم النبیّ صلّی اللّٰه علیه و سلّم فی الاسلام ذکر الثعلبی وغیره'' (از مؤلف کتاب ہذا)

(موصوف بحوالہ حسن بصری لکھتے ہیں کہ) لوگوں میں فتنہ وفساد کی آگ سلگانے والے صرف دو آدمی ہیں جن میں سے ایک عمرو بن عاص ہیں جنہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نیزوں پر قرآن کریم اٹھانے کا مشورہ دیا...

فسادیوں میں سے دوسرے شخص مغیرہ بن شعبہ ہیں جو کوفہ میں امیر معاویہؓ کے گورنر تھے جن کے نام امیر معاویہؓ کا یہ فرمان پہنچا کہ اس حکم نامہ کی وصولیابی اور خواندگی کے بعد تم خود کو معزول سمجھو اور کوفہ سے فوراً ہمارے دربار میں حاضری دو۔ لیکن مغیرہ نے تعمیل حکم میں تعویق کی اور بہ تعویق دربار میں پہنچنے پر امیر معاویہؓ نے تعویق کا سبب پوچھا تو جواب دیا کہ ایک معاملہ پیش تھا جسے سلجھانے اور مفید مطلب بنانے کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ امیر معاویہؓ نے پوچھا کیا معاملہ تھا: بتاؤ؟ مغیرہؓ نے جواب دیا آپ کے بعد یزید کی بیعت لینے کے لیے زمین ہموار کر رہا تھا۔ دریافت کیا آیا تم نے یہ پورا کر لیا؟ جواب دیا: جی ہاں۔

یہ سن کر امیر معاویہؓ نے کہا اچھا اپنی گورنری پر واپس جاؤ اور حسب سابق اپنے فرائض انجام دو۔ یہاں سے لوٹ کر مغیرہؓ جب اپنے احباب کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا: بتاؤ کیسی رہی؟ مغیرہؓ نے کہا میں نے معاویہؓ کے پاؤں اس ناواقفیت کے رکاب میں رکھ دیے ہیں جس میں قیامت تک وہ گرفتار رہیں گے۔ (مومن کے ماہ وسال ص ۳۰۔۳۲)

موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''ابن ابی خیثمہ صحیح روایت بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے بعض بزرگ بیان کرتے تھے کہ معاویہ نے جاں کنی کے وقت یزید پلید کو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو اہل مدینہ سے ایک سخت دن پیش آئے گا۔ تجھے چاہیے اس کی تدبیر مسلم ابن عقبہ کے ذریعے سے کرنا۔ اس

لیے کہ میں اپنی رائے میں کسی شخص کو اس سے زیادہ مدبّر نہیں دیکھتا ہوں۔ جب باپ کے بعد یزید پلید تخت امارت پر بیٹھا، جب اہل مدینہ سے جنگ کا موقع پیش آیا تو اس وقت اس نے باپ کی وصیت ہی پر عمل کر کے اہل مدینہ کی لڑائی کو اختتام پر پہنچایا...

واقدی کتاب اطرہ میں نقل کرتے ہیں کہ یزید پلید مسرف (مسلم بن عقبہ) کے پاس آیا۔اس کو دیکھا کہ فالج کے مرض میں گرفتار بستر ہلاکت پر پڑا ہوا ہے۔یزید نے کہا کہ اگر تجھ میں یہ ضعف اور مرض نہ ہوتا تو اس لڑائی کا حاکم اور والی تجھ کو بناتا ۔اس لیے کہ میں تجھ سے بڑھ کر مخلص اور ناصح دوسرا آدمی نہیں پاتا ہوں ۔امیر المؤمنین یعنی میرے والد بزرگوار معاویہ ابن ابی سفیان نے مجھ کو اپنے مرض موت میں یہ وصیت کی تھی کہ اگر تجھے اہل حجاز کی طرف سے کوئی لڑائی پیش آئے تو اس کی تدبیر مسلم بن عقبہ کے ذریعے سے کرنا ۔

مسرف اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا کہ اے امیر المؤمنین تجھے خدا کی قسم اگر تو میرے سوا کسی کو متولی بنائے کیونکہ اس کام میں اہل مدینہ کا دشمن میرے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ میں نے اس بارے میں ایک خواب دیکھا ہے ۔ایک درخت کو درختانِ غرقد سے دیکھتا ہوں جو اپنی شاخوں کے ساتھ عثمان بن عفانؓ کے انتقام کے متعلق فریاد کررہا ہے۔آگے گیا تو سنتا ہوں وہی درخت کہتا ہے کہ اس کا انجام مسلم بن عقبہ کے ہاتھ سے ہوگا۔اس دن سے میں نے اہل مدینہ سے جنگ کی فال لی ہے اور اپنے دل کو قاتلان عثمانؓ سے انتقام لینے کی تسلی دی ہے۔

یزید پلید نے جب اس کام کے اجراء میں اس کا پختہ ارادہ پایا تو کہا کہ ہوشیار رہ اور بہ برکت خدا اہل مدینہ کی طرف متوجہ ہو تُو جن لوگوں کا حریف ہوگا اگر وہ لوگ مدینہ میں داخل ہونے کو میری بیعت اور اطاعت قبول کرنے میں تیرے سد راہ ہوں تو تیغ بے دریغ قہر و سیاست سے کام لینا اور ان کے چھوٹے بڑوں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑنا ۔تین دن تک لوٹ اور غارت کی داد دینا اور اگر یہ لوگ تجھ سے جنگ نہ کریں تو ان سے تم بھی تعرض نہ کرنا ۔ہاں عبداللہ بن زبیرؓ کی مہم پوری کرنے کی طرف متوجہ ہو جانا ۔(راحت القلوب ص ۱۴۰۔۱۴۱ اردو ترجمہ ’’جذب القلوب الی دیار المحبوب‘‘)

’’مومن کے ماہ و سال‘‘ کا تعارف کراتے ہوئے مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

’’انہیں کتابوں میں سے ایک بہت ہی اہم کتاب ”ماثبت بالسنّۃ“ ہے۔اس کے مصنف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نام نامی اس کتاب کے مستند، معتبر اور بلند پایہ ہونے کی ضمانت

ہے ۔اہل علم میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔اس کتاب میں اس معاملے کے متعلق وارد شدہ روایات حدیث کو جمع بھی کیا گیا ہے اور اس کے مستند یا غیر مستند ہونے کی تحقیق بھی کی گئی ہے اور مزید ضروری اور مفید معلومات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے ۔

یہ کتاب عرصہ سے نایاب تھی ،الحمدللہ اب برخوردار مولوی محمد رضی سلّمہٗ نے اس کا اصل متن عربی اور اس کے شروع میں اس کا اردو ترجمہ اپنے مکتبہ دارالاشاعت سے شائع کیا ہے ۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور دین و دنیا میں سب کے لیے نافع و مفید بنادیں ۔''(مومن کے ماہ وسال ص۴)

مذکورہ تعارف اور ضمانت کے بعد کم از کم کوئی "دیوبندی'' یہ جسارت نہیں کرسکتا کہ وہ اس کتاب کے کسی حصے پر اعتراض کرے یا اسے صحیح ،مستند،معتبر اور بلند پایہ تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس کرے ۔

لیکن اس ''عظیم شہادت اور ضمانت'' کے باوجود یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس کتاب میں بہت سی ایسی غیر مستند اور غیر معتبر روایات جگہ پا گئی ہیں جنہیں سبائیوں اور کذابوں نے روایت کیا ہے ۔صد افسوس کہ ناشر اور مترجم دونوں نے ایسی واہی اور مکذوبہ روایات کی کوئی نشاندہی نہیں کی اور انہیں صحیح اور معتبر و مستند سمجھ کر نقل کردیا ۔

حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو فسادی قرار دیا گیا ہے ۔اول الذکر حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مکہ نے اپنے دل کے ٹکڑے مدینہ کو پیش کردیے ہیں ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام قبول کرنے پر ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جو ان کی سیرت و کردار پر بہترین تبصرہ ہے ۔"اسلم الناس وامن عمرو بن العاص" لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاص ایمان لائے ہیں ۔(مسند احمد جلد۴ ۔ص ۱۵۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے علم وعرفان اور شجاعت کی وجہ سے انہیں اپنے قریب رکھتے تھے ۔(الاصابہ تحت عمرو بن العاصؓ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:تم اسلام میں ایک صائب الرائے آدمی ہو ۔( کنز العمال ص ۱۸۶ ۔جلد۶)

چنانچہ ان کی اسی زیرکی اور تدبر کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مہمات ان کے سپرد فرماتے بلکہ بعض مرتبہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر بھی انہیں امیر بنایا گیا ۔(تہذیب التہذیب ص ۱۵۶ ۔جلد۸)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے ذہین اور عبقری انسان بھی ان کی اصابت رائے اور عقل و دانش کے معترف و مداح تھے اور ان پر ہمیشہ اعتماد کرتے تھے ۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا۔مصر کا ملک ان ہی کی تیغ زنی کی یادگار ہے۔

دوسرے صحابی جنہیں "مفسد" (العیاذ باللہ) کہا گیا ہے وہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ہیں۔ یہ ۵ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے ، مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی ، اصحاب الشجرہ یعنی مبایعین "رضوان" میں شامل ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باڈی گارڈ کے فرائض انجام دیے، متعدد غزوات میں شرکت کے علاوہ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف بھی حاصل کیا۔

انہیں اس لیے "فسادی" قرار دیا گیا کہ انہوں نے اپنی گورنری بچانے کے لیے یزید کی ولی عہدی کے لیے زمین ہموار کی تھی۔ یہ ایک جلیل القدر صحابی کی شدید ترین توہین کے علاوہ ان کی ذات اور نیت پر بھی بدترین حملہ ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ "نیزوں پر قرآن" بلند کرنے کی داستان کاری ابومخنف لوط بن یحییٰ راوی کی ہے۔ یہ کذاب، مفتری اور آگ لگانے والا شیعہ تھا۔ یہ ۱۷۰ھ میں فوت ہوا جب کہ جنگ صفین ۳۷ھ میں ہوئی۔ معلوم نہیں کہ راوی نے اپنی ولادت سے پہلے ہی عالم ارواح میں نیزوں پر بلند قرآن کیونکر دیکھ لیے؟

(میزان الاعتدال ص ۳۶۰ جلد ۳ ذکر لوط بن یحییٰ ،لسان المیزان ص ۴۹۲ ۔جلد ۴ تحت لوط بن یحییٰ )

اسی طرح بقول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی یزید نے واقعہ "حرّہ" میں مدینہ منورہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لیے مسلم بن عقبہ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے عین مطابق کیا تھا۔

ظاہر ہے اس واقعہ میں جو قتل وغارت ، لوٹ مار اور "عصمت دری" کے جو سانحات رونما ہوئے تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ ہے۔ اس روایت میں بھی ابومخنف لوط بن یحییٰ ہی کی طرح ایک اور کذاب (عندالمحدثین) جناب واقدی تشریف فرما ہیں۔

"قال أحمد بن حنبل: هُوَ كَذَّابٌ يُقَلِّبُ الْأَحَادِيْث۔ قال ابن معين: ليس بثقة و قال مرّة لا يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ۔ قال بخاری متروك۔ قال أبوحاتم والنسائی يضع الحديث"

(میزان الاعتدال جلد ۳ ۔ص ۱۱۰ ۔تحت محمد بن عمر و واقدی، تہذیب التہذیب جلد ۹ ۔ص ۳۶۴)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ واقدی بہت بڑا جھوٹا راوی ہے۔ احادیث کو ادل بدل کر دیا کرتا تھا۔ ابن معین نے کہا یہ ثقہ نہیں ہے اور ایک مرتبہ کہا کہ اس کی بیان کردہ حدیث کتابت کے قابل نہیں ہے۔ امام بخاری نے کہا واقدی متروک الحدیث ہے جب کہ ابوحاتم اور نسائی نے اسے احادیث وضع کرنے والا بتایا۔

# ۱۱۔ملّا جیون،صاحب نورالانوار

## (م ۱۱۳۰ھ)

آپ کا نام احمد، والد کا نام شیخ ابوسعید ہے اور ملا جیون کے لقب سے مشہور ہیں۔آپ ۱۰۴۸ھ میں دہلی کے ایک مشہور قصبہ "امیٹھی" میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علوم سے فراغت کے بعد مسند صدارت تدریس کو زینت بخشی اور اپنے وطن میں درس دیتے رہے قوت حافظہ میں یگانہ تھے۔درسی کتابوں کی عبارتوں کے پورے پورے اوراق وصفحات حفظ اور بڑے بڑے قصیدے ایک مرتبہ سننے سے یاد ہو جاتے تھے۔مغل بادشاہ شہاب الدین شاہجہاں نے اورنگزیب عالمگیر کا اتالیق مقرر کیا۔۱۱۱۶ھ میں طریق سلوک وتصوف کی طرف زیادہ توجہ فرمائی اور شیخ لٰسین قادری سے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد دہلی میں درس وافادہ میں مشغول ہو گئے۔آپ نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں صرف کی۔"آداب احمدی، مناقب الاولیاء، السوانح، التفسیرات الاحمدیہ فی بیان آیات الشرعیہ مع تالیفات المسائل الفقہیہ" کے علاوہ اصول فقہ میں مشہور زمانہ کتاب "نورالانوار" (شرح المنار) آپ کی زندہ یادگار ہے جو اپنے قیام مدینہ منورہ کے دوران میں صرف دوماہ کے قلیل عرصہ میں لکھی ہے۔آپ نے ۱۱۳۰ھ میں رحلت فرمائی اور پچاس دن کے بعد آپ کے جسدِ خاکی کو دہلی سے امیٹھی لے جا کر اپنے مدرسہ میں دفن کر دیا گیا۔

ملا جیون نے "نورالانوار" کے نام سے امام نسفی (م ۷۱۰ھ) کی کتاب "المنار" کی شرح تحریر فرمائی ہے جو درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے۔اس میں موصوف فرماتے ہیں کہ:

"جب ہم امور "معترضہ سماویہ" کے بیان سے فارغ ہو گئے ہیں تو اب ہم امور "معترضہ مکتسبہ" یعنی ایسے امور کہ جن کے حصول میں بندوں کا بھی اختیار ہوتا ہے کو شروع کریں گے اور ایسے امور کی بہت سی اقسام ہیں۔پھر جہالت کی بھی بہت سی قسمیں ہیں ان میں سے ایک قسم "جہل باطل" ہے جو آخرت میں عذر کی صلاحیت نہیں رکھتا، جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسولوں کی رسالت کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد ایک کافر کی جہالت اور خواہشات کے پیروکار کی جہالت، اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کے احکام میں جیسے "معتزلہ" کی جہالت کہ انہوں نے صفات الٰہی، عذاب قبر،

رؤیت باری تعالیٰ اور شفاعت کا انکار کیا۔

اور "باغی" کی جہالت ،امام حق کی اطاعت سے دلیل فاسد سے استدلال کرتے ہوئے انکار کرنے والا...

اور اس شخص کی جہالت جو کتاب اللہ کی مخالفت کرے...اور اس شخص کی جہالت جو سنت مشہورہ کی مخالفت کرے۔

"والجهل في نحوه كجهل الشافعي في جواز القضا بشاهد ويمين فانه مخالف للحديث المشهور وهو قوله(صلّى اللّٰه عليه وسلّم) "البيّنة على المدعي واليمين على من انكر" واوّل من قضىٰ به معاوية وقد نقلنا كل هذا على نحو ما قال اسلافنا وان كنّا لم نجترء عليه" (نورالانوار ص ۲۹۹ _ ۳۰۰)

اور سنت کی مخالفت کے مثل میں جہالت کی مثال جیسے امام شافعی کی جہالت ہے "ایک گواہ اور قسم سے فیصلے کے جواز میں کیونکہ یہ حدیث مشہور کے مخالف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"البيّنة على المدعي واليمين على من انكر"

"کہ گواہی دعویٰ کرنے والے پر ہے اور جو انکار کرے اس پر قسم ہے۔"

اور سب سے پہلے مدعی کی قسم پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا اور یہ سب کچھ ہم نے اس طرح نقل کیا ہے جس طرح اسلاف نے نقل کیا ہے۔ اگر چہ ہم اس پر جرأت نہیں کرتے۔

مذکورہ بحث میں "جہل باطل" کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں۔ "جہل باطل" کا حکم یہ ہے کہ یہ آخرت میں "عذر" کی صلاحیت نہیں رکھتا، جس طرح ایک کافر کے لیے توحید و رسالت کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد اس کی جہالت آخرت میں عذر نہیں بن سکتی، البتہ "ذمی کافر" کے لیے دنیا میں مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

"جہل باطل" کے تحت ایک قسم "جهل الباغي باطاعة الامام الحق متمسكاً بدليل فاسد" بھی بیان کی گئی ہے، اگر چہ "ناقدین و معاندین" معاویہ رضی اللہ عنہ اس قسم کا بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اطلاق کرتے ہیں لیکن اسے عمومی حیثیت میں بیان کیا گیا ہے۔ "جہل باطل" کی بحث میں آگے ملا جیون نے "والجهل في نحوه" میں سنت کی مخالفت کی مثال میں بے موقع و بے محل اور بالکل غیر ضروری طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے "جہل باطل" کی مثال پیش فرمائی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سنت کی مخالفت کی ہے جس کے متعلق

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "البیّنة علی المدعی والیمین علی من انکر" (کہ گواہی دعویٰ کرنے والے پر ہے اور قسم اس پر جو انکار کرے)، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس سنت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مدعی کی قسم پر فیصلہ صادر کیا۔

ملاجیون نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جہالت کی نسبت اور انہیں مخالف سنت ''ثابت'' کر کے یہ سارا ''بوجھ'' اپنے ''اسلاف'' پر ڈال دیا ہے اور کہا ہے کہ "وقد نقلنا کل ھذا علی نحو ماقال اسلافنا وان کنّا لم نجترء علیہ"

لیکن یہ مثالیں "ممثّل لھا" کے مطابق نہیں ہیں، کیونکہ ایسا اجتہاد جو نص قطعی کے مخالف ہو اور وہ نص تاویل کو قبول نہ کرتی ہو تو ایسا اجتہاد قطعی طور پر ''جہل باطل'' ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور امام شافعی کی جو مثالیں ملاجیون نے پیش کی ہیں وہ ''جہل باطل'' میں ہرگز نہیں آتیں۔

یہی وجہ ہے کہ ملاجیون نے آخر میں یہ لکھ دیا کہ ''یہ سب کچھ ہم نے اسلاف سے نقل کیا ہے اگرچہ ہم اس پر جرأت نہیں کرتے۔''

حالانکہ کتاب ''المنار'' (جس کی شرح ملاجیون نے ''نورالانوار'' کے نام سے تحریر فرمائی ہے) میں یہ مثالیں موجود نہیں ہیں۔ ملاجیون نے خود ہی انہیں "والجھل فی نحوہ" کے تحت لاکر ''جہل باطل'' میں شامل کر دیا۔

سخت حیرت ہے کہ موصوف اسے ایک صحابی کی شان میں بے ادبی بھی سمجھتے ہیں اور اسے اپنے اسلاف سے صحیح سمجھ کر نقل بھی فرما رہے ہیں۔ نورالانوار کے فاضل محشی علامہ محمد عبدالحلیم (م ۱۲۸۵ھ) اپنے حاشیہ ''قمرالاقمار'' میں "لم نجترء علیہ" کے تحت فرماتے ہیں کہ:

"لانّ فی ھذا البیان سوء الادب" کیونکہ اس بیان میں ''سوءِ ادب'' پایا جاتا ہے۔

اس مثال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی طرف ''جہل باطل'' کی نسبت بالکل خلاف واقع اور نہایت ہی ناروا جسارت ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ زیادہ سے زیادہ ''اجتہادی اختلاف'' کے زمرے میں آتا ہے۔

دیگر ناقدین کے علاوہ اہل تشیع نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہی اعتراض کیا ہے۔ چنانچہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ کرنا بدعت ہے اور اس کا بانی بھی معاویہؓ ہے۔

"واوّل من قضیٰ بہ معاویة" (خصائل معاویہ ص ۴۲۶)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں ہرگز سنت کی مخالفت نہیں کی، وہ بھی اس اصول کہ ("البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر") کے ساتھ متفق تھے لیکن اس کے برعکس زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایسا دعویٰ ہے جس میں ثبوت کے لیے صرف ایک گواہ ہے اور اس کے ساتھ قسم شامل کردی جائے تو کیا اس کے مطابق فیصلہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ملا جیون صاحب نور الانوار اور اہل تشیع نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ اول تو اس روایت کے راوی بھی جناب ابن شہاب زہری ہیں۔ جن روایات میں صحابہؓ پر طعن پایا جاتا ہے ان میں سے بیشتر کے راوی جناب زہری ہی ہیں جو "ارسال، ادراج اور تشیع" سے بھی متہم ہیں۔ اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین جتنے بھی اختلافی مسائل ہیں تقریباً ان سب میں جناب زہری ہی نمایاں ہیں، مثلاً "جمع وتدوین قرآن، اختلاف قرأت، ناسخ ومنسوخ کی طبع زاد روایتیں، روایت افک میں افسانہ طرازی، سقیفہ بنی ساعدہ، مسئلہ فدک، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاطمہؓ کی مفروضہ ناراضی اور اختلاف کی تشہیر، حضرت علیؓ کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت سے چھے ماہ تک تخلف، حدیث قرطاس میں رنگ آمیزی اور حضرت عباسؓ کی زبان سے حضرت علیؓ اور ان دونوں کی زبان سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں "الکاذب، الآثم، الغادر، الخائن" (ملاحظہ ہو صحیح مسلم جلد دوم ص ۹۰۔ کتاب الجہاد۔ باب حکم الفئی) جیسے الفاظ کے استعمال کے علاوہ دیگر اختلافی مسائل پر مبنی بیسیوں روایات کی سند میں یہی بزرگ تشریف فرما ہیں۔

امام زہری کے تفصیلی تعارف کے لیے راقم الحروف کی کتاب "عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ" (از ص ۳۰۲ تا ۳۲۷) کی طرف مراجعت فرمائیں۔

ملا جیون کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس طرح کا فیصلہ کیا، کیونکہ بعض دیگر حضرات سے بھی ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا ثابت ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ اور ابی بن کعب کے نزدیک "القضاء بشاھد ویمین" جائز ہے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ:

"انّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قضی بیمین و شاھد"

(السنن الکبریٰ للبیھقی جلد ۱۰۔ ص ۱۷۲۔ باب القضاء بالیمین مع الشاھد)

امام مسلم نے بھی یہ حدیث بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کی ہے، ملاحظہ ہو صحیح

مسلم، کتاب الاقضیۃ باب وجوب الحکم بشاھدویمین۔

جمہور علماء امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے کہ جب مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو قاضی اس سے قسم لے کر اس کے مطابق فیصلہ کردے جب کہ امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی اور امام لیث کے نزدیک ایک گواہ اور ایک قسم سے دعویٰ ثابت نہیں ہوگا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ:

"قال عطاءؒ اوّل من قضی بہ عبدالملك بن مروان" عطا کہتے ہیں کہ سب سے پہلے عبدالملک بن مروان نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا تھا۔(اعلاء السنن جلد ۱۵ ص ۳۸۱۔ کتاب الدعویٰ تحت مسئلۃ الیمین مع الشاھد)

ظاہر ہے کہ صحابہؓ میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔ بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر قسم صرف ایک گواہ کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا ہے۔

(ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب فرض الخمس و کتاب المغازی باب غزوۃ حنین وباب غزوۃ الطائف ، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الجھاد ، باب استحقاق القتیل وباب غزوۃ حنین عن براء و سلمہ ، سنن ابی داوٗد باب اذا علم الحاکم صدق الشاھد الواحد یجوز لہ ان یحکم بہ)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام ہرگز عائد نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے سب سے پہلے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔ اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس فعل کی نسبت صحیح بھی ہو تو پھر بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ، مجتہد فیہ اور صحابہؓ کا عمل ہونے کی وجہ سے "جہل باطل" یا بدعت کا موضوع ہرگز نہیں بن سکتا۔

مزید تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ" (از ص ۷۸۱ تا ۷۸۴) کی طرف مراجعت کریں۔

☆☆☆☆☆☆

# ۱۲۔ بیہقی وقت، علم الہدیٰ قاضی ثناء اللہ پانی پتی

## المتوفی ۱۲۲۵ھ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا شمار شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا ہے۔ موصوف علمی و دینی حلقوں میں شیخ زماں، امام وقت، مجتہد عصر، مفسر قرآن، محدث، فقیہ، محقق و شیخ طریقت کی حیثیت سے معروف تھے۔

انہوں نے مجددی سلسلہ طریقت میں اس عہد کے سب سے بڑے شیخ مرزا مظہر جانِ جاناں (شہید ناموس صحابہؓ) کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں ان کے خلیفہ اعظم مقرر ہوئے۔

پانی پت میں کچھ عرصہ تک "قضاء" کے منصب پر فائز رہے۔ شاہ عبدالعزیز نے ہم عصر ہونے کے باوجود انہیں "بیہقی وقت" جب کہ مرشد نے "علم الہدیٰ" جیسے القاب سے نوازا تھا۔ موصوف نے تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کے ساتھ ساتھ اہل سنت کے عقائد و نظریات کے فروغ اور تحفظ کے لیے بھی مجاہدانہ کردار ادا کیا اور اہل تشیع کے افکار و نظریات کی تردید میں "السیف المسلول" کے نام سے ایک معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی، مگر صد افسوس! کہ وہ بعض مقامات پر بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مطلوب "اعتدال" برقرار نہ رکھ سکے اور انہیں "باطل" پر قرار دے دیا۔ چنانچہ موصوف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: "گو کہ انہوں (حضرت حسنؓ) نے یہ صلح مسلمانوں میں خون ریزی بند کرنے کے لئے کی تھی۔ ہاں اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دوسروں پر افضلیت ثابت نہیں کیونکہ ان کی خلافت، خلفاء اربعہ کی خلافت کی طرح اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی۔" (السیف المسلول ص ۱۰۱ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)

موصوف آگے زیر عنوان "حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطاء" لکھتے ہیں کہ:

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی اور حضرت معاویہؓ باطل پر تھے اور بغاوت کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ کو فرمایا تھا: "تقتلك الفئة الباغية" تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ (حوالہ مذکور ص ۴۷۵)

حضرت موصوف کی یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں کہ "حضرت معاویہؓ کی بیعت اہل حل وعقد

کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی" اور "حضرت معاویہؓ باطل پر تھے..."

ہر دور کے اپنے اہل حل وعقد ہوتے ہیں۔ حضرت حسنؓ کے عہد میں یہ دو حصوں میں تقسیم تھے۔ ان میں سے کچھ حضرات حضرت حسنؓ کے ساتھ اور کچھ حضرات شام میں حضرت معاویہؓ کی ولایت میں تھے۔

حضرت حسنؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی:

"انّ ابنی ھذا سیّد لعلّ اللّٰہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین" (صحیح بخاری) کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نہ صرف خلافت سے دست برداری اختیار کر لی بلکہ اپنے اہل حل وعقد سمیت ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی۔

علامہ ابن عبدالبر اندلسی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں کہ: "واجتمع الناس علیہ حین بایع لہ الحسن بن علی و جماعۃ ممن معہ وذالک فی ربیع الاول او جمادی سنۃ احدیٰ واربعین فیسمّی عام الجماعۃ ....قال الاوزاعی: ادرکت خلافۃ معاویۃ جماعۃ من اصحاب رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لم ینتزعوا یداً من طاعۃ ولا فارقوا جماعۃ۔" (الاستیعاب مع الاصابہ جلد ۳۔ ص ۳۹۸، ۴۰۰)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کی جماعت کے بیعت کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر امت کا اجماع ہو گیا اور یہ واقعہ ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کا ہے۔ پس اس سال کا نام "عام الجماعۃ" (یعنی اتحاد و اتفاق کا سال) رکھا گیا....امام اوزاعی نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بہت سے صحابہؓ نے پایا لیکن کسی نے نہ ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا اور نہ ہی جماعت سے علیحدگی اختیار کی۔

اس وقت کے جملہ اہل حل وعقد سمیت ملت اسلامیہ کے اس عظیم الشان اتحاد اور انتخاب کو اس وقت بھی سبائیوں کی طرف سے نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ان کی اتباع و پیروی میں آج بھی اسے بنظر حقارت دیکھا جا رہا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "باطل" پر کہنا جمہور اہل سنت کے مسلک سے انحراف اور ایک جلیل القدر صحابی کے حق میں بڑی جسارت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دونوں گروہوں کے متعلق یہ ارشاد فرمائیں کہ "فئتین عظیمتین من المسلمین، فئتان دعواھما

واحدۃ( **صحیح بخاری**)ولی الطائفتین بالحق( **صحیح مسلم**)مسلمانوں کے دونوں عظیم گروہ، دونوں کی دعوت ایک ہوگی (مسلمانوں کے باہمی اختلاف کے وقت ایک گروہ امت سے نکل جائے گا اور اس کو وہ گروہ قتل کرے گا جو )مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں حق سے زیادہ قریب ہوگا۔

امت سے نکل جانے والے گروہ سے مراد بالاتفاق خوارج ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف حق اور باطل کا نہیں تھا بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی برحق تھے۔

علامہ عبدالعزیز فرہاروی فرماتے ہیں کہ:

اور جو لڑائیاں اور جھگڑے صحابہ کرامؓ کے درمیان ہوئے......تو ان کے لیے اچھی توجیہات و تاویلات ہیں۔ بے شک وہ حضرات حق کے طلب گار تھے لیکن بعض ان میں سے اپنے اجتہاد میں مصیب ہوئے اور بعض مخطی اور اجتہادی خطا والے پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ وہ بھی اجر و ثواب کا مستحق ہے۔(النبراس شرح لشرح العقائد ص ۵۴۹ )

امام نووی شافعی فرماتے ہیں کہ:واما معاویۃ فھو من العدول الفضلاء والصحابۃ النجباء واما الحروب التی جرت فکانت لکل طائفۃ شبھۃ اعتقدت تصویب انفسھا وکلھم عدول ومتأولون فی حروبھم وغیرھا..... (شرح صحیح مسلم جلد۲۔ص۲۷۲)

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فاضل اور نجیب صحابہ میں سے ہیں مگر جو جنگیں آپس میں لڑی گئیں تو ان میں سے ہر ایک گروہ کو ایک شبہ لاحق تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو مصیب اعتقاد رکھتا تھا اور سب صحابہ عادل ہیں اور ان جنگوں وغیرہ کے اختلاف میں تاویل کرنے والے ہیں اور کوئی چیز بھی ان میں سے کسی کو وصف عدالت سے خارج نہیں کرتی کیونکہ وہ مجتہد ہیں۔

# ۱۳۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

## (م۱۲۳۹ھ)

امام الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے لخت جگر ہونے کے علاوہ ان کے مسند نشین بھی تھے جسے انہوں نے درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف، شریعت وطریقت اور جہاد وعزیمت کے میدان میں خوب نبھایا۔

موصوف کے ''علمی آثار'' میں سے ''تفسیر فتح العزیز، بستان المحدثین، فتاویٰ عزیزی اور تحفہ اثناعشریہ'' نے بہت زیادہ قبولیت حاصل کی۔ موصوف آخر عمر میں ''نابینا'' ہو گئے تھے۔

حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے ان کے اس دور کا ایک واقعہ بروایت مدنی الاصل سید مولوی نصیرالدین صاحب نقل کیا ہے جس میں لفظ ''اللہ'' کے حرف ''الف'' کی انتہائی فحش وقبیح انداز میں (مگر بزعم حضرت تھانوی صاحب) ''حکیمانہ'' وضاحت کی گئی ہے جس سے ''اللہ'' کی بھی توہین ہوتی ہے۔ اس ''توضیح'' کو تو نجی محفل میں کسی ''دوست'' کے سامنے بھی زبان پر نہیں لایا جاسکتا چہ جائیکہ اس ''واقعہ'' کو ایک دینی کتاب کی زینت بنا کر آخر میں ان الفاظ کے ساتھ اس کی تائید وتصدیق بھی کر دی جائے کہ:

''غرض ان حکمتوں سے شاہ صاحب نے باطل کو شکست دی ہے''

معلوم نہیں کہ اس توہین آمیز واقعہ میں کون سی ''حکمت'' پوشیدہ تھی۔

لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم

اگر شاہ صاحب سے اس وقت ''اصلاح'' کے غلبے میں بشری تقاضے کے تحت غلطی سرزد ہوگئی تھی تو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کو یہ واقعہ تحریر میں نہیں لانا چاہیے تھا۔ یہ ''واقعہ'' ہندوستان میں بھی اکابر کے رسائل میں شائع ہوتا رہا۔ پاکستان میں مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحبؒ کی نظر ثانی اور ترامیم کے ساتھ خود ان ہی کے ادارے ''دارالاشاعت'' کراچی سے نہایت ہی اہتمام کے ساتھ شائع کیا گیا۔ راقم الحروف اسے نوک زبان یا نوک قلم پر پرلانے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ اہل علم وتحقیق خود ہی ''ارواح ثلاثۃ المعروف بہ حکایات اولیاء'' (اضافہ شدہ

جدید عکسی ایڈیشن اشاعت فروری ۱۹۷۶ء) میں زیر عنوان "حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی حکایات" ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت شاہ صاحب کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ انہیں حضرت علیؓ کی خواب میں نہ صرف "رؤیت" حاصل ہے بلکہ وہ "بیعت" سے بھی سرفراز ہوئے۔ملاحظہ ہو: فتاویٰ عزیزی کامل صفحہ ۲۰۴۔علاوہ ازیں حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ خواب میں ان سے فرمایا کہ:

"فلاں شخص نے ایک کتاب لکھی پشتو زبان میں، ہماری مذمت میں لکھی ہے اور اس کے باپ کا نام اور مقام ، سکونت اور کتاب کا نام بھی ظاہر فرمایا۔آپ نے عرض کیا: میں زبان پشتو نہیں جانتا ہوں۔حضرت امیر المومنینؓ نے فرمایا: کچھ مضائقہ نہیں ۔آپ خواب سے بیدار ہوئے بعد تلاش کتاب دستیاب ہوئی ۔آپ نے اس کا جواب زبان پشتو میں لکھ کر منتشر کیا۔" (کمالاتِ عزیزی ص ۱۷)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق "فتاویٰ عزیزی" اور "تحفہ اثناعشریہ" میں موجود بعض عبارات کو اگر "الحاق" تسلیم نہ کیا جائے تو ان مقامات پر ان کا "قلم" یقیناً "لغزش" کا شکار ہو گیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

"یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بعض جاہل امامیہ انتہائی عناد و تعصب کی بناء پر کہتے ہیں کہ اہل سنت حضرت عثمان غنیؓ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امام مانتے ہیں"۔

یہ قول انتہائی بے شرمی اور شوخ چشمی پر مبنی ہے اور اس کو منہ پر جھوٹ بولنا کہتے ہیں ورنہ معمولی پڑھا لکھا فارسی خواں جس نے اہل سنت کے مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا مرتبہ عقائد نامہ فارسی پڑھایا دیکھا ہے۔یقین سے جانتا ہے کہ اہل سنت سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ:

حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کی ابتدائے امامت سے لے کر حضرت حسنؓ کے معاملہ امامت حوالہ کرنے تک حق پر نہیں تھے بلکہ باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے۔اس لئے کہ امام وقت کی اطاعت چھوڑ بیٹھے تھے۔

امام حسنؓ نے جب امامت سپرد کی تو اس وقت وہ بادشاہ ہوئے یا ان کی حیثیت کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک عام بادشاہ تھے۔تمام اسلامی ممالک کے فرمانروا اور جناب امیرؓ نے کسی ناگزیر مصلحت کے سبب ان کی سلطنت کی وسعت کو گوارا کرلیا تھا اور وہ امام کی اتباع جیسا کہ چاہیے نہ کرتے تھے۔

جس طرح بعض صوبہ داروں کا رویہ اپنے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے یا جیسے ہمارے زمانہ کے

بادشاہ، شاہ عالم کے مختار کار، کہ بادشاہ کے علم میں لائے بغیر امور سلطنت انجام دیتے ہیں اور سوائے مقررہ روزینہ کے پہنچانے، اس کی طرف عرضیاں لکھنے یا اس سے القاب وخطابات حاصل کرنے کے اپنے بادشاہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ لہٰذا ان حالات کے ماتحت وہ بادشاہ تھے جو بظاہر امام کی رائے اور رضامندی کے تحت سلطنت حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے اہل سنت ان کو پہلا بادشاہ اسلام کہتے ہیں۔

اب رہا یہ شک کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار باغیانہ تھا اور وہ ناحق غلبہ حاصل کرنے والے تھے تو ان پر لعن کیوں نہیں کرتے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکب پر لعن جائز نہیں اور چونکہ بغاوت بھی گناہ کبیرہ ہے اس لئے ان پر بھی لعن منع اور ناجائز ہے......

(موصوف اسی بحث میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:)

اس فرقہ کو یہ اشتباہ پیش آنے کا راز یہ ہے کہ جناب معاویہؓ اور ان کے بعد آنے والے مروانی وعباسی اپنے آپ کو خلیفہ کہلواتے تھے اور خود بھی کہتے تھے اور یہ صرف ان کاموں میں ظاہری مشابہت کی وجہ سے تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھتے تھے۔

مثلاً جہاد کا سرانجام کرنا، شہروں کی فتح، فوجوں اور لشکروں کی تیاری، غنائم اور صدقات کی تقسیم اور کفار کی دست برد سے دارالاسلام کی حفاظت اور علمائے اہل سنت بھی کاموں کی اس ظاہری مشابہت کی وجہ سے ان کے لئے خلیفہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ ہر فرد اور طبقہ کے القاب یا نام خود ان کی اپنی مرضی واصطلاح کے مطابق ہوتے ہیں۔ دوسروں کو ان میں الجھنے کی کیا ضرورت؟

چنانچہ آج کل جو شخص کربلا جا کر ملا نصیر اور اخوان باقر سے کتاب شرائع پڑھ کر آتا ہے تو اس فرقہ کے نزدیک وہ مجتہد کہلاتا ہے۔

اسی طرح ان کے زمانے میں خلیفہ کا لفظ کافی معروف اور کثیر الاستعمال تھا اس لئے اس کو امام کا مرادف سمجھ کر اختیار کر لیا۔

اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اہل سنت ان حضرات کو خلفائے اربعہ کی طرح برحق جانتے ہیں، ایسا سمجھنے والوں کی غلط فہمی ہے۔ محققین اہل سنت تو اس معاملہ میں زیادہ محتاط تھے وہ ان حضرات کے لئے خلیفہ کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ حدیث صحیح "الخلافة بعدی ثلاثون سنة" خلافت کا زمانہ میرے بعد تیس سال ہے ) کے ایک راوی سعید بن جمہان سے امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ جب اس سے کہا گیا کہ مروانیوں کو بھی تو خلیفہ کہتے ہیں تو اس نے کہا بخوالزرقاء یعنی بنو امیہ کا خیال غلط ہے وہ تو بادشاہ ہیں اور بادشاہ بھی شریر ...... (تحفہ اثنا عشریہ اردوص ۶۰۳،۶۴۳ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی )

ناقدین ،حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے زیاد بن سمیہ کو سیاسی اغراض کے لیے اپنے نسب میں شامل کر کے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی ۔حیرت انگیز طور پر حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اس اعتراض کا جواب دینے کے بجائے خود ہی اسے درست سمجھ کر نقل کر دیا ۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ: "یہ مردود زمانہ جس کی اصل بھی قابل اعتراض رہی ، زیاد بن سمیہ (عرف زیاد بن ابی سفیان ) تھا ۔وہ اتنا بے حیا تھا کہ اپنی بے نسبی پر فخر کرتا اور علی الاعلان اپنی والدہ پر جو ایک لونڈی تھی زنا کی گواہی دیتا تھا... حضرت علیؓ نے اس کو فارس کا حاکم بنایا تو نظم مملکت قائم کرنے ،ان شہروں کی حالت درست کرنے اور فتنہ وفساد پر قابو پانے میں اس کی کارکردگی بڑی شاندار رہی اور اس کی تدابیر وتجاویز کے اچھے نتائج برآمد ہوئے ۔

یہ حالت دیکھ کر جناب معاویہؓ نے اس سے خفیہ رابطہ قائم کیا تا کہ وہ حضرت علیؓ کو چھوڑ کر ان سے آ ملے اور اسے لالچ دیا کہ اگر وہ اس کے لیے تیار ہو تو اسے شریک نسب بھی کر لیا جائے گا ۔کیونکہ ایسا خوش تدبیر اور لائق فائق اور کام کا آدمی اگر حریف سے کٹ کر اپنے سے آ ملے تو یہ بڑی سیاسی کامیابی تھی ۔آپ (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ) نے اس کو لکھا کہ اگر تو میرے پاس آ گیا تو میں تجھے اپنا بھائی کہوں گا ، اولاد ابوسفیانؓ میں تجھے شامل قرار دوں گا کیونکہ تو آخر ابوسفیان ہی کا نطفہ ہے اور تیری دانائی ،شرافت ،سوجھ بوجھ تیرے دعویٰ کی صداقت کے منہ بولتے گواہ ہیں ۔جب اس پختت وپز کی اطلاع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ نے زیاد کو اس مضمون کا خط لکھا:

مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ معاویہؓ نے تجھے خط لکھا ہے ۔وہ تجھے بے وقوف بنا کر تیری تیزی کو ماند کرنا چاہتا ہے تم اس سے ڈرتے رہو ۔وہ (یعنی معاویہؓ )اس شیطان کی مانند ہے جو آدمی کو آگے سے ، پیچھے سے ، دائیں سے ، بائیں سے ہر طرف سے گھیرنے کی فکر میں رہتا ہے تا کہ جب اسے غافل یا بے فکر پائے تو قابو پا کر تباہ کر دے ۔تم اس سے ہوشیار رہو......

مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک (زیاد ) آپ کا رفیق رہا ، ساتھ نہ چھوڑا اور جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت وسیادت کا معاملہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے

سپرد کر دیا اور ادھر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ساتھ ملانے کی حد سے زیادہ کوشش کی اور ابوسفیانؓ کے اسی قول کو دلیل بنا کر جو جناب عمرو بن عاصؓ اور حضرت علیؓ کے روبرو کہا تھا اس کو اپنا بھائی قرار دیا اور "۴۴ھ میں "زیاد بن ابوسفیانؓ" اس کا لقب تجویز کر کے تمام قلمرو میں اعلان کرا دیا کہ آئندہ اسے زیاد بن ابوسفیان کہا جایا کرے.....

بہرحال جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی سیاسی تدبیر میں کامیاب ہوئے اور وہ آپ کا رفیق ومعاون بن گیا۔" (حوالہ مذکور ص ۵۹۴۔۵۹۵)

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اقتدار کے عروج میں تمام مصلحتوں اور پراپیگنڈوں کی پروا کیے بغیر محض احترام شریعت میں اس استلحاق کے متعلق واشگاف الفاظ میں یہ اعلان فرمایا تھا: "اللہ کی قسم سارا عرب جانتا ہے کہ میں جاہلیت میں بھی سب سے زیادہ عزت والا تھا اور اسلام نے بھی میری عزت میں اضافہ ہی کیا۔ لہٰذا نقو یہ بات ہے کہ میں نے زیاد کے ذریعہ اپنی قلت کو کثرت میں تبدیل کیا ہو اور نہ میں کبھی کمزور تھا کہ زیاد کی وجہ سے مجھے قوت وعزت مل گئی ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کا حق پہچان لیا اور اس کے حق دار تک پہنچا دیا۔" (تاریخ طبری جلد ۴ ص ۱۶۳)

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد جن چند حضرات نے اس استلحاق کی مخالفت کی تھی انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنے طرز عمل پر معذرت ومعافی طلب کرتے ہوئے رجوع کر لیا تھا۔ (الاستیعاب مع الاصابہ جلد اول ص ۵۵۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ "ان زیادبن ابی سفیان کتب الی عائشۃ..." (جلد ۱ ص ۲۳۰)

بخاری کے علاوہ موطا امام مالک، موطا امام محمد اور طحاوی وغیرہ کتب میں زیاد بن ابی سفیانؓ ہی لکھا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ بھی زیاد بن ابی سفیان ہی لکھتی اور کہتی رہیں: عن عائشۃ ام المؤمنین الی زیاد بن ابی سفیان..."

معلوم نہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو ایک طے شدہ بات کو پھر سے متنازعہ بنانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ پھر وہ بھی ایسے انداز سے جس سے ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو تقویت ملتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ صحیح مسلم کی حدیث "مامنعك ان تسبّ اباتراب" کے تحت ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: "بعض طرف دار معاویہ بن ابی سفیان کے اس لفظ کی تاویل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ کس واسطے حضرت علی المرتضیٰؓ

کے ساتھ تم سخت کلامی نہیں کرتے اور تم نہیں سمجھاتے کہ قاتلان عثمانؓ کی طرف داری سے وہ دست بردار ہو جائیں اور ان پر قصاص جاری کرنے کے لیے ان کو ہمارے سپرد کریں۔

لیکن اس توجیہ میں دو خدشے ہوتے ہیں... (لہٰذا یہ صحیح نہیں) بلکہ بہتر یہی ہے کہ اس لفظ سے اس کا ظاہر معنیٰ سمجھا جائے (کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کو سبّ یا حکم سبّ کریں) غایۃ الامر اس کا یہی ہوگا کہ ارتکاب اس فعل قبیح یعنی سبّ یا حکم بہ سبّ حضرت معاویہؓ سے صادر ہونا لازم آئے گا تو یہ کوئی اول امر قبیح نہیں ہے جو اسلام میں ہوا ہے اس واسطے کہ درجۂ سبّ قتل وقتال سے بہت کم ہے..... جب قتال اور حکم قتال کا صادر ہونا یقینی ہے اس سے چارہ نہیں تو بہتر یہی ہے کہ ان کو مرتکب کبیرہ کا جاننا چاہیے لیکن زبان طعن ولعن بند رکھنا چاہیے۔اسی طور سے کہنا چاہیے جیسا صحابہؓ سے ان کی شان میں کہا جاتا ہے جن سے زنا اور شراب خمر صادر ہوا، رضی اللہ عنہم اجمعین۔اور ہر جگہ خطائے اجتہادی کو دخل دینا بے باکی سے خالی نہیں ہے۔" (فتاویٰ عزیزی ص ۲۳۸-۲۳۹۔ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۸ھ)

یہ ملحوظ رہے کہ موصوف کے نزدیک حضرت معاویہؓ اور حضرت سعدؓ کے مابین یہ گفتگو حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی مصالحت کے بعد دور خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئی۔سخت تعجب ہے کہ جب صاحب معاملہ کے ساتھ جنگ صفین کے بعد باقاعدہ صلح ہو گئی بعد ازاں حضرت حسنؓ نے بھی بے مثال ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے امور خلافت تفویض کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے رفقاء سمیت بیعت بھی کر لی اس کے باوجود ایک جلیل القدر صحابی اپنے اس عظیم محسن کے ساتھ اس "سلوک" کا مظاہرہ کرتا ہے۔اگر یہ احسانات نہ بھی ہوتے تو پھر بھی "اذکروا موتاکم بالخیر" کے نبوی فرمان کی روشنی میں کسی صحابی تو درکنار کسی "مسلمان" سے بھی اس "سلوک" کی توقع نہیں ہوسکتی۔زیر بحث حدیث کے مفصل جواب کے لیے راقم الحروف کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ" کی طرف مراجعت فرمائیں۔اس پر مستزاد یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ اسے "خطائے اجتہادی" تسلیم کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہیں اور بحوالہ "سباب المؤمن فسوق وقتاله كفر" اسے کبیرہ گناہ قرار دیتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ اس سوال کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مروان کو برا کہنے کے بارے میں اہل سنت کے نزدیک کیا ثابت ہے؟"

کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''اہل بیت کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لوازم سنت۔اور محبت اہل بیت سے ہے کہ مروان "علیہ اللعنة" کو برا کہنا چاہیے اور اس سے دل سے بے زار رہنا چاہیے۔علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسین اور اہل بیت کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا ،اس خیال سے اس ''شیطان'' سے نہایت بے زار رہنا چاہیے۔

لیکن حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ صحابی ہیں اور آنجناب کی شان میں بعض احادیث بھی وارد ہیں۔آنجناب کے بارے میں علماء اہل سنت میں اختلاف ہے۔علماء ماوراء النہر اور مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حرکاتِ جنگ وجدال جو حضرت علیؓ کے ساتھ ہوئیں وہ صرف خطائے اجتہادی کی بناء پر تھیں۔

محققین اہل حدیث نے بعد تتبع روایات دریافت کیا ہے کہ یہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے،اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذوالنورین حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں جو تعصب امویہ اور قریشیہ میں تھا۔اسی کی وجہ سے یہ حرکات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے وقوع میں آئے جس کا غایت نتیجہ یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور باغی قرار دیے جائیں۔''

''والفاسق لیس باھل اللعن "فاسق قابل لعن نہیں۔

تو اگر مراد برا کہنے سے اسی قدر ہے کہ ان کے اس فعل کو برا کہنا اور برا سمجھنا چاہیے تو بلاشبہ اس امر کا ثبوت محققین پر واضح ہے اور اگر برا کہنے سے مراد لعن وشتم ہے تو معاذاللہ کہ اہل سنت سے کوئی شخص اس کے گرد جائے اس واسطے کہ اہل سنت کے نزدیک یہ حکم ثابت ہے کہ فاسق اور مرتکب کبیرہ کے حق میں استغفار کرنا چاہیے تو لعن کرنا حرام ہے۔علی الخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو کہ صحابی ہیں۔آپ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی زیادہ امید ہے اور یہ بھی زیادہ متوقع ہے کہ صاحبِ حق یعنی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنا حق معاف فرما دیں گے۔''(فتاویٰ عزیزی کامل ص۴۱۳ تا ۴۱۴)

حضرت موصوف نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں 'علماء ماوراء النہر، مفسرین اور فقہاء کے قول کو رد کرتے ہوئے اسے ''اجتہادی اختلاف'' کے بجائے ''نفسانیت'' اور قبائلی وخاندانی تعصب پر مبنی قرار دیا جو بالکل خلاف واقع ہے:

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں کہ:

''وما وقع من المخالفات والمحاربات(بین علیؓ ومعاویةؓ)لم یکن من نزاع فی

خلافته بل عن خطاء في الاجتهاد" (شرح عقائد ۱۰۹)

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جو لڑائی، جھگڑا ہوا وہ ان کی خلافت میں اختلاف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ خطائے اجتہادی سے تھا۔

علامہ خفاجی شرح شفاء میں لکھتے ہیں کہ:

"انها امور وقعت باجتهاد منهم لا لِاغراض النفسانية ومطامع دنيوية كما يظنّه الجهلة" (نسیم الریاض جلد ۳۔ص ۴۶۷)

یہ امور ان سے اجتہاداً صادر ہوئے، ان کا منشا کوئی اغراض نفسانی نہ تھیں، نہ ہی ان کا مطمع نظر کوئی دنیوی امور تھے۔

امام نووی شافعی فرماتے ہیں کہ:

"و اما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء و اما الحروب التي جرت فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب انفسها و كلهم عدول و متأولون في حروبهم وغيرها...." (شرح مسلم ص ۲۷۲ جلد ۲)

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فاضل اور نجیب صحابہ میں سے ہیں مگر جو جنگیں آپس میں لڑی گئیں تو ان میں سے ہر ایک گروہ کو ایک شبہ لاحق تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو صواب پر ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور سب صحابہ عادل ہیں اور ان جنگوں وغیرہ کے اختلاف میں تاویل کرنے والے ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی انہیں وصف عدالت سے خارج نہیں کرتی کیونکہ وہ مجتہد ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت مروانؓ کے بارے میں اہل سنت کا جو نظریہ پیش فرمایا ہے وہ بھی محل نظر ہے۔ اس میں موصوف نے نہ صرف حضرت مروانؓ کو "برا" کہنے کی نہایت ہی فراخ دلی کے ساتھ اجازت دی ہے بلکہ خود بھی ان کے نام کے ساتھ "علیہ اللعنۃ وشیطان" لکھ کر بیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے فتویٰ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ:

"مرتکب کبیرہ، باغی اور فاسق مستحق لعنت نہیں ہے۔ جب کہ حضرت مروانؓ کو مستحق لعنت سمجھتے ہی نہیں بلکہ خود بھی ان پر لعنت کرتے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک حضرت مروانؓ کا شمار صحابہ وتابعین میں تو درکنار عام مسلمانوں میں بھی نہیں ہوتا۔ (اس عنوان پر مکمل معلومات کے خواہش مند حضرات راقم الحروف کی کتاب "سیدنا مروان شخصیت اور کردار" کی طرف مراجعت کریں۔) حالانکہ ابن کثیر کے نزدیک حضرت مروانؓ کثیر جماعت کے نزدیک صحابی

ہیں۔(البدایة والنهایة جلد۸ص۲۵۷)

امام ابن تیمیہ نے انہیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے طبقے میں سے شمار کیا ہے۔حضرت مروانؓ نے اکابر صحابہؓ سے احادیث روایت کی ہیں جو صحیح بخاری سمیت مختلف کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔حضرت معاویہؓ نے انہیں ان القاب سے یاد فرمایا ہے:

"اما القاری لکتاب اللّٰه، الفقیه فی دین اللّٰه، الشدید فی حدود اللّٰه"(حوالہ مذکور)

حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ "و کان یعدّ فی الفقهاء"وہ فقہاء میں شمار کیے جاتے تھے۔

سخت حیرت ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے ان کے نام کے ساتھ "علیه اللعنة اور شیطان" لکھ دیا۔فیا اسفا!

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے موصوف کے "مضمون" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی اور "فتاویٰ عزیزی" کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔وفات کے معلوم نہیں کتنے عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدلیس اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لیے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل کر دی ہو۔

اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبدالعزیز ہی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء وفقہاء کے متروک ہے۔(مقام صحابہؓ ص۷۴۔۷۵۔بار اول ۱۹۷۱ء)

مولانا حافظ مہر محمد میانوالویؒ "جذبہ نفسانی" کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"یہ غیر صحابہ افراد کی بعض صحابہؓ پر یک طرفہ سخت رائے ہے، دل کا حال اور نفسانی جذبہ خدا ہی جانتا ہے۔پچھلے فقہاء کے فیصلے صحابہؓ کے اعمال پر لاگو نہیں ہو سکتے تو ہم حضرت علیؓ سے شدید محبت ایمانی کی وجہ سے طالبین قصاص کے حضرت علیؓ سے مطالبہ اور اختلاف کو جذبہ نفسانی یا تعصب قومی پر عمل کر کے بدظنی کا گناہ شیعوں کی طرح کیوں کریں اور کتابوں میں لکھ کر دشمن کو کیوں ہتھیار پکڑوائیں۔کیا ان اختلافات میں حضرت امیر معاویہؓ پر پہل کرنے والے حضرت علیؓ پر بھی یہ سوچ اور جذبہ مانا جائے گا؟ معاذاللہ تو ایک پر یہ تہمت گناہ ہو گی۔(ایمانی دستاویز بجواب تحقیقی دستاویز ص۲۵۷)

کاش کہ دیگر فتاویٰ کی اشاعت کی طرح اہل حق کا کوئی ادارہ "فتاویٰ عزیزی" کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کر لیتا اور تخریج کے علاوہ حاشیہ میں غلط طور پر منسوب اقوال کی وضاحت کر دی جاتی لیکن فتاویٰ عزیزی کامل ومبوب بطرز جدید طبع جدید (۱۴۰۸ھ) میں زیر عنوان "عرض مرتب" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ کی جمع وترتیب اور تصحیح کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے بلکہ اس کے ترجمہ میں مغلق عبارتوں کو آسان کر کے اور اس کے ترجمہ کو دورِ حاضر کے مطابق بنانے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ آج ۱۴۳۴ھ سے ۱۳۲۲ھ میں پہلی مرتبہ فتاویٰ عزیزی کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کرایا گیا، اس کے بعد مسلسل یہ فتاویٰ شائع ہو رہا ہے اور ہر لائبریری کی زینت ہے۔ اعدائے صحابہؓ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس فتویٰ کو بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔ دوسرے اداروں کا کیا ذکر؟ خود حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ادارے "دارالاشاعت" کی طرف سے حضرت شاہ صاحب کی مایہ ناز کتاب "تحفہ اثناعشریہ" شائع ہوئی ہے، اس میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کافی مواد موجود ہے۔



# ۱۴۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

## المتوفی ۱۲۹۷ھ

ضلع سہارنپور کے مردم خیز قصبہ ''نانوتہ'' میں ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۳ء میں شیخ اسد علی بن غلام شاہ کے ہاں آپ کی ولادت ہوئی۔ تاریخی نام خورشید حسین ہے۔ مشہور نام (محمد قاسم) کا اگر کسی مصلحت سے اخفاء مقصود ہوتا تو فرماتے میرا نام ''خورشید حسین'' ہے۔ بعض خاندان والوں کی طرف سے اذیت کے پیش نظر والد نے دیوبند منتقل کر دیا۔

آپ نے مولانا مملوک علی نانوتوی سے مروجہ درسی کتب پڑھیں اور شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ آپ نے ہندو پنڈتوں اور عیسائی پادریوں کے ساتھ مناظرے کر کے اسلام کی برتری قائم کر دی۔ شیخ الہند آپ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے۔ ''آب حیات، تحذیر الناس، تقریر دل پذیر، انتباہ المؤمنین، مباحثہ شاہجہاں پور، ہدایت الشیعہ، اجوبہ اربعین اور قبلہ نما'' اہم تصانیف ہیں۔

آپ کا جملہ علمی کام آپ کے بچپن کے ایک ''خواب'' کی عملی تعبیر بن کر سامنے آیا۔ ''ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا تھا کہ گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ان کے والد نے یہ تعبیر فرمائی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا اور بہت بڑے عالم ہو گے اور نہایت شہرت ہوگی۔'' (سوانح قاسمی حصہ اول ص ۲۵)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ہاتھ پر بیعت اور تکمیل سلوک کے بعد ''سلاسل اربعہ'' میں ان کے مجاز بھی ہوئے۔ تصوف میں اس قدر ترقی فرمائی کہ خود مرشد پکار اٹھے:

''جو آدمی کہ اس فقیر سے محبت اور عقیدت رکھتا ہے، مولوی رشید احمد صاحب سلمہ اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ کو جو تمام کمالات علوم ظاہری اور باطنی کو جامع ہیں، بجائے میرے بلکہ مجھ سے بڑھ کر جانے۔ اگر چہ معاملہ برعکس ہے وہ بجائے میرے اور میں بجائے ان کے ہوتا۔ ان کی صحبت غنیمت جاننی چاہیے۔ ان جیسے آدمی اس زمانہ میں نایاب ہیں۔''

(بحوالہ مشاہیر علمائے دیوبند جلد اول ص ۵۵۶)

"اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اللہ کیا لے کر آیا تو مولوی رشید احمد اور مولوی محمد قاسم کو پیش کر دوں گا کہ یہ لے کر آیا ہوں۔" (ملاحظہ ہو: تذکرۃ الرشید جلد دوم)

یہی نہیں بلکہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

"حق تعالیٰ شانہ اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان (زبان) عطا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شمس تبریزی کو مولانا رومی لسان عطا ہوئے تھے جنہوں نے شمس تبریزی کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرما دیا۔ اسی طرح مجھ کو مولوی محمد قاسم لسان عطا ہوئے۔"
(سوانح قاسمی حصہ اول ص ۲۹۴)

حضرت حاجی صاحبؒ نے جس "باطنی سیر وسلوک" کے مشاغل میں آپ کو لگایا تھا اور اس عجیب وغریب کیفیت کا جو "ذکر" شروع کرتے ہوئے آپ پر طاری ہوئی تھی آپ نے خود ان الفاظ میں اس کا اظہار فرمایا ہے کہ:

"جہاں تسبیح لے کر بیٹھا بس ایک مصیبت ہوتی ہے اس قدر گرانی کہ جیسے سو سو من کے پتھر کسی نے رکھ دیے ہوں، زبان وقلب سب بستہ ہو جاتے ہیں۔ پھر روتے ہوئے بے ساختہ آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے کہ:

میں ہی بدقسمت ہوں، ایسا ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے زبان کو جکڑ دیا ہو۔

آپ کی اس کیفیت کو سننے کے بعد حضرت حاجی صاحب نے بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

مبارک ہو یہ نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے اور یہ وہ ثقل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا۔" (سوانح قاسمی حصہ اول ص ۳۰۱)

نہ صرف یہ "ثقل" نبوت کا فیضان ہے بلکہ دیگر مشاغل تصوف (جن کی نسبت ناقدین تصوف کی طرف سے "بدھ بھکشوؤں، ہندو جوگیوں یا عیسائی راہبوں" کی طرف کر دی جاتی ہے) کی اصل بھی نبوت کبریٰ کے نمونوں میں پائی جاتی ہے چنانچہ سید مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں کہ:

"بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ شق صدر، وحی ومعراج ومعجزات وغیرہ بیسیوں چیزیں جو نبوت کی طرف منسوب ہیں، ان کا سراغ خود بتایئے کہ ان نمونوں کے سوا جو صوفیوں کی زندگی میں پائے جاتے ہیں، کیا کسی اور ذریعہ سے ممکن ہے؟ آج تو مثلاً لطائف سے شق صدر کو، الہام وکشف سے وحی کو، سیر وسلوک اور اس کے مشاہدات سے معراج کو، کرامتوں سے معجزات کو ہم کچھ نہ کچھ سمجھ بھی لیتے ہیں..... کیونکہ بند اگر ہوا ہے تو صرف نبوت کا دروازہ بند ہوا ہے اور وہ اب کسی کے لیے

رہتی دنیا تک کبھی کھولا نہیں جاسکتا لیکن غیب سے رشتہ قائم کرنے کی صوفیانہ راہیں نہ پہلے بند تھیں نہ ہی اب بند ہیں، نہ آئندہ بند ہوں گی۔" (سوانح قاسمی حصہ اول ص ۳۱۴)

حضرت نانوتویؒ کی سیرت وسوانح اور ان کا علمی وروحانی مقام جاننے کے لیے "سوانح قاسمی" مؤلفہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور "الامام الکبیر" مؤلفہ مولانا عبدالقیوم حقانی کی طرف مراجعت فرمائیں۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ تمام تر احتیاط کے باوجود بسا اوقات انسان اپنے "ماحول" اور "مشرب" سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، بلکہ اس کے نام کے بھی اس کے افکار وخیالات پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ بلکہ جملہ اکابر دیوبند کے پیرومرشد حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کا والد کا رکھا ہوا اصلی نام "امداد حسین" تھا اور اسی نام سے پکارے جاتے رہے۔ بہت بعد میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ نے انہیں "امداداللہ" کا لقب عطا فرمایا جو اب نام پر غالب آ گیا۔ دارالاشاعت کراچی نے ان کے دس رسائل کا مجموعہ "کلیات امدادیہ" کے نام سے شائع کیا ہے۔ کوئی متبحر عالم دین ہی کتاب وسنت کی روشنی میں اس کتاب کے "ادق مضامین" کی تحقیق وتجزیہ کرسکتا ہے، لیکن چند دیگر اہم امور کے علاوہ یہ بات بھی بڑی واضح ہے کہ حضرت حاجی صاحب نے کہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "مشکل کشا" کہا ہے اور کہیں حضرت علیؓ کو:

یا رسولِ کبریا فریاد ہے یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد ہو، میرا یا نبیؐ حال ابتر ہوا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل
اے میرے مشکل کشا فریاد ہے
دور کر دل سے حجاب جہل و غفلت میرے رب
کھول دے دل میں درِ علم حقیقت میرے رب
ہادی عالم علی مشکل کشا کے واسطے
(حوالہ مذکور تحت ارشاد مرشد ص ۱۰۲)،
پھنسا ہوں بے طرح گرداب میں نا خدا ہو کر
میری کشتی کنارے پہ لگاؤ یا رسول اللہ

یہ ساری نعت ہی اس نوعیت کی ہے، جس کا مضمون کسی تاویل سے بھی صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

خلیفہ مجاز و "لسان" حضرت حاجی صاحب جناب "الامام الکبیر" حضرت نانوتویؒ نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار ہو کر ڈیڑھ سو سے زائد اشعار پر مشتمل "قصیدہ بہاریہ" میں "نعت" پیش فرمائی ہے۔ یہ قصیدہ، "قصائد قاسمی" میں شائع ہو چکا ہے۔ ساٹھ سے زائد اشعار شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے اپنی کتاب "فضائل درود شریف" کے بالکل آخر میں شامل کیے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت حسینؒ احمد مدنی نے "الشہاب الثاقب" میں خوف طوالت کے پیش نظر چند اشعار ہی نقل فرمائے ہیں۔ اس قصیدے میں حضرت موصوفؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ، کوہ طور اور معراج کا بلاضرورت تقابل فرمایا ہے حالانکہ دونوں واقعات کا تعلق معجزات کے ساتھ ہے اور "معجزہ" پیغمبر کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:

کہاں بلندی طور اور کہاں تیری معراج
کہیں ہوئے ہیں زمین و آسمان ہموار

اسی قصیدے میں آگے چل کر فرماتے ہیں:

یہ سن کے آپ شفیع گناہگاراں ہیں
کیے ہیں میں نے اکٹھے گناہوں کے انبار
کفیل جرم اگر آپ کی شفاعت ہو
تو قاسمی بھی طریقہ ہو صوفیوں میں شمار
گناہ کیا ہیں اگر کچھ گنہ کیے میں نے
تجھے شفیع کہے کون گر نہ ہوں بدکار
مدد کر اے کرم احمدے کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا؟
بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غم خوار

یہ اشعار نقل کرنے کے بعد حضرت مدنی فرماتے ہیں کہ:

"بوجہ خوف طوالت تمام قصیدہ کو نہیں لکھتا ہوں مگر اہل فہم سمجھ گئے ہوں گے کہ مولانا کو کس قدر عقیدت ومحبت عشقیہ ذات پاکؐ کے ساتھ ہے اور کس قدر تعظیم آنحضرت علیہ السلام کی ان کے قلب انور میں بھری ہوئی ہے۔فی الحقیقت یہ قصیدہ نہایت سچا اور پاکیزہ واقع ہوا ہے کہ جس کو دیکھتے ہی حرزِ جان کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔

رسالہ آب حیات وقبلہ نما او جو بہ اربعین وغیرہ رسائل علمیہ تو حضرت مجدد بریلوی صاحب کیا دیکھ سکتے ہیں؟ کہاں اتنی لیاقت وفہم رکھتے ہیں کہ ان کے مضامین تک پہنچیں اور اپنے سیاہ قلب کو اس کی شعاعوں سے منور کریں؟ اس کی تو ہم کو ان روافض سے امید ہی نہیں.....

وہابیہ کثرت صلوٰۃ وسلام وورود برخیر الانام علیہ السلام اور قرأت دلائل الخیرات وقصیدہ بردہ وقصیدہ ہمزیہ وغیرہ اور اس کے پڑھنے اور اس کے استعمال کرنے وورد بنانے کو سخت قبیح ومکروہ جانتے ہیں اور بعض اشعار کو قصیدہ بردہ میں شرک وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں مثلاً:

یا اشرف الخلق مالی من الوذبہ
سواك عند حلول الحادث العمم

اے افضل مخلوقات، میرا کوئی نہیں جس کی پناہ پکڑوں بجز تیرے بروقت نزولِ حوادث، حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین اپنے متعلقین کو دلائل الخیرات وغیرہ کی سند دیتے رہے ہیں اور ان کو کثرت درود وسلام وتجربیب قرأت دلائل وغیرہ کا امر فرماتے رہے ہیں۔ہزاروں کو مولانا گنگوہیؒ ومولانا نانوتویؒ نے اجازت عطا فرمائی اور مدتوں خود بھی پڑھتے رہے ہیں اور مولانا نانوتویؒ مثل شعر بردہ فرماتے ہیں:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا؟
بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غم خوار

(الشہاب الثاقب ص ۱۹۱، ۲۰۹)

اس سلسلے میں حضرت نانوتویؒ کے "ایک قصیدہ طویلہ دربارہ توسل مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ" (مندرجہ امداد السلوک ودیگر رسائل) کے چند اشعار بھی قابل توجہ ہیں۔جنہیں نبیؐ کے ساتھ "محبت وعقیدت" کے طور پر قبول کرلیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ اب نبیؐ، علیؓ یا کسی فوت شدہ ولی سے استمداد یا مشکل کشائی کی استدعا "ماتحت الاسباب" کے زمرے میں نہیں آتی بلکہ "مافوق الاسباب" کے حکم میں ہی شامل

ہوگی۔اس کے علاوہ غائبانہ حاجات میں مختارِ کل سمجھ کر"یا اللہ مدد" کہےگا تو یہ اللہ کی عبادت ہوگی اور اگر"یا نبی مدد، یا علی مدد، یا علی مشکل کشا" پکارےگا تو یہ نبیؐ و علیؓ کی عبادت متصور ہوگی۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ اعلان فرمایا ہے کہ:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ۔(النحل ۶۲)

"بھلا وہ کون ہے جو بےقرار کی پکار سنتا ہے اور مشکل کشائی کرتا ہے؟" (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں)

غیر اللہ سے استمداد تو "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کے روزمرہ کے "اقرار" سے انحراف اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ" کے بھی خلاف ہے۔

دوسری طرف حضرت نانوتویؒ کے دور میں پورے ہندوستان میں رفض و شیعیت نے مختلف اسباب کی بناء پر پنجے گاڑے ہوئے تھے۔مراسم تعزیہ داری، ماتم زنی، سینہ کوبی، مرثیہ خوانی اور شہادت حسینؓ کے ضمن میں شیعی موضوعہ روایات سے جذباتی تعلق رکھنے میں سنی شیعوں سے پیچھے نہیں تھے۔رسم تعزیہ داری تو شیعوں سے گزر کر عام مسلمانوں کے دلوں میں رچ بس گئی تھی۔ یہاں تک کہ دیوبند کی تمام سنی مساجد میں بھی تعزیے رکھے جانے لگے۔اسی طرح یہ مسلمان اہل تشیع کے بعض دوسرے عقائد سے متاثر ہو کر کم از کم "تفضیلی" ضرور بن گئے تھے۔علامہ سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ:

مغل حکومت کے آخری دور میں بارہہ کے جن سادات نے کنگ میکر(بادشاہ گر) ہونے کی حیثیت حاصل کر لی تھی وہ اسی اطراف و جوانب کے رہنےوالے تھے جن کا اثر پھیلنا قدرتی تھا،ان کے سوا دوسرے اسباب بھی تھے،اور تو اور ضلع سہارنپور کا یہی قصبہ دیوبند جو آج سنیوں کا سارے ہندوستان میں ملاذ و ملجا بنا ہوا ہے کسی موقع پر امیر شاہ خان مرحوم کی اس اطلاع کا ذکر کر چکا ہوں کہ میرٹھ، ہاپوڑ، گلاؤٹھی، بلند شہر کے ساتھ ساتھ وہ یہ کہتے تھے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ "دیوبند میں بھی سب تفضیلی تھے۔"

اسی موقع پر اگرچہ خان صاحب کا یہ بیان بھی درج ہے کہ حضرت سید شہید کی کوششوں سے ابتداء اس علاقے کے مسلمانوں کے تفضیلی رجحانات کے ازالہ میں غیر معمولی کامیابی ہوئی لیکن صدیوں سے لوگوں میں جو زہر سرایت کیے ہوئے تھا،اس کا کلی استیصال ظاہر ہے کہ اچانک نہیں ہو سکتا تھا۔

سیدنا الامام الکبیر جن دنوں میں دیوبند کو وطن بنا کر یہاں مقیم ہو چکے تھے اسی زمانہ کے اچھے اچھے ممتاز گھرانوں میں تفضیل کا اثر موجود تھا۔بلکہ سوانح مخطوطہ کے مصنف نے بجائے "تفضیل" کے لکھا ہے کہ:"مادہ رفض کا غالب تھا" (سوانح قاسمی حصہ دوم ص ۲۷)

حضرت نانوتویؒ نے اپنے طور پر "تفضیلیت و رفض" کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کی سعی فرمائی لیکن صد افسوس کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں "مشاجرات کے شرعی حکم" امساک، توقف اور سکوت پر کما حقہ گامزن نہ رہ سکے۔ اس تمہید اور پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں موصوفؒ کے چند افکار ملاحظہ فرمائیں:

"باقی رہے امیر معاویہؓ ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی، تمکین ملک و سلطنت تھی۔ چنانچہ واقفان فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفاء اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہ کے اطوار اور انداز میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ان کی گذران فقیرانہ اور زاہدانہ تھی اور امیر معاویہ کا طور ملوک کا سا تھا۔ اس لئے اہل سنت ان کو باوجود یکہ صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں گنتے ملوک میں شمار کرتے ہیں۔

لیکن ملوک، ملوک میں بھی فرق ہے ایک نوشیروان تھا، ایک چنگیز خان۔ سو یہ ہر چند ملوک میں سے تھے لیکن اس کے یہ معنی ہیں کہ خلفاء راشدین کے مقابلے میں دنیا دار معلوم ہوتے تھے۔ (ھدیۃ الشیعۃ ص ۲۶ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

موصوف ایک دوسری کتاب میں اہل تشیع کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

اور یہ سچ ہے کہ سنی اصحاب اربعہ یعنی چاریار کو بترتیب معلوم جانشین حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں اور خلیفہ راشد اعتقاد کرتے ہیں، پر امیر معاویہ اور یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا ہاں جھوٹ کا جواب جھوٹ ہے......

اجی صاحب اہل سنت ان لوگوں کو بادشاہ سمجھتے، خلیفہ راشد نہیں سمجھتے۔ اگر کسی نے ان کو خلیفہ لکھ دیا تو اس سے خلیفہ راشد مراد نہیں......

اجی حضرت! اہل سنت گو سب کو خلیفہ کہیں پر خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد چار یار ہی کو سمجھتے ہیں، اور یہ ایسی بات ہے کہ جیسے اولاد کو ہر کوئی خلف کہتا ہے پر خلف الرشید اس کو کہتے ہیں جو فرزند کامل ہو ورنہ یا تو ناخلف ہے یا کوئی صفت بھلی بری اس کے ساتھ کچھ نہیں لگاتے۔ سو خلیفۂ راشد تو چار یار ہی تھے اور یزید، ولید، عبدالملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس باب میں نہ خلیفہ راشد ہیں نہ ناخلف ہیں۔ ہاں فضیلت صحبت اور بزرگی صحابیت اور اخوت ام المومنین ام حبیبہؓ کی ان کو حاصل تھی اور اس لئے سب کے واجب التعظیم ہیں جو برا کہے وہ اپنی عاقبت کھوتا ہے...... بالجملہ اہل سنت خلیفہ بھی کو کہہ

دیا کرتے ہیں اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں اس کے معنی فقط جانشین ہیں۔سو تمہیں کہو اس میں کیا بزرگی ہے۔اگر کسی نیک آدمی کی جگہ کوئی بدمعاش بیٹھ جائے تو اس کو جانشین (یعنی خلیفہ) تو ضرور کہیں گے پر اس میں کچھ بزرگی نہ نکلے گی۔

ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی ایک خلیفہ راشد یہ تو چار یار اور پانچویں پانچ چھ مہینے کے لئے حضرت امام حسنؓ ہو گئے تھے۔

دوسرا خلیفہ غیر راشد اور خلیفہ غیر راشد کو بادشاہ اور ملک بھی سنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں۔یزید اور عبدالملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں ہاں عمر بن عبدالعزیز البتہ مروانیوں میں سے خلیفہ راشد ہوئے ہیں۔ (اجوبہ اربعین ص ۱۸۵۔۱۸۸ مطبوعہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

حضرت نانوتویؒ زیر عنوان "مذہب امیر معاویہؓ دربارہ خلافت" لکھتے ہیں کہ:

"حضرت امیر معاویہؓ کا نظریہ خلافت کے متعلق یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو، گو اس سے افضل ہوں تو دوسروں سے اس کا خلیفہ بنانا افضل ہے۔اس بات پر نظر رکھتے ہوئے یزید کو انہوں نے دوسروں سے افضل جانا اور اگر (بالفرض) افضل نہ بھی جانا جاتا تو اس سے زیادہ بات آگے نہیں بڑھتی کہ انہوں نے افضل کو چھوڑ دیا۔جیسا کہ گذشتہ مقدمات میں واضح ہو گیا کہ افضل کا خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب۔لیکن اتنی بات کے باعث ترک افضل کا ان پر گناہ نہیں تھوپا جا سکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گالم گلوچ سے ہم پیش آئیں۔

اور پھر ہم امیر معاویہؓ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں (از اجلّہ صحابہ نمی شماریم) کہ افضل اور اولیٰ کے ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں۔"

(انوار النجوم ص ۱۷۴۔۱۷۵۔مترجمہ مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی فاضل دارالعلوم دیوبند)

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت نانوتویؒ کا یہ فارسی مکتوب (بنام مولانا فخر الحسن گنگوہی) ان کے مجموعہ مکتوبات بنام "قاسم العلوم" میں شائع ہو چکا ہے۔

(ملاحظہ ہو "یادگار حسینؓ" ص ۳۔مؤلفہ مولانا قاضی مظہر حسینؒ)

پروفیسر محمد نور الحسن صاحب شیرکوٹی نے حضرت نانوتویؒ کے اس قول کہ "ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے" کی تاویل کرتے ہوئے نیچے حاشیہ پر لکھا ہے کہ "یعنی چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی طرح ایسے صحابہ میں سے نہ تھے کہ یزید کو اپنا جانشین بنانے پر ان کی طرف سے ہم معذرت پیش کریں۔" (حوالہ مذکور)

یعنی اگر حضرت معاویہؓ جلیل القدر صحابی ہوتے تو پھر ہم یزید کی ولی عہدی وغیرہ جیسے معاملات پر "سب وتنقید" کی صورت میں ان کی طرف سے معذرت پیش کرتے۔

اول تو حضرت نانوتویؒ کی یہ بات ہی خلاف حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی نہیں تھے۔علامہ عبدالعزیز فرہاروی فرماتے ہیں کہ:

"اقول قد صرّح علماء الحديث بانّ معاوية رضى الله عنه من كبار الصحابة ونجبائهم ومجتهديهم ولو سلّم انه من صغارهم فلا شك فى انه داخل عموم الاحاديث الصحيحة الواردة فى تشريف الصحابة رضى الله عنهم بل قد ورد فيه بخصوصه احاديث.... (النبراس شرح لشرح العقائد ص ۵۵۰)

میں کہتا ہوں کہ علماء حدیث نے صراحت کی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ، اشراف اور مجتہد صحابہ میں سے ہیں۔

اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ وہ اصاغر صحابہ میں سے تھے تب بھی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان صحیح احادیث کے عموم میں داخل ہیں جو صحابہ کے شرف وفضیلت میں وارد ہوئی ہیں، بلکہ خاص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی احادیث وارد ہوئی ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے "اللّٰهم اجعله هاديا مهديا واهدبه" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اللّٰهم علّم معاوية الحساب والكتاب وقِهِ العذاب" اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔اور جو یہ کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں، یہ بات محل نظر ہے اور اسلاف تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم اور طعن کرنے سے سخت غصے ہوتے....

امام نووی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

"واما معاويةؓ فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء......"

(شرح صحیح مسلم جلد ۲۔ص ۲۷۲)

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فاضل اور نجیب صحابہ میں سے ہیں۔

بہر حال حضرت نانوتویؒ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع سے معذرت خواہی کے بارے میں یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ ع

معذرت را خندہ می آید بہ استعذار

☆☆☆☆☆☆

# ۱۵۔ قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

## (م ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)

حضرت گنگوہی نے اہل تشیع کے "سوال اول" کا جواب دیتے ہوئے نہایت ہی اصولی بات ارشاد فرمائی کہ:

"اور جو کچھ بعض سے حرب امیرؓ یا کچھ اور بشریت سے تقصیر ہوئی وہ خطائے اجتہادی تھی اور جو امر بخطا اجتہاد سرزد ہوتا ہے وہ بصورت معصیت ہے نہ خود معصیت۔ چنانچہ اہل عقل وعلم پر واضح ہے اور اگر بالفرض گناہ ہی تھا تو وہ انجام کار اس سے تائب اور نادم ہو کر پھر درجہ عدالت کو فائز ہو گئے کیونکہ وہ کچھ معصوم گناہ سے نہیں تھے۔ سواب صحابہؓ کا برا جاننے والا ملت اسلامیہ سے خارج ہوا اور قرآن کا منکر۔" (ہدایۃ الشیعہ ص ۲۹۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

حضرت موصوفؒ اس کے بعد بتصریح نام فرماتے ہیں کہ:

"اور معاویہؓ کا محاربہ حضرت امیرؓ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں۔ ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں مگر معاویہؓ اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے جیسا تمہارا اور تمہارے اسلاف کا زعم ہے کیونکہ حق تعالیٰ خود قرآن شریف میں فرماتا ہے:

وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما ___ الآيه

اور اگر دو طائفے مومنین کے آپس میں مقاتلہ کریں تو ان میں صلح کرا دو۔

تو دیکھو کہ حق تعالیٰ باوصف مقاتلہ باہمی ان کو مومنین کہہ کر تعبیر فرماتا ہے اور سوا اس کے صدہا آیات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فسق وگناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا اور حضرت امیرؓ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہؓ وران کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ منع لعن کی ہوتی۔

اور نہج البلاغہ میں حضرت امیرؓ کا قول شریف منقول ہے..... "صبح کی ہم نے قتال کرتے ہوئے اپنے بھائیوں مسلمانوں سے بسبب اس کے کہ داخل ہوئی اس میں کچھ کجی اور ٹیڑھا پن اور شبہ اور تاویل۔"

حضرت امیر ان کو خود مسلمان بھائی فرماتے ہیں۔ہاں البتہ اس میں بسبب شبہ تاویل بھی آ گئی تھی اور یہ خود بیّن ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہوجائے۔سواس نص سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ حرب (حضرت) معاویہؓ سے خطا ہوئی مگر بتاویل۔منقول ہے کہ حضرت معاویہؓ آخر عمر میں اس امارت اور اپنے کردار سے نادم ہوئے تھے۔

سوندامت کے بعد جو کچھ گناہ ان سے ہوا بالیقین معاف ہوا کہ حق تعالیٰ توبہ کے سبب گناہ معاف کرتا ہے بلکہ کفر بھی توبہ سے معاف ہوجاتا ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ فریقین ہے حاجتِ سند نہیں اور عادل کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ کبھی اس سے کوئی تقصیر نہ ہو بلکہ اس سے کوئی گناہ ہوا اور پھر توبہ کر لی تو پھر عادل ہوجاتا ہے۔

اور شیعہ تو گناہ کبیرہ سے عصمت کو بھی ساقط نہیں کرتے چہ جائیکہ عدالت۔(بحوالہ کلینی) حضرت یونسؑ نے ایسا گناہ کیا کہ موت اس پر مو جب ہلاکت تھی۔"پھر جب عصمت انبیاء کی ایسے گناہ سے ساقط نہیں ہوتی تو بے چارے معاویہؓ تو معصوم نہیں تھے اور معاویہؓ نے تو یہ گناہ خطا سے کیا ہے ..... جب کہ انبیاء سے ایسا کچھ سرزد ہوجائے معاویہؓ وغیرہ پر کیا مو جب طعن ہے وہ تو کچھ معصوم نہ تھے۔

علاوہ بریں اگر تقصیر حرب معاویہؓ اور چند دیگر سے ہوئی آپ نے کمالِ تبحر اور ہمہ دانی سے سارے مہاجرینؓ اور انصارؓ (کہ بقول امام جعفرؒ بارہ ہزار تھے) کو ایک درجہ کردیا۔بڑے افسوس اور حیرت کی جا ہے کہ صحابہؓ باوصفِ مدحِ ثقلین کے کافر ہوں اور شیعہ باوجود مخالفتِ ثقلین و گستاخی اہل بیت کے مومن و مخلص رہیں؟ بڑے شرم کی بات ہے اگر آپ کو ہوش ہو۔واللہ الھادی۔" (ھدایۃ الشیعۃ ص ۳۰ ۔ ۳۲)

حضرت گنگوہیؒ کے مذکورہ "نکات" کے بارے میں اگر چہ یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ وہ اہل تشیع کو "الزامی" جواب دے رہے ہیں یا "خطا" سے ان کی مراد "خطائے اجتہادی" ہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موصوفؒ نے جو "انداز اور لب ولہجہ" اختیار فرمایا ہے وہ ہرگز ہرگز ہرگز "فاتح عرب وعجم، خال المسلمین، مدبر اسلام، بانی اسلامی بحریہ، کاتب وحی اور امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ" کے شایانِ شان نہیں ہے بلکہ حسبِ ذیل کلمات تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے موقف کے حامی دیگر صحابہؓ و تابعینؒ کی توہین و تنقیص کے زمرے میں آتے ہیں:

"اور معاویہؓ کا محاربہ حضرت امیرؓ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں۔ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں مگر معاویہؓ اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے .... فسق و گناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا اور حضرت

امیرؓ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہؓ اوران کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا، اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ منع لعن کی ہوتی.....ہاں البتہ اس میں بسبب شبہ وتاویل کجی آ گئی تھی اور یہ خود یقین ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔

سواس "نص" سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب معاویہؓ سے خطا ہوئی مگر بتاویل۔

منقول ہے کہ حضرت معاویہؓ آخر عمر میں اس امارت اور اپنے کردار سے نادم ہوتے تھے۔سو ندامت کے بعد جو کچھ گناہ ان سے ہوا بالیقین معاف ہوا....."

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:

"اے بھائی حضرت معاویہؓ اس معاملے میں تنہا نہیں ہیں۔کم وبیش آدھے اصحاب کرامؓ ان کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہیں..." (مکتوبات امام ربانی اردو جلد ۲۔ص ۵۸۰)

ظاہر ہے کہ صحابہؓ وتابعینؒ پر مشتمل تقریباً یہ نصف تعداد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل "حرب" کو "جائز" ہی سمجھ رہی تھی تب ہی تو انہوں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔سوال یہ ہے کہ کیا یہ حضرات بھی اہل سنت میں شمار ہوتے ہیں؟اس کا جواب نفی میں تو ہو نہیں سکتا تو پھر اس "فتوے یا فیصلے" کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ "معاویہ رضی اللہ عنہ کا محاربہ حضرت امیرؓ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں۔اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حرب والی "خطا" تو ۳۷ھ میں سرزد ہوئی تھی جو کبیرہ گناہ میں شمار ہوتی ہے جب کہ "حضرت موصوف" کی طرف سے معافی کا "پروانہ" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے "آخر عمر میں اس امارت اور کردار سے توبہ وندامت" کے بعد جاری کیا گیا۔

کیا حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں "مصالحت" کے بعد انہیں اس "امارت" پر برقرار نہیں رکھا تھا؟

حضرت معاویہؓ تو خیر ایک صحابی ہیں،موصوف نے تو ایک موقع پر "قرآن وحدیث" کے نکات ومعلقات بیان کرتے ہوئے حضرت موسیٰ کی دعا ہی کو "ناتمام" قرار دے دیا چنانچہ وہ اس استفسار کہ:

"حضرت موسیٰ نے حق تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھنے لگیں،حق تعالیٰ نے قبولیت دعا کا اظہار بھی فرمایا ہے کہ تمہاری درخواست منظور ہے اے موسیٰ۔حالانکہ موسیٰ کی لکنت عمر بھر نہ گئی،جب بات کرتے تو غلطیٔ لسان کے باعث رانوں پر جوش غضب میں ہاتھ مارا کرتے؛کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''موسیٰ کی دعا ہی ناتمام تھی ..... اگر یفقھوا قولی عرض نہ کرتے تو دعا تام ہوتی اور ساری لکنت جاتی رہتی۔'' (تذکرۃ الرشید جلد اول ص ۱۵۰ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی)

قارئین کرام! سطور بالا میں آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسولؐ کے بارے میں قطب الاقطاب حضرت گنگوہی کا ''اسلوب اور انداز'' ملاحظہ فرمالیا اب ایک یہ انداز بھی ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے اپنے پیر و مرشد ''حاجی امداد اللہ مہاجر مکی'' اور مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی نے ''حضرت گنگوہی'' کے متعلق اختیار فرمایا ہے:

''حضور (یعنی حضرت مکی) نے جو بندہ نالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے۔ اس ناکس کے کیا حالات اور کس وجہ کی کوئی خوبی ہے جو آفتاب کمالات کے روبرو عرض کروں بخدا سخت شرمندہ ہوں، کچھ نہیں ہوں۔ اور حضرت کے اقدام نعلین کی حاضری کے ثمرہ کا یہ خلاصہ ہے... اور یہ اثر اسی نسبت یادداشت بیرنگ کا ہے جو مشکوۃ انوار حضرت سے پہنچا ہے۔ بس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ چشمی ہے یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے۔ کچھ نہیں ہوں تیرا ہی ظل ہے، تیرا ہی وجود ہے۔ میں کیا ہوں کچھ نہیں ہوں اور وہ جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں اور تو شرک در شرک ہے۔ استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اب عرض سے معذور فرما کر قبول فرماویں۔
(مکاتیب رشیدیہ ص ۱۰ مرتبہ مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی مطبوعہ المکتبۃ المدینہ لاہور)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے یہی واقعہ اپنی کتاب میں بایں الفاظ نقل فرمایا ہے:

''اس جگہ دو واقعے اپنے اکابر کے، نمونہ کے لیے لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ ایک تو وہ مکتوب گرامی جو شیخ المشائخ، قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اپنے مرشد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اعلی اللہ مراتبہ کی خدمت میں لکھا جو مکاتیب رشیدیہ میں طبع بھی ہو چکا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں، (ملاحظہ ہو: فضائل صدقات حصہ اول ص ۵۵۷۔۵۵۸)

حضرت گنگوہیؒ نے اپنی کتاب ''امداد السلوک'' میں اپنے شیخ حضرت مکی کو حسب ذیل ''القاب'' سے یاد فرمایا ہے:

"وبنام نامی واسم سامی وافتخار المشائخ الاعلام مرکز الخواص والعوام، منبع البرکات القدسیة، مظهر الفیوضات المرضیة، معدن المعارف الالهیة، مخزن الحقائق لجمع الدقائق، سراج اقرانه، قدوة اهل زمانه، سلطان العارفین، ملک التارکین، غوث الکاملین، غیاث الطالبین الذی کلت المسنة الاقلام عن مدائحه البالغة واعجزت

التوصیف شمائلہ الکرام الساطعة یغبط الاوّلون والآخرون من شعاره ویحسده الفاجرون والغافلون، من دثاره مرشدی، معتمدی، وسیلة یومی وغدی، مولای و معتقی، سیدی وسندی، الشیخ، الحاج، المشتهر بامدادالله، الفاروقی، التهانوی سلمه الله تعالٰی بالارشاد والهدایة و ازال بذاته المطهرة الضلالة والغوایة ___ الخ

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی ان ''القاب'' کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''صاحبو! اس عبارت کے الفاظ ومعانی پر غور کرو اور بنظر انصاف فرماؤ کہ فرقہ وہابیہ کیا اس قسم کے الفاظ اور اس قسم اور اس نوع کے اعتقادات کسی کی نسبت رکھتے ہیں یا نہیں؟ اس عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ قدس سرہ العزیز کی جتنی تصانیف وعقائد ہیں ان کے حضرت مولانا گنگوہیؒ بالکل موافق اور متبع ہیں اور وہی عقائد رکھتے ہیں کہ جن کے ذریعہ سے دھبہ وہابیت بالکل زائل ہے۔ رسالہ امداد السلوک کا صفحہ صفحہ اور سطر سطر پوری دلیل اور قوی برہان حضرت مولانا قدس سرہ العزیز کے ربانی، سنی اور حنفی ولی کامل ہونے کی ہے اگر ان کو نقل کیا جائے تو دفتر طویل ہو جائے.... ''(الشهاب الثاقب علی المسترق الکاذب ص۲۰۳)

کسی مسئلہ کے بارے میں حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی سے ناراض ہوئے تو انہوں نے ''رجوع نما'' ایک خط کے ذریعے اپنی صفائی پیش کی اور دیگر باتوں کے علاوہ اکابر کے ساتھ اپنی عقیدت کا بایں الفاظ اظہار فرمایا:

"انّی واللّٰہ قد رضیت باللّٰہ ربًا وبالاسلام دینا وبمحمّد نبیًا وبشیخی امداد اللّٰہ للعالمین مرشدا وولیًا وبکم یامولانا (رشید احمد گنگوهی) هادیاً مهدیاً..." (تذکرۃ الرشید جلد اول ص۱۲۹)

مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی حضرت گنگوہیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''حق تعالٰی کے چہیتے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مرحومہ امت میں جن خوش نصیب اور پاک طینت حضرات کو مرتبہ قرب وولایت کے ساتھ نوازا گیا اور سچے ایمان کی حلاوت اور اطمینان کے ساتھ یقین واذعان کی روشنی جن کے قلوب میں ڈالی گئی ہے ان میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے دل فیض منزل کو ایک خاص خصوصیت کے ساتھ یہ اندرونی لذت عطا ہوئی تھی جس کا ثمرہ یہ تھا کہ زمانہ کے صاحب نسبت مشائخ اور اہل دل مجاز طریقت اولیاء اللہ کے آپ سردار تھے، عالم کے ہادی اور راہبر، نائبین رسول گروہ کی سیادت آپ کے حوالہ کی گئی تھی، علماء عصر کا آپ کو امیر الجیش بنایا گیا تھا۔ پیشوایان خلق کا امام وپیشوا اور مصلحانِ قوم وملت وجماعت کا مصلح اور حاکم آپ کو گردانا گیا تھا۔ مقبولانِ بارگاہ

صمدیت کی پاک باز جماعت تختہ عالم پر سدابہار گلاب اور مہکانے والے پھول کا کام دیتے تھے اور حضرت امام ربانی قدس سرہ کی ذات مقدس بمنزلہ عطر گلاب بلکہ روح بنی ہوئی عالم کو مہکا رہی تھی۔

احتمال خطاء اور امکانِ ذلت کے درجہ میں آپ یقیناً بشر تھے مگر ہادی و راہبر عالم ہونے کی حیثیت سے چونکہ آپ اس بے لوث مسند پر بٹھائے گئے تھے جو بٹھائے پیغمبر کی میراث ہے اس لیے آپ کے قدم قدم پر حق تعالیٰ کی جانب سے نگرانی و نگہبانی ہوتی تھی۔ آپ اولیاء اللہ کے اس اعلیٰ طبقہ میں رکن اعظم بن کر داخل ہوئے تھے جن کے اقوال و افعال اور قلب و جوارح کی ہر زمانہ میں حفاظت کی گئی ہے اور جن کی زبان اور اعضاء بدن کو تائید و توفیق خداوندی نے مخلوق کو گمراہی سے بچانے کے لیے اپنی تربیت و کفالت میں لے رکھا ہے۔

آپ نے کئی مرتبہ بحیثیت تبلیغ یہ الفاظ زبان فیض ترجمان سے فرمائے:

''سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر'' او کما قال۔ ظاہر بین علماء جن مسائل میں دلائل و شواہد کے پابند ہو کر اختلافی جھگڑوں میں پڑتے اور حق و باطل میں امتیاز کامل نہ ہو سکنے کی وجہ سے تذبذب و تحیر کے بیابان میں سرگرداں پھرا کرتے تھے، حضرت امام ربانی قدس سرہ مشکوٰۃ نبوت سے سلگائی ہوئی مشعل قلبی کے نور کی بدولت واقعی حق جانب بیان فرماتے اور شق صحیح معین فرما کر بلا اشتبا و فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔'' (تذکرۃ الرشید جلد ۲۔ ص ۱۶۔۱۷)

قارئین کرام! کیا حضرت کا یہ فرمانا بھی حق ہے؟ کہ:

''ہم سب اہل سنت ائمہ اثنا عشر کو امام اور مقتدائے دین و قطب ارشاد عقیدہ رکھتے ہیں اور امام ظاہر بجز حضرت امیرؓ اور چھ مہینے حضرت حسنؓ کے اور کسی کو نہیں جانتے اگر چہ ان میں لیاقت امامت ظاہرہ کی سب معاصرین سے زیادہ تھی مگر وقوع اس کا بسبب ان کے زہد کے تقدیر الٰہی سے نہ ہوا۔

(تالیفات رشیدیہ تحت ہدایت الشیعہ ص ۵۸۴۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور۔ کراچی)

اس عبارت میں موصوف نے اہل تشیع کے بارہویں فرضی امام مہدی کو بھی اہل سنت کا پیشوا، مقتداء اور قطب ارشاد (بحیثیت عقیدہ) قرار دیا ہے جو بعد از ظہور حضرت عائشہؓ پر حد جاری کرنے کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو روضۂ نبویؐ سے نکال کر ہزار مرتبہ روزانہ قتل کرے گا۔

حضرت گنگوہی کی اس عبارت میں ''ائمہ اثنا عشر'' سے کسی فاسد ترین تاویل کے ذریعے بھی ہرگز ''سنی مہدی'' مراد نہیں لیا جا سکتا۔

حضرت گنگوہیؒ کی روحانی طاقت قوت کے متعلق مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں کہ:

''ایک دن مولوی امیر شاہ خان صاحب نے حضرت قدس سرہ سے ایک قصہ بیان کیا کہ میں ایک روز مسجد حرام میں ایک بزرگ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان کے پاس ایک نوعمر درویش آئے اور بیٹھ گئے۔ وہ بزرگ جن کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا اس درویش کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ بھائی تمہارے قلب میں بڑی اچھی چیز ہے۔ ان بے چاروں نے اپنا حال چھپانا چاہا مگر انہوں نے پردہ ہی فاش کر دیا۔ کہنے لگے تمہارے قلب میں ایک عورت کی شبیہ ہے۔ اس کی ناک ایسی ہے اور آنکھیں ایسی ہیں اور بال ایسے ہیں۔ غرض تمام حلیہ بیان کر دیا۔ اس وقت وہ درویش بہت نادم ہوئے اور اقرار کیا بے شک آپ سچ فرماتے ہیں۔ ابتداء جوانی میں مجھے ایک عورت سے عشق ہو گیا۔ ہر وقت اس کے دھیان میں رہنے سے اس کی شبیہ میرے قلب میں آ گئی ہے۔ اب جب کبھی طبیعت بے قرار ہوتی ہے تو آنکھ بند کر کے اس کو دیکھ لیتا ہوں کچھ سکون ہو جاتا اور طبیعت ٹھہر جاتی ہے۔

مولوی امیر شاہ خان صاحب یہ قصہ بیان کر کے منتظر رہے کہ حضرت (گنگوہی) کچھ ارشاد فرمائیں گے مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ سن کر خاموش ہو گئے۔ جب کئی مرتبہ مولوی صاحب نے بات اٹھائی تب حضرت نے ارشاد فرمایا:

''بھائی یہ کچھ زیادہ غلبہ نہیں ہے کیونکہ ان کو آنکھیں بند کرنے اور قلب کی طرف متوجہ ہونے کی نوبت پہنچتی تھی۔ میرا حضرت حاجی (امداد اللہ مہاجر مکی) صاحبؒ کے ساتھ برسوں یہ تعلق رہا کہ بغیر آپ کے مشورہ کے میری نشست و برخاست نہیں ہوئی۔ حالانکہ حاجی صاحب مکہ میں تھے اور اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی تعلق برسوں رہا ہے۔'' اس کے بعد اتنا فرما کر آپ خاموش ہو گئے کچھ نہ فرمایا اور دیر تک ساکت و سرنگوں رہے۔

مطلب ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی اجازت کے بغیر نہ حرکت ہوتی ہے نہ سکون۔

(تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۱۹۶۔۱۹۷)

مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی حضرت گنگوہیؒ کے ''مستجاب الدعوات'' اور ''مشکل کشا'' ہونے کے بارے میں مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی گواہی وشہادت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''مولوی عبدالسبحان صاحب انسپکٹر پولیس ضلع گوالیار فرماتے ہیں کہ مولوی محمد قاسم صاحب کمشنر بندوبست ریاست گوالیار ایک بار پریشانی میں مبتلا ہوئے اور ریاست کی طرف سے تین لاکھ روپیہ کا مطالبہ ہوا۔ ان کے بھائی یہ خبر پا کر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کی خدمت میں گنج مرادآباد پہنچے۔

حضرت مولانا نے وطن دریافت فرمایا: انہوں نے عرض کیا: "دیوبند"، مولانا نے تعجب کے ساتھ فرمایا: گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں قریب تر کیوں نہ گئے؟ اتنا دراز سفر کیوں اختیار کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت لائی ہے۔ مولانا نے ارشاد فرمایا: "تم گنگوہ ہی جاؤ۔ تمہاری مشکل کشائی حضرت مولانا رشید احمد صاحب ہی کی دعا پر موقوف ہے۔ میں اور تمام روئے زمین کے اولیاء بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔"

چنانچہ واپس ہوئے اور بوسیلہ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب نے سفارش کی تو حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی قصور نہیں کیا۔ یہ صاحب مدرسہ عربی دیوبند کے مخالف ہیں جو اللہ کا ہے۔ سو قصوروار بھی اللہ پاک کے ہوئے۔ حق تعالیٰ سے توبہ کریں۔ بندہ دعا کرے گا۔ چنانچہ ادھر انہوں نے توبہ کی اُدھر مطالبہ سے برأت کا کمشنر صاحب کے پاس سے حکم آ گیا۔" (تذکرۃ الرشید جلد۲۔ ص ۲۱۵)

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی حضرت گنگوہیؒ کی محفل کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"آپ کی مجلس مبارک کو غور کر کے دیکھا ہے تو نمونہ محفل سرور عالمؐ پایا۔ آپ کی مجلس مبارک میں بے ضرورت کوئی کلام نہ کرتا جس وقت آپ کوئی بات فرماتے سب خاموش متوجہ ہو کر سنتے اور جب کوئی شخص کچھ سوال کرتا جب بھی سب خاموش رہتے، آپ جواب دیتے۔ مجلس مبارک میں شور شغب، غل غپاڑا، لغو باتیں ہرگز نہ ہوتیں..... چونکہ اس مجلس شریف میں حسب ضرورت تکلم ہوتا تو اکثر اوقات حاضرین ساکن وساکت "کأن علی رؤسھم الطیر" رہتے۔ برکات وانوار وخیرات سے مجلس شریف معمور اور شر ور وفساد سے بمراحل دور تھی۔" (تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۹۲)،

"آپ کے مزاج میں صداقت کی شان چونکہ جلوہ گر تھی اس لیے نبوی مزاج کا پورا نمونہ تھا..... یہ نمونہ ہے عادات ومعمولات اور شمائل وخصائل میں سرور کائناتؐ کے اتباع تام اور اقتدائے کامل کا جو حق تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کو عطا فرمایا تھا۔" (حوالہ مذکور ص ۱۰۰، ۱۱۱)،

"حضرت گنگوہی نے ایک بار ارشاد فرمایا: میں نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے۔ سو جس طرح زن وشوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح مجھے ان سے اور انہیں مجھ سے فائدہ پہنچا ہے۔

انہوں نے حضرتؒ کی تعریف کر کے ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حضرت سے سفارش کر کے انہیں مرید کرا دیا۔" (حوالہ مذکور ص ۲۶۲، ۲۶۳)،

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نزدیک حضرت گنگوہی کا کمال یہ تھا کہ "رنگ فنا" خجلت پر غالب تھا جب کہ مولانا نانوتویؒ کا یہ کمال تھا خجلت پر فنا کو مجاہدہ سے غالب کردیا۔ حضرت تھانوی ان دونوں بزرگوں کے اس "کمال" کی مثال حسب ذیل واقعہ سے بیان فرماتے ہیں کہ:

ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے مرید و شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے کہ حضرت گنگوہی نے حضرت نانوتوی سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتوی کچھ شرما گئے۔ مگر حضرت نے پھر فرمایا تو بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے۔ حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا دا ہنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے۔

مولانا (نانوتوی) ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو، یہ لوگ کیا کہیں گے؟ حضرت نے فرمایا لوگ کہیں گے، کہنے دو۔"

(ارواح ثلاثہ المعروف بہ حکایات اولیاء، حکایت نمبر ۳۰۴۔ ص ۲۶۴۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

حضرت تھانوی "تصور شیخ" کے مسئلہ میں حضرت گنگوہیؒ کا ایک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

""ایک دفعہ حضرت گنگوہیؒ جوش میں تھے اور تصور شیخ کا مسئلہ درپیش تھا فرمایا کہ کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے۔ پھر فرمایا: کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے۔ پھر فرمایا: کہہ دوں؟ عرض کیا گیا: فرمایئے۔ تو فرمایا:

کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ پھر اور جوش آیا۔ فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا: حضرت ضرور فرمایئے:

فرمایا کہ (اتنے) سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات آپ سے پوچھے بغیر نہیں کی۔

یہ کہہ کر اور جوش ہوا۔ فرمایا اور کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے۔ مگر خاموش ہوگئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس رہنے دو۔ اگلے روز بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی پھر احسان کا مرتبہ رہا۔" (حوالہ مذکور۔ حکایت ۳۰۶۔ ص ۲۶۵)

ممتاز عالم دین مولانا عبدالقیوم حقانی لکھتے ہیں کہ:

"حضرت الامام الکبیر (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کی مقدس زندگی کے آخری لمحات میں یہ امتیاز بھی آپ ہی کی ولایت کاملہ کا مکمل مصداق بن کر سامنے آیا کہ عالم نزع میں متوسلین و محبین

نے ''تلقین'' شروع کی۔ لیکن الامام الکبیر انقباض کے ساتھ کبھی چہرہ داہنی جانب پھیر لیتے اور کبھی بائیں جانب۔ جس سے تلقین کنندگان تشویش وحیرت کے ملے جلے جذبات سے دوچار تھے اور الامام الکبیر کے اس انقباض کی کوئی توجیہ نہیں کر پا رہے تھے کہ اس وقت الامام الکبیر کے بحرِ معرفت کے شناور، رفیق لبیب، فقیہ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تشریف لے آئے اور تلقین بند کرا کے خود الامام الکبیر کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ چند لمحے بعد وقت موعود آ پہنچا اور الامام الکبیر رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

اس کے بعد متوسلین نے بوقت تلقین الامام الکبیر کے انقباض کے بارے میں استفسار کیا۔ حضرت فقیہ الاسلام نے فرمایا کہ: ''میرے بھائی! اپنی قوت معنوی سے مسمّٰی تک یعنی ذات بابرکات حق تک واصل ہو چکے تھے اور آپ لوگ تلقین کے ذریعہ اسم کی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے تو یہ عروج سے نزول کی طرف لانا ہے۔''

ظاہر ہے کہ اسے موجب انقباض ہونا ہی چاہیے تھا وہی ہوا۔ تلقین بند کرنے کے بعد انقباض ختم ہو گیا اور ان شاء اللہ وہ مقبولیت کے ساتھ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

(تذکرہ وسوانح الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ص ۵۶۹۔۵۷۰ مطبوعہ القاسم اکیڈمی نوشہرہ، پشاور)

اس تفصیل سے حضرت حاجی صاحبؒ اور ان کے مرید خاص حضرت گنگوہیؒ کے علمی، عملی، روحانی اور باطنی مقام کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تفصیل کے طالب اصل کتب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

یہاں دونوں قسم کے اسلوب قارئین کرام کے سامنے لانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ چودھویں صدی میں حضرت مکی کی تعلیم وتربیت سے حضرت گنگوہیؒ اس مقام تک پہنچ گئے کہ بتقاضائے بشریت ان سے خطاولغزش کا صرف ''احتمال او رامکان'' ہے، دوسری طرف سید المرسلین محمد مصطفیٰؐ کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ''خطاؤں اور کبائر'' کا ''احتمال وامکان'' ہی نہیں بلکہ فی الواقع عملی طور پر ''صدور وارتکاب'' بھی ہوا ہے البتہ اس کی وجہ سے وہ ''لعن'' کے مستحق نہیں ہیں۔ بھلا اہل سنت ان کے اس فعل کو کس طرح ''اچھا او رجائز'' کہہ سکتے ہیں؟ وہ اس فعل میں ''خاطی'' ہیں۔ اہل سنت کی ساری کتابوں میں یہی تحقیق پائی جاتی ہے۔

ملحوظ رہے کہ ملک غلام علی صاحب نے بھی اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ'' کے صفحہ ۲۳۹ پر حضرت معاویہؓ کے خلاف حضرت گنگوہی کی زیر بحث عبارت سے استدلال کیا ہے۔



# ۱۶۔علامہ وحیدالزمان خان

## (م ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء)

مشہور سلفی اور غیر مقلد عالم اور شارح صحاح ستہ، علامہ وحیدالزمان لکھتے ہیں کہ:

''یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن خلق تھا اور مصلحت بھی تھی کیونکہ ابوسفیان کافروں کا سردار تھا۔اس کی تالیف قلب بھی ضروری تھی۔ ہرچند ابوسفیان کا اسلام پہلے پہل جان کے ڈر سے تھا مگر بعد کو شاید پختہ ہوگیا ہوگا اور جب آدمی اسلام لایا تو اس کے قصور کفر کے وقت کے سب معاف ہو جاتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی قاتل حمزہؓ کا اسلام قبول کیا۔اس پر بھی ابوسفیان کا خاندان ، خاندان نبوی کا ہمیشہ دشمن رہا۔ابوسفیان عمر بھر حضرتؐ سے لڑتا رہا اور صدہا مسلمانوں کو اس نے شہید کیا۔

اور اس کے بیٹے معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے جناب امیر المومنین خلیفۂ برحق علیؓ مرتضیٰ شیر خدا کا مقابلہ کیا اور جنگ صفین میں ہزاروں مسلمانوں کا خون کیا۔ان کے بیٹے یزید پلید نے تو ستم ہی ڈھایا امام حسنؓ کو زہر دلوایا اور امام حسینؓ کو ایسے ظلم سے شہید کر دیا جس کا حال لکھنے سے قلم کانپتا ہے۔پھر یزید کے بعد بھی سارے خلفاء بنوامیہ سوا عمر بن عبدالعزیزؒ کے خاندان نبوی کے دشمن رہے اور ہمیشہ درپے ایذاء رہے اور دنیائے ادنیٰ کے واسطے اپنی آخرت کو تباہ کرتے رہے۔(شرح صحیح مسلم جلد ۶۔ص ۱۷۴)

''ان (حضرت معاویہ) کے والد ابوسفیان تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے برابر جنگ کرتے رہے۔اخیر میں مجبور ہو کر مسلمان ہوئے۔معاویہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشی بھی تھے، ۶۰ ھ میں دمشق میں مرے۔بیاسی سال کی عمر پائی۔

امام بخاری نے اور بابوں کی طرح یوں نہ کہا کہ معاویہ کی فضیلت ، کیونکہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔امام نسائی اور اسحاق بن راہویہ نے ایسا ہی کہا۔

مترجم کہتا ہے کہ صحابیت کا ادب ہم کو اس سے مانع ہے کہ ہم معاویہ کے حق میں کچھ کہیں۔لیکن سچی بات ہے کہ ان کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی الفت اور محبت نہ تھی۔ جب امام حسنؓ کا انتقال ہوا تو کہنے لگا ایک انگارہ تھا جس کو اللہ نے بجھادیا۔

ان کا باپ ابوسفیان ساری عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتا رہا، یہ خود حضرت علیؓ سے لڑے، ان کے بیٹے ناخلف یزید پلید نے تو غضب ڈھایا۔ امیر المومنین امام حسین علیہ السلام کو مع اکثر اہل بیت کے بڑے ظلم وستم کے ساتھ شہید کرایا۔ (تیسیر الباری ترجمہ وشرح صحیح بخاری جلد۵ ص۹۰ تحت باب ذکر معاویہ)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دوگانہ (عصر کے بعد دو رکعتوں) کو گھر میں آن کر پڑھتے تھے شاید معاویہ نے نہ دیکھا ہوگا۔ امام بخاری نے ایک مرفوع حدیث بھی معاویہ کی فضیلت میں بیان نہیں کی۔ ادھر ادھر کے تذکرے کر دیے۔ امام نسائی نے ایک خاص کتاب خصائص کبریٰ جناب علیؓ کے فضائل میں مرتب کی تو خارجیوں نے ان پر بلوہ کیا اور کہا کہ معاویہ کی فضیلت میں بھی تم نے کوئی کتاب لکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی فضیلت کہاں سے آئی؟ یا ان کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی البتہ ایک حدیث یہ ہے کہ اللہ ان کا پیٹ نہ بھرے۔ اس پر ان خارجی مردودوں نے امام نسائی کو گھونسوں اور لاتوں سے شہید کر ڈالا۔'' (حوالہ مذکور ص ۹۱-۹۲)

ایک سچے مسلمان کی جس میں ایک ذرہ برابر بھی پیغمبر صاحب کی محبت ہو، دل گوارا کرے گا کہ معاویہ کی تعریف وتوصیف کرے۔ البتہ ہم اہل سنت کا یہ طریق ہے کہ صحابہ سے سکوت کرتے ہیں اس لیے معاویہ سے بھی سکوت کرنا ہمارا مذہب ہے اور یہی اسلم اور قرین احتیاط ہے۔ مگر ان کی نسبت کلمات تعظیم مثل حضرت ورضی اللہ عنہ کہنا سخت دلیری اور بے باکی ہے۔ اللہ محفوظ رکھے... بھلا ان پاک نفسوں پر معاویہ کا قیاس کیونکر ہو سکتا ہے جو نہ مہاجرین میں سے، نہ انصار میں سے، نہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خدمت اور جان نثاری کی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے رہے اور فتح مکہ کے دن ڈر کے مارے مسلمان ہو گئے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عثمانؓ کو یہ رائے دی کہ علی اور طلحہ وزبیر کو قتل کر ڈالیں۔''

(وحید اللغات مادہ عز، حیات وحید الزمان مؤلفہ مولانا محمد عبدالحلیم چشتی ص ۱۰۹)

ہم اہل سنت والجماعت معاویہ اور عمرو بن العاص اور حجاج وغیرہم کی تکفیر نہیں کرتے، نہ ان پر لعنت کرنا بہتر جانتے ہیں بلکہ ان کو ظالم اور فاسق سمجھتے ہیں اور جن لوگوں نے معاویہ اور عمرو بن العاص کو صحابیت کی وجہ سے واجب التعظیم اور واجب المدح سمجھا ہے انہوں نے غلطی کی ہے۔

لفظ صحابیت سے بدون ادائے حقوق صحبت کے کچھ نہیں ہوتا۔ جیسے بی بی سلمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعضے اصحاب میرے ایسے ہیں جو دنیا سے جانے کے بعد پھر مجھ کو نہ دیکھیں گے۔'' (انوار اللغۃ پارہ ۱۴۔ ص ۹۔ مطبوعہ بنگلور)

''یہ تو میرا اعتقاد ہے کہ "اللّٰھم اجعلہ ھادیاًمھدیاً" کی حدیث (معاویہ کے حق میں) صحیح نہیں ہے جیسے امام احمد اور امام نسائی نے فرمایا کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی اور اس کی عدم صحت کے قرائن یہ ہیں کہ معاویہ نے ایسے ایسے خلاف شرع کام کیے ہیں جو عین ضلالت ہیں نہ کہ ہدایت۔ مثلاً زیاد کے نسب کا الحاق ابوسفیان سے، حجر بن عدی کا قتل، یزید کے لیے بالجبر و بہ مکر وفریب بیعت کرانا، نقض اس معاہدہ کا جو امام حسنؓ سے کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔'' (حوالہ مذکور پارہ ۲۷۔ص ۲۰)

''جناب امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ قسم خدا کی میری محبت اور معاویہ کی محبت دونوں مومن کے دل میں جمع نہ ہوں گی۔'' (حوالہ مذکور پارہ ۲۱۔ص ۱۴۵)

مولانا عبدالحلیم چشتی علامہ وحیدالزمان خان کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''افسوس حیدرآباد میں امراء کی صحبت، ''دراسات اللبیب'' مؤلفہ ملا معین الدین ٹھٹھوی اور شیخ طوسی کی مجمع البحرین کے مطالعہ نے اخیر عمر میں اہل بیت سے محبت غلو کے درجے میں پہنچادی تھی اور تفضیلی قسم کے تسنن کا رنگ غالب آگیا تھا آپ نے اس کو تبلیغی انداز میں جابجا بیان کیا ہے لکھتے ہیں:

''اس مسئلے میں قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے کہ عثمانؓ اور علیؓ دونوں میں کون افضل ہیں؟ لیکن شیخین کو اکثر اہل سنت حضرت علیؓ سے افضل کہتے ہیں اور مجھ کو اس امر پر بھی کوئی دلیل قطعی نہیں ملی۔ نہ یہ مسئلہ کچھ اصول اور ارکان دین میں سے ہے۔ زبردستی اس کو متکلمین نے عقائد میں داخل کردیا ہے۔'' (وحید اللغات مادہ عثم، حیات وحیدالزمان ص ۱۰۳)

''حضرت علیؓ اپنے تئیں سب سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اور ہے بھی یہی۔ آپ بلحاظ قرابت قریبہ اور فضیلت اور شجاعت کے سب سے زیادہ پیغمبر کی قائم مقامی کے مستحق۔ مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی صاف اور صریح نص خلافت کے باب میں وفات کے وقت نہیں فرمایا اور صحابہؓ نے اپنی رائے اور مشورے سے بلحاظ مصلحت وقت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنالیا تو آپ صبر کرکے خاموش رہے۔ اگر اس وقت تلوار نکالتے اور مقابلہ کرتے تو دین اسلام مٹ جاتا۔

اور خدا کو یہی منظور تھا کہ ابوبکرؓ پہلے خلیفہ ہوں پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ پھر علیؓ۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ چاروں کو خلافت مل جائے۔ اگر جناب پہلے پہل خلیفہ ہوجاتے تو یہ تینوں صاحب اس فضیلت سے محروم رہتے۔'' (وحید اللغات مادہ عجز، حیات وحیدالزمان ص ۱۰۶۔۱۰۷)

موصوف حضرت حسینؓ کے مدفن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''مگر صحیح قول یہ ہے کہ آپ کا سر مبارک مدینہ طیبہ میں قبہ اہل بیت میں مدفون ہے اور جسد مبارک

بالاتفاق کربلائے معلّی میں ہے۔دمشق میں عجیب اتفاق ہوا: جب میں اس گنبد کی زیارت کو گیا تو اس کے پاس جاتے ہی واقعہ شہادت آنکھوں میں پھر گیا اور میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔سارے عرب جو حاضر تھے تعجب کرنے لگے اور میرا رونا تھمتا ہی نہ تھا۔بار بار عربی زبان میں کہتا: ہائے ہماری قسمت کہ آپ کے بعد پیدا ہوئے۔اگر اس وقت ہوتے جب آپ کربلائے معلّی میں گھر گئے تو پہلے ہم آپ سے تصدق ہو جاتے پھر کوئی ملعون آپ پر ہاتھ ڈالتا۔'' (وحید اللغات مادہ ذرف، حیات وحید الزمان ص ۱۱۲)

اکثر لوگوں نے سال ہجری کا شروع محرم سے رکھا ہے مگر جب سے امام حسینؓ کی شہادت محرم میں ہوئی تو یہ مہینہ خوشی کا نہیں رہا۔مترجم کہتا ہے اگر سب مسلمان مل کر سال کا آغاز شوال سے کر لیں تو بہت مناسب ہوگا اور غرہ شوال کا پہلا دن ہو، اس دن خوشی کریں، کھائیں، پیئیں۔محرم کا مہینہ شہادت کی وجہ سے غم کا مہینہ ہو گیا ہے۔دوسری قومیں سال کے پہلے دن میں خوشی کرتی ہیں اور مسلمان روتے پیٹتے اور غم کرتے ہیں۔'' (وحید اللغات مادہ عود، حیات وحید الزمان ص ۱۱۲)

''موصوف نے اپنی کتاب ''ھدیة المھدی من تحفة المحمدی'' میں بنوامیہ کی مذمت کرتے کرتے تمام اہل سنت کو ہی ''ناصبی'' قرار دے دیا کیونکہ وہ ''ناصبیوں'' کے حامی ہیں۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''اس کتاب پر ہمارے زمانے کے مسلمانوں کو بڑا غصہ ہے۔وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب کل مسائل میں کسی فریق کے موافق نہیں ہے بلکہ خذما صفا ودع ما کدر پر عمل کیا ہے۔نہ اہل حدیث ہمارے زمانے کے اس کو پسند کرتے ہیں نہ مقلدین نہ امامیہ نہ نام کے سنی جو در حقیقت ناصبی ہیں...'' (وحید اللغات۔مادہ ''رج'')

اہل تشیع کا دعویٰ بھی یہی ہے کہ سنی ہی ''ناصبی'' ہیں۔

علامہ وحید الزمان کے مذکورہ نظریات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کٹر قسم کے رافضی تھے محض اہل سنت کو دھوکہ دینے کے لیے تـقـیۃً ان کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے اور ان کے لیے شارح صحاح ستہ اور شارح موطا امام مالک وامام محمد کی حیثیت سے کام بھی کیا۔بعض حضرات نے ان کے مختلف ادوار کے متعلق یہ لکھا ہے کہ وہ پہلے کٹر سنی حنفی تھے، پھر حنفیت ترک کر کے غیر مقلد ہو گئے پھر مسلک اہل حدیث کو بھی خیر باد کہہ کر مذہب شیعہ اختیار کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆

# ۱۷۔ مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ

## المتوفی ۱۳۵۲ھ

عظیم القدر محدث، محقق و مدقق جامع معقول ومنقول حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیری ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء کو وادی کشمیر کے علاقہ ''لولاب'' کے مقام ''وودوان'' میں مولانا معظم شاہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباء واجداد کا اصل وطن بغداد تھا۔ وہاں سے ملتان اور لاہور منتقل ہوئے پھر کشمیر میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے خود اپنا سلسلہ نسب اپنی کتب ''نیل الفرقدین، کشف الستر'' کے آخر میں اس طرح تحریر فرمایا ہے:

محمد انور شاہ بن مولانا محمد معظم شاہ بن شاہ عبدالکبیر بن شاہ عبدالخالق بن شاہ محمد اکبر بن شاہ جنید بن اکمل الدین بن میمون شاہ بن ہومان شاہ بن شاہ ہرمز''

اس طرح حضرت کا سلسلہ نسب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے خاندان سے ملحق ہو جاتا ہے۔ {مقدمہ انوار الباری جلد۲ ص ۲۳۳} بعض حضرات نے آپ کو ''نسباً'' سید لکھا ہے یہ صحیح نہیں ہے البتہ سادات خاندان سے سلسلہ مناکحت رہا ہے۔ اس لئے خانوادہ انوری کے بعض حضرات اپنے نام کے ساتھ ''سید'' لکھتے رہے ہیں۔ معترضین کے جواب میں مولانا انظر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

''مفسرین و محققین علماء نے بعض آیات کے تحت واضح طور پر لکھا ہے کہ شرف نسب حاصل کرنے کے لئے اگر ننھیال سادات سے ہو تو اس کی جانب انتساب کرتے ہوئے خود کو سید کہنا اور لکھنا جائز ہے اس لئے خانوادہ انوری کے بعض افراد اگر خود کو سید لکھتے ہیں یا حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے نام کے ساتھ سید کے ضمیمہ کو حرف غلط قرار نہیں دیا تو یہ کوئی مجرمانہ اقدام نہیں تھا جس کے لئے نصف صدی کے گزرنے پر بعض ناعاقبت اندیش قلم سزا دہی کے لئے پر تول رہے ہیں''۔ (نقش دوام ص ۳۱۔ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان) آپ نے کشمیر اور ہزارہ سمیت مختلف مدارس سے علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد دارالعلوم دیوبند سے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے دورہ حدیث پڑھ کر تکمیل کی۔ بعد ازاں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے سند حدیث کے علاوہ باطنی فیوض سے بھی مستفیض ہوئے اور ''خلافت'' سے نوازے گئے۔

فراغت کے بعد دہلی، کشمیر، دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ الاسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی فرائض سرانجام دیے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ مختلف موضوعات پر ایک درجن سے زائد معرکۃ الآراء کتب تصنیف فرمائیں۔

بزرگوں کے اصرار پر تینتالیس (۴۳) سال کی عمر میں شادی کی اور سات صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تولد ہوئیں اور بالآخر ۵۹ سال ۳ ماہ اور ۵ دن کی عمر میں ۳ صفر ۱۳۵۲ھ /۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند میں وفات پائی۔

آپ کے وصال پر علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ایک "تعزیتی نوٹ" میں فرمایا:

"مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کی گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے۔ وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔ علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند اور زہد و تقویٰ میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے کہ مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قال اللہ و قال الرسول کا نعرہ بلند رکھا۔

مرحوم معلومات کے دریا، حافظہ کے بادشاہ اور وسعت علمی کی نادر مثال تھے۔ ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید ہی کوئی کتاب مطبوعہ ہو یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو۔" (یادِ رفتگاں کراچی ۱۹۵۵ء ص ۱۶۹-۱۷۰)

دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی بھی "کلمہ حق" بلند کرنے کی بناء پر عمل میں آئی جب مہتمم دارالعلوم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے مجلس شوریٰ سے اپنا اثر و رسوخ ستعمال کر کے یہ قرارداد منظور کرائی کہ مہتمم "خاندان قاسمی" میں سے ہی ہوگا اور اس پر شرعی دلائل بھی قائم کیے مگر حضرت شاہ صاحب نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور دارالعلوم کی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے اس کلمۂ حق کا اعلان فرمایا کہ "مدرسہ وقف ہے ارث نہیں" اس کلمہ حق کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا تھا کہ: اس زمانہ میں کلمۂ حق کہنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔ ہم نے صرف ایک کلمۂ حق کہا تھا تو اس کی وجہ سے آج آٹھ سو میل دور (ڈابھیل میں) پھینک دیئے گئے۔" ملاحظہ ہو: انوار الباری جلد ۶ ص ۲۱۶، جلد ۱۲ ص ۴۸۔

صد افسوس "ابنائے دیوبند" نے حضرت شاہ صاحب کے تبحر علمی کے قائل ہونے کے باوجود آج بھی ان کے موقف کو قبول نہیں کیا تقریباً ہر مدرسہ "وقف" کے بجائے "ارث" میں تبدیل ہوگیا

ہے اور کوئی فرد یا ادارہ مہتمم حضرات کی "سپر پاور" سے ٹکر لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے علو مرتبت اور عظمت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہاں ان کا "تفرد" اور اس پر تبصرہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت منصوص اور یقینی ہے۔وہ تو خیر ایک جلیل القدر صحابی ہیں،مسلک اہل سنت کے مطابق یہ جملہ اکابر واولیاء وتابعین کسی ادنیٰ صحابی کی خاک پا کے بھی برابر نہیں ہو سکتے:

امام بخاری اپنی صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت میں یہ روایات لائے ہیں جن میں یہ بتایا گیا کہ:

أوتر معاوية بعد العشاء بركعة وعنده مولى لابن عباس، فاتى ابن عباس، فقال دعه فانه قد صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم ......قيل لابن عباس :هل لك في اميرالمؤمنين معاوية فانه ما اوتر الا بواحدة قال: اصاب انه فقيه۔

(صحیح بخاری۔کتاب فضائل اصحاب النبیؐ،باب ذکر معاویہ بن ابی سفیانؓ۔رقم الحدیث ۳۷۶۴،۳۷۶۵)

حضرت معاویہؓ نے عشاء کے بعد وتر کی ایک رکعت پڑھی۔ان کے پاس ابن عباسؓ کا ایک غلام (کریب) بیٹھا تھا۔وہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا (اور ایک رکعت وتر پڑھنے پر اعتراض کیا) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:ان کے متعلق کچھ نہ کہو وہ حضورؐ کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ اعتراض ہے انہوں نے وتر کی ایک رکعت پڑھی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:انہوں نے ٹھیک اور درست کام کیا کیونکہ وہ فقیہ ومجتہد ہیں۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ مذکورہ روایت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قلت وليس فيه تصويب له بل اغماض و نحو تسامح عنه و عند الطحاوی فقام معاوية فركع ركعة واحدة وقال ابن عباس من اين ترى اخذها الحمار، فان الكلمه شديدة (فیض الباری جلد ۴ ص ۷۰)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباسؓ کے اس قول "اصاب انه فقيه" میں حضرت معاویہؓ کی تائید وتصویب نہیں ہے بلکہ "چشم پوشی" اور "تسامح" ہے اور طحاوی کے نزدیک یہ روایت یوں ہے کہ حضرت معاویہؓ کھڑے ہوئے تو انہوں نے ایک رکعت وتر نماز پڑھی اور ابن عباسؓ نے کہا:اس "حمار" نے ایک رکعت کہاں سے لے لی؟

گویا موصوفؒ کے نزدیک صحیح بخاری کی روایت کے مقابلے میں طحاوی کی توہین معاویہؓ پرمبنی مذکورہ روایت زیادہ صحیح اور راجح ہے۔ حالانکہ رکعات وتر میں اختلاف فقہی، فروعی اور اجتہادی ہے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رکعات وتر کی مختلف تعداد ثابت ہے۔ اس اختلاف کے باعث کسی کو "حمار" کہنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ طحاوی کی زیر بحث روایت کے بعد اسی سند سے یہ روایت بھی منقول ہے جس میں "حمار" کا لفظ نہیں پایا جاتا۔

حدثنا عمران و ذکر باسنادہ مثلہ الا انہ لم یقل الحمار (طحاوی جلد۱ص۱۹۹باب الوتر)

کاش حضرت شاہ صاحب صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کی تدریس کے دوران طحاوی کی اس روایت کا حوالہ دے دیتے جس میں لفظ "حمار" منقول نہیں ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جس تصویب کو حضرت شاہ صاحب نے "اغماض وتسامح" قرار دیا ہے اسے امام طحاوی نے ابن عباسؓ کا "تقیہ" کہا ہے۔

وقد یجوز ان یکون قول ابن عباس اصاب معاویۃ علی التقیۃ لہ ای اصاب فی شئی اٰخر لانہ کان فی زمنہ۔ (طحاوی جلد۱ص۱۹۹باب الوتر)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ چونکہ حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں ان کے ماتحت تھے اس لئے وہ حق بات کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے اس لئے انہوں نے بطور تقیہ حضرت معاویہؓ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کی تائید وتصویب کی۔ ان کی زبان پر تو "اصاب معاویہ" کے الفاظ تھے لیکن دل میں انہوں نے معاویہؓ کی کسی دوسری بات کی تصویب کا قصد کیا ہوا تھا۔

لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

طحاوی کی اس روایت سے اور حضرت شاہ صاحب کے تردیدی بیان "قلت لیس فیہ تصویب لہ بل اغماض و نحو تسامح عنہ" سے حضرت معاویہؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔

مولانا حافظ مہر محمد میانوالویؒ اس روایت کی سند پر جرح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"ہمارے بزرگوں اور سب خطا کاروں کو اللہ معاف فرمائے۔ تین وتر کے خلاف یہی طحاوی کی کمزور روایت فیض الباری میں نقل کر دی۔ پھر ان کو خود بھی پسند نہیں کہتے ہیں یہ سخت کلمہ ہے" (ایمانی دستاویز بجواب تحقیقی دستاویز ص ۲۴۷، مطبوعہ مرکز اتحاد اہل سنت والجماعت پاکستان)

مذکورہ روایت کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے راقم الحروف کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی

اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

حضرت کاشمیریؒ نے ایک مسئلہ کی توضیح میں بالکل غیر ضروری طور پر حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو "مفسد اور فتنہ پرداز" قرار دے دیا:

"و كان المغيره من دهاة الحرب حتى قال الحسن البصرى: أفسدالناس اثنان المغيره و عمرو بن العاص" (فیض الباری۔الجزءالثالث ص ۳۸۶) اس پر بحث پیچھے زیر عنوان "شاہ عبدالحق محدث دہلوی" گزر چکی ہے۔

حضرت شاہ صاحب فیض الباری میں ہی ایک دوسرے مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل از نبوت ایک "واقعہ" یوں نقل فرماتے ہیں کہ:

"قد بلغنا أن النبى صلى الله عليه و سلم قد ذكر ها يوماًفقال: لقد اهتديت للعزى شاةً عفراء و أنا على دين قومى" (فيض البارى ص ٤٠٤، جلد ٥ بذيل حديث ٤٨٥٨۔ بحواله المجموعة فى الاحاديث الضعيفة ص ٤٩٢۔ مؤلفہ ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف)

ابوالمنذر کہتے ہیں: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزیٰ دیوی کا ذکر کیا اور فرمایا: کہ میں نے عزیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بکری کی منت کی تھی جب کہ میں اپنی قوم (کفار مکہ) کے دین پر تھا۔

اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت ملنے سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ کے دین شرک پر تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "عزیٰ" دیوی کے نام پر ایک بکری نذر کی تھی۔

اس حدیث کا راوی "ابوالمنذر" ہے جو ہشام بن محمد بن سائب کلبی کی کنیت ہے۔ یہ مشہور کذاب و دجال محمد بن سائب کلبی کا بیٹا ہے جسے اپنے والد کی خلافت کے علاوہ ایک دوسرے کذاب اور جلے بھنے شیعہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے۔ ائمہ رجال کے نزدیک یہ خود بھی کذاب اور خبیث رافضی تھا۔

یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے منافی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے بھی شرک اور صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک تھے۔ معلوم نہیں کہ یہ لغو، باطل اور خلاف واقع نیز ایک کذاب اور خبیث رافضی سے مروی روایت "فیض الباری" میں کس مقصد کی خاطر شامل کی گئی ہے؟ یہ ملحوظ رہے کہ فیض الباری میں اس روایت یا راوی پر کوئی جرح و نقد نہیں ہے۔ حالانکہ صحیح بخاری میں اس مقام یا اس سے آگے پیچھے بھی اس قسم کا دور تک کوئی اشارہ بھی نہیں پایا جاتا بلکہ حدیث ۴۸۶۰ کے تحت تو یہاں تک فرمایا

گیا ہے کہ اگر کسی نے ''ولات والعزیٰ'' تعظیماً کہا تو تجدید ایمان کرنی پڑے گی اور اگر ویسے ہی لاعلمی میں زبان سے یہ الفاظ نکل گئے تو بھی چونکہ بت کا نام لیا ہے جس سے قلب میں کچھ ظلمت ضرور آئے گی اس لئے اس کے ازالہ کی خاطر کلمۂ توحید پڑھنا چاہئے۔ملاحظہ ہو کشف الباری، کتاب التفسیر ص ۶۳۸۔

امام بخاری نے "کتاب الصلوٰۃ باب القراءۃ فی المغرب" میں حضرت مروانؓ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ:

''کیا بات ہے کہ تم مغرب کی نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتے ہو حالانکہ میں نے نبی کریمؐ کو دو بڑی سورتوں سے بھی بڑی سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔''

اس حدیث کے نفس مضمون اور متن میں ''بظاہر'' کوئی خرابی نظر نہیں آتی لیکن حضرت شاہ صاحب حدیث کی سند میں حضرت مروانؓ کا نام دیکھ کر فرماتے ہیں کہ:

''امام بخاری کی حدیث الباب میں مروان سے روایت ہے اور مجھے یہ بات اوپری معلوم ہو رہی ہے کیونکہ مروان فتنہ پرداز، خون ریزیوں کا باعث اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب بنا ہے۔اس کی غرض ہر جنگ میں یہ ہوتی تھی کہ بڑوں میں سے کوئی نہ رہے تاکہ خود صاحب حکومت بنے۔

جنگ جمل کے واقعہ میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کون ہے جو حرم نبیؐ پر دست درازی کرتا ہے؟ پھر کوئی آیا اور اونٹ کے تلوار ماری جس سے عماری گرنے لگی اور حضرت علیؓ نے دیکھ کر فوراً پہنچ کر حضرت عائشہؓ کو گرنے سے بچایا اور جنگ ختم ہو گئی اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر مدینہ طیبہ کو لوٹ گئے۔مروان نے پیچھے سے جا کر حضرت طلحہؓ کو تیر مارا اور زخمی کر دیا جس سے وہ شہید ہوئے۔مروان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؓ سے جنگ جاری رہے اور کوئی میدان سے نہ جائے۔

غرض مروان کے اندر حکومت کی طمع اور فتنہ پردازی اس قدر تھی کہ ٹھکانہ نہیں ہے۔اسی نے حضرت محمد بن ابی بکرؓ کے لیے بجائے "فاقبلوہ" کے "فاقتلوہ" لکھ دیا تھا...

(مولانا عبداللہ خان صاحب کرتپوری تلمیذ رشید حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ) اس زمانہ میں مسجد نبوی کا خطیب مروان تھا جو سلطنت نامرضیہ بنی امیہ کی جانب سے والئ مدینہ تھا۔مروان حکومت متسلطہ (خلافت معاویہؓ) کا ایک رکن ہونے کے علاوہ خود بھی بڑا ظالم و جابر تھا۔صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان بدبخت حکام کا طرز عمل بے حد گستاخانہ تھا حتیٰ کہ خطبوں میں دل آزار کلمات کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے اور اپنے امراء کی قصیدہ خوانی کرتے

تھے۔اس لیے علماء کرام ان لوگوں کے خطبے سننا بھی پسند نہ کرتے تھے اور غالباً حضرت ابوسعید خدریؓ نے مروان کا خطبہ سننے کی نسبت سے یہی بہتر سمجھا ہوگا کہ کچھ نماز ہی پڑھ لیں۔"
(انوارالباری جلد ۱۶۔ص ۳۴۷۔۳۴۸۔مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

حضرت مروانؓ کے بارے میں حضرت کاشمیریؒ کا یہ نظریہ جناب سید مودودی صاحب کے وکیل صفائی چوہدری محمد اسلم صاحب نے بھی فیض الباری جلد دوم کے حوالے سے نقل کیا ہے:

"(محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی مقرر کر کے) حضرت عثمانؓ نے مروان کو جوان کا کاتب تھا حکم دیا کہ وہ یہ لکھے "اذا جاء کم محمد بن ابی بکر فاقبلوہ" جب محمد بن ابی بکر تمہارے پاس آئیں تو انہیں قبول کرلو۔

مروان نے "فاقبلوہ" کے بجائے "فاقتلوہ" (ان کو قتل کردو) لکھ دیا.... اس پر یہ فتنے بھڑک اٹھے۔" (خلافت وملوکیت اور علمائے اہل سنت ص ۸۵)

ان عبارات میں حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت مروانؓ پر وہی الزامات دہرائے ہیں جو سبائیوں نے حضرت عثمانؓ کی زندگی میں عائد کیے تھے۔"فاقبلوہ" کو "فاقتلوہ" بنانے والے بھی سبائی فتنہ پرداز اور مفسدین ہی تھے۔جس کی صفائی اسی موقع پر پیش کردی گئی تھی۔

سخت حیرت ہے کہ حضرت شاہ صاحب جیسی علمی شخصیت نے حضرت مروانؓ کے بارے میں سبائیوں کی وضع کردہ روایات کو صحیح سمجھ کر کیسے نقل کر دیا!!

اگر موصوف خط میں "فاقبلوہ/فاقتلوہ" کے الفاظ پر ہی ادنیٰ تامل فرما لیتے تو کم از کم حضرت مروانؓ پر اس قسم کے الزامات سے تو بچ جاتے۔کیونکہ گورنر کی تقرری کا معاملہ کوئی پہلی مرتبہ تو عمل میں نہیں آرہا تھا بلکہ اس سے پہلے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور خود حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی حسب ضرورت عمل میں آتا رہا۔کیا کسی ایک گورنر کی تقرری کے موقع پر بھی "فاقبلوہ" کے لفظ سے رعایا کو حکم دیا گیا تھا؟

امام ابن کثیرؒ جعلی خطوط کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ:

"صحابہؓ کے نام سے بہت سے فرضی خطوط لکھے گئے، جس طرح باغیوں نے اپنے ساتھ ملنے والے سادہ لوح لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے ان کی طرف علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے نام سے من گھڑت خطوط لکھے جن کا مذکورہ حضرات نے بعد میں انکار کیا۔اسی طرح یہ خط بھی حضرت عثمانؓ کے نام سے گھڑا گیا درآں حالیکہ عثمانؓ نے نہ اس کا حکم دیا، نہ انہیں اس کا کوئی علم تھا۔" (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷۔ص ۱۷۵)

ابن خلدون کے مطابق حضرت عثمانؓ اور حضرت مروانؓ دونوں نے حلف اٹھا کر خط کے

لکھنے سے انکار کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون فصل ولایت العہد ص ۳۸۱۔۳۸۲)

اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ کا حضرت مروانؓ کو پورے تیقن کے ساتھ حضرت طلحہؓ کا قاتل قرار دینا بھی کچھ کم افسوس ناک نہیں ہے۔ پھر حرم نبیؐ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر ''دست درازی'' کی نسبت انتہائی لغو اور خلاف حقیقت ہے۔

انوار الباری میں حضرت مروانؓ امیر مدینہ منورہ اور خطیب مسجد نبوی کو ''بد بخت، جاہ پرست، اقتدار پرست، قاتل، ظالم، جابر اور خطبات جمعہ میں (حضرت علیؓ کے خلاف) دل آزار کلمات کہنے والا قرار دینے کے علاوہ انہیں حکومت متسلطہ (یعنی خلافت معاویہؓ) کا رکن کہا گیا ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مروانؓ ۲ھ میں پیدا ہوئے جس کی وجہ سے امام ابن کثیر نے انہیں صحابی کہا ہے:

"وھو صحابی عند طائفة کثیر لانه ولد فی حیات النبیؐ" (البدایة والنهایة جلد ۸۔ص ۲۵۷)

امام ابن تیمیہ نے انہیں "من اقران ابن الزبیرؓ" یعنی ابن زبیرؓ کے طبقے میں سے شمار کیا ہے۔

حضرت مروانؓ نے اکابر صحابہ کرامؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن الاسود سے احادیث روایت کی ہیں اور خود ان سے صحابی رسولؐ سھل بن سعد الساعدیؓ اور تابعین کرام علی بن حسینؓ، عروہ بن زبیر، سعید بن مسیّب اور مجاہد وغیرہم نے روایت کی ہے: ملاحظہ ہو: کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم رازی، تہذیب التہذیب، الاصابہ۔

امام مالک نے حضرت مروانؓ سے اپنی کتاب المؤطا میں بعض شرعی مسائل باسند نقل کیے ہیں اور ان پر مکمل اعتماد کیا ہے۔

اسی طرح امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے بھی حضرت مروانؓ سے متعدد دینی مسائل نقل کیے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ نے ایک مستقل عنوان قائم کر کے اس میں مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکمؓ کی مرویات کو ملا کر درج کیا ہے۔

انوار الباری میں حضرت مروانؓ کو ''جس سلطنت نا مرضیہ اور حکومت متسلطہ'' یعنی خلافت معاویہؓ کا والی قرار دیا گیا ہے اسی ''سلطنت متسلطہ اور نا مرضیہ'' کے ''تاجدار'' حضرت معاویہؓ نے انہیں ان القاب سے نوازا ہے:

"امّا القاری لکتاب اللّٰه، الفقیه فی دین اللّٰه، الشدید فی حدود اللّٰه"

(البدایة والنهایة لابن کثیر جلد ۸۔ص ۲۵۷)

حضرت مروانؓ کتاب اللہ کے قاری، دین کے فقیہ اور اللہ کی حدود قائم کرنے میں بڑے سخت ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ آں موصوفؓ کا دینی اور علمی مقام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"وکان یعدّ فی الفقهاء... یعنی حضرت مروانؓ اپنے دور میں فقہاء میں شمار کیے جاتے تھے۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ:

"اخرج من اهل الصحاح عدة احادیث عن مروان وله قول مع اهل الفتیا۔"

(منهاج السنة جلد۳۔ص۱۸۹)

یعنی صحاح کے جامعین نے متعدد احادیث مروانؓ سے تخریج کی ہیں اور اہل فتاویٰ میں ان کا قول لیا جاتا ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی لکھتے ہیں کہ:

"مروان رجل عدل من کبار الامة عندالصحابة والتابعین و فقهاء المسلمین"

(العواصم من القواصم ص۸۹)

مروانؓ ایک عادل انسان تھے اور صحابہؓ، تابعین اور فقہاء مسلمین کے نزدیک امت کے اکابرین میں سے تھے۔

سخت تعجب ہے کہ ایسی عظیم دینی شخصیت کو مذکورہ القاب سے نوازا گیا ہے اور اس تسلسل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں بخشا گیا۔ "سلطنت نا مرضیہ بنی امیہ اور سلطنت متسلطہ" کے الفاظ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی خلافت مراد ہے کیونکہ حضرت مروانؓ کو انہوں نے ہی مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔

حضرت مروانؓ نے مسجد نبوی میں خطبہ جمعہ کے دوران حضرت علیؓ کی شان میں دل آزار کلمات کس کے دور میں کہے تھے؟ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے حضرت مروانؓ کو مدینہ منورہ کا والی مقرر فرمایا تھا۔

صد افسوس! حضرت معاویہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما کے خلاف اس "فرد جرم" کو صحیح بخاری کی مستند شروح "فیض الباری و انوار الباری" میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے خواہش مند حضرات راقم الحروف کی کتاب "سیدنا مروانؓ ــــ شخصیت اور کردار" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

# ۱۸۔ابوحنیفہ ثانی مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

## (م۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء)

صدر جمعیت علماء ہند، ابوحنیفہ ثانی مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ برصغیر کی ایک نامور علمی شخصیت ہیں ، ان کی دینی وملی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے جن کا مقصد حیات ہی مسلمانوں کو فرقِ باطلہ سے بچانا تھا۔

حضرت تھانویؒ کا یہ قول بھی بجا ہے کہ ابوحنیفہ ثانی مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کی تحریروں کا ایک ایک لفظ موزوں اور مناسب ہوتا ہے اور قید احترازی کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔اس لیے مجھے ان کی کسی تحریر میں کتر وبیونت کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی تحریرات پر مشتمل ایک اہم کتاب ''کفایت المفتی'' ہے۔یہ کتاب کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ سائلین اور مستفتی حضرات کے سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔دارالعلوم جامعہ فاروقیہ کراچی کے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی کے اساتذہ اور متخصصین کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جنہوں نے نہ صرف اس کی تخریج کی ہے بلکہ ہر مسئلے کا عنوان بھی قائم کیا ہے۔

لیکن اس تمام تر محنت وجانفشانی کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے ہاتھ پر ولی عہدی کی بیعت کرنے والے جملہ صحابہ وتابعین کے بارے میں مفتی صاحب سے حسب ذیل ایک غیر موزوں اور نا مناسب بلکہ خلاف واقع فتویٰ صادر ہو گیا:

(سوال نمبر۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت غصب خلافت کا الزام نیز یزید کو آپ کا ولی عہد سلطنت باوجود اس کے فسق وفجور کے بنانا جس کو بعض سنی بھی کہتے ہیں کس حد تک صحیح ودرست ہے؟

جواب ___ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسنؓ سے صلح کر لی تھی اور اس کے بعد وہ جائز طور پر خلافت کے حامل تھے۔انہوں نے یزید کے لیے بیعت لینے میں غلطی کی کیونکہ یزید سے بہتر اور اولیٰ وافضل افراد موجود تھے۔لیکن اس غلطی کے باوجود یزید کے اعمال وافعال کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوگی۔کیونکہ اسلام اور قرآن پاک کا اصول ہے ''لا تزر وازرۃ وزر اخری'' اس

لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنی چاہیے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(کفایت المفتی جلد اول ص ۲۲۸۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔ جولائی ۲۰۰۱ء)

یہ کسی عالم کا عام قول نہیں ہے بلکہ ابوحنیفہ ثانی اور مفتی اعظم کا انتہائی غور وخوض کے بعد باقاعدہ تحریری صورت میں ایک فتویٰ (جسے شرعی حکم کا درجہ حاصل ہے) کی حیثیت سے سامنے آیا ہے۔ جس سے ایک قاری کے لیے صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت معاویہؓ کے بارے میں مطلوبہ "حسن ظن" قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا چودہ صدیاں بیت جانے کے بعد کسی بھی شخص کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو، یہ حق حاصل ہے کہ وہ صحابہؓ کے فعل کی صریح اور یقینی طور پر "تغلیط" کرے۔

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے فتوے (شرعی حکم) میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جس فعل کو "غلطی" سے تعبیر فرمایا ہے اس فعل کی تو صحابہ وتابعین کی غالب ترین اکثریت نے اپنے زمانے کے حالات کے پیش نظر توثیق وتصویب ہی نہیں کی تھی بلکہ عملی طور پر پہلے ولی عہدی اور پھر خلافت کی بھی باقاعدہ بیعت کر لی تھی۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت لینے میں "غلطی" کی تھی تو پھر جن صحابہؓ وتابعینؒ نے بلا خوف وطمع اور بہ رضا ورغبت یزید کی بیعت کی تھی تو کیا وہ حضرات اس فتویٰ کی زد میں نہیں آئیں گے؟

کیا ان سب "مبایعین" نے جانتے بوجھتے ایک "غلط" کام پر اتفاق کر لیا تھا؟

حضرت مفتی صاحب نے اپنے اس فتوے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جس فعل کی تغلیط کی ہے یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ شریعت میں "ولی عہدی" بھی ایک جائز امر ہے۔ پھر موصوفؒ نے اس "تغلیط" پر جس دلیل سے استدلال فرمایا ہے (کہ اولیٰ اور افضل افراد کی موجودگی میں غیر اولیٰ اور غیر افضل کو مقرر کرنا) وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ شریعت میں "مفضول" کی امامت وخلافت بھی جائز ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک جائز فعل کو ناجائز اور غلطی کیونکر قرار دے دیا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی رسولؐ اور کاتب وحی ہیں۔ انہوں نے امت کی خیر خواہی، دورِ فتن کے مخصوص حالات اور مسلمانوں میں آئندہ انتشار وخلفشار سے بچنے

کے لیے اس وقت کے اہل حل وعقد کی رائے اور مشاورت کے ساتھ نیک نیتی سے یہ کام سرانجام دیا تھا جسے کسی طور پر بھی خلاف اسلام اور شریعت کے متصادم قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اسلام میں تقرر خلیفہ کی چار شرعی صورتوں میں سے دوسری صورت یہ ہے کہ" خلیفہ سابق کسی کو اپنے بعد متعین ونامزد کر دے اور اس کے جواز پر اہل السنّت والجماعت کا اتفاق ہے۔

"الطریق الثانی نصّ الامام السابق و ھذا باجماع اھل السنۃ"

(النبراس شرح لشرح العقائد ۔ص ۵۴۷)

قاضی ابویعلی محمد بن حسین الفرّاء لکھتے ہیں:

"خلیفہ کے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کسی شخص کو اپنا ولی عہد بنائے ۔اس معاملہ میں اہل حل وعقد کی موجودگی ضروری نہیں اس لیے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا اور حضرت عمرؓ نے چھے صحابہ کو نامزد کیا تھا اور یہ نامزدگی کرتے وقت ارباب حل وعقد کی موجودگی کو ضروری نہیں سمجھا۔(الاحکام السلطانیہ ص ۹ ۔تحت فصول فی الامامۃ)

امام ابن حزم لکھتے ہیں:

"پس ہمارے نزدیک امامت اور خلافت کا انعقاد کئی صورتوں سے صحیح ہو سکتا ہے ان میں سے پہلی اور سب سے افضل وصحیح صورت یہ ہے کہ مرنے والا خلیفہ اپنی مرضی سے کسی کو اپنی موت کے بعد خلیفہ مقرر کر جائے ۔اس نامزدگی میں یہ برابر ہے کہ وہ اپنی حالت صحت میں اس کو نامزد کرے یا اپنی بیماری میں اور یا اس دنیا سے رحلت کے وقت ۔کیونکہ نص اور اجماع کے لحاظ سے یہ کسی صورت میں بھی ناجائز اور منع نہیں ہے ۔"(الفصل فی الملل والنحل ص ۱۶۹ ۔جلد ۴)

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون لکھتے ہیں:

"امام کی حقیقت یہی ہے کہ وہ قوم کے دینی ودنیوی مصالح پیش نظر رکھتا ہے لہٰذا امام قوم کا بہی خواہ، مخلص، ہمدرد اور محافظ ہوتا ہے ۔شریعت مطہرہ میں اجماع سے ولی عہدی کا جواز و انعقاد ثابت ہے ۔اس سلسلے میں امام پر بدگمانی روا نہیں اگر چہ وہ اپنے باپ یا بیٹے ہی کو ولی عہد بنا جائے ...

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی حسن ظن رکھنا چاہیے کیونکہ آپ کی عدالت اور صحبت رسالت کا یہی تقاضا ہے اور پھر بڑے بڑے صحابہ کا اجماع اور ان کی خاموشی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بدگمانی سے بری ہیں کیونکہ صحابہؓ کی یہ شان نہ تھی کہ وہ حق سے چشم پوشی فرمائیں اور مروت سے کسی کے ساتھ نرمی برتیں اور نہ ہی حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ شان تھی کہ وہ اقتدارِ شاہی کے سامنے حق ماننے سے انکار کردیں۔ تمام صحابہ کی شان بلند و ممتاز ہے اور ان کی عدالت ان کے ساتھ اس قسم کی بدگمانیوں سے مانع ہے۔"
(مقدمہ ابن خلدون اردو۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ص ۲۶، ۲۸۔ جلد ۲)

جہاں تک استخلاف یزید کا تعلق ہے تو وہ باقاعدہ و باضابطہ طور پر اہل حق، اہل عدل، اہل رائے، اہل حل وعقد اور تمام صوبوں کے نمائندوں کے مشورے اور کامل استصواب عامہ کے بعد عمل میں آیا جب کہ اس کے جواز کے لیے خلیفہ کا محض ایک اعلان یا صرف دمشق کے اہل حل وعقد کا مشورہ ہی کافی تھا۔

جہاں تک حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی کے اس استدلال کا تعلق ہے کہ:

"یزید سے بہتر اور اولیٰ و افضل افراد موجود تھے" یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ خلیفہ کے لیے اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا شرعاً و عملاً کسی حیثیت سے بھی ضروری نہیں۔ خود حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا:

"اگر معاذ بن جبلؓ میری وفات تک زندہ رہے تو اپنے بعد ان ہی کو خلیفہ بناؤں گا۔"

مسند احمد ہی میں حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی منقول ہے کہ:

اگر سالم مولیٰ حذیفہؓ زندہ ہوتے تو امور خلافت ان کے سپرد کر دیتا۔

حالانکہ اس وقت ان سے بدرجہا افضل لوگ موجود تھے اسی طرح حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی ان سے افضل لوگ بقید حیات تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد مواقع پر افضل افراد کی موجودگی میں مفضول کو امارت کے فرائض سونپے۔ اسی طرح خلفائے راشدین نے بھی افضل افراد پر غیر افضل افراد کو ترجیح دی۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے بھی افضل (یعنی نبی) کی موجودگی میں غیر افضل (طالوت) کو بادشاہ مقرر کر دیا تھا "وقال لھم نبیھم انّ اللّٰہ قد بعث لکم طالوت ملکاً" (البقرۃ آیت ۲۴۷)

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل حد جواز میں داخل تھا اور انہوں نے اہل حل وعقد کے ساتھ مشاورت کے بعد اس کام کو سرانجام دیا تھا جسے کسی طور بھی "غلطی" قرار نہیں دیا جا سکتا۔

امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی اس سوال کہ:

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے روبرو یزید پلید کو ولی عہد کیا ہے یا نہیں؟

کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ کیا تھا اس وقت یزید اچھی صلاحیت

میں تھا" (تالیفات رشیدیہ، فتاویٰ رشیدیہ ص۲۴۲۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور۔ کراچی)

تعجب ہے کہ جو حضرات نہ اس دور میں موجود تھے اور نہ ہی انہیں اس معاملے میں رائے (ووٹ) دینے کا کوئی حق حاصل تھا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی "تغلیط" فرما رہے ہیں۔

جامعہ فاروقیہ کراچی کے اساتذہ اور متخصصین کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ مفتی صاحب کے فتوے کے اس حصے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت لینے میں غلطی کی) کی تخریج کرتے لیکن انہوں نے کوئی "دلیل" نہ پا کر خاموشی ہی میں مصلحت سمجھی البتہ فتوے کے آخری حصے (اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنی چاہیے) کی تخریج کر کے قارئین کی رہنمائی کر دی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"لقوله عليه السلام: اكرموا اصحابي فانهم خياركم ...وفي العقيدة الطحاوية: ومن احسن القول في اصحاب رسول الله صلّى الله عليه وسلّم...فقد برى من النفاق۔"

لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرعی طور پر ایک جائز، درست اور صحیح عمل (جس کی اس وقت موجود صحابہؓ و تابعینؒ کی غالب ترین اکثریت نے تائید کی تھی) کو "غلط" قرار دینا کیا مذکورہ تخریج کے تقاضے پر پورا اترتا ہے؟

کیا صحابہؓ کی "تغلیط" اکرامِ صحابہؓ ہے؟ کیا صحابہؓ کی "تغلیط" کو بھی "احسن القول فی اصحاب" میں شمار کیا جا سکتا ہے؟ اسلام نے تو عام مسلمانوں کے ساتھ "حسن ظن" کا حکم دیا ہے تو پھر کیا صحابہ کرامؓ کے ساتھ "حسن ظن" کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ ان کے فعل کی تغلیط نہ کی جاتی؟

اس سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جامعہ فاروقیہ کے اساتذہ اور متخصصین نے بھی حضرت مفتی صاحب کے "تغلیطی" قول کی "تغلیط" نہ کر کے گویا ان کے "فتویٰ" کی تصدیق و تائید کر دی۔ اس طرح حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے ساتھ "کفایت المفتی" کے جامعین و مرتبین اور دیگر تصدیق کنندگان بھی صحابہ کرامؓ کے ساتھ "سوءظن" کے جرم میں برابر کے شریک ہو گئے۔



# ۱۹۔ پیر سید عبدالقاضی شاہ محدث ہزاروی

## (م ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء)

یہ سید محمود شاہ صاحب محدث ہزاروی کے بڑے بھائی ہیں اور ان سے پہلے خانقاہ محبوب آباد شریف کے سجادہ نشین رہے ہیں۔ سید محمود شاہ صاحب ان کے "وصال" کے متعلق لکھتے ہیں:

"امام اہل سنت حضرت قبلہ عالم پیر سید عبدالقاضی شاہ صاحب محدث ہزاروی مشہدی سنی حنفی محبوب آبادی"

## "وصال شریف"

شاہ عبدالقاضی عالی تبار ذی شرف، ذی علم و فخر روزگار
اہل سنت والجماعت را امام داشتہ اہل عقیدت بے شمار
مرشد کامل، محدث، عارف باللہ ولی بے بہا تصنیف از وے یادگار
۲۲ محرم روز دوشنبہ بوقت قرب چاشت ورجناں شد زاہد شب زندہ دار
یکہزار و سہ صد و ہفتاد و دو سال ہجری شد رقم با حال زار

مزار اقدس خانقاہ شریف محبوب آباد متصل حویلیاں اسٹیشن ضلع ہزارہ ہے۔ آخری طعام دودھ، آخری کلام الحمدللہ اور ذکر اللہ کرتے خاتمہ حیات جسمانی فرما کر واصل باللہ ہوئے۔ پرواز روح مبارک کی جگہ مزار اقدس ہے۔ یوم ولادت ووفات دوشنبہ ہے۔ رضی اللہ عنہ وعنا بہ آمین (مقامع السنیہ لقمع الامثالیہ۔ درآخر فہرست مضامین)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں محمود شاہ صاحب کے عقائد ونظریات آگے مستقل عنوان کے تحت آرہے ہیں۔ اس تبرائی خاندان کے ہر چھوٹے بڑے فرد کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں عقیدہ یکساں ہے۔

عبدالقاضی شاہ صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"میں کہتا ہوں اگر سچ پوچھو تو اس زمانہ کی مثال ایسی تھی جیسے حضرت حسن حسین علیہما السلام مظلومین کی کہ اس وقت صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ لیکن بے دست وپا ہونے کی حیثیت رکھتے

اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔دیکھو جب امیر معاویہ نے مولائے کائنات علی المرتضی پر لعنت کرنا اور آل علی پر لعنت کرنا جبری صورت میں شروع کر دیا اور ستر ہزار اور دس منبروں پر بے خوف خدا اور رسولؐ ، اہل بیت پر لعنت کی جاتی تھی اور اکثر صحابی موجود تھے مگر کچھ نہیں کر سکتے تھے اور جو کوئی اس پر انکار کرتا اس کی گردن اڑا دی جاتی تھی۔

اور مدینۃ الرسولؐ میں منبر رسولؐ پر مسجد نبوی میں ہر جمعہ کے خطبہ میں لعنت اور گالیاں اہل بیت رسولؐ پر برسائی جاتی تھیں۔کیا اس چیز کو سند جواز بنایا جا سکتا ہے کہ معاویہ اور اس کے نائبوں نے آل محمد پر لعنت کی اور صحابہ خاموش رہے؟

غرض ایسے اعمال وافعال سند ہوں گے نگران ہی جیسوں کے لیے، باقی مسلمانوں کے لیے سند جواز ہرگز نہیں ہو سکتے....

ان کے مروان نے مدینۃ الرسولؐ میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر مسجد نبوی میں حسنینؓ ابنائے رسولؐ کو گالیاں دی تھیں اور آل رسولؐ پر ہمیشہ اپنی جبروتی قوت سے بحکم امیر معاویہ لعنت کیا کرتے تھے....

ان کے بڑے باپ یزید نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کو پیغام نکاح بھیجا تھا اور اس وقت ان کے بڑے دادا امیر المومنین معاویہ صاحب بر سر تخت حکومت متمکن تھے جب کہ اہل اسلام نے اس حرم رسولؐ کی بے حرمتی کی خبر سنی تو بھڑک اٹھے۔جن کی تڑپ کو امیر معاویہ کی حکمت عملی نے فرو کیا۔"(النظائر لاکرام الشعائر ص۵۲،۹۵)

موصوف اسی کتاب میں ابولہب کی بیوی کا ذکر اس انداز سے کرتے ہیں جس سے (العیاذ باللہ) حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا دشمن رسولؐ ہونا ثابت ہوتا ہے:

"جو سید عالمؐ اور ان کی آل اصحاب کی عداوت میں پھانسی لگی۔جو امیہ کی پوتی، حرب کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن، امیر معاویہ صاحب کی عمہ محترمہ تھی۔یہ بڑا ابز رگ کنبہ تھا، نبی اور ان کے اصحاب واولاد کی عداوت میں زندہ رہا اور اسی پر مرا۔"(حوالہ مذکور ص۹۲)

☆☆☆☆☆☆

# ۲۰۔ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دہلوی

(م۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء)

پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی گولڑوی زیر عنوان ''خواجہ حسن نظامی کی شگفتہ بیانی'' لکھتے ہیں:

اسی رنگ کا ایک اور علمی لطیفہ ملاحظہ ہو، جس کا ذکر حکیم فیض عالم صدیقی نے اپنی کتاب میں کیا۔

خواجہ حسن نظامی مرحوم جو حضرت نظام الدین اولیاء کے خواہر زادوں اور مجاورین میں سے تھے اور برصغیر کی معروف علمی اور ادبی شخصیت ہونے کے ساتھ حضرت اعلیٰ سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہ سے بیعت تھے۔ حکیم صاحب ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان کے متعلق غالباً مولانا ظفر علی خان مرحوم کا اس قسم کا ایک شعر ہے:

سید بھی ہیں، فقیر بھی ہیں اور ملنگ بھی　　اور خواجہ جانتے ہیں صحافت کا ڈھنگ بھی

حسن نظامی بریلویوں کے بہت بڑے پیر ہوئے ہیں۔ ان کی مشہور تصنیف ''فاطمی دعوت اسلام'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا حنفیت کے ساتھ اسی قدر تعلق تھا جس قدر پیری کا ڈھونگ رچانے کے لیے کافی ہوسکتا تھا۔ آپ حنفیت اور شیعیت کا معجون مرکب تھے اور آپ نے پوری طرح باطنیت کی تکنیک سے کام لے کر کوچہ گردی سے ترقی کرتے کرتے بہت بڑے پیر کا روپ دھارا اور لاکھوں میں کھیلتے ہوئے راہی ملک عدم ہوئے۔

نور ایمان میں لکھا ہے کہ حسن نظامی سے ایک بار کسی نے پوچھا:

''معاویہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے'' تو اس نے جواب دیا:

''وہ تو یزید کا بھی باپ تھا''

اس فقرہ سے جو بغض باطن ٹپکتا ہے اسے اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہیں۔

(اختلاف امت کا المیہ تیسرا ایڈیشن ص ۳۲۱۔ مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

پیر نصیر الدین صاحب، خواجہ حسن نظامی کے بغض معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حکیم صاحب کو دراصل خواجہ حسن نظامیؒ کے اس پہلو دار فقرے نے کاٹ کھایا اس لیے وہ خواجہ صاحب کی پیری فقیری اور ان کی ذاتیات کے تبصرہ پر اتر آئے۔حالانکہ خواجہ صاحب مرحوم کے اس فقرہ پر اگر غور کیا جائے تو اس میں ایک شاعرانہ بات پائی جاتی ہے جو ان کی ذہانت وفطانت کی غمازی کرتی ہے۔اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ جناب امیر معاویہؓ یزید کے باپ تھے۔

حکیم فیض عالم اور ان کے ہم خیال تو یزید کو ایک باخدا اور متقی انسان ثابت کرتے ہیں۔ اگر خارجیوں کے نزدیک یزید واقعی ایک پاکباز انسان تھا تو خواجہ حسن نظامیؒ کے اس فقرے سے جل کر راکھ کیوں ہو گئے؟

خواجہ صاحب نے یہی تو کہا تھا کہ جناب ''امیر معاویہؓ تو یزید کے بھی باپ ہیں'' یعنی حکیم صاحب کے نظریے کے مطابق تو یہ نسبت تو جناب امیر معاویہؓ کے لیے باعث افتخار ہے کہ وہ ایسے پاک نہاد ولی عہد کے والد ہونے کے شرف سے مشرف ہیں۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تو یہ کہا جائے کہ بھائی ان کے بارے میں کیا پوچھتے ہو؟ وہ تو ''حسنؓ وحسینؓ کے بھی باپ تھے۔'' تو اس میں ہمارے لیے کوئی وجہ رنجش نہیں۔

مگر حکیم صاحب نے یہ روایت لکھنے کے بعد خواجہ حسن نظامی کے لیے خاصا درشت جملہ استعمال کیا کہ ''اس فقرے سے جو بغض باطن ٹپکتا ہے اسے کوئی اہل نظر ہی سمجھ سکتا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ خود خارجیوں کے نزدیک بھی یزید بدکردار اور بدسیرت انسان ہے اور لفظ یزید کو وہ بھی ذہنی طور پر اچھے معنوں میں نہیں سمجھتے۔ورنہ وہ خواجہ صاحبؒ کے اس فقرے کا نوٹس نہ لیتے بلکہ اپنی جگہ مطمئن رہتے۔اگر خواجہ صاحب نے شاعرانہ انداز میں ایک پہلو دار بات کہہ دی تو اس پر اس قدر ماتم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر یہ بھی سچ ہے۔ ؎

جس کا جو ہوتا ہے رکھتا ہے اسی سے نسبت

بنوامیہ خارجیوں کے بزرگ جو ٹھہرے، ان کو ان کا غم نہ ہو تو اور کسے ہو۔

(نام ونسب ص ۵۳۵۔۵۳۶۔مطبوعہ گیلانی پبلشرز۔درگاہ گولڑہ شریف)

پیر صاحب کس ''مہارت وذہانت'' کے ساتھ خواجہ حسن نظامی کے ''توہین آمیز'' قول کا دفاع کرتے ہوئے نہ صرف حکیم صاحب پر برس گئے بلکہ خود بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کے مرتکب ہو گئے۔(موصوف کے توہین معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی اقوال آگے مستقل عنوان

کے تحت آرہے ہیں) اگرچہ حضرت علیؓ کو جماعت صحابہ میں بعد از ثلاثہؓ افضل ترین مقام حضرات حسنین کریمینؓ کی وجہ سے نہیں ملا، اس کے باوجود انہیں ان حضرات کا باپ کہنا بطور مدح و تعریف ہے لیکن ایک جلیل القدر صحابی، کاتب وحی، فاتح عرب و عجم، مدبر اسلام، خال المسلمین، امیرالمؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف ''یزید'' کے حوالے سے کرانا یقیناً بطور ''ذم'' ہے۔ کیونکہ پیر صاحب گولڑوی خود بھی یزید کو بدسیرت، بدکردار، فاسق وفاجر، شرابی، بدکار اور ظالم وسفاک'' ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ پیر صاحب ایک ایسے شخص کو جو یہ کہتا ہے کہ ''جو لوگ یزید کو گالیاں دیتے ہیں اور اس پر لعنت بھیجتے ہیں مجھے ان سے اختلاف ہے، انہیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے'' ان رحمتی سبقت غضبی '' (بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی) کے مطابق ہوسکتا ہے کہ وہ ذات کریم قیامت کے دن جوشِ رحمت میں آکر یزید کو بھی بخش دے اور اس کے نامۂ سیاہ پر قلمِ عفو پھیر دے''

کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بلاشبہ باری تعالیٰ کی رحمت ایک قلزم بے کراں ہے جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، مگر اتنا سن لیجیے کہ اگر باری تعالیٰ ایک فاسق وفاجر، شرابی، بدکار اور ظالم وسفاک کو جس نے خانوادہ رسالت کا خون بہایا، بخش سکتا ہے تو کیا ایسے نامراد پر لعنت کے چند گجرے نچھاور کرنے اور اسے دو چار گالیاں دینے والے کو نہیں بخش سکتا۔ اتنے بڑے مجرم کے لیے اگر اس قدر رحمت وعفو کا امکان ہے تو کیا اسے چند گالیاں دینے والے اور صرف اس پر لعنت بھیجنے والے کے لیے کوئی امکانِ بخشش نہیں؟

(پیر صاحب نے اسی نشست میں فارسی میں ایک رباعی کہی جس کا ترجمہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے:)

اے مخاطب اگر شیعہ تیرے نزدیک مردود ہیں تو پھر خارجیوں کو بھی پلید اور ناپاک پیٹ کی پیداوار سمجھ۔ میرا ایمان تو آلؓ واصحابؓ کی محبت ہے۔

''لعنت بہ برِ یزید واتباعِ یزید'' یزید پر بھی لعنت ہو اور ساتھ ہی اس کے نام لیواؤں پر۔

(نام ونسب ص ۱۷۔۱۸ تحت ''ایک مسکت جواب'')

پیر صاحب کے حوالے سے پیچھے زیرِ عنوان ''مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ'' لعنتِ یزید پر یہ لطیفہ گزر چکا ہے کہ ''صد لعنت بر یزید وصد دیگر بر مزید'' یعنی سو لعنت یزید پر ہو اور سو بر مزید۔

اگر یزید فی الواقع ان مزعومہ مخترعہ افعال کا مرتکب ہوا بھی ہے تو از روئے شریعت باپ بیٹے کے ان افعال سے بری الذمہ ہے، اسے اس بناء پر کیونکر مطعون کیا جا سکتا ہے؟

پیر صاحب کو خواجہ حسن نظامی کے بارے میں حکیم فیض عالم صدیقی کا یہ جملہ کہ ''اس فقرے سے جو بغض باطن ٹپکتا ہے اسے کوئی اہل نظر ہی سمجھ سکتا ہے'' تو خاصا درشت محسوس ہوا لیکن انہوں نے خواجہ حسن نظامی کے مبنی بر توہین اور گستاخانہ قول کو ''صحیح مبنی بر حقیقت اور پہلو دار'' قرار دے دیا۔

حالانکہ حکیم صاحب کے ''تبصرہ'' پر اگر غور کیا جائے تو انہوں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی تھی بلکہ آیت کریمہ کی روشنی میں اصل حقیقت کو طشت از بام کرتے ہوئے خواجہ حسن نظامی اور ان کے وکلائے صفائی کے چہروں سے ''ردائے تقیہ'' کھینچ لی تھی۔ وہ آیت یہ ہے:

''قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ..'' (سورہ آل عمران آیت ۱۱۸)

ظاہر ہو چکا ہے **بغض** ان کے مونہوں (یعنی زبانوں) سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔

حکیم صاحب نے اگر خواجہ حسن نظامی کی سبائیت کو طشت از بام کرتے ہوئے ایک حقیقت واضح کر دی تو اس پر پیر صاحب کو اس قدر رنج پا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر یہ بھی سچ ہے: ع

جس کا جو ہوتا ہے رکھتا ہے اسی سے نسبت

آخر ''دشمنان معاویہ'' تفضیلیوں کے بزرگ جو ٹھہرے، اُن کو اُن سے محبت نہ ہو تو اور کسے ہو؟

حضرت پیر نصیر الدین گولڑوی نے خواجہ حسن نظامی کے بارے میں حکیم صاحب کے حاشیہ پر ایک ''توضیحی نوٹ'' کی وجہ سے اتنا شدید ردعمل ظاہر کیا لیکن جس پس منظر میں حکیم صاحب نے کتاب کے اصل متن میں خواجہ صاحب کی جو گواہی نقل کی تھی اسے پیر صاحب بڑی آسانی سے ہضم کر گئے اور تمام تر نزلہ بے موقع و بے محل یزید کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر گرا دیا۔

دراصل پیر صاحب کو حکیم صاحب کے اس مبنی بر حقیقت اقتباس نے کاٹ کھایا اس لیے وہ اس سطح پر اتر آئے۔ وہ اقتباس آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''آج شیعیت اور بریلویت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بریلویت کی اصل روح پیری مریدی کی شکل میں شیعیت ہے۔ بریلوی حنفیوں کی بے خبری ملاحظہ ہو کہ انہوں نے جن لوگوں کو ولایت کے مرتبے تفویض کر رکھے ہیں ان میں سے اکثریت باطنی شیعوں کی ہے۔

ایک گھر کے بھیدی یعنی حسن نظامی (نیچے حاشیہ میں وہ بات لکھی جسے پیر صاحب نے ہدف تنقید بنایا ہے) کی زبان سے سنیئے:

ہندوستان میں اسماعیلی خوجوں کی تعداد بے شمار ہے جن کو پیر نور الدین (ست گورنور)

حضرت پیر شمس الدین، پیر صدر الدین، پیر حسن کبیر نے ہدایت کی تھی اس کے علاوہ ایک کچی فرقہ ہے جن کو فی الحال ہدایت کی جاتی ہے اور عرب، پٹھان، مغل وغیرہ کی تعداد بے انتہا ہے جن کو نیچے درج کیے ہوئے داعیوں نے ہدایت کی تھی۔

۱۔داعی ناصر خسرو ۲۔داعی ابن صباح ۳۔داعی محی الدین عربی ۴۔سید سہراب ۵۔داعی ابو نظم ۶۔عبد المجون ۷۔شیخ فرید الدین عطار ۸۔حکیم بوعلی سینا وغیرہ۔

(فاطمی دعوت اسلام ص ۱۹۵ مؤلفہ خواجہ حسن نظامی بحوالہ اختلاف امت کا المیہ ص ۳۲۱)

خواجہ حسن نظامی کی اس بات (کہ "معاویہ تو یزید کا بھی باپ ہے") سے اگر چہ "بغض معاویہ" ہی ٹپکتا ہے لیکن ان کی خود اپنی زبان اور قلم سے تو اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ٹپکا ہے۔

موصوف نے جریدہ "پیشوا" دہلی کے علیؓ نمبر کے لیے ایک مضمون بہ عنوان "علی ولی اللہ" تحریر کیا جس میں یہ بتایا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ غار ثور میں دشمنان دین کی آمد کی آہٹ سن کر حزن میں مبتلا ہوئے، اس سے ان کا کمال ولایت ثابت نہیں ہوتا اور حضرت علیؓ شب ہجرت میں بے خوف و حزن بستر رسولؐ پر لیٹے رہے اور بموجب آیت کریمہ "اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" یہ ان کے کمال ولایت پر واضح دلیل ہے۔"

مولانا ظہور احمد بگویؒ نے اس کے جواب میں ایک مضمون بہ عنوان "افضل البشر بعد الانبیاء" لکھا جو ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ شمارہ جنوری ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔ اس میں موصوف فرماتے ہیں:

"خواجہ صاحب نے اپنی تصانیف "طمانچہ بر خسار یزید، محرم نامہ، یزید نامہ وغیرہ میں بھی اہل سنت کے مسلک کے خلاف روش اختیار کی ہے۔ دراصل خواجہ صاحب غالی تبرائی اور تقیہ باز رافضی ہیں۔ ہم بھی چشتی نظامی ہیں اور حضرت سیدنا علیؓ ہمارے روحانی پیشوا ہیں مگر حضرت سیدنا علیؓ کے ارشادات کی بناء پر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو افضل البشر بعد الانبیاء ماننے پر مجبور ہیں۔

علامہ ابن میثم بحرانی نے شرح نہج البلاغہ میں سیدنا علیؓ کا ایک اعلان نقل کیا ہے جو آپ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں تمام بلاد اسلامیہ میں جاری کیا تھا۔ جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"من فضّلني على ابى بكر جلدته حد المفترى" جو مجھے ابوبکرؓ پر فضیلت دے گا میں اسے مفتری کی حد (۸۰ درّے) لگاؤں گا۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں اسی (۸۰) سندوں سے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

خیر الامۃ بعد نبیھا ابو بکر ثم عمر ــــ اس امت میں نبیؐ کے بعد سب سے بہتر ابوبکرؓ پھر عمرؓ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان تو اتر کا درجہ اختیار کر چکا ہے اور سنی وشیعہ ہر دو مذاہب کی کتب میں موجود ہے۔

خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ "میں نہ شیعہ ہوں نہ سنی۔" پس خواجہ آئندہ اپنے آپ کو چشتی نظامی وغیرہ نہ لکھا کریں۔ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ یعنی اہل سنت کے خلاف ہو، وہ چشتی نہیں ہو سکتا۔ آپ تقیہ کی چادر کو اتار کر بے خوف ہو کر اپنے عقیدہ کا اعلان کر دیجیے۔ آپ نے سنیت کی چادر اوڑھ کر آج تک اپنے زہریلے لٹریچر کے ذریعے رفض کی ترقی واشاعت کے لیے خاص کوشش کی ہے۔ شکر ہے آج آپ نے اپنے سنی نہ ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ سادہ لوح سنی بھائی آپ کے دام فریب میں نہ آئیں گے۔" (ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء ص ۵۷، ۶۰)

اسی شمارہ کے صفحہ نمبر ۴۸ پر مولانا ظہور احمد بگویؒ کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے:

"آج غزالی ورازی، رومی وعطار کی جانشینی کا منصب حسن نظامی جیسے سرکاری ولی کو حاصل ہے۔"

حضرت بگوی صاحبؒ نے تو خواجہ صاحب کا یہ قول نقل کر دیا ہے کہ "میں نہ شیعہ ہوں نہ سنی" لیکن وہ اپنی ایک دوسری کتاب میں اپنے "سنی" ہونے کا صاف طور اعلان فرماتے ہیں؛ چنانچہ موصوف اپنی مایہ ناز (اور پیر نصیر الدین گولڑوی کی پسندیدہ) کتاب "طمانچہ برخسار یزید" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"اس میں جن لوگوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں وہ سب کے سب اسلامی تاریخ کے دور اول میں شہرۂ آفاق رہ چکے ہیں اور ان میں سے ہر فرد کا نام مسلمانوں کے بچے بچے کی زبان پر رہتا ہے۔ اہل بیت کا موافق ہو یا مخالف، شیعہ ہو یا سنی، خارجی ہو یا ناصبی، ہر مسلمان خواہ کوئی عقیدہ رکھتا ہو یزید کے نام کو جانتا ہے اور ابن زیاد کے نام سے بھی اس کو واقفیت ہوتی ہے۔ یزید امیر معاویہ کا بیٹا تھا۔ امیر معاویہ تاریخ اسلام میں پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلامی تاریخ کے جمہوری اصول کو مٹایا اور انتخاب سے بادشاہ بنانے کا طریقہ بند کر کے اور تلوار کے زور سے وہی قدیمی، استبدادی، شخصی سلطنت کا طریقہ اور اولاد کو ولی عہد مقرر کرنے کا دستور جاری کیا اور اس

اصول کے بدلنے میں انہیں بڑی خون ریزی کرنی پڑی۔

حضرت امام حسن ابن علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن خالد ابن ولید اور مالک ابن اشتر اور حجر بن عدی وغیرہ بکثرت سردارانِ اسلام محض اس وجہ سے قتل کرائے گئے تھے کہ ان کی شخصی حکومت قائم کرنے کے رستے میں حارج معلوم ہوتے تھے اور بھی طرح طرح کی بدعتیں اور خرابیاں امیر معاویہ کے سبب اسلام جیسے پاک وصاف مذہب میں داخل ہوگئیں۔ مگر اس کے باوجود امیر معاویہ کا نام بے علم مسلمانوں میں اتنا مشہور نہیں ہے جتنا ان کے ولی عہد اور بیٹے یزید کا نام مشہور ہے......

ہندوستان کے بعض مقامات پر بعض لوگوں نے اس کتاب کے واقعات کو بطور ڈرامے کے دکھایا اور حاضرین نے اس کو بہت پسند کیا۔ دہلی میں بھی شیعہ جماعت کی طرف سے اس کا ڈرامہ ہوا تھا۔ مجھ کو بھی اس کے دیکھنے کی دعوت دی گئی مگر میں علالت کی وجہ سے نہ جا سکا مگر محمد انور صاحب ہاشمی مالک رسالہ دین ودنیا میری نیابت میں یہ ڈرامہ دیکھنے گئے تھے اور بہت کامیابی سے واقعاتِ کتاب کا خلاصہ سٹیج پر دکھایا گیا تھا اور تماشائیوں پر اس کا بڑا اثر ہوا تھا.......

اس کتاب کو دیکھ کر بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ میں شیعہ ہوگیا ہوں۔ اس واسطے یہ لکھنا ضروری ہے کہ میں پکا سنی ہوں اور خدا تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر قسم کھاتا ہوں کہ مجھ کو شیعہ مذہب کے کسی اصول سے اتفاق نہیں ہے اور اہل سنت کے تمام اصول برحق مانتا ہوں۔ اہل بیت کے محبّ تو صرف سنی لوگ ہیں ورنہ شیعہ جماعت تو اہل بیت سے صرف سیاسی محبت رکھتی ہے۔"

(طمانچہ برخسار یزید ص ۵ تا ۹۔ مطبوعہ مکتبہ کاظمیہ۔ شاہدرہ ٹاؤن لاہور آٹھواں ایڈیشن ۱۹۶۹ء)

اللہ تعالیٰ اس طرح کے سنیوں سے اپنے دین اسلام کی حفاظت فرمائے، آمین۔ سچی بات یہ ہے کہ خواجہ حسن نظامی کی کتب پڑھنے کا کوئی "مسلمان" حوصلہ نہیں کر سکتا اور اگر سطحی طور پر اس کی "ورق گردانی" کر بھی لے تو وہ اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ جائے گا کہ یہ کسی خالص اور کٹر سبائی کی تصانیف تو ہوسکتی ہیں لیکن کسی سچے اور حقیقی مسلمان کی ہرگز نہیں۔

☆☆☆☆☆☆

# ۲۱۔مولانا ابوالکلام آزاد

## (م ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء)

مولانا ابوالکلام کا لقب محی الدین احمد اور تخلص آزاد جب کہ نام فیروز بخت تھا ۔۱۱نومبر ۱۸۸۸ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹۸ء میں کلکتہ واپس آئے ۔موصوف کو ایک انشاپرداز، عالم دین، مفسر قرآن اور سیاست دان کی حیثیت سے زبردست شہرت حاصل ہوئی ۔انہوں نے ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء میں اپنا ذاتی اخبار ''الہلال'' جاری کیا ۔۱۹۲۰ء میں گاندھی جی سے ملاقات کے بعد ان کے ساتھ عقیدت اور خلوص کا رشتہ قائم ہوا ۔پھر ترقی کرتے ہوئے کانگریس کے صدر بن گئے ۔پارلیمنٹ میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر اور تعلیم، قدرتی ذرائع اور سائنسی تحقیق کے وزیر بھی رہے ۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خواجہ حسن نظامی کے ''ہم خیال'' تھے ۔بالآخر ایک بھرپور زندگی گزارنے کے بعد ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو دہلی میں انتقال کر گئے ۔اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے چند خیالات ملاحظہ فرمائیں:

مولانا ابوالکلام آزاد حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے تقابل میں یہ شعر نقل کرتے ہیں کہ:

فاین الثریا واین الثری　　واین معاویۃ من علی (تذکرہ ص ۸۶ داتا پبلشرز لاہور)

موصوف ایک دوسرے مضمون میں بشمول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بنوامیہ کی دشمنی میں دل کے ارمان پورے کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

ازاں جملہ بنی امیہ اور آل مروان کی ایک سب سے بڑی ہادم شریعت اور پر معصیت وفسق و عدوان بدعت شنیعہ وہ تھی جس کا انتقاما نہ اتباع برادران شیعہ نے شروع کیا ......یعنی سب سے پہلے سر زمین اسلام میں جو رحم و محبت اور صلح واخوت ہی کی تخم ریزی کے لئے بنی تھی، سب وشتم اور لعن وتبرے کا تخم انہوں نے بویا ۔مقدس مساجد اسلام میں جو صرف عبادت واطاعت الٰہی واذکار واشغال مقدسہ کے لئے بنائی گئی تھیں، اپنے اغراض نفسانیہ منکرہ سیاسیہ سے اہل بیت نبوت اور حضرت امیر علیہ السلام پر اعلانیہ لعنت بھیجتے تھے اور پھر شمشیر ظلم سے لوگوں کی زبانوں کو اس طرح لرزاں وترساں رکھتے تھے کہ کسی کو اس صریح فسق عظیم ومعصیت کبریٰ وہتک شریعت اللہ کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں

ہوتی تھی،الاماشاء اللّٰہ وھم الذین لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

لیکن تاریخ اسلام حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہمیشہ رہین منت رہے گی کہ انہوں نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس بدعت کا انسداد کیا اور مساجد اسلام کو ان کی چھنی ہوئی عزت وحرمت واپس دلادی۔چنانچہ لعن وتبرے کی جگہ خطبہ ثانیہ میں "ان اللّٰہ یامر بالعدل ......" داخل کیا۔یہ آیت کریمہ آج تک خطبۂ جمعہ کا جزو آخری ہے اور ہر ہفتے سیأت بنی امیہ اور حسنات عمر بن عبدالعزیز پر گواہی دیتی ہے۔

اس بزرگ جلیل اموی کا یہ ایک ایسا عمل عظیم تھا کہ سادات عظام اور دودمان حضرت خیر الانام نے بھی اس کا اعتراف کیا۔

ازاں جملہ بنی امیہ کا سب سے بڑا ظلم جو انہوں نے اسلام پر کیا تھا یہ تھا کہ خلافت راشدہ اسلامیہ کو جس کی بناء اجماع ومشورہ مسلمین پر تھی حکومت شخصی ومستبدہ وسلطنت ملکیہ وسیاسیہ میں تبدیل کر دیا اور حکومت کی بنیاد شریعت پر نہیں رکھی بلکہ محض قوت اور سیاست پر اور تاریخ اسلام کے تمام صغار وکبار واعالی واوانی اس پر متفق ہیں اور تمام اہل سنت وجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ ایک سخت بدعت تھی اور مطابق ارشاد صادق ومصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام ملک عضوض کا آغاز تھا، یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سدباب کا پہلا دن ہے اور یہی دن ہے کہ تاریخ اسلام ہمیشہ اس پر ماتم وفریاد کرے گی۔

(آزاد صاحب کی ان باتوں پر مولانا عبیداللہ صاحب نے اعتراض کیا تھا کہ آپ بلا استثنیٰ بنی امیہ کو ظالمین کے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں اور انتہائے غصہ میں رسول علیہ السلام کی قرابت داریوں کو بھی بھول جاتے ہیں بلکہ امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لاابالانہ انداز سے ذکر فرماتے ہیں اور ستم تو یہ ہے کہ جناب ان کے اسی ضرب المثل حلم اور ساٹھ برس کی بڑھیا کی ہفوات سے درگذر فرما جانے کو کن نگاہوں سے ملاحظہ فرمار ہے ہیں۔(الہلال جلد ۲ ص ۳۶۱، ۳۶۳، ۳)

اس کے جواب میں موصوف لکھتے ہیں کہ:)

استثنیٰ بر بنائے اعمال صالحہ ہر حال میں قدرتی طور پر موجود ہے اور حکم اکثر پر ہوتا ہے۔حضرت عثمانؓ خود بخود مستثنیٰ ہو گئے۔جبکہ خلفائے راشدین سے الگ بنی امیہ کا ذکر کیا گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنے اعمال غیر امویہ واتباع سنت شیخین جلیلین کی بناء پر...

بنی امیہ کے حسنات سیاسیہ وملکیہ سے کسی کو انکار نہیں ......پس ہم ان کی سیاست دینیہ کی برائی

کرنے میں باک نہیں رکھتے اوراسی طرح ان کے حسنات ملکیہ وسیاسیہ کے اعتراف میں بھی بخیل نہیں ۔لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ زید کے ذہین وطباع ہونے کے صلہ میں اس کے شرب خمروظلم وفسق کی بھی تعریف کریں یا چونکہ ایک شخص خوش تقریر ہے لہٰذا کوئی مضائقہ نہیں کہ اگر تارک صلوٰۃ بھی ہو۔

مقصد اصلی یہ ہے کہ بنی امیہ نے خلافت دینی کو جس کا عمود کار اتباع شریعت تھا محض حکومت وسیاست کی صورت میں تبدیل کردیا اور جو بنیاد خلفائے راشدین نے رکھی تھی اس کو اپنے اغراض نفسانیہ وہوائے شخصیہ پر قربان کرکے منہدم کردیا۔ظلم ومنکرات کا بازار گرم ہوگیا،مشورہ کا سدباب ہوگیا،آزادی رائے کو بزور شمشیر بند کرنا چاہا اور علی الخصوص سب سے پہلے تاریخ اسلام میں احکام شریعت پر اپنے اغراض نفسانیہ وسیاسیہ کو مقدم کرنے اور حسب ضرورت اس میں تحریف تو جیہ نما کرنے کی بنیاد رکھی ۔یہی بنیاد تھی جس پر بعد کو آنے والوں نے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کیں اور ہمیشہ کے لئے تاریخ اسلام اپنے ابتدائی سی سالہ عہد اصلی کو ماتم وحسرت کے ساتھ یاد کرتی رہی۔

دوراوائل اورظہور منکرات:۔آپ متعجب ہیں کہ میں نے اس ابتدائی عہد کو دورمحدثات و بدعات کہا لیکن شدت تعجب ووفور حیرانی سے میں اس کے جواب پر قادر نہیں ۔فیاللعجب!

یہ جملہ لکھ کر جناب نے تاریخ اسلام کے نہیں معلوم کتنے ضخیم ابواب وفصول کو دنیا سے نابود کر دینا چاہا۔یہ آپ کہاں ہیں؟اور کیا فرمارہے ہیں؟

کیا زیاد بن سمیہ کا استلحاق اوراس کے لئے مسجد میں شہادت مقرر کرنی ایک اولین بدعت اسلام میں نہ تھی ......سمیہ جاہلیت کی ایک زانیہ وفاحشہ عورت تھی ۔ابوسفیان اس کے پاس رہا تھا اور اسی سے زیاد پیدا ہوا تھا لیکن اغراض سیاسیہ سے اس کا پھر استلحاق کیا گیا ......مجلس شہادت بھی منعقد ہوئی تھی ......ایسی شہادتوں سے بالآخر غریب زیاد بھی شرما گیا اور چیخ اٹھا ......

کیا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو حکومت اور ملک عضوض میں بدل دینا بھی بدعت نہ تھی،کیا مشورے کا سدباب ایک اشد شدید بدعت فی الدین نہ تھی ۔کیا مسلمانوں پر جنگ میں پانی کا روک دینا بھی بدعت نہ تھا جبکہ دوسرا فریق غالب ہوکر بھی نہیں روکتا،کیا سخت سے سخت مکروخدع سے کام لینے میں بھی باک نہ ہونا،خفیہ وسائس سے مسئلہ حکمین کا فیصلہ کرنا،اپنے اغراض سیاسیہ کو ہر موقع میں شریعت پر ترجیح دینا اوراس کے لئے لوگوں کو خفیہ وعلانیہ بیت المال سے روپیہ دینا،شخصی طور پر بزوروجبر اپنے لڑکے کو ولی عہد بنانا،عجمی شان وشکوہ اور علو ورفعت سے دربار آرائی کی اساس اولین قائم کرنا،مسجد میں عام مسلمانوں سے الگ مقصورہ بنا کر نماز پڑھنا اور شمشیر برہنہ نگہبانوں

کے حصار کے اندر سجدہ کرنا اوراسی طرح کی بیسیوں محدثات کو بھی بدعت تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

اور پھر یہ تو خود امیر معاویہ کے زمانے کے حالات ہیں آگے چل کر جو کچھ ہوااس پر نظر ڈالیے۔(الہلال ۲۱ جمادی الثانیہ ۱۳۳۱ھ بمطابق ۲۸ مئی ۱۹۱۳ء کلکتہ ص ۱۰،۱۲، الہلال اکیڈمی ۱۲۳ے شاہ عالم مارکیٹ لاہور جلد ۲ ص ۳۶۲ـ۳۶۴)

خال المسلمین اورایک جلیل القدر صحابی رسولؐ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت وکردار پر جس طرح مولانا سید ابوالکلام آزاد صاحب نے تبصرہ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلم تو حضرت آزاد صاحب کا ہے لیکن اسے یقیناً کوئی شیعہ سکالر چلارہا ہے۔

موصوف ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر قیامت کے دن دنیا کے ظالموں کی صفوف عام فساق وفجار سے الگ قرار دی جائیں گی توان میں سب سے پہلی صف یقیناً بنی امیہ کی ہوگی۔ان ہی ظالموں نے اسلام کی اس روح حرکت کو غارت ظلم واستبداد کیااوراس کے عین عروج اورنشوونما کے وقت اس کی قوت نموکو اپنے اغراض شخصیہ کے لیے کچل ڈالا۔ان کا اقتدار وتسلط فی الحقیقت ''امر بالمعروف'' کے سدباب کا پہلا دن تھا۔

نہ صرف یہ کہ انہوں نے اسلام کی جمہوریت کوغارت کر کے اس کی جگہ شخصی حکومت کی بنیاد ڈالی جو یقیناً اعتقاداً قرآنی کی رو سے کفرجلی ہے بلکہ سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اظہار حق اورامر بالمعروف کی قوت کوتلوار کے زور سے دبا دینا چاہااورمسلمانوں کی حق گوئی کے ترقی کناں ولولے کو مضمحل کردیا۔

(مولانا ابوالکلام کے ادبی شہ پارے ص ۲۰۱ـ مرتبہ مولانا محمد اصغر مغل ـ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی ۲۰۰۲ء)

''خلافت راشدہ کے بعد بنوامیہ کا دور فتن وبدعات شروع ہوتا ہے جنہوں نے نظام حکومت اسلام کی بنیادیں متزلزل کردیں تاہم جب ان ہی میں قامع بدعت محی السنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے تو گو حسب سنت'' ملک عضوض'' سلیمان بن عبدالملک نے انہیں اپنا جانشین مقرر کردیا تھا۔''(حوالہ مذکور ص ۳۸۴)



# ۲۲۔علامہ باباخلیل احمدداس

## (م،اندازاً ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء)

خلیل احمدصوبہ بہار کے مشہور قصبہ سیوان کے باشندے ہیں اور" باباخلیل احمدداس" کے نام سے معروف ہیں۔ان کا ہیڈ کوارٹر" بنارس" ہےاورخواجہ حسن نظامی کے مرید، معتقداوراندھے مقلد ہیں۔انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تفسیق اور تکفیر پرمبنی اپنی ۴۲۵صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب" مولیٰ اورمعاویہ" کادیباچہ خواجہ صاحب کی" رسوائے زمانہ" کتاب"یزیدنامہ" کی عبارات واقتباسات سے ہی مرتب کیا ہے۔چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"یہ بھی عرض کیے دیتاہوں کہ صحابہ کرام سے لے کرتابعین، تبع تابعین، علمائے سلف اور علمائے خلف تک کون سے ایسے بزرگ اورامام ہیں جنہوں نے معاویہ کوبرانہیں کہااورمعاویہ کی ذات پراعتراض نہیں کیا۔حتیٰ کہ آج کے علماء محققین بھی اپنے جذبہ تحقیق ایمانی سے مجبور ہوکر معاویہ کی بداعمالیوں پرقلم اٹھانے سے نہ رکے۔چنانچہ میں نے کتاب کے حصہ دوم کا یہ جو دیباچہ لکھاہے وہ حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب یزیدنامہ کی عبارتوں کوہی قراردیاہے تاکہ میرے کرم فرمایہ دیکھ لیں کہ ان عبارتوں میں میراکوئی لفظ نہیں ہے بلکہ وہ خواجہ صاحب جیسے ایک تجربہ کاراور پرانے مبلغ اورایک مانے ہوئے اہل سنت کے مذہبی پیشوااورادیب کے الفاظ ہیں اوریہ بھی سمجھ لیں کہ ایام سلف کوچھوڑکراس موجودہ زمانہ میں بھی معاویہ کی زندگی پرآزادانہ طورسے تبصرہ فرمانے والے مجھ سے پہلے مصورِفطرت حضرت خواجہ حسن نظامی ہیں جنہیں آج تک کسی عالم نے بھی نہ براکہااورنہ ان کی اس تحقیق کوناجائزیاشریعت کے خلاف قراردیا۔"(مولیٰ اورمعاویہ ص ۱۸۸)

خواجہ حسن نظامی صاحب کی"سنیت ومشیخت" پرپیرنصیرالدین گولڑوی بھی مہرتصدیق ثبت کرچکے ہیں۔

معلوم ہوتاہے کہ باباخلیل احمدداس اپنے جدامجد" جناب حضرت" عبداللہ بن سبا کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں تو ہین وتذلیل اورشام بدری کافیصلہ برداشت نہیں کرسکے اورانہوں نے اپنی تحریروں اورتقریروں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے دیگرحامی صحابہ کے خلاف ہفوات اورمغلظات بک کراورزہراگل کرواقعی اپنے" حلالی" ہونے کاثبوت فراہم کردیا۔

اس سلسلے میں انہوں نے سیکڑوں صفحات سیاہ کر ڈالے اور مرتے دم تک ان کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ ان کی چند قابل تذکرہ کتب حسب ذیل ہیں:

۱۔ معاویہؓ پر جواز لعنت کے شرعی دلائل ۲۔ قول فیصل ۳۔ اصحاب رسول اللہ اور معاویہ کی صحابیت ۴۔ مولیٰ اور معاویہ ۵۔ ردّ فضائل معاویہ ۶۔ حق اور اہل حق کی شاندار فتح

راقم الحروف کے سامنے اس وقت ان کی تالیف "مولیٰ اور معاویہ" ہے اس میں حضرت معاویہ، حضرت ابوسفیان اور سیدہ ہند رضی اللہ عنہم کو جن مغلظات سے نوازا گیا ہے انہیں نقل کرنے میں حیا مانع ہے۔ البتہ چند دیگر "فرمودات" ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں:

اور تاریخوں کا بیان بالکل درست ہے کہ معاویہ نے زہر دلوا کر امام حسن علیہ السلام کو قتل کرا دیا۔ تو کیا یہ قتل عمد نہیں تھا؟ اور کیا اس قتل عمد اور اس خونِ ناحق کی سزا میں معاویہ اس دفعہ قرآنی کی حد میں نہیں آتا؟

ومن یقتل مؤمنا متعمّداً فجزآءہٗ جہنم خالدا فیہا وغضب اللّٰہ علیہ و لعنہ واعدّلہ عذابا عظیما۔

اس دفعہ قرآنی میں پانچ وعیدیں یا پانچ سزائیں ہیں۔ پہلی سزا یہ ہے کہ وہ داخلِ جہنم ہو گا۔ دوسری سزا یہ ہے کہ جہنم سے اس کا کبھی چھٹکارا نہ ہو گا بلکہ وہ اسی میں ہمیشہ رہے گا۔ تیسری سزا یہ ہے کہ وہ مغضوب خدا ہو گا۔ چوتھی سزا یہ ہے کہ وہ ملعون یا مستحق لعنت ہو گا اور پانچویں سزا یہ ہے کہ جہنم میں اس پر بہت سخت عذاب ہوں گے۔

پس اس دفعہ قرآنی کے مطابق معاویہ قاتل امام حسن علیہ السلام ہونے کی وجہ سے:

۱۔ جہنمی ہے ۲۔ ہمیشہ جہنم میں رہے گا ۳۔ مغضوب خدا ہے ۴۔ مستحق لعنت ہے اور ملعون ہے ۵۔ اور اس پر جہنم میں بڑے بڑے عذاب ہوں گے۔

مگر یہ یاد رہے کہ یہ وعیدیں یا سزائیں تو محض اس شخص کے لیے ہیں جو کسی عام مومن کا قاتل ہو گا مگر معاویہ تو فرزند رسول کا قاتل ہے...

ایسی ہستی مقدسہ کا قاتل کس درجہ ملعون اور مردود ہے اور اس کے اوپر جہنم میں اللہ پاک کی طرف سے کیا کیا عذاب اور کیسے کیسے عتاب ہوں گے اور پھر (مسلمانو) یہ بھی سمجھ لو کہ ایک ایسے ملعون اور مردود کے لیے مسلمانوں کو یہ کہہ کہہ کر ڈرانا اور دھمکانا کہ "ھو لا یوجب اللعن" وہ لعنت کے قابل نہیں ہے یا اس پر لعنت واجب نہیں ہے، کس قدر اندھیر اور کتنی گمراہی اور بدراہی کی بات

ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا بے دین، ایسا سفاک اور اتنا زبردست ظالم خونخوار اور محسن کش لعنت کے قابل نہیں ہے تو پھر اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر لعنت کے قابل ہے کون؟

اللہ پاک تو فرمائیں "و لعنة الله على الظالمين" ظالم پر اللہ کی لعنت ہے اور ہم اس دنیا کے سب سے بڑے ظالم کو "لا يحب اللعن" کے تارِ عنکبوت سے ڈھک کر پناہ دینا چاہیں، میں کچھ نہیں کہتا تم خود ہی انصاف کرو کہ یہ انکارِ قرآن ہے یا نہیں؟

اگر فرزند رسول کا قاتل لعنت کے قابل نہیں ہے تو بخدا لعنت کا لفظ ہی بے کار اور بے معنی ہے۔

بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ اللہ پاک اپنے مقدس کلام میں کسی مومن کے قتل عمد کرنے والے پر صاف صاف لعنت کریں اور اسے "لعنہ" فرمائیں پھر رسول اللہ اس پر لعنت فرمائیں اور ہم خدا اور رسول کی صریح مخالفت اور بغاوت کریں اور یہ غوغا مچائیں کہ اس پر لعنت نہ کرو۔

میرے دوستو اور عزیزو! حضور امام (حسن) علیہ السلام کا قتل عمدً بڑی چیز ہے، حضور کے والد بزرگوار جناب مولی کے ساتھ جنگ و قتال کرنے والے کو رسول خدا نے کافر اور جہنمی فرمایا ہے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے: "من نصب عليًا للخلافة بعدي فهو كفر وقد حارب الله ورسوله" جس شخص نے میرے بعد علی سے ان کی خلافت کے معاملہ میں جھگڑا کیا وہ کافر ہے اور اس نے خدا اور رسول سے جنگ کی۔

اس حدیث کو ابن معاذ شافعی نے اپنی کتاب مناقب میں حضور سے بروایت حضرت ابوذر غفاریؓ نقل کیا ہے۔ جب ہمارے سامنے خدا اور رسول کے یہ احکام موجود ہیں تو پھر کیا ہم اپنا دین و ایمان کھودیں، خدا اور رسول کی بغاوت کریں اور پھر معاویہ جیسے ظالم کے لیے

سکوت ___ سکوت ___ سکوت ___ کا شور و غوغا مچائیں" (مولی اور معاویہ ص ۳۱۶ ۔ ۳۲۰)

"معاویہ کو حضرت معاویہ کہنا یا معاویہ رضی اللہ عنہ کہنا یا اس کی عزت یا بڑائی کرنی یا اس سے رضا اور خوشنودی کا اظہار کرنا حضرت انسؓ اور حضرت بریدہؓ کی حدیث کے مطابق موجب غضبِ پروردگار ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کے مطابق اس شریعت مطہرہ کی توہین ہے جس کو اللہ پاک نے اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے۔

اور حضرت بریدہؓ کی حدیث کے مطابق اللہ پاک سے دشمنی اور عداوت کرنی ہے۔

اور حضرت حسنؓ کی حدیث کے مطابق اللہ کی نافرمانی کی رغبت اور گناہ اور عصیان کے ساتھ محبت کرنی ہے۔" (حوالہ مذکور ص ۴۲۲)

بابا خلیل احمد داس کی اس جیسی کتابوں کے منظر عام پر آنے کے بعد ہندوستان بھر کے اہل سنت

والجماعت کا خون کھول اٹھا اور وہ مولانا احمد مکرم صاحب اعظمی ، مجاہد قوم عبدالملک صاحب ، مولانا الحاج محمد ابراہیم صاحب اور سلامت اللہ صاحب کی زیر قیادت و سرپرستی سراپا احتجاج بن گئے۔

ان حضرات نے بڑی کوشش و کاوش سے اس سارے لٹریچر کے بحق سرکار ضبط کرنے کے لیے قابل اعتراض حصے انگریزی میں ترجمہ کرا کر یوپی گورنمنٹ کے ملاحظہ کے لیے بھیج دیے جس کے نتیجے میں حکومت نے ان کتب کو ضبط کرنے کا حکم دے دیا۔

بابا خلیل احمد داس نے یو۔پی حکومت کے اس آرڈر کے خلاف اپنے سنی اور حنفی ہونے کے دعوے کے ساتھ ہائی کورٹ الہ آباد میں اپیل دائر کردی۔ بنارس کے علمائے اہل سنت نے اپنے موقف کا بھرپور دفاع کیا۔

چونکہ مقدمہ خالص مذہبی رنگ کا تھا اور دونوں فریق سنی ہونے کے مدعی تھے اس لیے فریقین کی جانب سے بہت سی کتب از قسم تفسیر و حدیث و تاریخ و فقہ وغیرہ عدالت کے سامنے پیش کردی گئیں اور خود جج صاحبان نے بھی کافی دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ ضروری اقتباسات کا انگریزی میں ترجمہ کرا کر شامل مثل کیا۔ اس سلسلے میں حکومت نے بھی خصوصی طور پر مولانا احمد مکرم صاحب اعظمی کو عربی اور فارسی کتب کا ترجمہ کرنے کے لیے الہ آباد طلب کیا اور انہوں نے دیگر رفقاء کے تعاون سے تقریباً ایک لاکھ الفاظ پر مشتمل یہ ذخیرہ با قاعدہ ترتیب دے کر عدالت عالیہ کے سامنے پیش کیا جو سب کا سب شامل مثل ہے۔

بابا خلیل احمد داس نے الہ آباد ہائی کورٹ میں حکومت یوپی کے خلاف ۱۹۵۵ء میں یہ اپیل دائر کی تھی جس کی سماعت ''جسٹس وی جی اوک، جسٹس اے پی سری وستا وا اور جسٹس ڈی پی اونیال پر مشتمل بنچ نے کی اور ۲۰۔ اپریل ۱۹۶۰ء کو فیصلہ صادر ہوا۔ درخواست گزار کی طرف سے گوپل بہاری، صادق علی اور سید حیدر، شوکت عابدی جب کہ مدعا علیہ کی طرف سے اے آر عثمان اور جے آر بھٹ ڈپٹی گورنمنٹ ایڈووکیٹ نے دلائل پیش کیے۔

جسٹس وی جی اوک نے تفصیلی فیصلہ تحریر کیا اور بنچ کے دوسرے ارکین نے بھی اس کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے اپنے دستخط ثبت کردیے۔

سپیشل بنچ نے مقدمہ کی کاروائی پر ہر پہلو کے اعتبار سے خوب غور و خوض کیا اور اپنے فیصلے میں بابا خلیل احمد کی کتابوں سے اس وضاحت کے ساتھ چند اقتباسات بھی پیش کیے کہ ان چھے کتابوں کا مرکزی خیال معاویہ کا مبینہ برا کردار ہے۔ نہ تو یہ ضروری ہے اور نہ ہی مناسب کہ ان چھے کتابوں کے تمام غیر قانونی اور قابل اعتراض اقتباسات کا حوالہ دیا جائے۔ یہاں صرف چند اقتباسات کا حوالہ ہی کافی ہے:

۱۔ پہلی کتاب ''اصحاب رسول اللہ اور معاویہ کی صحابیت'' ہے۔ اس کتاب کے ص ۱۶ پر

تحریر ہے کہ معاویہ نے ظلم، برائی اور تباہی کے تمام راستے اختیار کیے۔ کتاب کے صفحہ نمبر ۸۷۔۸۸ پر مصنف لکھتا ہے کہ معاویہ نے ہر ذریعہ سے ہر ظلم کا ارتکاب کیا۔

۲۔ دوسری کتاب ''مولیٰ اور معاویہ'' ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۶۱ پر تحریر ہے کہ لفظ معاویہ کے معنی ''کتیا'' کے ہیں۔ صفحہ نمبر ۲۱۳ پر معاویہ کی والدہ ہند کے بارے میں ایک اخلاق سے گرا ہوا حوالہ ہے۔ صفحہ نمبر ۲۱۷ پر مصنف لکھتا ہے کہ معاویہ دوزخ کا مستحق ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

۳۔ تیسری کتاب ''ردّ فضائل معاویہ'' ہے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۲ پر ہے کہ اللہ معاویہ کو جہنم رسید کریں گے اور وہ یقیناً جہنم میں جائے گا۔

۴۔ چوتھی کتاب ''حق اور اہل حق کی شاندار فتح'' ہے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۲ پر ہے کہ معاویہ ایک کافر، دہریہ، ظالم اور بے دین تھا۔

۵۔ پانچویں کتاب ''قول فیصل ہے اس کتاب کے صفحہ نمبر ۳۸۔۳۹ پر ہے کہ معاویہ سر سے لے کر پاؤں تک مجرم ہے۔ اور صفحہ نمبر ۱۰۸۔۱۰۹ پر ہے کہ معاویہ یقیناً جہنم میں جائے گا۔ اس کا ٹھکانہ جنت نہیں جہنم ہے۔

۶۔ چھٹی کتاب ''معاویہ پر جوازِ لعنت کے شرعی دلائل'' ہے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۷۔۱۸ پر مصنف نے معاویہ کے ۱۹ گناہوں اور غلط کاریوں کی فہرست پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ قارئین مہربانی کر کے نوٹ کرلیں کہ مذکورہ برائیوں اور جرائم میں سے وہ کون سی برائیاں اور جرائم ہیں جن کا معاویہ نے ارتکاب نہیں کیا۔ پھر اسے مذکورہ بالا الزامات اور القابات سے کیونکر بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۹ پر معاویہ کی والدہ کے بارے میں اخلاق سے گرا ہوا ایک حوالہ ہے۔ صفحہ نمبر ۲۴ پر مصنف نے معاویہ کے مستحق لعنت ہونے پر بہت سے دلائل پیش کیے ہیں۔

مذکورہ بالا چھے کتابوں کی عام بحث سے یقیناً یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ معاویہ کا کردار بڑا نفرت انگیز تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف زیر دفعہ ۲۹۵ اے تعزیرات ہند یہ کتابیں لکھنے کا مرتکب ہے یا نہیں؟

مذکورہ بالا دفعہ کا مفہوم یہ ہے:

''جو شخص دانستہ یا بہ نیت فاسد ہندوستان کے شہریوں کی کسی بھی جماعت کے لوگوں کے مذہبی احساسات کی تقریری یا تحریری الفاظ کے ذریعے یا کسی نمایاں نقوش وغیرہ کے ذریعے سے توہین کرنا یا ان کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی تحقیر و تذلیل کی کوشش کرتا ہے تو وہ قید و جرمانہ دونوں سزاؤں کا مستحق ہو سکتا ہے۔ جب کہ قید کی میعاد دو سال تک ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد فاضل ججوں نے اہل سنت والجماعت کے ان مذہبی جذبات وعقائد کو جو معاویہؓ اور ان کے والدین کے بارے میں ہیں مختلف کتب سے نقل کیا ہے۔

مصنف کے دلائل پر جرح وقدح کے بعد فرد جرم عائد کرنے کے لیے ۲۹۵ اے تعزیرات ہند کی روشنی میں بالقصد، بالارادہ بہ نیت فاسدان تمام اکابر کی توہین وتحقیر اور مسلمانوں کی دل آزاری کرنے والا ثابت کر کے مجرم قرار دیا اور حکومت یوپی کے ضبطی کتب کے حکم کو بالکل درست اور جائز قرار دیا ہے۔

فیصلہ کے آخری الفاظ حسب ذیل ہیں:

تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۵ اے میں لفظ ''بدنیتی'' کسی مخصوص مفہوم کے ساتھ استعمال نہیں ہوا۔ استغاثہ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ثابت کرے کہ درخواست گزار کی نیت فاسد تھی یا مخصوص اشخاص کے ساتھ دشمنی رکھتا تھا۔ اگر قانونی جواز کے بغیر رضا کارانہ طور پر مضرت رساں کام کیا جائے تو اسے بھی ''بدنیتی'' ہی سمجھا جائے گا۔

(درخواست گزار بابا خلیل احمد داس کے وکیل) صادق علی نے اس پر بحث کی ہے کہ مصنف کے پاس مذکورہ چھ کتب لکھنے کا جواز موجود تھا کیونکہ مخالف نکتہ نظر کی تائید میں کتابچے شائع ہو چکے تھے۔

میں (یعنی جج) نہیں سمجھتا کہ اس صورت حال کو قانونی جواز بنالینا چاہیے۔ درخواست گزار کا یہ چھ کتابیں لکھنا ایک رضا کارانہ فعل تھا اسے کسی اعلیٰ ہستی کی طرف سے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ درخواست گزار نے اپنی مرضی اور خواہش سے خاص دلائل کو رد کرنے کا انتخاب کیا۔ لہٰذا اسے ''قانونی جواز'' قرار نہیں دیا جا سکتا اور وہ بغیر کسی قانونی جواز کے مجرمانہ فعل کا مرتکب ہے۔ علاوہ ازیں وہ اپنی تحریر کے ممکنہ نتیجہ اور انجام سے بھی آگاہ تھا۔ اس لیے اس کی ''بدنیتی'' بھی ثابت ہو گئی۔ تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۵ اے کے تحت فرد جرم عائد کرنے کے تمام اجزا ثابت ہو چکے ہیں۔ ان چھ کتابوں میں سے ہر ایک میں ایسا مواد موجود ہے جو دفعہ مذکورہ کے تحت قابل سزا ہے لہٰذا حکومت ضبطی کتب کے حکم کو جاری کرنے میں مطمئن اور حق بجانب تھی ______ اور عدالت کی طرف سے ملزم بابا خلیل احمد کی درخواست زیر دفعہ ۹۹۔ بی ضابطہ فوجداری خارج کی جاتی ہے۔ عدالت کی طرف سے ملزم بابا خلیل احمد کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ وہ ترجمہ فیس اور تین سو روپیہ فیس ڈپٹی گورنمنٹ ایڈووکیٹ کو ادا کرے۔ (تلخیص فیصلہ ہائی کورٹ سپیشل بنچ الہ آباد۔ اے آئی آر۔ ۱۹۶۰ ص ۲۱۵۔ ۲۱۷)

یہ ملحوظ رہے کہ مقدمہ کی سماعت کے دوران میں اہل تشیع دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح اور ہر وقت مدد ومعاون کی حیثیت سے بابا خلیل احمد داس کے شانہ بشانہ کھڑے رہے۔

# ۲۳۔امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ

(م ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء)

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوَ سے ااکلومیٹر دور"اودھ" کے تاریخی اور مردم خیز قصبہ" کاکوری" میں ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ /۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے۔

سلسلہ نسب" عبدالشکور بن حافظ ناظر علی بن حکیم فضل علی بن قادر علی بن رحمت علی بن مظہر علی بن حبیب علی ....سے ہوتا ہوا عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب سے جا ملتا ہے۔

امام اہل سنت کے والد مولانا ناظر علی نے ان کا نکاح تعلیم کے دوران ہی سید ذاکر علی بن سید مالک کی دختر (نجیب الطرفین سیدہ) کے ساتھ کر دیا تھا۔اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس وقت سیدہ کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ" جائز" سمجھا جاتا تھا۔

موصوف بیک وقت بہترین مفسر، محدث ومؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ فقیہ اور عظیم مناظر بھی تھے۔انہوں نے "لکھنوَ" کو اپنا مرکز بنا کر دفاع صحابہ واہل بیتؓ اور مسلک اہل سنت کی حفاظت واشاعت کا جو کام کیا وہ یقیناً ایک ناقابل فراموش تاریخی کارنامہ ہے۔

ردّ شیعیت میں تو وہ شمشیر بے نیام تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان اور قلم سے دفاع صحابہؓ کا عظیم کام لیا جس کی بناء پر انہیں بجا طور پر "امام اہل سنت" کا خطاب عطا کیا گیا۔ان کی ذات جامع کمالات اور سلف صالحین کا نمونہ تھی۔علم وعمل اور تدین وتقویٰ میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔تعلیم وتدریس، تالیف وتصنیف، وعظ وتبلیغ اور ارشاد وہدایت غرضیکہ ہر شعبہ میں ان کے نمایاں کارنامے محفوظ ہیں۔نصف صدی تک ان کا فیض جاری رہا۔زندگی کے آخری پچیس، تیس سالوں میں وہ" خاموشی اور گوشہ نشینی" اختیار کرکے "موتوا قبل ان تموتوا" کی عملی تفسیر بن گئے اور بالآخر ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ / ۲۳۔اپریل ۱۹۶۲ء بروز پیر بعد از نماز عصر رحلت فرما گئے۔

اللہ تعالیٰ ان کی بشری لغزشوں کو معاف کرے اور ان کی دینی خدمات قبول کرکے اپنے جوار رحمت اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے۔آمین

حضرت موصوف کی زبان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک "تنقیصی"

جملہ نکل گیا تھا جسے بعد میں نہ صرف شہرت حاصل ہوئی بلکہ اسے مبنی بر اعتدال بھی قرار دے دیا گیا۔یہاں اس کا تجزیہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب بروایت مولانا محمد منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''مناظرہ کے میدان میں رہنے کے بعد راہِ اعتدال پر قائم رہنا بڑی مشکل بات ہے۔اللہ ہی اگر توفیق دے اور دست گیری فرمائے تو آدمی اعتدال پر رہ سکتا ہے ورنہ اس میدان میں قدم رکھنے والے کا افراط یا تفریط میں مبتلا ہو جانا ایک عام بات اور اکثری تجربہ ہے۔ناچیز نے اس پہلو سے حضرت مولانا کو بہت ہی ممتاز اور باتوفیق پایا۔صرف ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے:ایک موقع پر حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حضرت علی مرتضیٰؓ سابقین اولین کی بھی پہلی صف کے اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگر چہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰؓ سے ان کو کیا نسبت؟ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔''(تحفہ خلافت ص۱۵۔ناشر تحریک خدام اہل سنت پاکستان۔جہلم)

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین امام اہل سنت کا مذکورہ انتہائی ''نامناسب'' تقابلی تبصرہ سب سے پہلے مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے بر موقع وفات امام اہل سنت اپنے رسالے ماہنامہ ''الفرقان''(ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ) میں اپنے ہی ایک مضمون ''حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی مجددی۔میری واقفیت اور تاثرات'' کے تحت شائع کیا تھا پھر موصوف نے یہی مضمون اپنی آپ بیتی ''تحدیث نعمت'' میں زیر عنوان ''غیر معمولی اعتدال'' صفحہ نمبر ۳۴۷ پر نقل فرمایا ہے جسے بعد میں جناب قاضی مظہر صاحب نے ۱۹۸۳ء میں ''تحفۂ خلافت ــــ مجموعہ تفسیر آیات قرآنی'' کے مقدمہ کی زینت بنایا بعد ازاں ۱۹۹۱ء میں سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نے قاری قیام الدین صاحب کی کتاب ''تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' ص ۲۰ پر اپنی تقریظ میں دہرایا،نبیرہ امام اہل سنت پروفیسر عبدالحی فاروقی صاحب نے اپنی کتاب ''امام اہل سنت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی ــــ حیات وخدمات''(ہندوستان میں اشاعت اول ۲۰۰۰ء اشاعت دوم ۲۰۰۲ء جبکہ پاکستان میں اشاعت اول ۲۰۰۸ء مطبوعہ ادارہ تحقیقات اہل سنت بلال پارک بیگم پورہ لاہور) صفحہ نمبر ۱۲۷ پر پھر فروری ۲۰۱۱ء میں حضرت قاضی صاحب کے ایک عقیدت مند مفتی محمد سعید خان صاحب نے اسے

اپنے کتابچہ ''دیوبندیت کی تطہیر ضروری ہے ___ ایک تجزیہ ایک فکر'' کا نہ صرف حصہ بنایا بلکہ اس تقابل کو باقاعدہ اہل سنت کا عقیدہ بھی قرار دیا جس کا ذکر آگے خود ان ہی کے عنوان کے تحت آرہا ہے۔ اس سے یہ بات بھی از خود ہی واضح ہوگئی ہے کہ گذشتہ تیرہ صدیوں کے علماء اس ''عقیدہ'' سے آگاہ نہیں تھے، چودھویں صدی میں پہلی مرتبہ ایک ''نری غریب اور خبر واحد'' کی بناء پر ایک عالم کے ذاتی ''خیال'' کو ''عقیدہ'' کی حیثیت دے دی گئی۔ کیا ''عقائد'' کا ''اثبات'' اسی طرح ہوا کرتا ہے؟

امام اہل سنت کے عظیم کام اور بلند علمی مقام کے پیش نظر بالکل یقین نہیں آتا کہ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین تقابل کرتے ہوئے یہ کہا ہوگا کہ ''حضرت علیؓ کی مجلس میں اگر صف نعال (یعنی جوتوں کی صف) میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے'' لیکن مولانا محمد منظور نعمانی، سید نفیس الحسینی شاہ صاحب، مولانا قاضی مظہر حسین، نبیرہ امام اہل سنت پروفیسر عبدالحی فاروقی لکھنوی اور مفتی محمد سعید خان کی تصدیقات نے اسے تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ یہ قول ان ہی کا ہوگا۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ اہانت آمیز قول ۱۳۸۱ھ تا ۱۴۳۷ھ یعنی گذشتہ ستاون سالوں سے خود علماء دیوبند ہی کی کتب و رسائل میں نقل ہوتا چلا آ رہا ہے لیکن دیگر علماء کی طرف سے ان کی کوئی تردید نظر سے نہیں گزری بلکہ جن اکابر نے اس ''جملہ'' کو نقل بھی کیا ہے تو اسے صحیح سمجھ کر ہی نقل کیا ہے۔ اس طرح ناقلین بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک جلیل القدر صحابی کی شان میں ''تنقیص'' کے مرتکب ہوگئے ہیں۔ لہٰذا قائلین اور ناقلین کی وقعتِ شان اور تمام تر جلالت قدر کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں اس قول کے ساتھ ہرگز اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی امام اہل سنت کے زیر بحث قول کی ''تحسین'' فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''تصوف کا اثر کہیے یا مولانا کی سلامت طبع اور حقیقت پسندی کہ فرقہ اثنا عشریہ سے طویل مناظرہ کے باوجود حضرت مرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے بارے میں انہوں نے ہمیشہ فرق مراتب کا لحاظ رکھا۔ وہ بڑے جوش کے ساتھ حضرت علیؓ کی فضیلت و منقبت بیان کرتے تھے۔ ان کا نام لیتے وقت معلوم ہوتا تھا کہ ان کا دل ان کی عقیدت و عظمت سے معمور بلکہ مخمور ہے۔ اہل بیت کرام کے بھی پورے مرتبہ شناس اور ان کی محبت سے سرشار تھے۔'' (پرانے چراغ حصہ دوم ص ۲۲۳)

حضرت ندویؒ کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام اہل سنت کے

اس "تنقیصی قول" کی تحسین وتوثیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تصوف اور سلامت طبع وحقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اسی نوعیت کے فرق مراتب کا لحاظ رکھا جانا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ کیا حضرت معاویہؓ کی "تنقیص" کے بغیر حضرت علیؓ کی فضیلت ومنقبت بیان نہیں کی جاسکتی؟ کیا کسی صحابی کی "توہین وتنقیص" کو "سلامت طبع اور حقیقت پسندی" کا نام دیا جاسکتا ہے؟

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ صحیح تصوف اور سلامت طبع وحقیقت پسندی کا اصل تقاضا یہ ہے کہ "ایک ذمہ دار عالم دین اپنے آپ کو توازن اور اعتدال میں رکھے، وہ اپنی حدود سے ذرہ برابر نہ تو تجاوز کرے اور نہ ہی اپنے قول وفعل سے خاندانِ رسالت اور اہل بیت نبویؐ کے فضائل ومناقب کی تبلیغ واشاعت میں جاں نثارانِ پیغمبرؐ کے مرتبہ ومقام میں ادنیٰ سی بھی کمی واقع ہونے دے۔"

نبیرہ امام اہل سنت پروفیسر محمد عبدالحیٔ فاروقی لکھنوی نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے "صف نعال" کا مقام ومرتبہ "متعین" کرنے کو ہی "امام اہل سنت کا اعتدال اور سب سے بڑا امتیاز قرار دے دیا؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"شیعیت اور خارجیت دونوں ایک دوسرے سے متضاد نظریات کی حامل ہیں اور دونوں ہی اہل سنت وجماعت کے مسلک اعتدال سے ہٹی ہوئی اور جادۂ حق سے کوسوں دور ہیں۔ حضرت مولانا لکھنویؒ کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے حبّ صحابہؓ اور حبّ اہل بیتؓ دونوں کے تقاضوں کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ انہوں نے جہاں اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فضائل ومناقب کو محبت واحترام کے ساتھ بیان کیا ہے وہیں اسی پاس ولحاظ کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم المرتبت صحابی اور کاتب وحی الٰہی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بھی فضائل ومناقب کو بیان کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دونوں بزرگوں میں جو فرق مراتب تھا اس کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ چنانچہ جنگ صفین کے سلسلہ میں ان دونوں بزرگوں کے منصب ومرتبہ کے بارے میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

اس لڑائی کے متعلق اہل سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ والے باغی، خاطی، مگر اس خطا پر ان کو برا کہنا جائز نہیں کیونکہ وہ بھی صحابی ہیں اور صاحب فضائل ہیں، ان کی یہ خطا غلط فہمی کی وجہ سے تھی اور غلط فہمی کے اسباب موجود تھے۔ ایسی خطا کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں جس پر عقلاً وشرعاً کسی طرح مواخذہ

نہیں ہوسکتا....... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابتداء تو باغی تھے مگر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی صلح و بیعت کے بعد وہ بلاشبہ خلیفہ برحق ہو گئے۔'' (خلفائے راشدین ص۱۲۔۱۳)

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اسی فرق مراتب کے متعلق حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے بھی حضرت لکھنویؒ سے خود اپنی سنی ہوئی ایک روایت، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں نقل کی ہے کہ آپ نے ایک موقع پر ان سے فرمایا تھا:

''حضرت علیؓ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰؓ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔

ان دونوں شہادتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ نے مشاجرات صحابہ اور دیگر اختلافی امور میں کبھی جادۂ حق سے انحراف نہیں کیا اور ہمیشہ مسلک وسط کو اختیار کیا ہے۔ یہی مسلک ہمارے اکابر اہل سنت کا طرۂ امتیاز ہے اور سواد اعظم کا متفقہ عمل ہے۔

اختلافات صحابہؓ کے سلسلے میں ہمارے علماء نے کف لسان کا حکم دیا ہے اور فریقین میں سے کسی کو بھی تنقید کا نشانہ نہ بنانے کو منع کیا ہے کیونکہ نبیؐ کی طرح صحابہ معصوم عن الخطا تو نہیں ہیں مگر وہ مصئون و محفوظ ضرور ہیں وہ سب کے سب عادل اور مجتہد تھے ان سے خطائے اجتہادی تو ہوسکتی ہے مگر اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ وہ موجب ثواب ہوگی۔''

(امام اہل سنت حضرت علامہ محمد عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ حیات وخدمات ص ۶۲۶۔۶۲۷)

حضرت موصوف کی پیش کردہ دونوں شہادتوں میں بعض امور محل نظر ہیں (جن کی وضاحت کا یہاں موقع نہیں ہے) البتہ ''اختلافات صحابہ'' کے سلسلے میں بیان کردہ شرعی حکم بالکل صحیح ہے لیکن سوال پھر یہی ہے کہ حضرت علیؓ کی فضیلت ومنقبت بیان کرنے کے لیے بلاضرورت و بلاموقع، ہزاروں محاربینِ سیدنا علیؓ میں سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو خصوصیت کے ساتھ ہدفِ تنقید بناتے ہوئے ''باغی، خاطی'' کہتے رہنے کے علاوہ انہیں ''صف نعال'' کے مقام ومرتبہ میں رکھنا کیا ''کف لسان'' کے شرعی حکم کی تعمیل ہے؟ پھر تعجب بالائے تعجب یہ کہ ''صف نعال'' کا یہ مقام ومرتبہ بھی لفظ ''اگر'' کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔ یعنی حضرت علیؓ سے انہیں کیا نسبت ہوسکتی ہے؟ وہ اس مقام ومرتبہ کے بھی حامل نہیں ہیں ''اگر'' انہیں ان کے

''جوتوں کی صف'' میں بھی جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔ یہ جملہ اور درجہ بندی یقیناً ''کف لسان'' کے شرعی حکم سے تجاوز اور انحراف ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کا یہ تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے کہ یہ ''جملہ'' حضرت علیؓ کی محبت و عقیدت میں ''مخمور دل'' کی وجہ سے یا پھر ''تصوف'' کے اثر کے تحت صادر ہوا ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں امام اہل سنت کے اس ''غلو'' کی بناء پر مدیر فاران کراچی مولانا ماہر القادری (م ۱۹۷۸ء) صاحب بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

''بعض لوگوں کی زبان سے یہ باتیں بھی ان کانوں سے سنیں کہ رفض کی تردید کرتے کرتے مولانا کے مزاج وطبیعت میں خارجیت کی جھلک پیدا ہو گئی ہے مگر مولانا مرحوم نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے جو حالات لکھے ہیں انہیں پڑھ کر معلوم ہوا کہ ان کی ذات سے خارجیت کی نسبت بے سروپا تہمت ہے۔ اہل بیت کرام سے وہ اسی طرح محبت وعقیدت رکھتے تھے جو اہل سنت کا شعار ہے۔ بلکہ مجھے تو فضائل علیؓ میں ایک دو مقامات پر مولانا کے قلم سے غلو کی جھلک نظر آئی۔''

(ماہنامہ فاران کراچی جولائی ۱۹۶۲ء بحوالہ ''امام اہل سنت حضرت علامہ محمد عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ حیات وخدمات مؤلفہ پروفیسر محمد عبدالحی فاروقی ص ۲۷۶ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اہل سنت بلال پارک بیگم پورہ لاہور)

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت علیؓ ''نجیب الطرفین'' ہاشمی قرشی ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ''نجیب الطرفین'' اموی، قرشی ہیں۔ دونوں کا نسب پانچویں پشت میں ''عبد مناف'' تک پہنچ کر ایک ہو جاتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تفصیل زیر نظر کتاب کے آغاز میں گزر چکی ہے۔

حضرت علیؓ قدیم الاسلام ہیں۔ انبیائے کرام اور خلفائے ثلاثہؓ کے بعد تمام مسلمانوں سے افضل ہیں۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مفضول ہونے کے باوجود ''صف نعال'' کے مقام ومرتبے میں ہرگز نہیں آتے۔ حضرت علیؓ کی منقبت اور فضیلت بیان کرنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''باغی، طاغی، خاطی اور جائر'' کہنے اور بنانے کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام گھٹا کر پیش کرنے اور انہیں ''صف نعال'' میں رکھنے اور بتانے سے حضرت علیؓ کی فضیلت میں کوئی اضافہ ہوتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کو اس نقطۂ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ ہر ایک دوسرے کے ساتھ کیسا تھا بلکہ انہیں اس زاویۂ نظر سے دیکھنا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ کیسے تھے؟ یعنی انہیں ''بالنسبة الی

المعاصرین" کے بجائے "بالنسبۃ الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" ہی دیکھنا چاہیے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مقام و مرتبے کے اعتبار سے "صف نعال" میں رکھنا (وہ بھی شروط طور پر) تو صریح توہین ہے ہی لیکن امام اہل سنت کا یہ فرمانا بھی آں معزز و مکرمؓ کی توہین و تنقیص پر ہی مبنی ہے کہ "حضرت علیؓ سے ان کو کیا نسبت؟" اس طرح کا نظریہ تو صرف نبی اور غیر نبی کے تقابل میں صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ نبی کی "لائن" ہی الگ ہے۔ امت مسلمہ کا کوئی عام صالح اور ولی تو در کنار خود "افضل الامت" سیدنا ابوبکر صدیقؓ بھی ترقی کرتے کرتے کسی "مفضول" نبی کے مقام تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ ان کے درمیان کوئی نسبت قائم نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس غیر نبی، غیر نبی سے کتنا ہی گھٹیا کیوں نہ ہو اس کی کوئی نہ کوئی نسبت ضرور قائم ہوگی۔ اس بات کا تعلق تو امت مسلمہ کے عام افراد متقدمین اور متاخرین کے ساتھ ہے لیکن جہاں تک حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان نسبت کا تعلق ہے تو افضل و مفضول ہونے کے باوجود ان کے درمیان نسب، خاندان، اسلام، ایمان شرف صحبت، انفاق و قتال فی سبیل اللہ سمیت بیسیوں نسبتیں قائم ہیں۔

اسی طرح "چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا" (از مولانا شاہ معین الدین ندوی)، "این الثریا و این الثری" (از مولانا ابوالکلام آزاد) اور "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرؓ کے ناخن کے بھی برابر نہیں ہیں" (از مولانا طارق جمیل) جیسے اقوال بھی یقیناً گستاخی پر مبنی اور توہین آمیز ہیں۔

سخت حیرت ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب نے اس توہین آمیز قول کو تو صحیح سمجھ کر نقل کر دیا جب کہ امام اہل سنت کی ایک دوسری معمولی فروگذاشت کو "محل نظر" لکھ دیا۔

امام اہل سنت اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی رسولؐ ہونے کے سبب سے صاحب فضائل ہیں اور ان کے بعد پھر مسند خلافت کو کوئی صحابی نصیب نہیں ہوا۔"

(خلفائے راشدین ص ۲۳۸۔ تحت خاتمۃ الکتاب مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱۹۹۴ء)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"یہاں امام اہل سنت کا یہ لکھنا محل نظر ہے کہ ان یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد پھر مسند خلافت کو کوئی صحابی نصیب نہیں ہوا۔ حالانکہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ۹ سال تک مسند خلافت پر فائز رہے ہیں۔" (خارجی فتنہ حصہ دوم ص ۱۳۶۔ مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت پاکستان چکوال)

امام اہل سنت اپنی کتاب خلفائے راشدینؓ میں زیر عنوان "حضرت فاروق اعظمؓ کی

شہادت لکھتے ہیں کہ:

''اس روز بھی آپ نے ایسا ہی کیا نماز ویسے ہی آپ نے شروع کی تھی صرف تکبیر تحریمہ کہنے پائے تھے کہ ایک مجوسی کافر ابولؤلؤ جو حضرت مغیرہؓ کا غلام تھا اور ایک زہر آلود خنجر لیے ہوئے مسجد کی محراب میں چھپا ہوا بیٹھا تھا اس نے آپ کے شکم میں تین زخم کاری اس خنجر کے لگائے آپ بے ہوش ہو کر گر گئے .... ''(خلفائے راشدین ص ۱۵۹)

موصوف نے اپنے دور کے ''محرابوں'' پر قیاس کرتے ہوئے یہ خلاف حقیقت بات لکھ دی ہے۔حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں کسی ''محراب'' کا تصور تک نہ تھا۔اسطوانہ عائشہؓ کے پاس جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے تھے اسے ''مصلیٰ رسولؐ'' کہا جاتا ہے۔۹۱ھ میں ولید بن عبدالملک کے حکم سے مدینہ منورہ کے گورنر عمر بن عبدالعزیز نے پہلی مرتبہ مصلیٰ رسولؐ'' اور حضرت عثمانؓ کی توسیع کردہ جگہ میں ''محراب النبی'' اور ''محراب عثمانی'' کے نام سے محراب بنوائے۔

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی ۱۷ھ میں قبلہ کی جانب جنوباً ایک دالان کا اضافہ کیا تھا جب کہ حضرت عثمانؓ نے بھی ۲۹ھ میں اسی جانب ایک دالان کا مزید اضافہ کیا جس کے بعد آج تک قبلہ کی دیوار کی طرف کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکا۔حضرت عمرؓ کی شہادت کی وجہ سے ہی حضرت عثمانؓ نے اپنی نماز کی جگہ مقصورہ بنوایا تھا۔(ملاحظہ ہو'' تاریخ مسجد نبوی شریف ص ۴۷،۸۴ مؤلفہ ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی۔مطابع الرشید المدینۃ المنورۃ)

اسی طرح امام اہل سنت نے صحیح بخاری کی ایک روایت کے حوالے سے بھی حدیث قرطاس سے متعلق ایک خلاف حقیقت بات لکھ دی ہے کہ:

''جواب پہلے الزام کا یہ ہے کہ اول تو لفظ "ھجر" حضرت عمرؓ کا مقولہ نہیں۔صحیح بخاری میں سات جگہ یہ روایت ہے مگر کہیں بھی یہ لفظ حضرت عمرؓ سے منقول نہیں بلکہ "قالوا" بصیغۂ جمع ہے .... تیسری بات یہ ہے کہ لفظ ہمزہ استفہام کے ساتھ مروی ہے چنانچہ بخاری کی چھ روایتوں میں ہمزہ کے ساتھ ہے صرف ایک میں بے ہمزہ ہے لہٰذا حسب قاعدہ اصول حدیث جو روایت بے ہمزہ کے ہے اس میں بھی ہمزہ مانا جائے گا پس یہ لفظ اگر بمعنی ہذیان ہو تو بھی استفہام انکاری ہے۔''(خلفائے راشدین جلد اول ص ۳۶۵۔۳۶۶۔مؤلفہ علامہ خالد محمود زیر عنوان'' قصہ قرطاس کا مختتم فیصلہ'' از حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی)

اس اقتباس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ بخاری کی سات روایتوں میں

لفظ "ھجر" موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بخاری کی چھ روایتوں میں یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی "اھجر"، صرف ایک روایت میں بے ہمزہ یعنی "ھجر" ہے لہٰذا اصول حدیث کے قاعدے کی رو سے بے ہمزہ والی روایت میں بھی ہمزہ مانا جائے گا۔

جب کہ یہ دونوں باتیں خلاف حقیقت ہیں اور بخاری کے متداول نسخوں میں نہیں پائی جاتیں۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ صحیح بخاری میں حدیث قرطاس سات مختلف مقامات پر بیان ہوئی ہے لیکن یہ بات قطعاً صحیح نہیں ہے کہ لفظ "ھجر" (ہمزہ یا بے ہمزہ) بھی ساتوں روایات میں آیا ہے۔

اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ لفظ "ھــــجــــر" صرف تین روایات میں آیا ہے اور تینوں میں ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی اھجر۔ صحیح بخاری میں کہیں بھی بے ہمزہ منقول نہیں ہے البتہ صحیح مسلم میں یہ لفظ بصیغہ مضارع بے ہمزہ کے ہے یعنی یھجر۔

نبیرہ امام اہل سنت پروفیسر عبدالحئی فاروقی لکھتے ہیں کہ:

حضرت لکھنویؒ کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ آپ اپنی تقریروں اور تحریروں میں واقعات کربلا کا تذکرہ زیادہ نہیں کرتے تھے۔ اس احتیاط کے اسباب وہی ہیں جنہیں ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اس حادثۂ فاجعہ کے سلسلہ میں تاریخی کتابوں میں صحیح اور موضوع روایات اس کثرت سے خلط ملط کر دی گئیں ہیں کہ اصل و بے اصل کا امتیاز کرنا، ناممکن ہو گیا ہے۔ اس لیے ان واقعات کے تذکرہ میں انہوں نے سکوت ہی اختیار کرنا بہتر سمجھا ہے.....

تقریباً یہی صورت حال یزید کے سلسلہ میں بھی ہے۔ ان کی حمایت اور مخالفت میں بھی شروع ہی سے بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے اور ان کے حامی ومخالف دونوں طبقے غلو کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اہل سنت والجماعت اور اکابر علماء حق کی روش یہی رہی ہے کہ تاریخ اسلام کے اس سب سے زیادہ متنازعہ فرد یزید کے بارے میں جو کفر کے الزامات ہیں ان پر سکوت اختیار کیا جائے البتہ ان کا فسق "متفق علیہ" ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ایسے فاسق وفاجر شخص کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا امیر کیسے بنا دیا؟ تو اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ معذور تھے اور انہیں صحیح صورت حال کا علم نہ ہو سکا اس لیے ان کا یہ فیصلہ کسی بدنیتی پر نہیں بلکہ ایک قسم کی خطائے اجتہادی پر مبنی تھا۔"

(موصوف بحوالہ علامہ ابن حجر مکی تحریر کرتے ہیں کہ:)

"لیکن اس کے باوجود بعض (صحابہ) سے ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں جوان کے مرتبہ کے لائق نہ تھیں ۔جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ بنادیا ۔بیٹے کی شدت محبت نے اس کے کمالات ان کی نظر میں جما دیے تھے اور اس کے عیوب ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیے تھے ۔حالانکہ اس کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن تھے ۔پس یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کے لحاظ سے لغزش تھی (جس پر) اللہ ان کو بخش دے گا مگر کسی دوسرے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تقلید اس فعل میں جائز نہیں اور جو شخص اس بات میں ان کی تقلید کرے گا وہ سرنگوں کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔"

مذکورہ تفصیل سے یہ عیاں ہوگیا کہ یزید میں فسق تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے انہیں امیر بنانے میں خطا اجتہادی ہوئی تھی ۔تطہیر الجنان کا اردو میں ترجمہ کر کے حضرت لکھنویؒ نے دوبارا سے شائع کیا تھا مگر اس مقام پر انہوں نے کوئی اختلافی نوٹ نہیں لگایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس رائے سے متفق تھے ورنہ ضرور اس کے خلاف اپنی رائے تحریر کرتے ۔

(امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی حیات وخدمات ص ۶۲۷ ۔۶۲۸ )

موصوف کی اس "توضیح" کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس "استخلاف" میں معذور تھے کیونکہ وہ اس کے "فاسقانہ وفاجرانہ" اعمال سے بے خبر تھے ۔اور دوسری طرف یہ فرمانا کہ "اس کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن تھے مگر بیٹے کی شدت محبت نے اس کے عیوب ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیے تھے" کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برأت "بعید از فہم" ہے ۔سخت حیرت ہے کہ جس شخص کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہوں اس سے خود اس کا اپنا والد اور اپنے وقت کا عظیم سیاست دان ،مدبر اعظم اور خلیفۂ وقت بے خبر ہو ۔پھر ایسے فاسق وفاجر بیٹے کو محض "شدت محبت" سے مغلوب ہو کر امت مسلمہ پر مسلط کر دیا جائے ۔فیا اسفا!

تعجب بالائے تعجب یہ کہ دیگر سینکڑوں صحابہؓ اور ہزاروں تابعینؒ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس طویل دورانیے میں اس کے "فاسقانہ وفاجرانہ" اعمال سے آگاہ کرنے کے بجائے الٹا پہلے ولی عہدی اور بعد میں خلافت کی بیعت کر کے اسی "خطائے اجتہادی" کا ارتکاب کرلیا۔

علاوہ ازیں اگر امام اہل سنت کا یہ "استدلال" صحیح تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت معاویہؓ اپنے بیٹے کے "فاسقانہ وفاجرانہ" اعمال سے بے خبر ہونے کی بناء پر معذور تھے تو حضرت معاویہؓ پر ایک اور "الزام" عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے بلا تحقیق اپنے بیٹے کو اس قدر اہم ترین منصب کے لئے

کیوں نامزد کیا؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آج مہتمم حضرات اپنے مدرسہ میں ''داخلہ'' کے لئے بھی ''حسن سیرت'' کا سٹرٹیفکیٹ لازمی قرار دیتے ہیں، اسی طرح حکومت بھی ''تھانوں'' سے ''کلیئر'' ہوئے بغیر کسی کو ''ملازم، سپاہی اور فوجی'' بھرتی نہیں کرتی۔

حضرت موصوف ؒ ایک طرف تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیٹے کے حالات سے ''بے خبری'' کی وجہ سے ''معذور'' قرار دے کر ''خطائے اجتہادی'' کا مرتکب قرار دیتے ہیں جب کہ دوسری طرف اسے ''لغزش'' قرار دے کر یہ ''نوید'' سناتے ہیں کہ اللہ ''ان کو بخش دے گا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ''ابھی ان کی بخشش نہیں ہوئی'' تو پھر خطائے اجتہادی کے ارتکاب پر وہ ''ماجور'' کیسے ہوئے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بصیغۂ ماضی اپنی ''رضا'' کا اعلان کر دیا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ''مستقبل'' میں بخشش کی ''نوید'' سنانے کے بعد موصوف یہ ''ہدایت'' بھی دے رہے ہیں کہ جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل (نالائق و نااہل کی جانشینی) میں ان کی تقلید کرے گا تو وہ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ مدارس کے مہتمم، مساجد کے خطباء، علماء ومشائخ اور گدی نشینوں کو اس نصیحت پر ضرور توجہ دینی چاہیے جن کی اکثریت صدیوں سے مسلسل اپنے نالائق و نااہل اور ''فاسق'' بیٹوں کی محبت میں ان کو اپنا جانشین بنا کر امت مسلمہ پر مسلط کرتی چلی آرہی ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو ''خلاف شرع'' یا ''اجتہادی خطا'' یا ''لغزش'' قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ ''استخلاف'' باقاعدہ وباضابطہ طور پر اہل حق، اہل عدل، اہل رائے، اہل حل وعقد اور تمام صوبوں کے نمائندوں کے مشورے اور کامل استصواب عامہ کے بعد عمل میں آیا تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو کسی پدرانہ شفقت ومحبت، طمع ولالچ، خودغرضی اور مفاد پرستی کی بناء پر ہرگز نامزد نہیں فرمایا تھا بلکہ محض رضائے الٰہی کے حصول، امت مسلمہ کو انتشار وافتراق سے بچانے اور اس کی باقاعدہ آزمودہ صلاحیت واہلیت کی بناء پر ''ولی عہد'' مقرر فرمایا تھا۔

حضرت امام اہل سنت نے ''شہادت سیدنا حسین بن علیؓ'' کے عنوان سے ایک مضمون سپرد قلم فرمایا ہے۔ اس میں واقعہ کربلا کے ضمن میں موصوف نہ صرف یہ کہ اس وقت موجود صحابہ کرامؓ کا کماحقہ دفاع نہیں فرما سکے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت حسینؓ کا تقابل کراتے

ہوئے افراط وغلو کا بھی شکار ہو گئے اور پورے تیقن کے ساتھ اعلان کر دیا کہ ’’اگر باب نبوت بند نہ ہوتا اور کوئی نبی مبعوث ہوتا اور اس پر کتاب نازل ہوتی تو اس میں حضرت حسینؓ کی شان میں یقیناً یہ آیت بھی ہوتی‘‘ جب کہ اس طرح کا کوئی دعویٰ سرے سے کیا ہی نہیں جا سکتا۔ یہاں اس مضمون کے چند اقتباسات بلا تبصرہ ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں:

’’اسلام کی حفاظت کے لیے انہوں (امام حسینؓ) نے اپنی جان دے دی۔ وہ جان جس کی قیمت میں متاع ہر دو جہاں پاسنگ بھی نہیں بن سکتا۔ وہ جان جس کی قدر رسول اللہ اور اس کے رسول کے کما حقہ کوئی نہیں جانتا۔ سچ کہا جس نے کہا ہے کہ کیا حضرت خلیل علیہ السلام کی جاں نثاری سے کسی طرح ان کی جان نثاری کم ہے بلکہ غور سے دیکھو تو اگر زیادہ نہیں تو برابر ضرور پاؤ گے... یاد رکھو! اگر کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوتا اور اس پر کتاب اترتی تو حضرت خلیل اللہ وحضرت ایوب علیہما السلام کی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر اس میں ہوتا اور یقیناً ان کی نسبت یہ کلمات ارشاد ہوتے: ’’انّا و جدناہ صابراً نعم العبد انّہ اوّاب‘‘

’’بے شک ہم نے حسین علیہ السلام کو صبر کرنے والا پایا، کیا ہی وہ اچھا بندہ تھا۔ بے شک وہ ہماری طرف رجوع کرنے والا تھا‘‘

اب میرا دل قابو میں نہیں اور میری زبان پر بے اختیار مولانا جامی کے یہ چند اشعار آ رہے ہیں...

اے زبان! اب بس کر اور اے دل! اب ذرا رک جا۔ اگر تمام عمر بھی تو سید الشہداء کی تعریف کیے جائے گا تو کیا یہ بحر بے پایاں ختم ہو جائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ آخر میں یہی کہنا پڑے گا کہ

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہم چناں در اولِ وصفِ تو ماندہ ایم

..... رہ گیا صحابہ کا امام شہید کے ساتھ میدان کربلا میں نہ آنا، اس کی اصل وجہ تو وہ ہے کہ جس وقت امام حسینؓ نے عزم کوفہ کیا ہے اس وقت اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو بھیج کر سب حالات وہاں کے لوگوں کے معلوم کر لیے تھے، ہر طرح سے ان کی وفاداری پر اطمینان تھا۔ یہ علم غیب کسے تھا کہ وہاں پہنچ کر یہ حادثہ جانکاہ پیش آئے گا؟ بعض صحابہ نے مثل عبداللہ بن عمرؓ کے جو امام حسینؓ کو منع کیا تھا، اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان کو یقین یا گمان غالب تھا کہ ایسا واقعہ وہاں پہنچنے پر پیش آئے گا بلکہ بنظر دور اندیشی انہوں نے ممانعت کی تھی۔

اب رہ گئی یہ بات کہ جب یہ حادثہ شروع ہو گیا تب صحابہ کیوں نہ شریک جنگ ہوئے؟ اس کی واقعی یہ

وجہ ہے کہ اس وقت تک تارڈاک کا انتظام نہ تھا کہ ان کو خبر ہو جاتی۔ یزیدیوں نے راہ آمدورفت مسدود کردی تھی۔ یہ بات بھی اختیار سے باہر ہو چکی تھی کہ امام حسینؓ کسی آدمی کو بھیج کر ان کو مطلع کرتے بھی تو کیا نتیجہ؟

پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

اب باقی رہی یہ بات کہ پھر اس واقعہ کے بعد وہ کیوں نہ لڑے؟ یہ محض ناعاقبت اندیشی کا اعتراض ہے۔ صحابہ کو اتنی قدرت اور قوت کہاں تھی کہ وہ یزید سے مقابلہ کرنے کی صورت میں کامیابی کی امید رکھتے؟ بلکہ ناکامی کا بظاہر اسباب یقین کامل تھا لیکن اس پر بھی وہ لڑ کر اپنی جانیں دے دیتے مگر مجبور تھے کہ رب العرش کا حکم "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" (اپنے ہاتھوں کو ہلاک ہو جانے کی طرف نہ ڈالو) ان کو اس فعل سے منع کر رہا تھا۔ (ماہنامہ انوار مدینہ لاہور، ص ۱۱-۱۲، ستمبر ۱۹۸۶ء، زیر سرپرستی مولانا خان محمد صاحب، زیر ادارت مولانا محمد عبداللہ صاحب بھکر)

امام اہل سنت کے "تسامحات" میں سے یہاں چند امور کے ذکر سے اتنی بات تو واضح ہو گئی ہے کہ آں محترم سے مذکورہ امور میں سخت تسامح ہوا ہے لیکن جہاں تک حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین تقابل کرتے ہوئے توہین صحابی پر مبنی زیر بحث قول کا تعلق ہے وہ تو بلا دلیل ہونے کے علاوہ خود ان کی اپنی "ذاتی ترجیح" معلوم ہوتا ہے جو کتاب وسنت کے بھی صریح خلاف ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ یہاں مسئلہ "تفضیل علیؓ بر معاویہؓ" ہرگز زیر بحث نہیں ہے۔ مسئلہ تفضیل حق ہے اور کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ صحابہ کرامؓ درجات میں باہم برابر نہیں ہیں۔ اسی لیے علماء کرام نے مولانا ظفر علی خان کے اس شعر کو خلاف حقیقت قرار دیا ہے:

ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی　　کوئی فرق نہیں ان چاروں میں

"تفضیل" کی اگرچہ بہت سی اقسام ہیں لیکن جن اخروی امور میں "تفضیل" معتبر ہے ان میں حضرت علیؓ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہر طرح فضیلت حاصل ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ جب کہ دنیاوی امور میں "تفضیل" کا اصلاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لیکن اس "تفضیل" کو "کسی صحابی کا ناخن، این الثریا وابن الثریٰ، چراغ مردہ کجا وشمع آفتاب کجا یا صف نعال" میں جگہ دینے سے ایک صحابی کی توہین لازم آتی ہے۔

"احترام صحابیت" کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر ایک طرف کوئی غیر معروف صحابی ہو جس کی کوئی نمایاں خدمت اور ممتاز سیرت سامنے نہ آئی ہو بس اتنا معلوم ہو کہ ایمان کے بعد اس نے کفر اختیار نہیں کیا اور دوسری طرف حضرت علیؓ نہیں بلکہ "خیر الامت" اور "افضل البشر بعد الانبیاء"

حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوں تو پھر بھی اس طرح کا تقابل اس غیر معروف صحابی کی توہین پر مبنی ہوگا۔

''صحابیت'' کے بے مثال شرف سے جو مومن مشرف ہو چکا ہوا سے ''این الثریٰ ، چراغ مردہ یا صف نعال'' سے کیونکر تشبیہ دی جا سکتی ہے؟

یہ تقابل تو بڑا ہی اہانت آمیز ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تفاوتِ مراتب کے باوجود یقیناً حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی طرح ''رضی اللّٰہ عنہم و رضو عنہ ، کلاً وعد اللّٰہ الحسنیٰ اور اصحابی کالنجوم'' میں داخل ہیں۔

کوئی منافق ہی حضرت علیؓ کے فضل و شرف میں شک کر سکتا ہے۔ وہ یقیناً علم و فضل اور طہارت وتقویٰ کے شبستان میں گوہر شب چراغ ہیں مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف صحابیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر کتابتِ وحی اور وزیر مہمان داری کی گراں قدر خدمات انجام دینے کے علاوہ متعدد مرتبہ بالخصوص حجۃ الوداع کے موقع پر طواف زیارت کی ادائیگی کے لیے منیٰ سے مکہ آتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف بننے کی سعادت حاصل کرنے والے کو حضرت علیؓ کی ''صف نعال'' میں جگہ دینا بھی یقیناً آں معظمؓ کی سخت توہین اور بے ادبی ہے۔ بہر حال اس تقابل میں اگر ''لفظی وحشت'' کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی یہ محض ''غلو'' ہے جس سے باری تعالیٰ نے بھی منع فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

# ۲۴۔ سید قطب شہید (م ۱۹۶۶ء)

سید قطب کا اصل نام صرف ''سیدؔ'' ہے۔ ان کے چھوٹے بھائی کا نام محمد قطب ہے۔ ''قطب'' ان کا خاندانی نام ہے۔ والد کا نام ابراہیم قطب اور والدہ کا نام فاطمہ حسین عثمان تھا۔ سید قطب ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں مصر کے ضلع ''اسیوط'' کے ''موشا'' نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بعد میں ان کے والدین اپنے گاؤں کو چھوڑ کر قاہرہ کی ایک نواحی بستی ''حلوان'' میں آباد ہو گئے۔

سید قطب ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن مجید کے بعد ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم (قاہرہ یونیورسٹی) میں داخل ہو گئے جہاں سے ۱۹۳۳ء میں گریجویشن کیا۔ ۱۹۴۷ء میں ڈیپوٹیشن پر امریکہ گئے اور وہاں سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ کچھ عرصہ وزارت تعلیم کے تحت سرکاری ملازمت کی پھر ۱۹۴۵ء میں ''اخوان المسلمون'' سے وابستہ ہو گئے جس کی وجہ سے ایک عرصہ تک ابتلاء واسارت کا شکار رہے۔ بالآخر ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ بمطابق ۲۵ اگست ۱۹۶۶ء کو اسلامی انقلاب لانے کے ''جرم'' کی پاداش میں تختۂ دار پر لٹکا دیے گئے۔

سید قطب نے تفسیر ''فی ظلال القرآن'' سمیت بائیس کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے ایک کتاب ''العدالة الاجتماعية في الاسلام'' بھی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۴۸ء میں پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی تھی۔ اس وقت راقم الحروف کے سامنے اس کا سولھواں ایڈیشن ہے جو ''دارالشروق'' قاہرہ مصر سے ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔

محترم جناب خلیل احمد حامدی اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''العدالة الاجتماعية في الاسلام'' ۱۹۴۸ء میں پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی ہے۔ اب تک اس کتاب کے سات ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ ہر ایڈیشن میں سید موصوف اپنے تازہ مطالعہ کی بناء پر ترمیم واضافہ کرتے رہے ہیں۔ اس کتاب کے ساتویں باب میں سید موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنوامیہ کے بارے میں جس نقطۂ نظر کا اظہار کیا تھا ساتویں ایڈیشن میں انہوں نے مکمل تبدیلی کر دی تھی اور کوئی قابل اعتراض بات باقی نہیں رہنے دی ہے۔ یہ تبدیلی ایام اسیری میں کر دی گئی تھی مگر حالات کی وجہ سے اس کی طباعت کی کوئی سبیل نہ پیدا ہو سکی۔

ان کی شہادت کے بعد یہ ترمیم شدہ ایڈیشن چھپ چکا ہے اور عرب ممالک میں وسیع پیمانے پر تقسیم ہو رہا ہے۔اس کتاب کے دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔اس کا انگریزی ترجمہ ''سوشل جسٹس ان اسلام'' کے نام سے ''امریکن کونسل آف سرنڈ سوسائٹیز'' واشنگٹن کی جانب سے ۱۹۵۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔فارسی، ترکی، انڈونیشی اور اردو میں بھی ترجمے چھپ چکے ہیں۔اس کا اردو ترجمہ ''اسلام کا عدل اجتماعی'' کے نام سے اسلامک پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا ہے۔یہ ترجمہ ہمارے دوست ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی صاحب (بھارت) نے کیا ہے۔(''جادہ ومنزل'' اردو ترجمہ ''معالم فی الطریق'' ص ۴۱۔۴۲)

''جادہ ومنزل'' کا مقدمہ جناب حامدی صاحب نے زیر عنوان: ''مصنف اور تصنیف'' یکم مارچ ۱۹۶۸ء کو تحریر کیا تھا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ۱۹۶۸ء میں ''العدالة الاجتماعية في الاسلام'' کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص سے ''پاک'' ایڈیشن شائع ہو چکا تھا اور اس وقت سے اب تک عرب ممالک میں وہی ''تصحیح شدہ'' نسخہ ہی شائع ہو رہا ہے جس میں ''مترجم'' کے مطابق ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ''کوئی قابل اعتراض بات باقی'' نہیں رہی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنوامیہ سے متعلق اس کتاب میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی شہرہ آفاق کتاب ''خلافت وملوکیت'' کے ساتھ حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ ''جماعت اسلامی'' کے ساتھ تعلق رکھنے والے مترجم موصوف کو زیر بحث کتاب میں اب کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آئی۔

مترجم موصوف کے مطابق ''فوجی ٹریبونل'' میں سید قطب نے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ ''میں نے مولانا مودودی صاحب کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور ہماری دعوت میں کوئی فرق نہیں ہے''

اس جواب سے مصر کے کیمونسٹ عناصر کے ترجمان ماہنامہ ''الکاتب'' کے مضمون نگار نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''سید قطب نے مولانا مودودی کے افکار ونظریات کا سرقہ کیا ہے''

مترجم موصوف اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''قارئین کے لیے یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ یہی الزام یہاں پر چند لوگ مولانا مودودی پر لگا رہے ہیں کہ انہوں نے سید قطب کی نقالی کی ہے۔حالانکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ دونوں کے مآخذ ایک ہی ہیں یعنی قرآن وسنت''(حوالہ مذکور ص ۵۸۔۵۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دونوں کے افکار وخیالات میں مماثلت کے ماخذ "قرآن وسنت" تو ہرگز نہیں ہیں البتہ طبری، واقدی اور کلبی وغیرہم جیسے حضرات کی تحریرات وروایات ضرور ان کے اصل ماخذ ہیں۔

چونکہ سید قطب کی تالیف "العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام" ۱۹۴۸ء میں شائع ہو چکی تھی اور اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کے حوالے سے اعتراضات بھی سامنے آچکے تھے اس لیے مولانا مودودی صاحب نے انہیں "کمک" پہنچانے کی غرض سے "خلافت وملوکیت" جیسی زہریلی کتاب تصنیف فرمائی جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سخت تنقید کی گئی ــــ (اس کتاب کا ذکر آگے آرہا ہے)

بہرحال مترجم موصوف کے مطابق "العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام" کا اب "تصحیح شدہ" نسخہ ہی شائع ہو رہا ہے۔لیکن اس دعویٰ کے باوجود اس کتاب میں اب بھی حضرت عثمان، حضرت معاویہ، حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اور بنوامیہ کی توہین وتنقیص پر مبنی مواد موجود ہے جس پر عرب سکالرز بھی صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہو گئے؛ چنانچہ مشہور عرب سکالر ڈاکٹر عادل سلیمان جمال نے استاذ محمود محمد شاکر (۱۳۲۸ھ ــــ ۱۴۰۴ھ) کے مقالات دو جلدوں میں زیر عنوان "جمهرة مقالات الاستاذ محمود محمد شاكر" ترتیب دیے ہیں جن کی طباعت کی سعادت "مكتبة الخانجي قاهرة" کو حاصل ہوئی ہے۔صاحب مقالات نے ان میں سید قطب کا نہایت ہی مفصل اور مدلل رد کیا ہے۔"لا تَسُبُّوا أَصْحَابِيَ" کے عنوان کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

أربعة من اصحاب رسول الله صلّى الله عليه و سلّم:هم أبوسفيان بن حرب ، و معاوية بن أبي سفيان ، و عمرو بن العاص ، و هند بنت عتبه بن ربيعة ، أمّ معاوية رضى الله عنهم كيف يتكلم أحد النّاس عنهم...

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چار اصحاب کے بارے میں لوگوں میں سے کوئی کس طرح اور کیونکر کلام ونقد کر سکتا ہے؟

پھر جذبۂ "حب صحابہ رضی اللہ عنہم" سے سرشار حضرت العلّام، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سید قطب کے گستاخانہ ریمارکس کو یہ کہہ کر نقل کرنے سے بھی گریزاں نظر آتے ہیں کہ:

و أنا أستغفر الله من نقل هذا الكلام ، بمثل هذه العبارة النابية فانه أبشع ما رأيته"

(جمہرۃ مقالات الاستاذ محمود محمد شاکر ص۹۹۱-۹۹۲۔الجزء الثانی)

یہ ساری بحث دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کا فریضہ سرانجام دینے والوں کو خصوصیت کے ساتھ اور ترجیحی طور پر پڑھنی چاہیے جو صفحہ نمبر ۹۷۰ سے لے کر صفحہ نمبر ۱۰۱۱ تک پھیلی ہوئی ہے۔

استاذ محمود محمد شاکر کے اس کام کو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل استاذ "ربیع بن ھادی عمیر المدخلی" نے مزید آگے بڑھایا ہے۔انہوں نے "مطاعن سید قطب فی أصحاب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم" کے عنوان سے ایک معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی۔اس کتاب کے "عنوانات" پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی سید قطب کی "خدمات" بھی ازخود ہی سامنے آجاتی ہیں۔چند عنوانات ملاحظہ فرمائیں:

"لا تسبّوا أصحابي للأستاذ محمود محمد شاكر ، دندنته حول تكفير بني أمية جميعاً و خاصة أبا سفيان ، مكانة أصحاب رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عند الله و رسوله والمؤمنين ، نبذة عن الخليفة الراشد عثمان بن عفان رضي الله عنه ، تمهيد طويل من سيد قطب ليتوصل به الى الطعن في عثمان و من في عهده من الصحابة وغيرهم ، اتهام سيد(قطب)لعثمان رضي الله عنه بأنه باكر الاسلام الناشئ بالتمكين للمبادئ الاموية المجافية لروح الاسلام ، اتهام بأن تصوره لحقيقة الحكم قد تغير ، اظهار سيد ، عثمان في صورة ظالم متجبر ، اتهام سيد ، لعثمان بأنه قد توسع في المنح والعطايا ، رمي سيد ، عثمان بالانحراف عن روح الاسلام ، سيدقطب يرى أن الثورة التي قادها ابن سبا أقرب الى روح الاسلام واتجاهه من موقف عثمان ، تمكين عثمان في نظر سيدللمبادئ الاموية المجافية لروح الاسلام ، اتهامات خطيرة للصحابة و المجتمع المسلم في عهد عثمان ، تحطم أسس الدين في عهد عثمان رضي الله عنه في زعم سيد، خلافة عثمان كانت فجوة في نظر سيد قطب ، طعنات في عثمان و في سائر الصحابة و قريش بصفة خاصة ، تمجيد سيد للثورة على عثمان و الصاقها بأبي ذرو برأه الله منها ، زعم سيد أن أباذر قام ينكر على المترفين أي أصحاب رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، الذب عن عبدالرحمٰن بن عوف رضي الله عنه ، الذب عن طلحة بن عبيدالله رضي الله عنه ، موقف الصحابة و علماء الأمة من الثوار على عثمان الذين يمدحهم سيد قطب ، طعون سيدقطب في خلفاء بني أمية و بني العباس۔

فضیلۃ الشیخ علامہ ربیع بن ھادی عمیر المدخلی کی ایک دوسری کتاب کا نام "العواصم مما في

کتب سید قطب من القواصم" ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ قاضی ابوبکرابن العربی کی کتاب کا نام بھی "العواصم من القواصم" ہے جس میں "عمومیت" پائی جاتی ہے جب کہ علامہ ربیع بن ھادی کی کتاب خاص ہے جو صرف سید قطب کے "قواصم" کے لیے "عواصم" کا درجہ رکھتی ہے۔

"قواصم" قاصمہ کی جمع ہے ___ توڑ دینے والی یعنی انسان کے لیے "کمر توڑ حادثہ" اور ایمان کو برباد کر دینے والی باتیں کیونکہ بعض اسلام دشمن عناصر نے اسلام میں ایسی چیزیں درج کر دی ہیں جن کو قبول کر لینے سے انسان ایمان سے دیوالیہ ہو جاتا ہے۔

اور عاصمہ یعنی حادثہ کی اصل حقیقت جس کی وجہ سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ عاصمہ کا معنی ہی حفاظت کرنے والی ہے۔

موصوف کی کتاب کے نام "العواصم مما فی کتب سید قطب من القواصم" سے ہی سید قطب کے خیالات وافکار واضح ہو جاتے ہیں۔ حضرت علامہ کی یہ دونوں کتابیں "مکتبہ فرقان" الامارات العربیۃ المتحدہ عجمان سے شائع ہوئی ہیں۔

سید قطب شہید سے متعلق ان تمہیدی گزارشات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کی مایہ ناز کتاب "العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام" سے چند باتیں نذر قارئین کی جا رہی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب بانی وامیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان "سید قطب مصری" کے متعلق لکھتے ہیں:

سید قطب مصری کی ایک عربی تصنیف "العدالۃ الاجماعیۃ فی الاسلام" کا اردو ترجمہ "اسلام کا نظام عدل" کے نام سے مودودی جماعت نے پاکستان سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں سید قطب نے خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

"لیکن دراصل یہ پہلا حادثہ نہ تھا، اس سے بدتر واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مؤخر کر کے ضعیف العمری کے زمانہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بنایا جانا ہے۔ جس کے نتیجہ میں سلطنت کی کنجیاں مروان بن حکم کے قبضہ میں چلی گئیں ...،

مجھے پورا یقین ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور چند سال اور باقی رہ جاتا یا شیخین کے بعد تیسرے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوتے بلکہ اگر مسند خلافت پر آتے وقت حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ کی عمر جتنی تھی اس سے بیس سال کم ہوتی تو بڑی حد تک تاریخ کا رخ بدل جاتا۔"(اسلام کا نظام عدل ۲۳۸،۲۰۶)

(حضرت قاضی صاحب سید قطب کی مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:)

قطب مصری کی مندرجہ عبارتوں سے یہی نتیجہ لازم آتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نعوذباللہ خلافت کے اہل نہ تھے اوران کی جگہ تیسرے نمبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت ملنی چاہیے تھی۔اس بناء پر ہم مذکورہ اتحادی علمائے ثلاثہ (مولوی محمد چراغ صاحب گوجرانوالہ ،مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل اور مفتی محمد یوسف صاحب) سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا آپ کا بھی یہی نظریہ ہے جو قطب مصری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے۔اگر ایسا ہی ہے تو پھر آپ زمرہ اہل سنت سے یقیناً خارج ہیں اور نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی مخالف ہیں کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت میں جن چھ جلیل القدر صحابہ کے نام خلافت کے لیے پیش فرمائے تھے ___ وہ حضرات ان عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کے جنتی ہونے کی خبر من جانب اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی تھی۔

گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے ان ہی صحابہ کے نام پیش کیے جن کو خود اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام میں سے منتخب فرمایا تھا۔اور پھر ان چھ منتخب اصحاب میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کے لیے منتخب ہوگئے۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت اس وقت کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہوگیا۔

تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بڑھاپے پر نظر نہ تھی جس کو قطب مصری خلافت کی نااہلیت کی وجہ قرار دے رہا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قطب مصری نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اعتماد بھی مسلمانوں کے قلوب سے زائل کرنا چاہتا ہے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تیسرا خلیفہ منتخب کیا تھا۔

اور اگر یہ تینوں اتحادی علماء سید قطب کے اس پیش کردہ نظریہ کے خلاف ہیں تو پھر ان پر لازم ہے کہ واضح طور پر اس کی تردید کر کے مودودی جماعت کے ان ارکان و متفقین کو گمراہی سے بچائیں جو قطب مصری کے ان ناپاک خلاف حق نظریات سے متاثر ہوئے ہیں۔

(مفتی محمد یوسف صاحب کے علمی جائزہ کا "علمی محاسبہ" ص ۱۴۶۔۱۴۷۔طبع نومبر ۱۹۷۶ء تحریک خدام اہل سنت والجماعت چکوال)

قاضی صاحب نے تو "اردو ترجمہ" کے حوالے سے اشارتاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی توہین کا ذکر کیا ہے جب کہ اصل عربی کتاب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا کہ وہ کسی طور پر بھی "خلافت راشدہ" کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔خلافت کے جملہ امور سیدنا مروان اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما اور دیگر اموی امراء اپنی مرضی کے مطابق چلاتے رہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بن جانے کے باوجود بالفعل اموی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ملاحظہ ہو "العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام" ص ۱۵۹ تا ۱۶۴۔جس کی تردید یقیناً ایک مستقل کتاب کی متقاضی ہے۔

سید قطب کے بارے میں پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ موصوف نے اپنی کتاب "العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام" میں حضرت عثمان، حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اور دیگر اموی صحابہؓ و خلفاء کو خوب ہدفِ تنقید بنایا جس پر خود ان کے اپنے حلقۂ احباب نے بھی "ہاتھ ہلکا" رکھنے کی درخواست کی تو موصوف نے "بادلِ نخواستہ" بعض مقامات پر حذف و ترمیم کی اجازت تو دے دی لیکن اس کے باوجود، صرف اصل "نفس مسئلہ" اپنی جگہ برقرار رہا بلکہ حضرت معاویہؓ اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی اہانت آمیز مواد کتاب میں شامل رہا۔چنانچہ موصوف حضرت معاویہؓ کی خلافت کو "ملک عضوض" میں "محسوب" کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"فلمّا جاء الامویون ، و صارت الخلافة الاسلامية ملكاً عضوضاً في بني أمية لم يكن ذٰلك من وحي الاسلام ، انما كان من وحي الجاهلية الّذي أطفأ اشراقه الروح الاسلامي ويكفي أن تثبت هنا بعض الروايات عن الملابسات الّتي صاحبت البيعة ليزيد بن معاوية..."

("العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام" ص ۱۵۴، دار الشروق قاہرہ مصر۔سولھواں ایڈیشن ۲۰۰۶ء)

الاستاذ محمود محمد شاکر نے سید قطب کی مذکورہ عبارت میں "جاء الامویون" کے الفاظ کی بجائے صاف طور پر یہ لکھا ہے کہ:

"فلمّا جاء معاوية و صيّر الخلافة الاسلامية ملكاً عضوضاً في بني امية لم يكن ذلك من وحي الاسلام ، انما كان من وحي الجاهلية..."

فأميّة بصفة عامة لم يعمر الايمان قلوبها و ما كان الاسلام لها الّا رداء تخلعه و تلبسه

حسب المصالح والملابسات"(جمهرة مقالات الاستاذ محمود محمد شاكر۔الجزء الثاني ص ۹۹۱۔مكتبة الخانجي۔قاهره)

سید قطب کی اس ناروا جسارت پر سخت تعجب ہے کہ انہوں نے انتہائی لغو، بیہودہ، بے بنیاد، باطل اور بالکل ہی خلاف واقعہ بات کیونکر لکھ دی؟ موصوف نے باستثنائے عمر (بن عبدالعزیز) تمام بنوامیہ کو اس تعفن زدہ عبارت میں شامل کر دیا ہے۔

استاذ محمود محمد شاکر اگلے صفحہ پر ان کے یہ الفاظ: "و مضى عليّ رضي الله عنه الى رحمة ربّه، و جاء معاوية بن هند و ابن أبي سفيان!" نقل کر کے لکھتے ہیں:

"و أنا استغفر اللّٰه من نقل هذا الكلام، بمثل هذه العبارة النابية فانه أبشع ما رأيته"(حوالہ مذکور ص ۹۹۲)

کہ میں اس کلام کے نقل کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں...

اس سے سید قطب کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنوامیہ کے ساتھ بغض وعناد کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سید قطب کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو "خلافت اسلامیہ" سے نکال کر "ملک عضوض" میں شامل کرنا جہاں جمہور اہل سنت کے "اعتقاد" سے کلی طور پر انحراف ہے وہیں تاریخ کا بدترین "دھاندلہ" بھی ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد، عادل و برحق ہیں، ان کی خلافت یقیناً خلافت اسلامیہ اور خلافت نبوت ورحمت ہے۔ اس طرح کی خلافت کو "ملک عضوض" قرار دے کر اس کے بارے میں یہ تک لکھ مارنا کہ یہ "وحی اسلامی" کے تحت نہیں بلکہ "وحی جاہلیت" کے تحت قائم ہوئی جس نے "روح اسلامی" کے نور کو بجھا دیا۔" فانّا للّٰه و انّا اليه راجعون۔

تفصیل کے خواہشمند قارئین راقم الحروف کی ۸۳۲ صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب "عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ" کی طرف مراجعت کریں۔

سید قطب، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو "خلافت اسلامیہ سے نکال کر "ملک عضوض" میں شامل کرنے کی ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت لینے کے بعد اپنے لشکر اور مال و دولت کے ساتھ حجاز کا سفر کیا جہاں انہوں نے بااثر طبقہ کو قائل کرنے کے لیے "جبر واکراہ، ترغیب وترہیب اور دھونس ودھاندلی" سے کام

لیا۔چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

فسار معاوية الى مكة و معه الجندو المال ، و دعا وجهاء المسلمين فقال لهم:

فقد علمتم سيرتي فيكم و صلتي لأرحامكم بيزيد أخوكم و ابن عمكم ، و اردت أن تقدموا يزيد باسم الخلافة ...فأجا به عبد الله بن الزبيرمخيّراً بين أن يصنع كما صنع رسول الله صلّى الله عليه وسلّم اذ لم يستخلف أحداً ، أو كما صنع أبوبكر ...أو كماصنع عمر ...فاستبشاط معاوية غضباً و هو يقول:"هل عندك غير هذا؟قال:لا۔والتفت معاوية الى الآخرين يسألهم:فأنتم؟قالوا على ما قال ابن الزبير۔فقال يتوعدهم ... فأحمل ذلك و أصفح و انّي قائم بمقالة فأقسم الله لئن ردّ عليّ أحدكم كلمة في مقامي هذا لا ترجع اليه كلمة غيرها حتى يسبقها السيف الى رأسه فلا يبقين رجل الّا على نفسه۔"

فأما الّذي كان بعد ذلك ، فهو أن أقام صاحب حرس معاوية رجلين على رأس كل وجيه من وجهاء الحجاز المعارضين ، و قد قال له معاوية:"ان ذهب رجل منهم يرد عليّ كلمة بتصديق أو تكذيب فليضرباه بسيفهما"____ثم رقى المنبر فقال:

هؤلاء الرهط سادة المسلمين وخيارهم ، لا يبرم أمر دونهم ولايقضى الّا على مشورتهم ، و انهم قد رضوا و بايعوا يزيد ، فبايعوه على اسم الله" فبايع الناس۔

على هذا الاساس الّذي لا يعترف به الاسلام البتة قام ملك يزيد:فمن هو يزيد؟هوالّذي يقول فيه عبدالله بن حنظلة:

"والله ما خرجنا على يزيد حتى خفنا أن نرمى بالحجارة من السماء ، ان رجلا۔ينكح الأمهات والبنات والأخوات و يشرب الخمر و يدع الصلاة۔والله لو لم يكن معي أحد من الناس لأبليت الله فيه بلاء حسناً۔" (العدالة الاجتماعية فى الاسلام ص154-155۔دارالشروق۔القاہرہ مصر)

**بعینہ یہی واقعہ مولانا مودودی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ:**

**عراق ، شام اور دوسرے علاقوں سے بیعت لینے کے بعد حضرت معاویہؓ خود حجاز تشریف لے گئے کیونکہ وہاں کا معاملہ سب سے اہم تھا اور دنیائے اسلام کی وہ بااثر شخصیتیں جن سے مزاحمت کا اندیشہ تھا وہیں رہتی تھیں۔مدینہ کے باہر حضرت حسین ، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن**

عمر اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم ان سے ملے۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ وہ شہر چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔ اس طرح مدینہ کا معاملہ آسان ہو گیا۔ (اگر موصوف اس روایت میں موجود وہ "درشت برتاؤ" بھی ذکر کر دیتے تو ایمان اور فکر آخرت سے عاری ہی کوئی "مسلمان" اُسے صحیح تسلیم کرتا)

پھر انہوں نے مکے کا رخ کیا اور ان چاروں اصحاب کو خود شہر کے باہر بلا کر ان سے ملے۔ (مودودی صاحب کی یہ بات بھی غلط ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود انہیں باہر بلایا بلکہ روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ یہ حضرات از خود شہر کے باہر جا کر ان سے ملے تھے)

اس مرتبہ ان کا برتاؤ اس کے برعکس تھا جو مدینہ کے باہر ان سے کیا۔ ان پر بڑی مہربانیاں کیں۔ انہیں اپنے ساتھ لیے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ پھر تخلیے میں بلا کر انہیں یزید کی بیعت پر راضی کرنے کی کوشش کی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: آپ تین کاموں میں سے ایک کام کیجیے: یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو جانشین نہ بنایئے۔ لوگ خود اسی طرح کسی کو اپنا خلیفہ بنالیں گے جس طرح انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا، یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجیے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا کہ اپنی جانشینی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو مقرر کیا جن سے ان کا کوئی دور پرے کا رشتہ بھی نہ تھا، یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجیے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کہ چھ آدمیوں کی شوریٰ تجویز کی اور اس میں ان کی اولاد میں سے کوئی شامل نہ تھا۔

حضرت معاویہؓ نے باقی حضرات سے پوچھا: آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔

اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اب تک میں تم لوگوں سے درگزر کرتا رہا ہوں، اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی، تلوار اس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہوگی۔

پھر اپنے باڈی گارڈ کے افسر کو بلا کر حکم دیا کہ: ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک آدمی مقرر کر دو اور اسے تاکید کر دو کہ "ان میں سے جو بھی میری بات کی تردید یا تائید میں زبان کھولے اس کا سر قلم کر دے۔"

اس کے بعد وہ انہیں لیے ہوئے مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ:

"یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ، جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا،

یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اورانہوں نے بیعت کر لی ہے لہٰذا تم لوگ بھی بیعت کرو۔''

اب لوگوں کی طرف سے انکار کا کوئی سوال ہی باقی نہ تھا، اہل مکہ نے بھی بیعت کر لی۔(خلافت وملوکیت ص ۱۵۲-۱۵۳)

سید قطب اور سید مودودی تو خساست، دنائت اور غلاظت وجہالت سے بھری ہوئی یہ مکذوبہ وموضوعہ ''روایت''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو''ملک عضوض'' ثابت کرنے کے لیے بطور دلیل پیش کر رہے ہیں لیکن اس سے مسجد حرام میں موجود جملہ صحابہ وتابعین کا کردار بھی بری طرح مجروح ہوگیا اور کسی کو بھی نظر نہیں آ رہا کہ ان حضرات کے سروں پر جلاّ د ننگی تلواریں لیے ہوئے کھڑے ہیں تو اس صورت میں ان کی رضامندی کا کیا معنی؟

تعجب بالائے تعجب یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے بیت اللہ میں بیٹھ کر عام اجتماع میں کس بے خوفی اور دیدہ دلیری کے ساتھ قصداً اور عمداً جھوٹا اعلان کیا ہے کہ''یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور بیعت بھی کر لی ہے لہٰذا تم لوگ بھی بیعت کرو۔''

سخت حیرت ہے کہ اس جھوٹے اعلان پر''دنیائے اسلام کی یہ بااثر ترین شخصیتیں''محض جان کے خوف سے خاموش اور ساکت وجامد بیٹھی رہیں؟ آخر اظہار حق کا اس سے بڑھ کر اور کون سا موقع ہوسکتا تھا؟ پھر تخلیہ میں بھی نہیں بلکہ مجمع عام میں اور اپنے حامیوں، مددگاروں اور دوستوں کی موجودگی میں''کتمان حق'' کا یہ ارتکاب؟ اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔اگر یہ ان حضرات کی مدح وتوصیف ہے تو معلوم نہیں کہ''ذم'' کس بلا کا نام ہے؟

سید قطب نے تو اپنے''مآخذ'' کا حوالہ دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جب کہ سید مودودی نے''ابن اثیر''(م ۶۳۰ھ) کا ذکر کیا ہے جوانہوں نے''حسب عادت''بغیر سند کے ذکر کی ہے۔معلوم نہیں کہ اس کا راوی کون ہے؟ کافر ہے یا مسلمان؟ یا سبائی اور منافق؟ سچا ہے یا جھوٹا؟ آخر اس جیسی روایات کی بنیاد پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام وتابعین عظام پر کیسے اتنا بڑا الزام عائد کر دیا جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید کی جبراً اور دھونس دھاندلی سے بیعت لینے کی ایک روایت امام ابن سعد نے بھی بیان کی ہے کہ:

...پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رجب ۵۶ھ میں عمرہ کیا اور مدینے آئے۔پھر یزید کی بیعت کے سلسلہ میں حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر رضی

اللہ عنہم سے ان کی بات چیت ہوئی اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

انی أتکلم بکلام فلا تردوا علیّ شیئًا ، فأقتلکم ، فخطب الناس ، فأظھر أنھم قد بایعوا ، و سکت القوم ، فلم یقروا ، و لم ینکروا خوفاً منہ" (الطبقات الکبیر لابن سعد جلد ۶ ص ۲۷)

میں ایک بات کہنے جا رہا ہوں۔ تم لوگ ذرہ برابر بھی اس کی تردید نہ کرنا ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کیا اور یہ ظاہر کیا کہ ان حضرات نے بیعت کر لی ہے۔ یہ حضرات خاموش رہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ڈر سے نہ تو اقرار کیا اور نہ ہی انکار کیا۔

طبقات ابن سعد میں یہ روایت محمد بن عمر واقدی کی سند سے مروی ہے جو بالاتفاق ''کذاب'' ہے۔ پھر اس نے ''ابن ابی سبرۃ'' سے روایت کیا ہے۔ اس کے بارے میں بھی علامہ ابن حجر عسقلانی نے محدثین کے اقوال کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"رموہ بالوضع" (تقریب التھذیب تحت رقم ۷۹۷۳)

محدثین نے اس پر حدیث گھڑنے کا الزام لگایا ہے۔

زیر بحث روایت میں دو کذاب اور وضاع اکٹھے ہو گئے ہیں اب اگر راوی بالفرض "ثقہ و صادق" بھی ہوتے تو پھر بھی کسی مومن بالقرآن کو اس روایت کے من گھڑت ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر اور لسان نبوت سے "أحلم من أمتی" کا اعزاز پانے والے سے اس بات کی توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ان بزرگ صحابہ کو قتل کی دھمکی دیں اور مسجد الحرام میں برسر منبر جھوٹ بیان کریں؟

کیا وہ بزرگ صحابہ بھی العیاذ باللہ اس قدر بزدل تھے کہ قتل کی دھمکی سے ڈر کر سکوت اختیار کریں اور کتمان حق کے مرتکب ہوں؟

سید قطب مصری نے اس روایت کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کس کردار کی حامل اور کس ''قماش'' کی شخصیت کو امت پر بطور خلیفہ مسلط کرنے کی خاطر ''جبر و اکراہ اور دھونس و دھاندلی'' سے کام لیا:

فمن ھو یزید؟ وھو الذی یقول فیہ عبداللّٰہ بن حنظلۃ:

"...ان رجلا ینکح الأمھات والبنات والأخوات..." (العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام ص ۱۵۵)

یہ روایت تو پہلی روایت سے بھی زیادہ مکروہ ہے۔ معلوم نہیں کہ کس حالت میں یہ روایت

نقل کی گئی ہے؟

پھر تعجب بالائے تعجب یہ کہ اس مکروہ روایت کی نسبت بھی حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کی طرف کر دی گئی۔

یزید کی ولادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں بعہدِ عثمانی علیٰ اختلاف الاقوال ۲۵یا۲۶یا۲۷ھ میں ہوئی۔ولی عہدی کی بیعت کے وقت ان کی عمر تقریباً تیس سال جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ۳۵ سال تھی۔گویا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اپنی ''بیٹیوں،ماؤں اور بہنوں''(جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی لونڈیاں اور بیٹیاں تھیں)کے ساتھ ''زنا'' کا ارتکاب کرتا تھا۔(العیاذ باللہ)

استاذ محمود محمد شاکر نے سچ فرمایا کہ:

''و أنا أستغفر اللّٰه من نقل هذا الكلام بمثل هذه العبارة النابية فانه ابشع ما رأيته،''(جمهرة مقالات الاستاذ محمود محمد شاكر-الجزء الثاني ص۹۹۲)

شجاعت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مقام صحابیت سے آشنا لوگ ہی اس بات کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کس قدر توہین پائی جاتی ہے کہ انہیں نہ تو ایک شوہر اور باپ کی حیثیت سے اپنی لونڈیوں اور بیٹیوں پر کوئی غیرت آئی اور نہ ہی انہوں نے ایک خلیفة المسلمین کی حیثیت سے اپنی دینی و شرعی ذمہ داریاں پوری کیں۔شرم و حیا اور ایمان سے بالکل عاری کسی دشمن معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو گھڑا جسے سید قطب نے اپنی کتاب "العدالة الاجتماعية في الاسلام" کا حصہ بنا کر نہ صرف ''اسلام کے عدل اجتماعی'' کا خون کیا بلکہ ابن سبا کی معنوی ذریت کو بھی حیرت زدہ کر دیا۔سید قطب نے حسب عادت اس روایت کو بھی بلا حوالہ نقل کیا ہے جب کہ امام ابن سعد(م۲۳۰ھ)نے اسے بروایت محمد بن عمر واقدی نقل کیا ہے۔ملاحظہ ہو الطبقات الکبریٰ جلد۵ص۶۶

واقعہ حرہ سے متعلق واقدی کی یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے کیونکہ واقدی محدثین کے نزدیک بہت بڑا کذاب اور جھوٹا شخص تھا۔سید قطب پر سخت تعجب ہے کہ ان کذابوں پر اعتماد کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

سید قطب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کو ''ملكاً عضوضاً'' میں شمار کرتے ہوئے ان کے دو خطبوں کا بھی حوالہ دیا کہ:

"خطب معاویة فی أهل الکوفة بعد الصلح فقال:

یا أهل الکوفة!أترانی قاتلتکم علی الصّلاة والزکاة والحج، و قد علمت أنکم تصلّون، و تزکون، و تحجون؟

ولکننی قاتلتکم لأتأمر علیکم و علی رقابکم، و قدآتانی اللّٰه ذلك، و أنتم کارهون۔ألا ان کل مال أو دم أصیب فی هذه الفتنة فمطلول، و کل شرط شرطته، فتحت قلمی هاتین۔"("العدالة الاجتماعیة فی الاسلام" ص ١٦٧)

موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس خطبے کا کوئی حوالہ نہیں دیا جب کہ خطبہ کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی "اصلی اور نسلی" سبائی کی کارستانی ہے۔

مشہور شیعہ سکالر غلام حسین نجفی فاضل عراق لکھتے ہیں کہ:

"ارباب انصاف!اس صلح (یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح) سے معاویہ کو بہت بڑا نقصان پہنچا ہے اور اس صلح سے معاویہ کی خلافت کے بجائے اس کا نفاق اور دشمن خاندان نبوت ہونا ثابت ہوا ہے۔کیونکہ تاریخ کامل میں یہ بھی لکھا ہے کہ شرائط صلح میں ایک یہ شرط بھی تھی کہ معاویہ منبروں پر حضرت علیؓ کو گالیاں نہیں دے گا مگر اس شرط کو قبول کرنے سے معاویہ نے صاف انکار کردیا۔پھر امام حسنؑ نے فرمایا کہ یوں لکھو کہ ہمارے سامنے جب کہ ہم سن رہے ہوں معاویہ ہمارے والد کو گالیاں نہ دے گا۔

وقتی طور پر معاویہ نے اس شرط کو قبول کرلیا مگر پھر بے وفائی کی۔شرح حدیدی ص ۲۳ جلد ۴ ذکر امام حسنؑ اور مقاتل الطالبین ص ۲۹۔ذکر امام حسنؑ میں لکھا ہے کہ:

وقال معاویة: و کل شرط، شرطته فتحت قلمی هاتین لا اوفی به"

صلح کے بعد معاویہ نے یہ بیان دیا تھا کہ تمام شرائط میرے قدموں میں ہیں میں انہیں پورا نہیں کروں گا۔(خصائل معاویہ ص ۱۰۴۔۱۰۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام حسین نجفی اور سید قطب دونوں کا اس خطبہ کے حوالے سے "مآخذ" ایک ہی ہے۔

نجفی نے اس خطبہ سے پہلے یہ لکھا ہے کہ:

بخاری شریف میں صاف لکھا ہے کہ منافق کی تین نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "اذا وعد أخلف" کہ جب وعدہ کرے گا تو اس کو پورا نہ کرے گا۔

استاذ سید محمود محمد شاکر سید قطب کا منقولہ خطبہ یوں نقل کرتے ہیں کہ:

"ثم ینقل خطبة یزعم أنها لمعاویة فی أهل الکوفة بعد الصلح یجیء فیها قول معاویة:" و کل شرط شرطته، فتحت قدمی هاتین"

ثم یعقب علیه مستدرکاً: واللّٰه تعالٰی یقول: وَ أَوْفُوْا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ کَانَ مَسْئُوْلاً ... (جمهرة مقالات الاستاذ محمود محمد شاکر۔الجزء الثانی۔ص۹۹۲)

غلام حسین نجفی نے وعدہ خلافی پر حدیث پیش کر دی جب کہ سید قطب نے آیت کریمہ سے استدلال کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "وعدہ خلافی" کا مرتکب قرار دے دیا۔فیا اسفاء!

یہاں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اہل اسلام کے مابین ایک "فرضی" معاہدے کی خلاف ورزی کا سنگین الزام لگا دیا گیا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو عیسائیوں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی بھی پاسداری کرتے رہے۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل روم کے درمیان ایک معاہدہ تھا؛اس دوران میں آپ اپنی فوجوں کو ان کی سرحدوں کے قریب اکٹھا کرتے رہے (کہ جب معاہدہ ختم ہو تو ان پر حملہ کر دیا جائے) جیسے ہی معاہدہ ختم ہوا آپ نے فوجیں آگے بڑھانا شروع کر دیں۔اتنے میں ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور "اللہ اکبر" کہتے ہوئے کہا کہ:

"وفاء لا غدر"___ مومن کا شیوہ وفا کرنا ہے،غدر نہیں۔

جب انہوں نے اس شخص کی طرف دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہ صحابی تھے۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب دو قوموں میں کوئی صلح کا معاہدہ ہو تو اس معاہدے کی مدت میں نہ تو کوئی قوم عہد کھولے اور نہ باندھے یہاں تک کہ مدت گزر جائے۔

راوی کہتے ہیں کہ "فرجع معاویة بالناس"___ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی فوجوں کے ساتھ واپس آ گئے۔(مشکوٰۃ المصابیح۔باب الامان ص ۳۴۷)

ایک جلیل القدر صحابی،کاتب وحی مدبّر اسلام اور خلیفۃ المسلمین کی طرف اس بے سند قول کہ "کل شرط شرطته فتحت قدمی هاتین" کی نسبت کیونکر صحیح قرار دی جا سکتی ہے؟

سید قطب (م۱۹۶۶ء) کے مذکورہ قول کے برعکس قدیم مؤرخ ابوحنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ:

"لم یری الحسن والحسین طول حیات معاویة منه سوءً فی انفسهما و لا مکروها و لا قطع عنهما شیئاً کان شرطا لهما و لا تغیر لهما من برّ۔"(اخبار الطوال ص۲۲۵)

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میں ان کی طرف سے اپنے بارے میں کوئی برائی نہیں دیکھی ۔ نہ انہوں نے ان سے کی گئی کسی شرط کو ختم کیا اور نہ اچھے سلوک ہی کو ان سے جدا کیا۔

علامہ ابن حجر مکی (م۹۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

"انہ اشترط علیہ شروطا کثیرۃ فالتزمھا و وفی لہ بھا"(الصواعق المحرقہ ص۲۱۷ ۔تحت بیان اعتقادات اھل السنۃ والجماعۃ ۔طبع ثانی ۔ مصر)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بہت سی شرائط پر صلح کی تھی اور جن امور کی سرانجام دہی کی ذمہ داری قبول کی ان کو ایفاء کیا اور پورا کیا۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما خود اقرار فرما رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے معاہدے کی کسی شرط کی خلاف ورزی نہیں کی تو معلوم نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین کے پیٹ میں مروڑ کیوں اٹھ رہے ہیں؟

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنی خواہش اور اصرار پر ہوئی جس کے لیے انہوں نے ایک صاف کاغذ پر اپنے دستخط اور مہر ثبت کر کے دو بزرگ صحابہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ اور حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہما کے توسط سے اور خود انہیں ضامن ٹھہرا کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ اس پر جو شرائط آپ چاہیں لکھ دیں ۔ان کو پورا کیا جائے گا۔(ملاحظہ ہو:البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ص۴۷ ۔جلد۸)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس مصالحت کو قبول کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کی تکمیل کا باعث بن گئے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

"ان ابنی ھذا سیّد لعل اللّٰہ أن یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔"
(صحیح بخاری۔ کتاب الصلح باب قول النبی للحسن بن علیؓ:ابنی ھذا سید...)

یقیناً میرا یہ نواسہ سید ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔

سید قطب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اہل کوفہ کو دھمکانے اور مرعوب کرنے کا انتہائی گھٹیا الزام عائد کیا ہے جس کی توقع تو کسی معمولی قسم کے سیاستدان سے بھی نہیں کی جا سکتی۔کیا

کسی برسراقتدار فریق کو جنگ کی دھمکی دے کر صلح پر آمادہ کیا جا سکتا ہے؟ پھر تعجب بالائے تعجب یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ دھمکی آمیز خطاب ان کے شہر میں اور ان کے معتقدین کے اجتماع میں کر رہے ہیں۔

موصوف نے یہ الزام صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہی عائد نہیں کیا بلکہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سمیت ان کے گروہ میں شامل تمام صحابہ وتابعین اور مخلصین کی بھی توہین کر ڈالی جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کی مخلصانہ درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے حق میں کسی جبر واکراہ کے بغیر اور برضا ورغبت نہ صرف خلافت سے دستبردار ہوئے بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اپنے رفقاء سمیت بیعت بھی کر لی۔

تاریخ کے کسی کونے کھدرے سے بھی یہ بات نہیں دکھائی جا سکتی کہ اس عمل بیعت اور انتقال اقتدار میں کسی اشتر، کسی حکیم بن جبلہ اور کسی غافقی بن حرب نے کسی کو تلوار کے زور سے بیعت پر مجبور کیا ہو۔ صلح کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تڑپ، مراسلت، مشاورت، مذاکرات اور بالآخر شرائط صلح کے لیے سادہ ومختوم کاغذ فریق ''مخالف'' کے پاس بھیجنا خود اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لڑ کر اور بزور خلافت حاصل نہیں کی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب کسی دھمکی یا جنگ یا بطریق ''استیلاء وتغلّب'' ہرگز نہیں ہوا بلکہ پوری مملکت اسلامی کے نمائندہ اہل حل وعقد بشمول خلیفہ راشد حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور صحابہ وتابعین کے برضا ورغبت بیعت کر لینے کی وجہ سے عمل میں آیا جس کی بناء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بلا اختلاف وبالاتفاق عالم اسلام کے خلیفہ منتخب ہو گئے۔

اس طرح امت مسلمہ کی خانہ جنگی اور انتشار کا دور ختم ہو کر امن وسلامتی میں تبدیل ہو گیا۔ ملت اسلامیہ نے سکھ اور سکون کا سانس لیا۔

محدث ابن حجر مکی (۹۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاکم بننے کی جو بشارت دی اور انہیں احسان کرنے کا حکم دیا؛ یہ حدیث ان کی خلافت کی صحت اور اس کے حق ہونے کو ثابت کرتی ہے...

''علمنا أنه بعد نزول الحسن له خليفة حق و امام صدق ''(الصواعق المحرقة فى الرد على اهل البدع والزندقه ص۲۱۹)

اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دست بردار ہونے کے بعد وہی

خلیفہ برحق اور امام صادق تھے۔

سید قطب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک دوسرے خطبہ کا ذکر کرتے ہیں کہ:

"و خطب کذلك فی اهل المدینة فقال:

أما بعد فانّی واللّه ما ولیتها بمحبة علمتها منکم ولا مسرة بولایتی ولکنّی جادلتکم بسیفی هذا مجالدة۔ولقد رضت لکم نفسی علی عمل ابن أبی قحافة، و أردتها علی عمل عمر، فنفرت من ذلك نفاراً شدیداً و أردتها علی سنیات عثمان ، فأبت علیّ فسلکت بها طریقاً لی ولکم فیه منفعة ، مؤاکلة حسنة ، و مشاربة جمیلة فان لم تجدونی خیرکم ، فانّی خیرلکم ولایة ... (العدالة الاجتماعیة فی الاسلام ص۱٦٨ ۔دار الشروق ۔قاهره مصر)

پس اللہ کی قسم! میں باگِ خلافت اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس بات سے لاعلم نہ تھا کہ آپ میرے خلیفہ بن جانے سے خوش نہیں ہیں اور اسے پسند نہیں کرتے لیکن میں نے اپنی تلوار کے زور سے تم کو مغلوب کر کے اسے لیا ہے۔میں نے اپنے نفس کو ابن ابی قحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے طرزِ عمل پر چلانے کے لیے آمادہ کیا ... میں نے اس کو عمر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل پر آمادہ کیا، اس سے بھی وہ بدکا اور بھاگ کھڑا ہوا۔پھر میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل کا قصد کیا اس سے بھی میرے نفس نے انکار کر دیا البتہ میں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ ایسا ہے جس میں میرا اور تمہارا دونوں کا فائدہ ہے، ہر ایک کو اس کے ذریعے معقول و مناسب سامان خورونوش میسر آئے گا۔ اگر تم مجھ کو اپنے میں سب سے بہتر نہ پاؤ تو کم از کم اپنے حق میں ضرور بہتر پاؤ گے۔

موصوف نے اس خطبہ کا بھی کوئی حوالہ نہیں دیا البتہ مولانا مودودی صاحب نے اسے معمولی تغیر کے ساتھ "البدایہ والنہایہ (جلد ۸ ص ۱۳۲) سے نقل کیا ہے جس کے موازنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید قطب اور سید مودودی دونوں حضرات نے ابن کثیر کی مکمل عبارت نقل نہیں کی۔مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"بخدا میں تمہاری حکومت کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ تم میرے برسر اقتدار آنے سے خوش نہیں ہو اور اسے پسند نہیں کرتے۔اس معاملہ میں جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے میں خوب جانتا ہوں۔مگر میں نے اپنی اس تلوار کے زور سے تم کو مغلوب کر کے اسے لیا ہے... اب اگر تم یہ دیکھو کہ میں تمہارا حق پورا پورا ادا نہیں کر رہا ہوں تو تھوڑے پر مجھ سے راضی رہو۔" (خلافت و ملوکیت ص ۱۵۹)

دونوں حضرات نے اس خطبہ سے کانٹ چھانٹ کر کے اپنے مفید مطلب باتیں نقل کی ہیں۔ اس سے وہ مفہوم باقی نہیں رہتا جو فی الواقع خطیب کا ہے۔ دراصل یہ حضرات ان "خطبوں" سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متغلب تھے، انہوں نے تلوار کے زور سے خلافت حاصل کی تھی۔ پہلے خطبہ کی تشریح کے ضمن میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ ان حضرات کا مقدمہ ہی بنیادی طور پر غلط اور باطل ہے۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باجماع امت خلیفہ منتخب ہوئے اور اہل کوفہ اور اہل مدینہ بھی ان بیعت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے عظیم سیاستدان اور مدبر اعظم اہل کوفہ اور اہل مدینہ کے سامنے اس طرح کا خطبہ کیونکر دے سکتے تھے؟

پہلے "خطبہ" کی روایتی و درایتی حیثیت واضح کی جا چکی ہے۔ اس دوسرے خطبہ کی حیثیت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔

امام ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے اس کی پوری سند نہیں دی بلکہ عربی کے ایک ادیب اصمعی سے اسے نقل کیا ہے اور ادیب زیادہ تر حقائق کے بجائے زبان وبیان کی لطافتوں اور نزاکتوں تک ہی محدود رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس خطبہ کا پس منظر بھی اس کے وضعی ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

یہ کیا بات ہوئی کہ اہل مدینہ اور اکابر قریش ان کا استقبال کر رہے ہیں، انہیں خوش آمدید کہہ رہے ہیں اور منصب خلافت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں اور خلیفہ اس بات کو "خوشامد" پر محمول کر کے سیدھے مسجد میں جا کر اپنے خطبہ میں انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس روایت کی اسنادی اور واقعاتی حیثیت تو محل نظر ہے ہی لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ سید قطب اور سید مودودی کے نقل کردہ خطبات میں "یار" لوگوں کے اپنے اضافے شامل ہیں جنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بلا تحقیق منسوب کر دیا گیا۔

☆☆☆☆☆

# ۲۵۔مولانا شاہ معین الدین ندوی

(م۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء)

مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ شاہ صاحب کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"علم وفضل، ادب وانشاء، واقفیت وباخبری، مطالعہ، علمی خدمت اور سب سے بڑھ کر متانت وشرافت، قدیم وضع داری وتہذیب اور وقار وخودداری کے اس چراغ کے گل ہونے پر اور بزم شبلی وسلیمان کے اس صدر نشین کے اٹھ جانے پر نالہ زن اور فغاں سنج ہونا ہر طرح برمحل ہے اور جتنا بھی حسرت وافسوس ہو وہ بجا ہے۔شاہ صاحب اگر چہ ہندوستان کے مستند ومعتمد مصنفین میں تھے، ہندوستان کی سب سے مؤقر علمی مجلس (دارالمصنفین) کے وہ صدر نشین اور موجودہ اسلامی ہند کے سب سے بڑے مصنف (مولانا سید سلیمان ندوی) کے جانشین تھے۔وہ زبان وادب، الفاظ ومحاورات کے استعمال اور زبان کی صحت وسقم کے بارے میں سند کا درجہ رکھتے تھے......" (پرانے چراغ حصہ اول ص۴۴۶، ۴۴۸)

اس "تعارف" کے بعد حضرت معاویہؓ کے بارے میں موصوف کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

جناب امیر (حضرت علیؓ) نے خلیفہ ہوتے ہی ایک سرے سے تمام عثمانی عاملوں کو معزول کردیا۔اس سلسلہ میں معاویہ بھی شام سے معزول ہوگئے اور ان کی جگہ سہل بن حنیف کا تقرر ہوا لیکن وہ (یعنی حضرت معاویہ) آسانی سے شام کی حکومت چھوڑنے والے نہ تھے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کو مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنی خلافت کو استوار کرنا چاہتے ہیں تو معاویہ کو بھی معزول نہ کیجئے اور ان کو ان کے عہدہ پر قائم رکھیے......

آپ نے جواب دیا کہ معاویہ جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے اس وقت تک ان کو نہ کہیں کا حاکم بناؤں گا اور نہ ان سے کسی قسم کی مدد لوں گا۔وہ حضرت علیؓ کی مخالفت سے صرف اپنے عہدہ کی بحالی چاہتے تھے لیکن حضرت علیؓ اس کے لئے بالکل آمادہ نہیں تھے۔امیر معاویہ کی خوش قسمتی سے حضرت عثمانؓ کے قاتل یا کم از کم وہ لوگ جن پر حضرت عثمانؓ کے شہید کرنے کا قوی شبہ تھا۔حضرت علیؓ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہوگئے اس وقت بحیثیت خلیفہ قاتلین عثمانؓ کا پتہ

چلانا اور ان سے قصاص لینا حضرت علیؓ کا فرض تھا لیکن مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ ایسے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے کہ قاتلین کا پتہ چلانا کیا معنی؟ نظام خلافت کا سنبھالنا مشکل تھا اور قاتلوں کی تلاش کے لئے سکون واطمینان کی ضرورت تھی لیکن عوام اس مجبوری کو نہیں سمجھ سکتے تھے اور وہ صرف حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص چاہتے تھے۔ اس لئے امیر معاویہ کو ان کے خلاف پروپیگنڈے کا پورا موقع مل گیا۔ (سیر الصحابہ جلد ۶ ص ۵۴، ۵۵)۔

''مغیرہ بن شعبہؓ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے ہمدرد و ہوا خواہ تھے۔ انہوں نے ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی۔ امیر معاویہ نے اس قیصری اور کسروی بدعت کو بہت پسند کیا لیکن اسے عملی جامہ پہنانے میں چند در چند مذہبی اور پولیٹیکل دقتیں حائل تھیں۔ اس وقت عمر کی اٹھتر منزلیں طے کر چکے تھے وقت آخر ہو چکا تھا اس لئے علاج معالجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ روز بروز حالت گرتی گئی۔ لیکن اس وقت بھی حاکمانہ تیور نہ بدلے اور آن بان میں فرق نہ آنے دیا۔

جب حالت زیادہ نازک ہو گئی تو یزید کو بلا کر کہا کہ جان پدر میں نے تمہاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لئے راستہ صاف کر دیا ہے اور دشمنوں کو زیر کر کے سارے عرب کی گردنیں جھکا دی ہیں اور تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے جمع نہ کیا ہوگا''(حوالہ مذکور ۷۶، ۷۸)۔

لیکن ان واقعات کی تردید کا منشاء امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے جا حمایت یا ان کا اور جناب امیرؓ کا موازنہ نہیں ہے۔ ابن عم رسول خلیفہ راشد علی المرتضیٰ اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا۔

ع　چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا　(حوالہ مذکور ص ۹۹)۔

موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

امیر معاویہ نہ خلیفہ راشد تھے اور نہ ان کی حکومت خلافت راشدہ یعنی اسلامی حکومت کا صحیح نمونہ تھی بلکہ وہ ایک دنیوی حکمران تھے اور ان کی حکومت دنیاوی بادشاہت تھی جس میں اس کی برائیاں کم اور خوبیاں زیادہ تھیں۔ امیر معاویہ میں یقیناً کمزوریاں تھیں ......

حضرت علیؓ کے مقابلے میں ان کی ناحق صف آرائی اور اس میں کامیابی کے لئے ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل کا استعمال، حضرت علیؓ پر سب وشتم کی رسم، یزید کی ولی عہدی یہ سب ان کی ایسی کھلی ہوئی غلطیاں ہیں جن سے کوئی حق پرست انکار نہیں کر سکتا۔ خصوصاً یزید کی ولی عہدی نے خلافت کی اصلی روح اور اسلامی حریت وآزادی کا خاتمہ کر دیا۔ (تاریخ اسلام حصہ دوم ص ۳۶۷)

مذکورہ توہین آمیز کلمات پر تبصرہ پیچھے زیر عنوان ''سیدنا معاویہؓ کے ناقدین کا شرعی حکم سے تجاوز'' ملاحظہ فرمائیں۔

# ۲۶۔آغا شورش کاشمیری

## (م ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)

مشہور شاعر، مقرر، ادیب اور انقلابی لیڈر جناب شورش کاشمیری لکھتے ہیں کہ:

''ابوسفیان اور اس کی اولاد نے رسولؐ اللہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے لیکن اپنا قرض کربلا میں چکا دیا۔''(بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغ محفل ص ۴۱۲۔طبع اول)

موصوف واقعہ کربلا کے''اسرار ورموز'' بے نقاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''حسینؓ شہید ہوگئے ، ان کے ساتھی واصل بحق ہوگئے ، ایک ایک شہید کیا گیا ، نوبت یہاں تک پہنچی کہ سیدانیوں کے خیمے لوٹ لیے گئے اور بے کجاوہ اونٹوں پر بٹھا کر شام وموصل کے بازاروں میں پھرایا گیا ، یزید کے دربار میں کھڑا کیا گیا۔لیکن آج وہ خاندان کہاں ہیں جو حسینؓ کے دشمن تھے جن کی تلواروں نے کربلا لہولہان کیا تھا ان کے سر قطع کیے تھے۔

ان تمام شقی القلب انسانوں کے لیے آج کرۂ ارضی کے مسلمانوں کی زبان پر لعن ہے اور کسی گوشے میں ان خوشہ چینانِ سلطنت کے لیے احترام کا بول نہیں۔جن لوگوں نے ۹۰ برس کے طنطنۂ اقتدار میں علیؓ اور ان کی اولاد پر تبرّیٰ کیا۔(۹۰ برس کی مدت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیس سالہ دور خلافت بھی شامل ہے) آج ان کی روحیں عرش وفرش کے عذاب میں مبتلا ہیں اور اس حال میں کہ انہیں کئی صدیاں گزر چکی ہیں اور جب تک صبح قیامت طلوع نہیں ہوتی وہ انسانی پھٹکار کی زد ہی میں رہیں گے۔

شہادت حسینؓ نے ہمیشہ کے لیے تاریخ اسلام کو جگ مگا دیا۔حسینؓ نہ ہوتے تو خلافت راشدہ کی جانشینی کا تصور تاریخ اسلام ہی کو غبار آلود نہ کرتا بلکہ اسلام میں اس قسم کے پیوند لگ جاتے کہ حقیقی دین کی تلاش مشکل ہوجاتی۔

حسینؓ کے جہد واستقلال کا ٹکراؤ اس لیے ہوا کہ خلافت کو بادشاہت کی شکل دی گئی اور نیابت کی بجائے وراثت پیدا کی گئی۔اس وراثت نے وہ تمام قباحتیں پیدا کیں جو بادشاہت کا لازمہ ہوتی ہیں مثلاً:

ا۔خلافت راشدہ کے فقر کو یکسر ترک کیا گیا۔اس کی جگہ شاہانہ حدود وقائم کیے گئے اور

بادشاہانہ جلال نے راہ پائی۔ گویا اسلامی ریاست کا تصور مٹ چکا تھا۔

۲۔اس سے پہلے بیت المال خدا اور خلق کی امانت کے طور پر قومی خزانہ تھا۔اب حکمران خاندان کی ملکیت ہوگیا۔عوام رعیت قرار پاکر باج گزار ہو گئے۔عوام طاقت کا سرچشمہ اور قوت منتخبہ نہ رہے۔

۳۔انفرادی ملکیت کا استحصال تمام مکروہات کے ساتھ شروع ہوگیا اور خاندانی وقبائلی قرابت داری کے باعث اور بلا استحقاق انفرادی ملکیت کا ڈول ڈالا گیا۔

۴۔اسلامی ریاست میں جزیہ صرف ذمیوں کے لیے تھا لیکن اب جزیہ ان مسلمانوں پر باقی رہا جو تازہ تازہ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔لیکن حکمران جماعت کو ان کا قبول اسلام منظور نہ تھا وہ ان پر الزام دھرتے تھے کہ جزیہ سے بچنے کے لیے مسلمان ہوئے ہیں لہٰذا جزیہ ادا کریں۔

۵۔آزادی رائے گردن زدنی قرار دی گئی صرف اس جرم میں کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی مدح کرتے ہیں۔کئی ہزار افراد قتل کر دیے گئے۔حجر بن عدی ساتھیوں سمیت حضرت علیؓ کی مدح کرنے کے جرم میں قتل کرائے گئے اور عبدالرحمٰن بن حسان کو اسی جرم میں امیر معاویہ نے ابن زیاد کے پاس بھجوا کر زندہ دفن کرادیا۔

۶۔قانون کی بالادستی ختم کردی گئی،عدلیہ مجروح ہوگئی۔اس میں حکومت کے اعضاء وجوارح کی دھاندلیوں کے خلاف فیصلہ دینے کا حوصلہ نہ رہا۔خلیفہ تو خیر خلیفہ تھا گورنر بھی مداخلت کرنے لگے۔

۷۔مجلس شوریٰ کا خاتمہ کیا گیا۔اس کی جگہ افراد خاندان اور خوشامدی اشخاص کو شریک دربار کیا گیا۔

۸۔اسلام کے انسانی تصور کو جو عرب وعجم کی تفریق سے بے نیاز تھا،نظر انداز کر کے نسلی اور قومی عصبیتوں کو پروان چڑھایا گیا۔

(قلم کے چراغ۔ص ۹۹۔۱۰۱ محررہ شورش کاشمیری۔مرتبہ ومدونہ پروفیسر محمد اقبال جاوید)

جناب شورش کاشمیری کی طرف سے عائد کردہ مذکورہ "فرد جرم" میں حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء پر جو گھناؤنے الزامات عائد کیے گئے ہیں ان کے مفصل جواب کے لئے راقم الحروف کی کتاب "سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ" کی طرف مراجعت کریں۔

☆☆☆☆☆☆

# ۲۷۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

## (م ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء)

موصوف کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے لہٰذا یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق موصوف کے چند نظریات ملاحظہ فرمائیں:

''لیکن جو انصاف پسند آدمی بھی نیزوں پر قرآن اٹھانے کی تجویز سے لے کر اس وقت تک کی روداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ''اجتہاد'' تھا۔ بلاشبہ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہؓ واجب الاحترام ہیں اور بڑا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری خدمات پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کے مرتبے کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آتا ہے۔ مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو ہم ''صحابیت'' کی رعایت سے اس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں۔ بڑے لوگوں کے غلط کام اگر ان کی بڑائی کی وجہ سے اجتہاد بن جائیں تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے اجتہادات سے روک سکتے ہیں..... لیکن جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا..... کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا بلکہ صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۴۳)

''یزید کی ولی عہدی کے لیے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بزرگ (حضرت مغیرہ بن شعبہؓ) نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔'' (حوالہ مذکور ص ۱۵۰)

اب چند توہین آمیز کلمات ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں:

۱۔ اس سے بدرجہا غیر آئینی طرز عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہ کا تھا۔ (ص ۱۲۵)

۲۔ مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار۔ (حوالہ مذکور)

۳۔ یہ سب کچھ دور اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانۂ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی سے

اشبہ ہے۔ (حوالہ مذکور)

۴۔انہوں نے ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے قانون کے تحت قاتلین عثمانؓ کی طلبی کا مطالبہ کیا۔(ص ۱۲۶)

۵۔ان کے غلط کام کو صحابیت کی رعایت سے اجتہاد کا نام نہیں دیا جا سکتا۔(ص ۱۴۳)

۶۔صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ (حوالہ مذکور)

۷۔جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا۔(حوالہ مذکور)

۸۔حضرت معاویہ کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا۔(ص ۱۵۲)

۹۔وہ مسلمانوں کے خلیفہ بنانے سے خلیفہ نہیں بنے۔انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے۔(ص ۱۵۸)

۱۰۔حضرت معاویہ نص صریح کے مطابق باغی اور باطل پر تھے۔(ص ۱۳۶)

۱۱۔انہوں نے اظہار رائے کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔دور ملوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے اور زبانیں بند کر دی گئیں،حق گوئی کی سزا قید،کوڑے اور قتل مقرر ہوگئی۔(ص ۱۶۳)

۱۲۔انہوں نے ایک عابد و زاہد صحابی حجر بن عدی کے قتل کا حکم دیا۔(ص ۱۶۵)

۱۳۔انہوں نے اپنے مفاد اور سیاسی اغراض کے لئے شریعت کی حدوں کو توڑا۔(۱۷۳،۱۷۹)

۱۴۔مال غنیمت کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔(ص ۱۷۴)

۱۵۔حضرت معاویہ کے عہد میں ایک اور نہایت مکروہ بدعت یہ شروع ہوئی...(ص ۱۷۴)

۱۶۔حضرت معاویہ نے خیانت کی۔مال غنیمت میں سے سونا اور چاندی اپنے لئے الگ کرنے کا حکم دیا۔(ص ۱۷۴)

۱۷۔جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے۔(ص ۱۷۳)

۱۸۔سب سے بڑی مصیبت جو ملوکیت کے دور میں مسلمانوں پر آئی وہ یہ تھی کہ اس دور میں قانون کی بالاتری کا اصول توڑ دیا گیا۔(ص ۱۷۲)

۱۹۔انہوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دے کر سنت کی خلاف ورزی کی۔(ص ۱۷۳)

۲۰۔حضرت معاویہ نے دیت کے مسئلہ میں بھی سنت کو بدل دیا۔(ص ۱۷۳)

۲۱۔اپنے گورنروں اور سپہ سالاروں کو شریعت کی پابندی سے آزاد کر کے ظلم کی کھلی چھوٹ

دے دی۔(ص ۱۷۷)

۲۲۔حضرت معاویہ نے اپنی مطلب براری کے لئے جھوٹے گواہ تیار کیے۔(ص ۱۳۵)

۲۳۔حضرت معاویہ خوشامد پسند تھے اور خوشامدانہ تقریریں سنتے تھے۔(ص ۱۵۱،۱۶۷)

۲۴۔حضرت معاویہ کے والد جناب ابوسفیان نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔انہوں نے اپنے والد ماجد کی زنا کاری پر شہادتیں لیں اور ثابت کیا کہ زیاد ان ہی کا ولد الحرام ہے۔ (ص ۱۷۵)

۲۵۔یزید کی ولی عہدی کی ابتدائی تحریک بدنیتی اور ذاتی مفاد کے تحت شروع ہوئی۔(ص ۱۵۰)

۲۶۔تحریک ولی عہدی کی کامیابی کے لئے صحابہ کو رشوتیں دینے کے علاوہ قتل کی دھمکیاں بھی دیں۔(ص ۱۴۹،۱۵۲)

ستم بالائے ستم یہ کہ مودودی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف مذکورہ بالا الزامات کو اس تیقن اور تحدی کے ساتھ پیش کیا کہ:

''میں کسی بزرگ کے کسی کام کو غلط صرف اسی وقت کہتا ہوں جب وہ قابل اعتماد ذرائع سے ثابت ہو اور کسی معقول دلیل سے اس کی تاویل نہ کی جا سکتی ہو۔مگر جب اس شرط کے ساتھ میں جان لیتا ہوں کہ ایک کام غلط ہوا ہے تو میں اسے غلط مان لیتا ہوں پھر اس کام کی حد تک ہی اپنی تنقید کو محدود رکھتا ہوں ...... مجھے اس بات کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ جن کو میں بزرگ مانتا ہوں ان کی کھلی کھلی غلطیوں کا انکار کروں۔لیت پوت کر کے ان کو چھپاؤں یا غیر معقول تاویلیں کر کے ان کو صحیح ثابت کروں۔

لیت پوت کرنے یا اعلانیہ نظر آنے والی چیزوں پر پردہ ڈالنے سے میرے نزدیک بات بنتی نہیں بلکہ اور بگڑ جاتی ہے۔اس سے تو لوگ اس شبہ میں پڑ جائیں گے کہ ہم اپنے بزرگوں کے جو کمالات بیان کرتے ہیں وہ بھی شاید بناوٹی ہی ہوں گے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۳۰۷)

ع　اینکہ می بینم بہ بیداری ست یا رب یا بخواب

مذکورہ بالا الزامات اور اتہامات کے ساتھ ساتھ موصوف نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ احتراماً ہر جگہ ''حضرت، جناب اور ؓ'' نہ صرف تحریر کیا بلکہ تقیۃً یہ اقرار بھی کیا کہ:

حضرت معاویہ ؓ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں، ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے، ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا......(خلافت وملوکیت ص ۱۵۲)

موصوف کی فریب دہی ملاحظہ ہو کہ وہ اسی کتاب میں آگے ص ۱۵۸ پر لکھتے ہیں کہ:

''وہ مسلمانوں کے بنانے سے خلیفہ نہیں بنے، انہیں مسلمانوں کی رضامندی حاصل نہ تھی، انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی اور اپنے زور سے خلیفہ بنے۔''

سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح مکر و جبر سے حاصل کی گئی خلافت میں دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنا، ناقابل انکار دینی خدمت میں شامل ہوگا؟

مودودی صاحب کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس ''فرد جرم'' کو تسلیم کرنے کے بعد ''حضرت، جناب اور رضی اللہ عنہ'' کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''امیر معاویہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اخوت اسلام پر ایک کاری ضرب لگائی اور اپنے لڑکے کو ریاست کا جانشین نامزد کر کے پوری قوم کو اپنے خاندان کے عوض میں گروی کر دیا۔ ہمارے جمہوریت پسند رسول کی وفات کے جلد ہی بعد اسلام کی لائی ہوئی جمہوریت کو امپریلزم میں تبدیل کر دیا گیا، معاویہ نے نسلی خلافت کا آغاز کر کے اسلام کی جڑ پر تیشہ رکھ دیا۔'' (سنت کی آئینی حیثیت ص ۲۵۴ ۔ مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور)

خلافت و ملوکیت میں یہ الزام پڑھنے کے بعد ایک شیعہ لیڈر ''حجۃ الاسلام والمسلمین، استاذ العلماء والمجتہدین، رئیس المفسرین، آیت اللہ علامہ'' حسین بخش جاڑا بھی ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''قارئین کرام! اپنے قلب و جگر پر ہاتھ رکھ کر ان غلطیوں کو پڑھیں اور مودودی صاحب کی اس دریا دلی کی بھی داد دیں کہ باوجود ان سنگین جرائم کے اس کے محامد و مناقب کے بھی قائل ہیں اور شرف صحابیت کی بناء پر اسے واجب الاحترام بھی قرار دیتے ہیں اور یہ اصرار بھی ہے کہ اس کے غلط کاموں کو بہر حال غلط کہنا ہوگا۔ اندازہ کیجیے ایک شخص اپنی ہوس پرستی و جاہ طلبی کی خاطر اسلامی حکومت کا حلیہ بدلتا ہے، ہمیشہ کے لیے امت اسلامیہ کو ملوکیت کی الجھنوں میں ڈالنے کا مرتکب ہے، آئینی، اسلامی خلیفہ کا منکر بھی ہے اور حضرت عمار بن یاسرؓ اور حجر بن عدی ایسے متقی صحابہ کا عمداً قاتل ہے اور بایں ہمہ وہ واجب الاحترام صحابی ہے اور اپنی عمدی خطاء سے جنگ صفین کے موقع پر ہزاروں مسلمانوں کے قتل کا موجب ہے جن میں اکابر صحابہ بھی تھے اور بقول مودودی صاحب یہ غلطی اجتہادی نہیں بلکہ عمدی غلطی ہے لیکن پھر بھی وہ واجب الاحترام ہے۔ (امامت و ملوکیت ص ۶۲۔۶۳)

# ۲۸۔مولانا سعید احمد اکبر آبادی فاضل دیوبند

(م ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء)

مولانا سعید احمد ایک محقق عالم اور دارالعلوم دیوبند کے گرامی قدر فضلاء میں سے ہیں۔قدیم وجدید درس گاہوں میں تدریسی خدمات سرانجام دینے کے علاوہ شیخ الہند اکیڈمی دیوبند کے ڈائریکٹر اور دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے ہیں۔وہ بین الاقوامی شخصیت کے حامل اور کئی بلند پایہ اور محققانہ کتب کے مصنف ہیں جن میں سے ایک کتاب ''مسلمانوں کا عروج وزوال'' بھی ہے۔

اس کتاب میں طبری وغیرہ کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف رطب ویابس روایات کی بناء پر ایسا مواد جمع کر دیا گیا ہے جس میں ایک جلیل القدر صحابی کی تنقیص پائی جاتی ہے۔چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

''اول تو امیر معاویہؓ بیس بائیس برس سے شام کے والی چلے آرہے تھے۔یہاں کے لوگوں کے عادات وخصائل اور افتادومزاج سے اچھی طرح واقف تھے۔پھر چونکہ بڑے فیاض طبع اور دادودہش کے عادی تھے اس لیے اہل شام ان سے بہت مانوس تھے۔ان لوگوں کو حضرت علیؓ کی مخالفت پر آمادہ کر دینے کے لیے یہی کچھ کم نہ تھا کہ خلیفہ مظلوم کے انتقام کی دعوت نے تمام ملک میں ایک آگ سی لگا دی۔پھر اسی سلسلہ میں جب امیر معاویہؓ نے جامع دمشق کے منبر پر آویزاں کر کے حضرت عثمانؓ کے خون آلودہ کرتہ اور ان کی جاںنثار بیوی نائلہ کی تین کٹی ہوئی انگلیوں کا مظاہرہ مجمع عام میں کیا تو حال یہ تھا کہ بوڑھے اور جوان انہیں دیکھ دیکھ کر زاروقطار روتے تھے اور حلف کرتے تھے کہ جب تک خلیفہ ثالث کے خون بے گناہ کا بدلہ نہیں لے لیا جائے گا وہ کسی کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت نہیں کریں گے....

امیر معاویہؓ مشہور مدبر اور صاحب سیاست بزرگ تھے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انہوں نے اسلام کی بڑی شاندار خدمات انجام دی تھیں....

لیکن ان تمام فضائل کے باوجود یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ان کی خلافت کو ناکام کرنے کے لیے انہوں نے جو کچھ کیا وہ کم از کم ان جیسی بزرگ شخصیت سے متوقع نہیں ہوسکتا تھا۔

اگران میں حضرت عثمانؓ کے قصاص لینے کا ایسا ہی جذبہ تھا تو وہ یہ کام حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر خلافت کی بیعت کر کے بھی انجام دے سکتے تھے (حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ تو اس تجربہ سے گزر چکے تھے۔ از مؤلف) دیکھنا یہ ہے کہ اکابر صحابہؓ کی جانیں ضائع ہوئیں، امت میں تفرقے پیدا ہو گئے، اسلام کا اجتماعی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا مگر حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ پھر بھی نہ لیا جا سکا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انتخاب خلیفہ کے معاملہ میں مہاجرین وانصار میں جو شدید اختلاف پیدا ہوا تھا اور اس وقت حضرت عمرؓ نے موقع کی نزاکت کو محسوس فرما کر حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے جس طرح اس قضیہ نامرضیہ کو ختم کر دیا تھا اگر اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی طرز عمل اختیار کرتے تو بے شک امت مرحومہ ایک عظیم فتنہ سے بچ جاتی اور وہ رخنے پیدا نہ ہوتے جو اب پیدا ہوئے۔ حضرت علیؓ کے مقابلے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی خلافت پر اصرار کرنا ایک ایسی بات ہے جس کو اسلام کی اچھی خدمت نہیں کہا جا سکتا۔

چنانچہ اس کا ثبوت واقعہ تحکیم سے بھی ملتا ہے۔ تحکیم کی پیش کش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہی طرف سے ہوئی تھی جب انہوں نے دیکھا کہ لیلۃ الہریر کی جنگ میں حضرت علیؓ کو کامیابی ہو چکی ہے اور عمرو بن العاصؓ نے کہا، میں ایک ایسی ترکیب بتاتا ہوں جس کی وجہ سے علیؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ہم سب کا اس میں بھلا ہوگا...

حضرت علیؓ اس تجویز کو قبول کریں یا رد فرمائیں بہر حال ہمارا فائدہ ہوگا۔ ان الفاظ سے خود معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ تحکیم کی تجویز کو پیش کر رہے تھے ان کی نیتوں میں خلوص نہیں تھا اور وہ وقتی طور پر اس بہانہ اپنا کام نکالنا چاہتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا تھا اور وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ تحکیم کی پیش کش جو اب تقریباً ستر ہزار فرزندانِ اسلام کی لاشوں کے خاک وخون میں تڑپنے کے بعد کی جا رہی ہے نیک نیتی پر نہیں بلکہ خدع وفریب پر مبنی ہے۔

مگر مشکل یہ تھی کہ عمرو بن العاصؓ کی توقع کے مطابق اب خود عراقیوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی اس لیے حضرت علیؓ کے سامنے اس کو قبول کر لینے کے سوا کوئی اور چارۂ کار تھا ہی کیا مگر جو کام کسی غرض اور ذاتی منفعت کے پیش نظر کیا گیا ہو اس میں اجتماعی خیر وبرکت کی توقع کس حد تک ہو سکتی ہے؟ نتیجہ اس کا بھی اسلام کے حق میں نہایت خطرناک نکلا....

اب ذرا تصور کیجیے، حضرت علیؓ کو ناکام کرنے کی ایک تدبیر (تحکیم) نے جو فاتح اجنادین عمرو بن العاصؓ کے دماغ نے سوچی تھی کس طرح امت میں چند در چند فتنوں کے پیدا ہونے کا سبب ہوئی ........

(حضرت علیؓ کی ناکامی کے اسباب) مجھ کو صاف لفظوں میں کہنا چاہیے کہ ان اسباب میں سب سے بڑی وجہ قبائلی اور خاندانی عصبیت کا ظہور ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے کہ یہ عصبیت جاہلیہ ہی ایک ایسا زہر ہے جو کسی قوم کے رگ و ریشہ میں سرایت کر کے اس کی تمام اخلاقی اور عملی قوتوں کو کمزوریاں ان کو حد سے زیادہ غیر معتدل بنا دیتا ہے... تمثیلاً حضرت معاویہؓ کو ہی لیجیے، ان کی شان میں کسی غیر صحابی کو گفتگو کرنے کی کیا مجال ہے؟ تاہم یہ حقیقت ہے کہ آپ چونکہ فتح مکہ کے بعد اپنے والد ماجد ابوسفیانؓ کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے اس سے آپ کو خلفائے اربعہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہنے اور براہ راست آفتاب نبوت و رسالت سے کسب فیض کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا...

تاہم بنوامیہ اور بنو ہاشم میں جو باہمی رقابت مدت سے چلی آ رہی تھی امیر معاویہؓ کو اس سے خالی الذہن نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت علیؓ کے مقابلے میں انہوں نے جو کچھ کیا اس میں دوسرے عوامل و اسباب کی طرح اس رجحان کو بھی بڑا دخل ہے۔ ممکن ہے حضرت علیؓ پر یہ شبہ کیا جائے لیکن یہ پھر بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں کوئی عمل ایسا نہیں کیا جس کو خاندانی رقابت کے زیر اثر یا اسلام کی تعلیمات یا اس کی روح کے خلاف کہا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ امیر معاویہؓ بہادری، عالی حوصلگی، دریا دلی اور سیاسی تدبر کے لحاظ سے ہم عصروں میں ممتاز تھے لیکن جب انہوں نے اپنی ان قوتوں سے کفر کے مقابلہ میں کام لیا تو ایسے شاندار کارنامے کیے کہ مسلمانوں کی تاریخ کو ان پر ناز ہو سکتا ہے لیکن جب ان کی یہی قوتیں اموی خاندان کی جڑیں مضبوط کرنے میں صرف ہونی شروع ہوئیں تو اس سے ایک ایسے طریق حکومت کی تشکیل ہوئی جس کو خلافت راشدہ کے منہاج پر نہیں کہا جا سکتا...

۴۱ھ میں خلافت راشدہ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر عام بیعت ہوئی تو اس دن سے بنوامیہ کا عہد حکومت شروع ہوا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس خاندان کے پہلے خلیفہ تھے۔ آپ کی خلافت ۴۱ھ سے ۶۰ھ تک یعنی تقریباً بیس سال رہی۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے آپ کی خلافت، نہ خلافت راشدہ تھی اور نہ آپ خلیفہ راشد تھے لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحبت اٹھائے ہوئے تھے، صحابی تھے اور کاتب وحی بھی رہ چکے تھے اس لیے متعدد غلطیوں کے باوجود آپ کا دل خشیت ربانی اور اسلام کی ترقی و عروج کی حقیقی تڑپ سے خالی نہ تھا...

تاہم خالص اسلامی نقطۂ نظر سے اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے جس طریق حکومت کی تشکیل ہوئی اس سے اسلام کے اجتماعی نظام کی روح کو

شدید صدمہ پہنچا۔حکومت بجائے جمہوری کے شخصی ہوگئی اوراسلام کے جومصالح عامہ اس کے صالح ترین نظام سے وابستہ تھے اب ان کا تعلق بادشاہ کی تہاذات اوراس کی شخصیت سے ہوگیا.........

بنوامیہ کا سب سے بڑامخالف خاندان بنوہاشم تھالیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ذاتی طور پر حلیم وبردبار ہونے کے باعث سریرخلافت پر متمکن ہوجانے کے بعداس خاندان کے ساتھ جبر وتشدد کا معاملہ نہیں کیا بلکہ عطیات اوروظائف کے ذریعہ ان کی دلجوئی ہی کرتے رہے تاہم طرزحکومت میں ملوکیت کی شان نمایاں تھی اوراس بناء پرانداز فکراورطرز خیال میں جوتبدیلی پیداہوگئی تھی اس کا اندازہ اس ایک معمولی واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ گورزکوفہ زیاد،عرب کی ایک فاحشہ عورت جس کا نام سمیہ تھااس کے بطن سے پیداہواتھااورعرب کے رواج کے مطابق زیاد بن ابیہ کہلاتا تھا۔یہ کنیت اس کے دامن شہرت پرایک ایسابدنماداغ تھا کہ" پائے طاؤس پئے خامہ مانی "مانگے والامضمون تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ زیاد کی قابلیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے زیاد کی بدنامی اس راہ میں سنگ گراں کا کام کرتی تھی اس لیےانہوں نے حکم نبوی "الولد للفراش وللعاھرالحجر" بچہ کا نسب جائز نکاح سے ثابت ہوتا ہےاورزانی کے لیےتو سنگ ساری ہے،کا خیال نہ کرتے ہوئے اعلان عام کرادیا کہ آئندہ سے زیادکوبجائے ابن ابیہ کہنے کےابن ابی سفیان کہہ کرپکارا جائے.........

(یزید کے لیے بیعت لینا) یہواقعہ اپنی حیثیت میں معمولی ساواقعہ ہے لیکن اس سےاس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ اسلام کے اجتماعی نظام کو اس کی اصل شکل وصورت سے منتقل کر کے کسی دوسری اورغیرواقعی شکل سے متشکل کردینے کے باعث تدریجی طورپرذہنیت میں اورطرزفکروخیال میں کیسی کچھ تبدیلیاں پیداہوجاتی ہیں اوروہ رفتہ رفتہ کس طرح بنیادوں کوہی متزلزل کردینے کاباعث بن سکتی ہیں۔

چنانچہ اس طرزحکومت کا سب سے زیادہ الم ناک نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ہمیشہ کے لیے خلافت کے تصور سے ہی محروم ہوگئے۔جمہورکاحق انتخاب ارباب حل وعقد کی اس باب میں مشاورت اوراس خدمت جلیلہ کے لیے امت کے کسی صالح اورموزوں ترین فرد کی تلاش وجستجو، یہ سب باتیں ایسی خواب وخیال ہوگئیں کہ آج تک اسلام کی چشم تمناپراسی نظارہ روح پرورکی بازدید کے انتظار میں نرگس کی طرح واہے مگروہ منظرلوٹ کرنہیں آتا اورسالوں بلکہ قرنوں کے ایسے تاریک پردے درمیان میں حائل ہوگئے ہیں کہ نگاہ اشتیاق رہ رہ کے ماضی کےان نقوش جمال وعظمت کی طرف اٹھتی ہے مگر دیکھ نہیں سکتی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت خلافت لے کراس طرزحکومت کوایسااستوار کردیا کہ آج تک اس کی بنیاد قائم ہے۔اس وقت صحابہ میں اوران کے

علاوہ تابعین میں بعض ایسے افراد موجود تھے کہ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان میں سے حضرت عمرؓ کی طرح چند حضرات کا یا حضرت ابو بکرؓ کی طرح کسی ایک کا انتخاب فرما کر بطور وصیت ان کے حق میں خلافت کی سفارش کر جاتے تو بے شبہ وہ فساد پیدا نہ ہوتا جو یزید کو خلیفہ بنانے سے پیدا ہوا اور جس کے باعث بادشاہت محض ایک خاندانی ورثہ ہو کر رہ گئی۔ خلیفہ کے لفظ میں دینی اقتدار کا مفہوم بھی شامل تھا اس لیے بنو امیہ نے اس لقب کو ترک نہیں کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ خلافت تو اب ختم ہو چکی تھی اور یہ جو کچھ بھی تھا ایک فریب اصطلاح سے زیادہ اور کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔

امیر معاویہؓ نے جس طرح حکومت بہ جبر حاصل کی تھی اسی طرح یزید کی بیعت خلافت بھی بہ جبر لی گئی۔ جو حضرات دل سے اس کو پسند نہیں کرتے تھے ان کو بھی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دینا ہی پڑا۔ ملوکیت یا شخصی حکومت کا سب سے زیادہ برا اثر یہ ہوتا ہے کہ عوام میں حریت فکر اور آزادی بیان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور قہر و غلبہ اور استبداد و تشدد کی فراوانی ہو جاتی ہے۔ بنو امیہ میں ملوکیت کے یہ تمام جراثیم پائے جاتے تھے۔ (مسلمانوں کا عروج و زوال ص ۴۱۔۴۹۔ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ اردو بازار کراچی)

مذکورہ اقتباسات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص کے علاوہ نیت پر شبہ کرنا، قصاص عثمانؓ کو بہانہ بنانا، خلافت علیؓ کو ناکام بنانے کے لیے جاہلی عصبیت اور مکر و خدع سے کام لینا، حضرت علیؓ کی خلافت کے مقابلے میں اپنی خلافت پر اصرار کرنا، واقعہ تحکیم کی تجویز بدنیتی، دھوکا اور چالبازی پر مبنی تھی جو چند در چند فتنوں و رخنوں کا باعث ہوئی اور جس کا نتیجہ اسلام کے حق میں نہایت خطرناک نکلا، بنو ہاشم کے خلاف قدیمی عداوت و رقابت کا مظاہرہ کرنا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہ جبر حکومت حاصل کی، خلافت کا خاتمہ کیا، اسلام کے اجتماعی نظام کو شدید نقصان پہنچایا، شخصی، غیر شورائی بادشاہت کا نظام قائم کیا، نبیؐ کے واضح حکم کی مخالفت کر کے ایک فاحشہ عورت کے بطن سے جنم لینے والے زیاد بن ابیہ کو اپنے نسب میں شامل کرنا، یزید کے لیے جبر و تشدد کے ذریعے اور مال و زر نچھاور کر کے نیز ڈرا دھمکا کر بیعت لینا، حریت فکر اور آزادی بیان کو سلب کرنا اور قہر و غلبہ اور جبر و استبداد غرضیکہ ملوکیت کے تمام جراثیم کا پایا جانا جیسے الزامات عائد کر کے کیا صحابہ کرامؓ کے بارے میں "کف لسان" کے حکم کی پاسداری کی گئی ہے؟

یہ ملحوظ رہے کہ تاریخ دارالعلوم دیوبند میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم کی کتاب "مسلمانوں کا عروج و زوال" کو "معرکۃ الآراء، بلند پایا اور محققانہ" کتابوں میں شمار کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو: تاریخ دارالعلوم دیوبند از سید محبوب رضوی ص ۲۲۵۔ اشاعت خصوصی ماہنامہ الرشید ساہیوال۔

☆☆☆☆☆☆

# ۲۹۔سید لعل شاہ بخاری واہ کینٹ

(م ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء)

سید لعل شاہ صاحب بخاری خطیب مدنی مسجد لائق علی چوک واہ کینٹ نے محمود احمد عباسی کی کتاب "تحقیق مزید" کے رد میں ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب بنام "حضرت معاویہؓ و استخلاف یزید بجواب تحقیق مزید علیٰ خلافت معاویہ و یزید" لکھی جس کا مختصر نام خود ہی "استخلاف یزید" تجویز کیا۔ موصوف اس کتاب میں جا بجا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہاں چند توہین آمیز کلمات ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں:

۱۔جاننا چاہیے کہ محدثین کا اتفاق ہے حضرت معاویہؓ کی فضیلت میں پورے ذخیرہ حدیث میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے ...(استخلاف یزید ص۱۱۸)۔

شاہ صاحب صحیح بخاری کی روایت "أول جيش من أمتي يغزون البحر قد أوجبوا ..." کے بارے میں لکھتے ہیں:

میرا دعویٰ ہے کہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ راوی کی خود ساختہ ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "أول جيش۔أوجبوا۔مدينة قيصر مغفور لهم" کے الفاظ نہیں فرمائے۔(حوالہ مذکور ص۳۴)۔

۲۔حضرت معاویہؓ کے محبوب فرزند نے......جہاں زیاد کی مٹی پلید کی ہے وہاں اپنے شفیق باپ جو اسے "فداك أبي وأمي" کہہ کر بلائیں لیتے ہیں، ان کی سیاست کا بھی سارا بھرم کھول کر رکھ دیا ہے اور استلحاق زیاد کی ساری حقیقت صرف ایک فقرہ میں طشت ازبام کردی... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یزید جوش میں خدا جانے کیا کچھ کہہ جائے گا اور رازہائے سربستہ افشا ہو جائیں گے، فوراً "اجلس فداك أبي وأمي" فرماتے ہیں اور پھر ناراض ہو جاتے ہیں تو اس کی توجیہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ یزید نے اس سربستہ راز سے پردہ اٹھا دیا تھا۔ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یزید اس وقت ہوش میں تھا کہ مدہوش مگر ہم اس کی حق گوئی کی سو بار قدر کرتے ہیں کہ:

فقیہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا
نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں

(حوالہ مذکور ص ۱۵۵)

۴۔(حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق) جمہور اہل سنت کا پہلا قول کہ "حضرت علیؓ حق پر ہیں اور حضرت معاویہؓ مجتہد مخطی ہیں......."

جمہور اہل سنت کا دوسرا قول کہ حضرت علیؓ حق پر تھے اور حضرت معاویہؓ باطل پر تھے یعنی خطا ان کی عنادی تھی اور دورِ خلافت میں وہ ایک مَلِک جائر تھے......."

دلائل کے لحاظ سے یہ دوسرا قول بظاہر راجح معلوم ہوتا ہے۔جمہور اہل سنت کا پہلا قول کہ حضرت علیؓ "المحق المصیب" اور حضرت معاویہؓ "المخطی المعذور" تھے کو راجح سمجھا جائے مگر قوت دلائل کے لحاظ سے دوسرا قول بظاہر راجح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ حق پر تھے اور حضرت معاویہؓ باطل پر تھے۔(حوالہ مذکور ص ۱۷۴، ۱۸۰، ۱۸۸)۔

۵۔صحیح مسلم کی جس روایت سے حضرت معاویہؓ کا کاتب وحی ہونا ثابت ہوتا ہے اس کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس روایت کا ایک جملہ بھی صحیح نہیں ہے۔یہ روایت بجمیع أجزا ئھا و مقاصدھا باطل ہے اس لیے کسی محدث نے اس روایت کو اپنی کتاب میں درج کرنے کا حوصلہ نہیں کیا۔حیرت ہے کہ امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں کیسے جگہ دے دی اور تعجب ہے کہ حافظ ابن کثیر نے کیسے ان نازک شاخوں کو کتابتِ معاویہ کے آشیانہ کے لیے منتخب کیا ہے؟........

اقرب الی الاحتیاط یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کو کاتب رسول کہا جائے، کاتب وحی نہ کہا جائے۔(حوالہ مذکور ص ۱۳۳۔۱۳۴)۔

۶۔ناصبیوں نے حضرت معاویہؓ کو جامع الصفات ثابت کرنے کے لیے تمام صحابہ کے اوصاف تلاش کر کے انہیں حضرت معاویہؓ کے لیے ثابت کیا ہے۔اس سلسلے میں انہیں ایک ایسے وصف کی تلاش ہوئی جسے حضرت معاویہؓ کے لیے مخصوص کر دیں اور اس وصفِ مخصوص میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہ ہو۔پس انہوں نے وصفِ سیادت میں حضرت معاویہؓ کو سب سے فائق قرار دیا ہے کہ ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نام منسوب کر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓو بن العاص سے مروی ہے: فرماتے ہیں

کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو حضرت معاویہ سے زیادہ سردار نہیں دیکھا۔(البدایۃ و النھایۃ ص ۱۳۵۔جلد ۸)

محمود عباسی، علی احمد عباسی اور حکیم ظفر احمد محمود سیالکوٹی اگر اس قسم کی روایات سے استناد کرتے ہیں تو کوئی تعجب نہیں کہ یہ ان کا نصب العین ہے مگر تعجب تو نورالحسن شاہ صاحب بخاری پر ہے کہ انہوں نے "عادلانہ دفاع جلد اص ۱۵۱ ۔ ۱۵۲" میں ان ہی ضعیف روایات کو بالترتیب پیش کردیا ہے۔ نہ جانے ؎

باغباں کو ایک بوٹے سے ہے کیوں اتنا پیار؟
نوچ ڈالی اس کی خاطر سارے گلشن کی بہار

(حوالہ مذکور ص ۱۴۸)

۷۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں زبانیں مقفل ہو چکی تھیں کہ دو جمعے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک خلاف شرع خطبہ سنا اور حاضرین میں سے کسی کو بھی ہمت نہ ہوئی کہ زباں کو جنبش دے کہ امیر المومنین آپ سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں، تیسرے جمعہ کو ایک اجنبی شخص جرأت کر کے کلمۂ حق کہتا ہے "تو لوگ اس کے متعلق گمان کرتے ہیں کہ بس یہ ہلاک ہو گیا۔" (فقال القوم هلك) قوم یہ کیوں کہتی ہے اس لیے کہ قوم جانتی ہے کہ یہاں حق گوئی کی سزا موت ہے۔ وہ کوئی خوش نصیب ہی تھا کہ بچ نکلا اور انعام و اکرام سے مالا مال ہو گیا۔ مجھے اس روایت کے تسلیم کرنے میں سخت تأمل ہے۔ بہ تقدیر صحتِ روایت یہ تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقریباً خاتمہ ہو چکا تھا۔ (حوالہ مذکور ص ۲۷۲)،

۸۔ ہمارے مطالعے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ۴۱ھ میں مسند خلافت پر متمکن ہو کر عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہیں اور ۴۴ھ میں عصبیتِ مضر کی پشت پناہی میں اپنے بیٹے کو نامزد کر دیتے ہیں اور تا دم زیست اس سے زیادہ کسی مسئلہ کو اہم نہیں سمجھا۔ جلیل القدر صحابہ پہلے ہی سیاست سے دست کش ہو چکے تھے، کچھ صحابہ اثارت فتنہ اور تفریق امت کے اندیشہ سے خاموش ہو گئے، بعض کی آواز سفک دماء اور خون ریزی کے خوف سے حلقوم میں اٹک کر رہ گئی، کچھ روسا مناصب کی وجہ سے مجبور تھے، بعض کی زبانیں نقرئی مہروں سے داغ دی گئیں اور بعض کی دہن دوزی لقمہ ہائے چرب سے کر دی گئی اور بعض کو حرص و آز نے ایسا اندھا کر دیا تھا کہ ملک کے طول و عرض میں رواں دواں اور استحکام ولایت یزید کے لیے کوشاں تھے، مناصب و ہوا کی خاطر وفود کے وفود دمشق بھیجے جاتے ہیں آخر ان کی سعی نامشکور بار آور ہوتی ہے اور یزید ابن معاویہ جس کے ہاتھوں امت کی تباہی مقدر ہو چکی تھی پوری امت پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (حوالہ مذکور ص ۳۱۶)

۹۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حضرت صدیق اکبرؓ کی اجماعی خلافت پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے...

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع تھا اور جملہ صحابہ نے بطیب خاطر بیعت کی تھی لیکن حضرت معاویہؓ کی خلافت میں تلوار دخیل تھی۔حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت خلافت راشدہ کی اکمل ترین قسم تھی اور حضرت معاویہؓ کی خلافت از قسم ملک عضوض تھی۔(حوالہ مذکور ص ۵۱۷)۔

۱۰۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ایسے امور بھی ظہور پذیر ہوئے جو خلافتِ راشدہ کی بناء کو منہدم کرنے والے تھے......ان میں سے بعض امور کی نشاندہی ہم کرتے ہیں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ناصبیت کو فروغ حاصل ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو برملا سب وشتم کیا جانے لگا.... (حوالہ مذکور ص ۲۱۶)۔

۱۱۔اس روایت میں راوی نے مسامحت سے کام لیا اور (أتعدها مصيبة) کے سائل اور (جمرة اطفاها الله) کے قائل دونوں کی پردہ پوشی کی کیونکہ ان کی گفتگو بے انتہا نفرت انگیز تھی لیکن آنکھیں بند کر لینے سے حقیقتیں مستور نہیں ہوا کرتیں۔"أتعدها مصيبة" کے قائل یقیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔رجل اسدی کا قول برائے طلب تقرب ورضا معاویہ تھا۔شاید اسی لیے حضرت معاویہؓ نے اسے سرزنش نہیں کی شاید وہ یہ سمجھے کہ جب محفل میں سارے شامی ہیں تو اب ظاہر داری کا فائدہ؟

اس روایت سے معلوم ہوا کہ محفل معاویہؓ کی زیبائش وآرائش کس قسم کے عنادلِ خوش گلوکی نوا سنجی سے وابستہ تھی لیکن کبھی کبھی مقدام ابن معدی کربؓ جیسے درویش کی تلخ نوائی مجلس کے رنگ کو پھیکا اور افسردہ کر دیتی۔راوی نے "رجل اسدی" کے نام کا اظہار نہیں کیا ہمیں بھی اظہار کی ضرورت نہیں ہم بھی بے نام لیے کہتے ہیں۔

جو شقی حسن ابن علیؓ کو جمرۃ من نار کہتے ہیں
اللہ کی ہو پھٹکار ان پر ہم سو بار کہتے ہیں

(حوالہ مذکور ص ۱۳۴)

☆☆☆☆☆☆

# ۳۰۔مولانا حامد الانصاری غازی فاضل دار العلوم دیوبند

## (م۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء)

مولانا حامد الانصاری غازی حضرت الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نواسے مولانا منصور انصاری کے خلف اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے داماد ہیں۔دار العلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ کی طرف سے دار العلوم کی صد سالہ تقریب کے لیے منتظم منتخب ہوئے۔"اسلام کا نظام حکومت" ان کی مشہور تصنیف ہے جو"ندوۃ المصنفین" دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ملاحظہ ہو ماہنامہ الرشید ساہیوال کی خصوصی اشاعت "تاریخ دار العلوم دیو بند" از سید محبوب رضوی ص ۲۲۵۔

پاکستان سے اسے مکتبہ الحسن لاہور نے بھی شائع کیا ہے۔اس وقت اس کا "تیسرا ایڈیشن" راقم الحروف کے سامنے ہے۔

مولانا حامد الانصاری غازی اپنی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"غالب یہ ہے کہ اس موضوع پر اس قسم کی کوئی کتاب آج تک اس طرز پر نہیں لکھی گئی.....اس کتاب میں مستند معلومات کا جو ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے اور اس سے جو نتائج پیدا کیے گئے ہیں وہ آنے والے دور کے مصنفین اور علماء کے تصنیفی کام کے لیے مآخذ قرار پا سکیں گے۔

(اسلام کا نظام حکومت ص ۱۶ مطبوعہ مکتبہ الحسن لاہور)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ موصوف نے اس موضوع پر ایک نئے اسلوب اور طرز پر کتاب تصنیف فرمائی اور ان کی محنت قابل داد ہے تاہم وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے "انصاف" نہیں فرما سکے۔ملاحظہ فرمائیں:

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اثر قوت اور تدبیر سے یزید کی ولی عہدی کو منظور کرایا.... اس انتخاب کے خون آشام نتائج خود یہ کہتے ہیں کہ یہ تقرر امت کے لیے دلیل نہیں ہو سکتا۔اس کے علاوہ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یورپین شہنشاہتوں کے پڑوس میں مسلمانوں کا اقتدار قائم کر رہے تھے۔ان کا یہ قول بھی دماغ میں رہنا چاہیے:

"ہم نے شہنشاہیت اور سلطنت پر قناعت کر لی ہے"

اس قول کے بعد راہ صاف ہوجاتی ہے ایک ایسی عالمگیر قوم جو انسانیت کو نبوت، قانون رحمت اور خلافت راشدہ کے طرز پر منظم کرنا چاہتی ہے، شہنشاہیت پر قناعت نہیں کرسکتی۔ بعد کے زمانہ میں بنی امیہ اور بنی عباس کے اقتدار میں اسلام کے لیے جو پرجوش کارنامے انجام پائے اس سے انکار کیے بغیر ولی عہدی کے رواج کو جائز تسلیم نہیں کیا جاسکتا........

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ سال تک "امامت کبریٰ" کی پیغمبرانہ ذمہ داریوں کو پورا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبرؓ نے دو برس، فاروق اعظمؓ نے دس برس، عثمان غنیؓ نے گیارہ برس، علی مرتضیٰؓ نے چھ برس امارت شوریٰ اور خلافت راشدہ کو زندہ رکھا۔

تاریخ عالم کے یہ چاروں بڑے اصحاب صاحب اولاد تھے مگر انہوں نے خدا کی حکومت کی حکم برداری میں شاہی تاج وتخت کو نگاہ غلط سے بھی نہ دیکھا۔

آخر اسلامی تاریخ کا سب سے زیادہ مکروہ واقعہ رونما ہوا۔ یہ روشنی جلد تاریکی سے بدل گئی اور فرمان "لانــرث ولانــورث" کے خلاف امارتِ شوریٰ کی جگہ پھر مطلق العنان شاہی نے لے لی۔ دن ڈوب گیا پھر رات آئی۔ وہی جوہر جو بادشاہوں کے تاج سے بھی زیادہ قیمتی تھا، مٹی ہوگیا۔ وہ لوگ جو خدا کے حکم پر تیر کی طرح گئے، بجلی کی طرح گرے اور قیصر و کسریٰ کے تاج چھین کر ہوا کی طرح واپس آئے۔ ان کے جانشین رومیوں کے ایک چھوٹے سے پایہ تخت دمشق میں پہنچ کر قیصر کی شہنشاہیت کا شکار ہوگئے۔

تمام پرانے شاہی خاندان (اشکانی، پیشداری، ساسانی، یونانی، رومی) مٹ گئے اور ان کی جگہ اموی، عباسی، فاطمی، غزنوی، خلجی، تغلقی، تیموری (مغل) تاتاری (ترکان عثمانی) تختِ شاہی پر آگئے۔ سن ا ہجری (۶۲۲ء) سے ۴۱ہجری (۶۶۱ء) تک چالیس سال کا زمانہ منہاج نبوت اور سیاست شوریٰ کے مطابق گزرا۔ اس کے بعد چودہ سو سال کے اس تاریخی جنگل میں کسی مردِ خدا کو یہ خیال نہیں آیا کہ اسلام کا نظام حکومت اپنی اصل قانونی حقیقت کے اعتبار سے خدا کے دستور، نبوت کے قائم کردہ معیار اور حکومتِ راشدہ کے اساسی اصول سے ہٹ چکا ہے۔ (اسلام کا نظام حکومت ص ۲۵۴،۲۵۶)

حضرت مولانا حامد الانصاری غازی کے اس "مرثیے" یا "تبرے" سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کیونکر مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے؟ بلکہ انہوں نے اس کا آغاز ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سریر آرائے خلافت ہونے (۴۱ھ) سے کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

# ۱۳۱۔ سید محمود شاہ محدث ہزاروی

(م ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲ء)

پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی کی ولادت ۱۸۷۲ء میں سید محبوب علی شاہ کاظمی کے ہاں حویلیاں کے مضافات میں موضع ''سوبلن'' نزد وکل بر سین علاقہ تناول میں ہوئی ۔ جب کہ پیر محبوب علی شاہ کاظمی موضع ''نڑوکہ'' مانسہرہ میں پیدا ہوئے جہاں سے نقل مکانی کر کے اپنے والد سید فقیر شاہ کے ساتھ موضع ''پائیں گوجری'' میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ موصوف والد کی وفات کے بعد ''پائیں گوجری'' سے نقل مکانی کر کے موضع ''سوبلن'' میں وارد ہوئے جہاں سے ۱۹۰۱ء میں اپنے کنبہ کے ہمراہ حویلیاں ''نڑمیرہ'' میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہوگئے ۔ بعد میں ''نڑمیرہ'' محلّہ ''محبوب آباد'' کے نام سے موسوم ہوگیا ۔ یہیں سید محبوب شاہ کاظمی نے ۱۳ نومبر ۱۹۳۷ء کو وفات پائی ۔ ان کے جانشین بڑے بیٹے سید عبدالقادر شاہ کاظمی مقرر ہوئے ۔ ۱۳۷۲ھ میں ان کی وفات کے بعد پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی مسند نشین ہوئے جو اپنی وفات کیم رجب ۱۴۱۳ھ / ۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ء تک خانقاہ محبوب آباد حویلیاں سے اپنے عقائد و نظریات اور افکار و خیالات کو فروغ دیتے رہے ۔

پیر صاحب نے ''بریلویت'' کے لبادے میں ''معاویہؓ دشمنی'' کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں ۔ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریراً و تقریراً خوب زہرا گلا ۔ ان کی اسی دریدہ دہنی کی وجہ سے ان کے خلاف کیم جولائی ۱۹۸۵ء کو توہین صحابہ آرڈیننس 298-A کے تحت ایک مقدمہ قائم ہوا جس میں وہ تا دمِ زیست ''ملزم'' اور پابند ضمانت رہے ۔ بعد میں وفات کی وجہ سے ان کے خلاف عدالتی کارروائی ختم ہوئی ۔ یہاں صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ان کے ''نظریات'' ہدیۂ قارئین کیے جا رہے ہیں:

پیر صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (نقل کفر، کفر نباشد) ''ظالم، باغی، طاغی، منافق، کافر اور مرتد'' کہتے ہیں ۔ جو انہیں کافر نہ کہے یا انہیں صحابیِ رسول تسلیم کرے اور ان کے نام کے ساتھ علامت صحابیت ''؄'' (رضی اللہ عنہ) پڑھے یا لکھے وہ بھی پیر صاحب کے نزدیک کافر ہے ۔ (العیاذ باللہ)

سرزمین ہزارہ کی معروف دینی و روحانی شخصیت صاحبزادہ طیب الرحمٰن صاحب چھوہر

شریف (ہری پور) نے علامہ قاضی غلام محمود صاحب کی خدمت میں حسب ذیل "استفتاء" بھیجا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ بعض نام نہاد مولوی اور جعلی پیر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، صحابی رسول ﷺ کو (معاذاللہ) کافر کہتے ہیں اور ان کو کافر نہ کہنے والوں کو بھی کافر بتلاتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تقریری کیسٹ ہمارے پاس موجود ہے جس میں مقرر نے یہ کچھ کہا ہے ...

(فضائل حضرت معاویہ ص ۱۶۔ مؤلفہ قاضی غلام محمود صاحب ہزاروی)

جناب قاضی غلام محمود صاحب اس کا جواب دینے سے پہلے پیر صاحب کا "اعتراض" نقل کرتے ہیں کہ "معاویہؓ نے چونکہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ سے بغاوت کی تھی اس لیے وہ مرتد ہو گیا (معاذ اللہ نقل کفر، کفر نہ باشد) اب اس کو صحابی، امیر یا مسلمان کہنا جائز نہیں اور جو اس کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔" قاضی صاحب نیچے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"مولوی محمود شاہ صاحب ساکن حویلیاں کی یہ بات مدرسہ رحمانیہ ہری پور میں ٹیپ شدہ موجود ہے جو صاحب چاہے سن سکتا ہے۔" (حوالہ مذکور)

معروف بریلوی عالم دین شیخ الحدیث مولانا محمد علی صاحب جامعہ رسولیہ شیرازیہ لاہور فرماتے ہیں:

"محدث ہزاروی کی تحریرات ہمارے پاس موجود ہیں جن میں اس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافر، مرتد، زندیق اور منافق ایسے الفاظ سے لکھا ہے ... (دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ جلد ۲۔ ص ۳۱۲)

"معاویہ اللہ، رسول کا باغی اور منافق، آل اصحاب کو گالیاں دینے والا اور ان سے محبت کرنے والوں پر لعنت کرنے والا اور ان سے جنگ کرنے والا ہے۔ شراب پینے پلانے والا، سود کے بیوپار کرنے والا ہے۔ جو ملا، صوفی، امام اس پر "رضی اللہ عنہ" کہتے ہیں وہ دراصل اللہ و رسول کو گالیاں دینے والے پر اللہ کی رضا کا کفر بکنے والے ہیں۔ ان کے پیچھے نہ نماز جائز نہ جنازہ، نہ ان کو سلام دینا جائز نہ ان سے دعا سلام، رشتہ پیار روا ہے۔ ان سے تعاون، تولا مسلمان کو ان ہی جیسا بنا دینے والا ہے۔" (حوالہ مذکور ص ۳۳۲)

"معاویہ چونکہ اللہ، رسول، دین اسلام سے علی الاعلان باغی، طاغی، کافر، منافق، منکر، مخالف ہو کر اسی حال پر مرا ہے۔ اس دشمن اسلام و ایمان کو اصحاب پاک میں ملانا اور اس پر رضی اللہ پڑھنا قطعاً ناروا اور کفری کام ہے۔ وہ ان لوگوں سے ہے جن کا کفر قرآن نے بیان فرمایا

"وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ" (مائدہ ۱۴)

وہ کفر کے ساتھ فتح مکہ میں آئے اور اسی کفر سے باغی، خارجی ہو کر دین اسلام سے نکل گئے۔

اس کے حامی منافقوں نے اس پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔یہ سب اللہ و رسول کی اشدتو ہین و ہتک کرنے والے ہیں۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب حنفی میں ایسے ہر شخص کا حکم یہ ہے کہ وہ باغی، خارجی، کافر، مرتد، زندیق ہے اس کی عورت اس کے عقد نکاح سے نکل کر طلاق ہو گئی ہے اور اس سے بچنا ہر مومن مسلمان کا دینی ایمانی کام ہے اور ان کے پیچھے نہ نماز نہ ان کا کوئی کام اسلامی درست ہے۔

حدیث ہے "ایّاھم و ایّا کم لا یضلّو نکم و لا یفتنو نکم"

فتاویٰ حسام الحرمین اور فتاویٰ صوارم ہندیہ کے تین سوایک مشاہیر علماء اور مفتیان دین کے تمام فتوے کافر، فاسق، مرتد، زندیق ہونے کے معاویہ پرستوں اور اس پر رضی اللہ عنہ کہنے والوں پر بلا کم و کاست لگ گئے ہیں اور یہ سب ایسے کافر و مرتد ہیں کہ جو ان کے کفر و عذاب میں شک کرے، تردد کرے یا اس بارے میں بحث و حجت، مزاحمت، تکرار کرے، ان کے ساتھ تعلق، تعاون، ان کی حمایت و تائید و دوستی کرے، رشتہ چاہے، آشنائی روا رکھے وہ بھی ان ہی جیسا دشمن دین و ایمان ہے۔اللہ کا حکم ہے:

"وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ"(مائدہ ۵۱)

اللہ کا فرمان ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ"(ممتحنہ ۱۳)

اللہ کا حکم ہے "لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ"(ھود ۵۲)

اللہ کا حکم ہے "فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ"(انعام ۶۸)

اے اہل اسلام! اے اہل دین! اسلام کے باغی، ظالم، دشمن آل و اصحاب معاویہ کو ماننے والوں اور اللہ رسول کو نہ ماننے والوں سے قطع تعلق کر کے دین و ایمان کو بچاؤ ورنہ جو چاہو انجام سوچ لو۔"(حوالہ مذکور ص ۳۴۰-۳۴۱)

پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی لکھتے ہیں کہ:"صحابہ کرامؓ کے دلوں میں ہر لحظہ حضور مرشد کائنات کی محبت و عقیدت بڑھتی تھی۔البتہ جن لوگوں کے ایمان نے ان کو نفع نہ دیا اور ان کے دلوں میں عقیدت کی کمی آتی گئی اور توبہ بھی نہ کی وہی منافق اور باغی حق ہوتے چلے گئے۔اللہ ایسی آفت و حمایت بغاوت سے سب مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور توبہ استغفار کی توفیق عطا فرمائے۔آمین(تعلیم الایمان فی تفہیم قصیدۃ النعمان ص ۴۷)

پیر صاحب موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:پیارے صاحبو! اصحاب رسول وہ دین و ایمان والے، ادب عشق حق پر استقامت والے، آسمانِ ہدایت کے چمکتے ستارے اور راہ حق سے نہ بھٹکنے والے روشن نوری ستارے ہیں جنہوں نے دین اسلام کی خدمت و ہدایت میں سب سے مشکل وقت میں عظیم مخلصانہ کارنامے سرانجام دیے اور اللہ رسول و اہل بیت کی محبت و حمایت سے عمداً کبھی برطرف (باغی) نہ ہوئے۔اللہ خالق کائنات

نے ان کے حق میں فرمایا: "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی رہے۔

تمام صحابہ کرام روایت حدیث کے معاملہ میں عادل ہیں اور عام زندگی میں معصوم نہیں مگروہ "اصرار علی الفاحشہ وقرار علی المعصیۃ" سے محفوظ ہیں۔ اگر کسی صحابی سے بتقاضائے بشریت کوئی گناہ سرزد ہو بھی گیا تو بتوفیق ایزدی اسے توبہ کی توفیق بھی فوراً نصیب ہو گئی اور اللہ کے حکم کے مطابق اس نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ مجھے پاک فرما دیجیے۔ چنانچہ حضور معلم کائنات حد شرع نافذ فرما کر اسے پاک فرما دیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ انہیں طعن کا نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے میرے صحابہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا (ترمذی) نیز فرمایا: جب تم انہیں دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ تمہارے شر پر اللہ کی پھٹکار ہو۔

پیارے صاحبو! یاد رکھو حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ذات وصفات کے مظہر اتم ہیں اور صحابہ کرام واہل بیت اطہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے مظہر ہیں اور صحابہ کرام اللہ سے راضی رہے اور اللہ ان سے راضی رہا۔ البتہ اللہ ورسول وخلیفہ برحق سے باغی، طاغی، طلقاء، منافقین نہ مومن اصحاب رسول نہ راہ حق کے ہادی ____ نہ وہ اللہ ورسول سے راضی ہوئے نہ اللہ ورسول ان سے راضی ہوئے۔ مومن اصحاب رسول کے برخلاف بلکہ تعلیم قرآن کے برعکس ان کا کردار آل واصحاب رسول پر شدت اور کفار مکہ و یہود کے ساتھ رحم ولانہ رہا۔

انہوں نے ہی سب سے پہلے اللہ ورسول وخلیفہ برحق کے خلاف بغاوت کر کے "انا ____ اول الملوك" کا دعویٰ کیا اور حجر بن عدی صحابی رسول کو مع ان کے دیگر بارہ صحابی ساتھیوں کے قتل کروا دیا۔ محمد بن ابی بکر کو قتل کر کے ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کروا کر گدھے کی کھال میں رکھ کر جلا دیا اور انہوں نے ہی سب سے اول انسانوں کو خصی کرایا اور خطبہ جمعہ میں حضرت علیؓ اور ان سے محبت کرنے والوں (اللہ رسول وتمام مومنین) پر لعنت کرنے کی مکروہ بدعت جاری کی اور جنگ صفین کو جاتے ہوئے قصداً جمعہ ترک کر کے بدھ کے روز نماز جمعہ پڑھا دی اور ساری عمر تین کے بجائے ایک رکعت وتر پڑھتے رہے۔

بہار شریعت جلد اص ۲۷۰ کا آخری عقیدہ جس میں باغیان دین وایمان ظالموں کی خلاف کتاب وسنت عقیدت پر ابھارا گیا ہے قطعاً قرآن وسنت کے خلاف ہے کیونکہ:

۱۔ یاایھاالّذین امنو اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامرمنکم ___ الآیۃ نساء پر یقین وایمان سے غور کرو۔ یہ عقیدت اس آیت کے خلاف ہے۔

۲۔حدیث صحیح،متواتر،مشہور۔غزوہ خندق میں معلم کائنات نے عمار بن یاسر بدری،شجری، اُحدی سے فرمایا"تقتلك الفئة الباغية" تجھے باغی گروہ قتل کرے گا(بخاری)اس کی شرح میں مرقات جلد ۱۱ص ۷۔طبع ملتان میں ہے:اعلم ان عماراً قتله معاوية فكانوا طاغين باغين بهٰذا الحديث۔مبارق الازھار شرح مشارق الانوار میں اس کی شرح میں ہے:

و كانوا طاغين ظالمين باغين بهٰذا الحديث۔یہ عقیدہ اس حدیث کے بھی خلاف ہے۔

۳۔يٰايها الّذين امنوا لا تتخذو ا عدوّی و عدوّ كم اولياء ..... ممتحنہ اور تمہید ایمان مصنفہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کے بھی خلاف ہے۔

۴۔يٰايها الّذين امنوالاتتخذوا اليهود والنصاریٰ اولياء(مائدہ الآیہ)کے بھی خلاف ہے۔

۵۔لا تجد قوماً يومنون باللّٰه واليوم الآخر۔(مجادلہ)کے بھی خلاف ہے۔

۶۔حدیث صحیح بروایت عرفجہؓ مشکوٰۃ باب الامارۃ ص ۳۲۰ طبع کراچی میں خلیفہ راشد کے مقابل باغی کے لیے معلم کائنات کا ارشاد:"فاضربوه بالسيف كائناً من كان"

(وہ واجب القتل ہے جو بھی ہو)کے بھی خلاف ہے لہٰذا مردود ہے۔

پیارے صاحبو! جس طرح ایک پیغمبر نبی و رسول کا انکار سب انبیاء و رسل کا انکار و کفر ہے۔اسی طرح ایک صحابی رسول کا منکر بھی سب کا منکر ہے قوم عاد،قوم ثمود،قوم لوط،قوم نوح نے صرف اپنے ایک رسول کی تکذیب کی مگر رب نے فرمایا:كذبت عادٌ المرسلين ، كذب اصحاب الحجر المرسلين ، كذبت ثمود المرسلين ، كذبت قوم نوحٌ المرسلين ، كذبت قوم لوط المرسلين"

لہٰذا بانی بغاوت نے حضرت علیؓ اور حسن خلیفہ راشد سے بغاوت کی جو صحابی بھی ہیں اور اہل بیت بھی تو اس لیے تمام خلفائے راشدین اور تمام اہل بیت سے بغاوت کی اور سب کا باغی ہوا۔معلم کائنات نے فرمایا:من أطاعني فقد أطاع اللّٰه ومن عصاني فقد عصى اللّٰه ومن أطاع أميری فقداطاعنی و من عصیٰ أميری فقد عصانی　لہٰذا بانی بغاوت نے امیر المومنین حضرت علیؓ، امام حسنؓ سے بغاوت کر کے اللہ و رسول کی بغاوت کر لی۔(دعوت فکر ص ۲۱ تا ۲۴۔مجملہ دین آموز و بصیرت افروز افادات عالیہ مفکر خلافت،فقیہ ملت،رہبر طریقت ابو مسعود سید محمد شاہ کاظمی حنفی قادری محدث ہزاروی)

یہ کتابچہ پہلی مرتبہ اپریل ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا جب کہ دوسری مرتبہ ستمبر ۱۹۸۷ء میں خلافت اکیڈمی مینگورہ سوات نے اسے طبع کرایا۔جس پر کتابچہ ملنے کا واحد پتہ" مکتبہ محمودیہ خانقاہ محبوب آباد حویلیاں۔ہزارہ" درج ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ محمود شاہ محدث ہزاروی نے بظاہر بریلویت کے لبادے میں "سبائیت" کی کس قدر خدمت سرانجام دی اور "بغض معاویہؓ" میں ناقدین معاویہؓ کا سابقہ ریکارڈ بھی توڑ دیا۔

# ۳۲۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی

(م ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء)

مولانا عبدالرشید نعمانی ایک مشہور ومعروف اور صاحب تصنیف عالم دین ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ محبت وعقیدت کی وجہ سے نسبت ''نعمانی'' ان کی پہچان بن گئی ہے۔ ایک عرصہ تک جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بطور استاذ حدیث تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے جب کہ اس دور میں ''شیخ الحدیث'' کا منصب مولانا سید احمد سعید کاظمی کے پاس تھا۔ موصوف نے بعد میں جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں بھی کچھ عرصہ تک تدریسی ذمہ داری نبھائی لیکن انہیں سب سے زیادہ شہرت محمود احمد عباسی کے افکار ونظریات کا انتہاپسندانہ تعاقب کرنے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

محقق اہل سنت مولانا عبدالغفور سیالکوٹی سابق استاذ جامعہ فریدیہ اسلام آباد اور شیخ الحدیث دارالعلوم فاروقیہ راولپنڈی رقم طراز ہیں:

''اسلام آباد کی ایک مجلس میں حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب مدظلہ اور اسلام آباد کے چند علماء کے مابین مختلف مسائل پر تبادلۂ خیالات کے دوران حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صفینی موضوع بھی زیر بحث آیا۔ راقم الحروف نے آخر میں عرض کیا کہ ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی، طاغی، جائر اور مخطی وغیرہ کہنے کے بجائے اگر ان کے اس اقدام کی کوئی ایسی مناسب تاویل وتوجیہ کر لی جائے جس سے ان کو یہ کچھ کہنا نہ پڑے تو کیا زیادہ مناسب نہ ہوگا؟

حضرت مولانا نعمانی مدظلہ نے برجستہ جواب فرمایا کہ

''ہاں کتاب الحدود میں صحابہ کے مذکورہ واقعات کی جو توجیہ تم کر سکتے ہو وہ یہاں بھی کر لو۔'' ____ نیز فرمایا کہ: ''حضرت نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں ہیں کہ ان کے ہر قول وفعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں۔''

مولانا (نعمانی) مدظلہ کا مطلب یہ تھا کہ کتاب الحدود میں مذکور ''امرأۃ مخزومیہ، ماعز اسلمی اور امرأۃ غامدیہ رضی اللہ عنہم کے سرقہ اور زنا جیسے افعال جس طرح قطعی طور پر غلط اور نا قابل تاویل ہیں بالکل اسی طرح حضرت معاویہؓ کا یہ صفینی عمل قطعی طور پر غلط اور نا قابل تاویل ہے۔ اور

پھر حضرت معاویہؓ کوئی اتنے بڑے صحابی بھی تو نہیں کہ ان کے غلط کام کی کوئی توجیہ ضرور ہی کی جائے بلکہ ان کے غلط کام کو غلط ہی کہیں گے۔

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

حضرت مولانا نعمانی کی یہ دونوں باتیں نہ صرف حد درجہ غلط اور لغو ہیں بلکہ ان کی سبائیت گزیدگی کی بیّن دلیل بھی ہیں۔

پہلی بات کا بطلان تو اصول الشاشی پڑھنے والا طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایک طرف سراسر اجتہادی عمل ہے جس میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہے اور دوسری طرف ایسا فعل ہے جس کا ناجائز ہونا مسلمان کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ جس میں اجتہادی خطا وصواب کا احتمال درکنار اس کا تو وہاں سوچنا بھی شاید کفر تک پہنچادے جس کو خود فاعل بھی خلاف شرع سمجھ کر شرعی حد جاری کرنے کا طالب ہے۔ نیز ایک طرف بصورتِ خطا بھی ایک اجر کی بشارت ہے جب کہ دوسری طرف بالفعل بھی حد جاری ہوتی ہے۔ بھلا دونوں میں کیا مناسبت؟ قیاس مع الفارق کی اس سے بدترین مثال شاید ہی دنیا میں کسی نے دیکھی ہوگی۔" (سبائی فتنہ جلد اول طبع دوم ص ۴۳، ۴۴۔ طبع اول ص ۳۰۔ ۳۱ جنوری ۱۹۹۲ء)

مولانا عبدالغفور سیالکوٹی صاحبؒ کی یہ کتاب پہلی مرتبہ رجب ۱۴۱۲ھ / جنوری ۱۹۹۲ء میں موصوف کی زندگی میں شائع ہوئی جب کہ حضرت نعمانیؒ کی وفات اس کے آٹھ سال بعد ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء میں واقع ہوئی لیکن اب تک اس تمام عرصہ میں کسی بھی حلقے کی طرف سے اس کی تردید نہیں ہوسکی۔

ظاہر ہے کہ تردید تو کسی "غلط نسبت" یا الزام کی ہوتی ہے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ گفتگو اور سوال و جواب تو علماء کی محفل میں ہوئے ہیں جن میں دیگر علمائے کرام کے علاوہ شہید اسلام مولانا محمد عبداللہ، مولانا پیر سیف اللہ خالد (لاہور) اور محقق اہل سنت مولانا عبدالغفور سیالکوٹی بھی شریک تھے۔ خود راقم الحروف کو جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں چار سال تک حضرت نعمانیؒ سے "شرف تلمذ" بھی حاصل رہا ہے لیکن جو حضرات ان کے ماحول، مزاج اور تالیفات و تحریرات سے آگاہ ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ "یزید" تک اپنی "تحقیقات" کو محدود نہیں رکھ سکے بلکہ "نواصب" ہی کی پیروی میں کچھ "تجاوز" فرماتے ہوئے بے موقع بے موقع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک اپنا دائرہ تحقیق وسیع فرما گئے۔

اس وقت موصوف کی تین کتابیں "اکابر صحابہؓ پر بہتان، شہداء کربلا پر افتراء، یزید کی شخصیت، اہل سنت کی نظر میں" (جنہیں مکتبہ مدنیہ لاہور نے یکجا شائع کیا ہے) راقم الحروف کے

پیش نظر ہیں۔ان کے مطالعہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قلم تو حضرت نعمانی کا ہے لیکن افکار ونظریات ''خلافت وملوکیت'' کے مؤلف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اوران کے دیگر ہم خیال حضرات سے ''مستعار'' لیے گئے ہیں۔ان کے افکار ونظریات پر تبصرہ تو ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے لیکن یہاں چند اقتباسات بلا تبصرہ ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں:

''نواصب، ناصبیہ اوراہل نصب__ تاریخ میں ان لوگوں کا لقب ہے جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اوران کی آل واصحاب کے خلاف بغض وعداوت کا علم بلند کررکھا تھا..... جس طرح روافض کا مذہب حضرات خلفائے ثلاثہؓ سے تبریٰ وبیزاری اوران کو طرح طرح کے مطاعن سے مطعون کرنا ہے بعینہ یہی طریقہ نواصب کا خلیفہ رابع حضرت علیؓ کے بارے میں ہے۔مشرق میں جب بنی عباس کے ہاتھوں بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اوران کا آخری حکمران مروان الحمار قتل ہوگیا تو اس کے قتل کے ساتھ ہی اس فرقہ نواصب کا بھی جس کو شیعہ مروانیہ امویہ اور شیعہ عثمانیہ بھی کہا جاتا ہے خاتمہ ہوگیا اور پھر دنیا ان کے ناپاک وجود سے جلد ہی پاک ہوگئی۔'' (حادثہ کربلا کا پس منظر ص ۱۳۱۔۱۳۲)،

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمرانی سے پہلے بنی ہاشم میں دو خلیفہ ہوئے ہیں۔ایک حضرت علیؓ دوسرے ان کے صاحبزادے حضرت حسنؓ اور دونوں کا انتخاب خلافت کے لیے ارباب حل وعقد نے کیا تھا۔ان میں سے خود کسی نے بھی استحقاق خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور دونوں اہل سنت کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں۔ان دونوں کے علاوہ یزید کی ولی عہدی کے زمانہ تک بنوہاشم میں سے کسی نے بھی استحقاق خلافت کا دعویٰ کیا ہو تو ذرا اس کا نام تو بتایئے! خلفائے راشدین کے بارے میں غلط بیانی سے کوئی فائدہ!

نیز بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ بنی ہاشم اوران کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کا دعویٰ کیا گیا تو اس سے کون سی قیامت ٹوٹ پڑی،خلافت کا حق قریش کے لیے نص سے ثابت ہے۔کیا بنی ہاشم جو خاندانِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں قریش سے خارج ہیں؟ کیا خلافت قریش کے تمام خاندانوں میں سے صرف بنوامیہ ہی کے لیے الاٹ کردی گئی تھی اور بنوامیہ میں بھی صرف بنوحرب کے لیے جو یزید کی ولی عہدی ضروری ٹھہری؟ (حوالہ مذکور ص ۱۹۰۔۱۹۱)

''یہ عجیب بات ہے کہ یہ ناصبی اپنے امام یزید اور مروان کو تو ہر طرح بچانے کی کوشش کرتے ہیں اوران کے خلاف جو کچھ تاریخ اسلام میں مذکور ہے اس کو سبائیوں کی ہوائی باتیں بتاتے ہیں مگر حضرت صدیق اکبرؓ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ کو قتل حضرت عثمانؓ میں شریک بنانے کے

در پے ہیں صرف اس لیے کہ وہ حضرت علیؓ کے لے پالک تھے اور شیعہ بھی ان کو اپنا ہیرو مانتے ہیں اور ان پر قتل عثمانؓ کی غلط تہمت جوڑتے ہیں جو خلاف واقعہ ہے۔

ناصبیوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برادر نسبتی ہونے کی وجہ سے ''خال المؤمنین'' کہتے ہیں اسی رشتہ سے ان کو بھی ''خال المؤمنین'' کہا کریں اور ان کا ادب کیا کریں کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبرؓ کے فرزند ارجمند اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے بھائی تھے۔'' (حوالہ مذکور ص ۲۱۵)۔

''نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت باوجود باغی ہونے کے زمرۂ مسلمین سے خارج نہ تھے جیسا کہ خوارج یا روافض کا خیال ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ حضرات اہل السنّت والجماعت روافض کی طرح کہ وہ اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں کسی امتی کو معصوم نہیں سمجھتے بلکہ کسی صحابی سے بھی اگر کوئی غلطی ہوجائے تو وہ غلطی کو غلطی ہی کہتے ہیں اور ان کی اسلامی خدمات اور شرف صحابیت کی بناء پر ان کے احترام میں کوئی کمی نہیں کرتے۔

علامہ احمد بن علی مقریزی نے اپنی مشہور تصنیف ''الخطط والآثار'' میں اہل سنت کے عقائد کے ترجمان امام ابوالحسن اشعری کا جو عقیدہ اس باب میں نقل کیا ہے اور جس پر تمام اہل السنّت والجماعت کا اتفاق ہے وہ یہ ہے:

حضرات عائشہؓ طلحہؓ و زبیرؓ کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان حضرات نے اپنی خطا سے (جو جنگ جمل میں شرکت کی بناء پر واقع ہوئی تھی) رجوع کر لیا تھا..... اور میں معاویہ و عمرو بن العاص کے بارے میں یہی کہتا ہوں کہ ان دونوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی جو خلیفہ برحق تھے اور حضرت امیر المؤمنین نے ان سے اسی طرح جنگ کی جس طرح باغیوں سے کرنی چاہیے۔'' (حوالہ مذکور ص ۲۲۶۔۲۲۷)۔

''تمام اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ حضرت علیؓ خلیفہ راشد تھے اور جو لوگ ان سے برسر جنگ رہے وہ خطا پر تھے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے بیعت نہ کرکے غلطی کی اور وہ خلیفہ راشد نہ تھے۔'' (حوالہ مذکور ص ۲۴۶)۔

''وہ (یزید) دھونس، دباؤ اور جبر و زور سے امت مسلمہ پر مسلط تھا۔'' (حوالہ مذکور ص ۲۷۲)۔

''حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ حضرت صدیقہؓ کے سگے بھائی تھے۔ یہ یزید تو کیا چیز ہے اس کے والد ماجد معاویہ اور جد امجد ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے بھی بنص قرآن افضل ہیں کیونکہ جناب

معاویہؓ اور ان کے والد ابوسفیانؓ تو مؤلفۃ القلوب میں تھے، فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔ طلقاء میں ان کا شمار ہے.... ''(حوالہ مذکور ص ۲۹۱)،

''ابن زیاد کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کا باپ زیاد بن سمیہ ثابت النسب نہیں تھا بلکہ ولدالزنا تھا جس کے یہاں پیدا ہوا اس کے بجائے دوسرے کو اپنا باپ بتاتا تھا۔ بہت سے صحابہ وتابعین نے ان کے اس فعل پر نکیر بھی کی.... ''(حوالہ مذکور ص ۳۱۲)

نعمانی صاحب کی تحریرات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مودودی صاحب کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' سے مترشح ہونے والے نظریات سے بری طرح متاثر ہیں اور ''طابق النعل بالنعل'' والی کیفیت ہے۔

مودودی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور خلافت عثمانی کے دوسرے عمال کی دیانت، تقویٰ اور فضیلت کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اول یہ کہ اس خاندان کے جو لوگ دور عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے۔ ''طلقاء'' سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوتِ اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ولید بن عقبہ، مروان بن الحکم ان ہی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے.... فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آسکتی تھی کہ سابقین اولین، جنہوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا، پیچھے ہٹا دیے جائیں اور ان کی جگہ یہ لوگ امت کے سرخیل ہو جائیں۔''
(خلافت وملوکیت ص ۱۰۹۔ مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لاہور)

حضرت معاویہؓ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیانؓ کے بارے میں لکھتے ہوئے نعمانی صاحب کا انداز تحریر بھی مودودی صاحب سے مختلف نہیں ہے۔ کیا حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہؓ کی توہین کے بغیر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی افضلیت ثابت نہیں ہو سکتی؟

''یہ یزید تو کیا چیز ہے؟ اس کے والد ماجد اور جد امجد ابوسفیانؓ سے بھی نص قرآن افضل ہیں۔ یہ دونوں فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے، ان کا شمار ''طلقاء'' اور ''مؤلفۃ القلوب'' میں ہوتا ہے۔''

نعمانی صاحب نے بھی یزید کی آڑ میں مودودی صاحب اور روافض کا انداز تحقیق اختیار کرتے ہوئے حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی توہین وتنقیص کا ارتکاب کیا۔ جب کہ تحقیقی اعتبار سے موصوف کا یہ دعویٰ ہی بالکل غلط اور باطل ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ

عنہما فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور ان کا شمار "طلقاء اور مؤلفۃ القلوب" میں ہوتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو صلح حدیبیہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے جب کہ حضرت ابوسفیانؓ نے بھی مکہ فتح ہونے سے پہلے مکہ سے باہر جا کر محفلِ نبویؐ میں حاضری کے وقت اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب ان کا اسلام ہی فتح مکہ سے قبل ثابت ہے تو پھر "طلقاء" اور "مؤلفۃ القلوب" میں ان کا شمار کیونکر ہو سکتا ہے؟

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جو لوگ ان حضراتؓ کو "طلقاء" اور "مؤلفۃ القلوب" میں شمار کرتے ہیں اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لقب ان کے لیے موجب مذمت ہے اور اسے بطور تحقیر استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ کسی صحابی کو حقارت آمیز کلمہ سے تعبیر کرنا "رفض خفی" ہے۔

"استلحاق زیاد" کے معاملے میں بھی نعمانی صاحب روافض اور مودودی صاحب کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ بات ابن زیاد کے مظالم کی کر رہے ہیں لیکن تمام تر نشانہ حضرت ابوسفیانؓ کو بنا رہے ہیں کہ "اس کا باپ زیاد بن سمیہ ثابت النسب نہیں تھا بلکہ ولدالزنا تھا...."

نعمانی صاحب کے "مقتدا" مودودی صاحب نے بھی بعینہ یہی انداز اختیار کیا تھا: "زیاد طائف کی ایک لونڈی سمیہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا__ ابوسفیان نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا__ حضرت معاویہؓ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لیے اپنے والد ماجد کی زنا کاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد انہی کا ولدالحرام ہے۔" (خلافت وملوکیت ص ۱۷۵)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں "سبائیت" کو فروغ دینے میں مودودی صاحب، نعمانی صاحب اور اس قبیل کے چند دوسرے حضرات کا نمایاں کردار ہے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی، ڈاکٹر احمد حسین کمال سابق ایڈیٹر ہفت روزہ "ترجمان اسلام" و "خدام الدین" کی کتاب "داستانِ کربلا" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"داستانِ کربلا لکھی تھی تو قاعدہ کے مطابق داستان گو صاحب کو اپنی داستان واقعاتِ کربلا پر ہی ختم کر دینا چاہیے تھی مگر جس طرح کسی رافضی سے موقع بے موقع خلفائے ثلاثہؓ پر تبرا کیے بغیر نہیں رہا جاتا، وہی حال ان کے مقتدی ناصبیوں کا بھی ہے کہ یہ بھی حضرت علیؓ اور آل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تبرا کیے بغیر نہیں رہ سکتے اور داستان گو صاحب تو ان ناصبیوں کے نقیب ٹھہرے پھر بھلا وہ کیسے اس سے باز رہ سکتے..." (حوالہ مذکور ص ۲۰۶)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جناب نعمانی صاحب کے مذکورہ بالا خیالات ونظریات

پڑھنے کے بعد نہایت ہی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ موصوف کو "ناصبیت" کی تردید کرتے ہوئے اپنی بات کو "عہدِ یزید" تک ہی محدود رکھنا چاہیے تھا لیکن وہ "نواصب و روافض" کی پیروی کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدفِ تنقید بنانے سے باز نہیں رہ سکے۔ پھر وہ اپنی اس "تنقید و تبرا" پر کسی معذرت و ندامت کے اظہار کے بغیر کتاب کے آخر میں بایں الفاظ اس کی قبولیت کی دعا بھی فرما گئے:

"دعا ہے کہ حق تعالیٰ محض اپنے فضل سے ہماری اس حقیری کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ایمان کے ساتھ اہل بیت و صحابہ کرامؓ کی محبت پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

الٰہی بحق بنی فاطمہ　　که بر قول ایمان کنم خاتمہ　　(حوالہ مذکور ص ۲۴۱)

حضرت ابوسفیانؓ، حضرت معاویہؓ اور "نواصب" کے خلاف اس قدر لکھنے کے باوجود معاندین معاویہؓ نعمانی صاحب سے راضی نہ ہو سکے اور بالآخر انہیں بھی "ناصبی" قرار دے ہی دیا۔

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشہور دشمن و معاند عبدالقیوم علوی لکھتے ہیں کہ:

"میں اگرچہ ایک ناپختہ کار شخص ہوں، تصنیف و تالیف کا مجھ میں سلیقہ نہیں، علم محدود بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے لیکن جن لوگوں نے اس میدان میں قدم رکھا ہے، ان سے بھی نالاں ہوں۔ اس لیے کہ حقائق تک رسائی حاصل کرنے اور انہیں تسلیم کرنے میں ان لوگوں نے دانستہ یا نادانستہ تقلید کی ہے مثلاً: مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب نے نواصب کی مقدور بھر تردید کی ہے لیکن ایک گونہ ناصبیت میں آخر دم تک ملوث رہے ہیں۔" (تاریخ نواصب حصہ اول ص ۱۰)

مولانا حافظ مہر محمد میانوالویؒ "دراسات اللبیب" کی ایک عبارت پر اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

"مشاجرات صحابہ میں کسی کو زبان درازی کا حق نہیں۔ یہ تحریر ۹۹ فیصد علماء عقائد کے پیش کردہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے اور روایات ثبوت کے لحاظ سے کمزور ہیں۔ زیادہ پوچھ گوچھ مقدمہ اور تصحیح کرنے والے مولانا عبدالرشید نعمانی سے ہوگی کہ انہوں نے ناصبیت کا رد تو خوب کیا۔ اللہ جزائے خیر دے۔ مگر دفاع صحابہ میں عقیدہ اہل سنت کو داغ دار کر دیا۔ ہائے دنیا کے مفسد ترین، ۸۰ ہزار مسلمانوں کو کٹوانے والے سبائیوں حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے رد میں تو ایک صفحہ بھی نہ لکھا" (ایمانی دستاویز بجواب تحقیقی دستاویز ص ۲۰۴)

☆☆☆☆☆☆

# ۳۳۔ مناظر اسلام، بانی ''اتحاد اہل سنت''

# ترجمان اہل سنت، وکیل احناف جناب محمد امین صفدر اوکاڑوی

(م ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)

موصوف کے بھتیجے ''صفدر صغیر'' جناب محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی نے اپنے تایا اور ''صفدر کبیر'' کو حسب ذیل القاب سے نوازا ہے:

''زبدۃ المحدثین، سلطان المحققین، رئیس المناظرین، فاتح مذاہب باطلہ، حامل علوم وہبیہ، مناظر اسلام، وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللّٰہ علیہ رحمۃ واسعۃ فی کلّ آن واطال اللّٰہ فیوضہ فی کلّ مکان، وأبقی اللّٰہ ذکرہ بالخیر فی کلّ زمان، وأعاذاللّٰہ تلامیذہ وأحباءہ من کلّ شیطان''

(تسکین الاذکیاء فی حیات الانبیاءؑ ص۲۱۴۔ ناشر اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا)

جب کہ ماہنامہ ''حق چاریار'' نے اپنے تبصرہ میں ''امین ملت'' کا لقب عطا کیا ہے۔ (حوالہ مذکور ص۳۰)

یہ ملحوظ رہے کہ ''چچا و بھتیجا'' کے لیے ''صفدر کبیر و صفدر صغیر'' کی اصطلاحات بھی خود مولانا منیر احمد منور صاحب نے استعمال کی ہیں۔ (ملاحظہ ہو حوالہ مذکور ص۴۵ تحت ''مقدمہ'')

معلوم نہیں کہ امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان مرحوم کے لیے ''صفدر'' کے لقب کا کون سا ''درجہ'' مخصوص کیا گیا ہے؟

مولانا محمد الیاس گھمن نے اپنے ایک مفصل انٹرویو میں مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی کو ''اتحاد اہل سنت'' کا بانی قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو روزنامہ اسلام ۷ فروری ۲۰۱۱ء۔

علاوہ ازیں موصوف نے اپنے ایک ''مناظرہ'' میں بانی جماعت کا تعارف ان القاب سے کرایا ہے: ''رئیس المناظرین، حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ''

(مناظرہ حیات النبی ص۵۰۔ مطبوعہ اتحاد اہل سنت پاکستان سرگودھا)

ظاہر ہے کہ ایسی بھاری بھرکم القاب کی حامل شخصیت کے مقابلے میں معاویہ رضی اللہ عنہ

''غریب ومظلوم'' کی کیا ''حیثیت'' ہے؟ جن احناف کے ''وکیل'' کے ایسے اوصاف ہوں تو خود ان کے امام کی کیا شان ہوگی؟ لیکن تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے القاب سے وہ بھی محروم ہی رہے۔

چنانچہ ''زبدۃ المحدثین اور سلطان المحققین'' کردار یزید کی آڑ میں برادر نسبتی رسول ﷺ، خال المؤمنین، کاتب وحی، صحابی رسول ﷺ، خلیفہ راشد وعادل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کرتے ہوئے یزید کے خلاف اور اپنے موقف کی تائید میں حسب ذیل روایت کو ''صحیح'' سمجھ کر نقل فرماتے ہیں کہ:

''خدا کی قسم ہم یزید کے خلاف اس وقت تک نہیں اٹھے یہاں تک کہ ہمیں خوف ہوا کہ اب نہ اٹھنے سے آسمان سے ہم پر پتھر نہ برس پڑیں۔ یہ وہ آدمی ہے جو باپ کی ان لونڈیوں سے بھی صحبت کرتا ہے جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی اور وہ بیٹیوں اور بہنوں سے بھی صحبت کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا۔'' (تجلیات صفدر۔ جلد اول ص ۵۴۰۔ ناشر جمعیت اشاعت العلوم الحنفیہ۔ طبع اول، اکتوبر ۱۹۹۶ء)

''فاتح مذاہب باطلہ اور حامل علوم وہبیہ جناب صفدر کبیر'' مزید فرماتے ہیں کہ:

''یزید نوجوانی میں ہی شراب پیتا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ بیٹا ایسے کام نہ کرو جس سے مروّت ختم ہو جائے، دشمن خوش ہوں، دوست برا سمجھیں اور فرمایا کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت وعیش میں گزارتے ہیں...

جب یزید نے خود اپنے زانی، شرابی اور تارک نماز ہونے کا انکار نہ کیا تو اب اگر (شیخ الحدیث دارالعلوم فاروقیہ مولانا ابوریحان) عبدالغفور اور (ابن امیر شریعتؒ) عطاء المحسن بلا دلیل شور مچائیں تو، مدعی سست گواہ چست، کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔'' (حوالہ مذکور ص ۵۴۰، ۵۴۲)

حجۃ اللہ فی الارض مزید فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (م ۵۰ھ) کو حضرت معاویہؓ نے بوجہ کبرسنی امارت کوفہ سے معزول کر دیا اور ارادہ کیا کہ سعید بن العاص کو اس کی جگہ گورنر بنایا جائے تو مغیرہ اس سے نادم ہوئے اور انہوں نے آ کر یزید کو کہا کہ تم اپنے باپ سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہیں ولی عہد بنا دے تو یزید نے باپ سے عرض کر دیا۔ معاویہؓ نے پوچھا کہ تمہیں مطالبہ کا مشورہ کس نے دیا ہے؟ یزید نے کہا: مغیرہ بن شعبہؓ نے۔ معاویہؓ کو مغیرہؓ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اس کو امارت کوفہ پر برقرار رکھا اور اسے حکم دیا کہ یزید کی

ولی عہدی کے لیے کوشش کرو۔حضرت مغیرہؓ نے یہ کوشش شروع کر دی......

پھر اسی سال کے آخر میں ۵۱ھ میں جب زیاد مر گیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منظم طور پر ولی عہدی کی تحریک شروع کی تو پانچ حضرات کے علاوہ سب نے بیعت ولی عہدی کر لی۔ ان پانچ حضرات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دھمکاتے، ڈراتے رہے۔

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے احنف بن قیس سے اس معاملہ میں پوچھا جنہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی صلح کرائی تھی، تو حضرت احنف نے فرمایا کہ اے معاویہ! اگر ہم جھوٹ بولیں تو اللہ سے ڈرتے ہیں اور سچ بولیں تو آپ سے ڈرتے ہیں جب کہ آپ یزید کے دن اور رات سے خوب واقف ہیں اس کے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتے ہیں اور اس کے آنے جانے کی جگہیں بھی آپ کو خوب معلوم ہیں۔باقی جو ارادہ آپ نے فرمایا ہے اس کو آپ خوب جانتے ہیں۔ہمارا کام یہی ہے کہ آپ کا حکم سنیں اور اطاعت کریں اور آپ پر یہ لازم ہے کہ امت کی خیر خواہی کا خیال رکھیں۔'' (تجلیات صفدر ص ۵۲۱۔۵۲۲۔طبع اول ۱۹۹۶ء جمعیت اشاعت العلوم الحنفیہ فیصل آباد)

یزید کی ولادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورامارت میں بعہد عثمانی (علیٰ اختلاف الاقوال) ۲۵ھ، ۲۶ھ یا ۲۷ھ میں ہوئی تھی۔''زبدۃ المحدثین'' کی توضیح کے مطابق یزید کو نوجوانی کے عالم سے ہی مذکورہ ''افعال قبیحہ'' کی ''لت'' پڑ گئی تھی اور وہ اپنی وفات (۶۴ھ) تک ان ''امور'' کا عادی رہا ہے۔گویا وہ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں ''اپنی بیٹیوں، ماؤں اور بہنوں'' (جو حضرت معاویہؓ کی لونڈیاں اور بیٹیاں تھیں) کے ساتھ ''زنا'' کرتا تھا۔جب حضرت معاویہؓ کو ان امور کا علم ہوا تو انہوں نے پہلے نرمی سے سمجھایا اور پھر کسی ''مجبوری'' کے تحت فرمایا کہ:

''کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے۔کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت وعیش میں گزارتے ہیں۔''

شجاعت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مقام صحابیت سے آشنا لوگ ہی اس بات کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس ''نصیحت'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کس قدر توہین پائی جاتی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ اور قلم تو پرائمری ماسٹر اوکاڑوی کا ہے لیکن ذہن اور دماغ غلام حسین نجفی کا۔

شرم وحیا اور ایمان سے بالکل عاری، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کسی بدترین دشمن نے اس ''نصیحت'' کو ان کی طرف منسوب کیا پھر ''حجۃ اللہ فی الارض امین ملت، زبدۃ المحدثین، سلطان المحققین، رئیس المناظرین، فاتح مذاہب باطلہ، حامل علوم وہبیہ، بانی اتحاد اہل سنت، ترجمان اہل سنت، وکیل

احناف اور صفدر کبیر" جناب "ماسٹر" محمد امین اوکاڑوی نے اسے اپنی کتاب کی زینت بنا کر اعدائے اصحاب پیغمبرؐ اور ابن سبا کی معنوی ذرّیت کو بھی حیرت زدہ کر دیا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آج چودہ صدیاں بیت جانے کے باوجود کوئی فاسق شخص بھی اپنی اولاد کو اس طرح کی نصیحت نہیں کرتا۔

وہ تو ہیں کھلے دشمن ان کا خیر سے کیا ذکر؟
دوستی مگر حضرت آپ کی قیامت ہے

بانی "اتحاد اہل سنت" اور حجۃ اللہ فی الارض" ماسٹر محمد امین صفدر اوکاڑوی نے صحابہ کرامؓ پر سبائیوں کے چبائے ہوئے الزامات کا اعادہ کر کے قصداً و عمداً اس مقدس ترین طبقہ کی توہین کی ہے جس سے اعلان برأت ہر مومن بالقرآن کا دینی، شرعی و ملی فریضہ ہے۔

موصوف کے اوپر بیان کردہ "ارشادات" کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ یزید نو جوانی میں شراب پیتا تھا اور نو جوانوں والی حرکتیں کرتا تھا۔

۲۔ یزید اپنے باپ کی ان لونڈیوں سے بھی صحبت کرتا ہے جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی۔

۳۔ یزید اپنی بیٹیوں سے بھی صحبت کرتا ہے۔

۴۔ یزید اپنی بہنوں سے بھی صحبت کرتا ہے یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں سے بھی صحبت کرتا ہے۔

۵۔ حضرت معاویہؓ کو شہادت حضرت احنف بن قیس یزید کے مذکورہ تمام کرتوتوں کا بخوبی علم تھا۔

۶۔ ان حرکات کے باوجود امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، فاتح عرب و عجم، کاتب وحی، صحابی رسول سیدنا معاویہؓ نے نہ تو ایک باپ کی حیثیت سے اور نہ ہی ایک خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے اپنی دینی و شرعی ذمہ داریاں پوری کیں بلکہ الٹا اسے "نرمی" سے سمجھایا کہ "کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور رات کو جب رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے....تو......

۷۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اپنی گورنری بچانے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کو ولی عہد بنانے کا مشورہ دیا۔

۸۔ حضرت معاویہؓ کو حضرت مغیرہؓ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور بطور انعام گورنری پر برقرار رکھا۔ نیز انہیں یزید کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کا حکم بھی دیا۔

۹۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کی تمام خرابیوں اور برائیوں سے آگاہ ہونے کے باوجود اسے امت مسلمہ پر مسلط کرنے کے لیے باقاعدہ اور منظم طریقے سے تحریک شروع کر دی۔

۱۰۔ صحابہ کرامؓ (ماسوائے پانچ حضرات کے) اور تابعین عظام نے بھی یزید کے فسق و فجور سے متعلق علم کے باوجود اس کی ولی عہدی (اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلافت) کی بیعت کر لی۔

۱۱۔ حضرت معاویہؓ جن پانچ حضرات (حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حضرت حسین بن علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم) نے بیعت نہیں کی انہیں ڈراتے اور دھمکاتے رہے۔

۱۲۔ اوکاڑوی صاحب کے اپنے القاب تو ''چار سطری'' ہیں لیکن انہوں نے حضرت معاویہؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا ذکر بڑے ہی توہین آمیز انداز کے ساتھ کیا ہے۔

۱۳۔ اوکاڑوی صاحب نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی نیت پر بھی بدترین حملہ کیا ہے کہ انہوں نے گورنری بچانے کے لیے یزید کی ولی عہدی کا مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ بڑی محنت کے ساتھ رکاوٹیں دور کیں اور راستہ ہموار کیا۔

اس تفصیل سے صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور تابعین عظام اور ''خیرالقرون'' کا جس قدر مکروہ نقشہ سامنے آتا ہے وہ محتاج وضاحت نہیں ہے۔ ہر انصاف پسند قاری خود اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا شماران جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے جن کی ذہانت و فطانت اور تدبر و سیاست کا اعتراف سبھی موافق و مخالف ارباب سیرو تاریخ نے کیا ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر نقاب اوڑھے اور ہتھیار سجائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی خاطر کھڑے رہے۔ پھر ''بیعت رضوان'' کا عظیم شرف حاصل کر کے ''اصحاب الشجرۃ'' کی مقدس جماعت میں شامل ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں متعدد غزوات (خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک) میں حصہ لیا اور حجۃ الوداع میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لحد میں اتارتے وقت انگوٹھی قبر میں گر گئی۔ اس لیے قبر میں اترے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کو ہاتھ لگایا اور آنکھوں سے سیل اشک بہاتے ہوئے قبر مبارک سے باہر آئے۔ بعد میں وہ اس واقعہ کو لوگوں کے سامنے بطور فخر بیان کرتے تھے کہ میں تم سب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے والا آخری شخص ہوں۔

''حجۃ اللہ فی الارض، زبدۃ المحدثین اور بانی اتحاد اہل سنت'' نے یزید کی ولی عہدی سے متعلق جس روایت کی بناء پر حضرت معاویہؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پر دھونس، دھاندلی، جبر و تشدد اور مکر و خدع کے جو الزامات عائد کیے وہ روایت ہی سرے سے روایتاً اور درایتاً نا قابل قبول ہے۔

موصوف نے خود حضرت مغیرہؓ کا سالِ وفات ۵۰ھ تحریر کیا ہے جب کہ ''گورنری بچانے، یزید کی ولی عہدی کے لیے زمین ہموار کرنے، وفود تیار کر کے دمشق بھیجنے جیسے سارے واقعات ۵۶ھ کے ذیل میں ملتے ہیں۔ اگر بالفرض یزید کی ولی عہدی سے متعلق یہ روایت صحیح ہے تو پھر ان واقعات کا ذکر حضرت مغیرہؓ کی وفات (۵۰ھ) سے پہلے کیوں نہیں ملتا؟ جب وہ زندہ تھے۔ تاریخ میں ۴۵ھ میں حضرت مغیرہؓ کے استعفیٰ کا ذکر آیا ہے لیکن جس معزولی اور دوبارہ تقرری کا تعلق یزید کی ولی عہدی کے ساتھ بانی اتحاد اہل سنت نے جوڑا ہے اس کا ذکر اور اس کے اہم متعلقات کے نتائج کا ذکر ن وقوعہ کے اندر نہیں بلکہ ۵۶ھ کے ذیل میں ملتا ہے جس سے چھ سال قبل ہی حضرت مغیرہؓ وفات پا چکے تھے۔

اگر یزید کی ولی عہدی کی تجویز حضرت مغیرہؓ نے اپنی گورنری بچانے کے لیے دی ہوتی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی موقع پر اپنی ''صفائی'' پیش کرتے ہوئے یہ وضاحت کیوں نہیں کی کہ یہ تجویز تو ایک غیر اموی جلیل القدر صحابی رسولؐ حضرت مغیرہؓ نے پیش کی ہے۔

''زبدۃ المحدثین'' جناب ماسٹر اوکاڑوی صاحب نے یزید کی ولی عہدی سے متعلق جس روایت کا ذکر کیا ہے اس میں یہ تفصیل بھی موجود ہے کہ:

حضرت مغیرہؓ نے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر) فرمایا کہ کوفہ والوں کو (متفق کرنے کے لیے) میں کافی ہوں، بصرے کے لیے زیاد موجود ہے اور ان دو بڑے شہروں کے بعد کوئی نہیں رہ جاتا جو آپ کی مخالفت کرے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ اچھا آپ اپنے منصب پر واپس جائیں اور اپنے بھروسے کے لوگوں سے بات چیت کریں۔ یہ کہہ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں رخصت کیا اور یہ لوٹ کر اپنے دوستوں میں پہنچے اور بولے کہ: ''میں نے معاویہؓ کا پاؤں ایسی رکاب میں پھنسایا ہے کہ اب نکلنے والا نہیں ہے اور امت محمدیہ میں پھوٹ کا وہ سامان کیا ہے کہ اب ابد تک اس میں جوڑ کی صورت نہ ہو۔'' (ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۴۹)

ظاہر ہے کہ جناب ماسٹر اوکاڑوی صاحب نے اپنی پیش کردہ روایت میں یہ حصہ بھی ضرور ملاحظہ فرمایا ہوگا لیکن سخت حیرت ہے کہ وہ اس ''تبرا'' کے باوجود روایت کی صحت پر ایمان لے

آئے اور اسے اپنے "معرضِ استدلال" میں پیش کر دیا۔

قارئین کرام! کیا ایک لمحہ کے لیے بھی یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مغیرہؓ جیسے صاحب فضیلت صحابی، یکے از اصحاب بیعت رضوان اور مجاہد "جیش العسرۃ" (غزوہ تبوک) نے دنیا کی ایک حقیر غرض یعنی امارت کوفہ بچانے کے لیے قصداً وعمداً نہ صرف اسلام دشمنی کا یہ کام کیا کہ وہ اس تجویز کے ذریعہ امت مسلمہ کو تباہی وبربادی کے راستہ پر ڈال رہے ہیں بلکہ دوستوں کی محفل میں اس "کارنامے" کو فخر سے بھی بیان کر رہے ہیں۔ کوئی مومن بالقرآن کسی صحابی کے بارے میں اس طرح کی کوئی روایت تسلیم نہیں کر سکتا۔

جب کہ سند کے اعتبار سے بھی یہ روایت انتہائی مخدوش ہے۔ قطع نظر دیگر رواۃ کے اس کا ایک راوی علی بن مجاہد ہے جس کے متعلق ابن معین فرماتے ہیں کہ "کان یضع الحدیث" (میزان الاعتدال جلد۳۔ص۱۵۲) وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ جو شخص احادیث وضع کرنے کا عادی ہو تو ایسا شخص تاریخی روایات میں کیا کچھ نہیں کرتا ہوگا؟

جناب اوکاڑوی صاحب کی اس ناروا جسارت پر سخت تعجب ہے کہ انہوں نے اس حیثیت کی حامل روایت کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پر انتہائی مکروہ اور گھناؤنے الزامات عائد کر دیے، لیکن جونہی بانی اتحاد اہل سنت، حجۃ اللہ فی الارض اور زبدۃ المحدثین جناب ماسٹر محمد امین اوکاڑوی کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناپاک جسارت اور شدید ترین گستاخی (العیاذ باللہ) سامنے آئی تو صحابہ کرامؓ کے بارے میں ان کی گستاخیوں پر تعجب کم ہو گیا کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ نہیں کرتا تو وہ صحابہ کرامؓ کا کیا احترام ملحوظ رکھے گا؟

ماسٹر صاحب موصوف زیر عنوان "غیر مقلدین کی غیر مستند نماز" فرماتے ہیں کہ:

"(۱۹۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گدھا سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے (مسلم ص ۱۹۷ جلد۱) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز پڑھائی تو سب کے سامنے گدھی چر رہی تھی (مسلم ص ۱۹۶ جلد۱، ابوداؤد، نسائی) بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے پر نماز ادا فرمائی۔ یہ قول وفعل کا تضاد کیوں ہے؟

(۱۹۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتا سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (مسلم ص۱۹۷ جلد۱) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے رہے اور کتیا سامنے کھیلتی رہی اور ساتھ گدھی بھی تھی، دونوں کی شرمگاہوں پر بھی نظر پڑتی رہی۔" (مجموعہ رسائل جلد۳۔ص۳۵۰۔ افادات مناظر اسلام حضرت

مولانا صفدر اوکاڑوی۔مرتبہ پیر جی مشتاق علی شاہ۔طبع دوم جون ۱۹۹۶ء۔نعمان اکیڈمی مکی مسجد۔بخاری روڈ گوجرانوالہ،تجلیات صفدر جلد پنجم ص ۴۸۸۔مکتبہ امدادیہ ملتان)

یہ کہنا کہ نماز کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کتیا اور گدھی کی شرم گاہوں پر بھی پڑتی رہی'' جہاں حدیث میں اضافہ ہے وہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بھی بدترین گستاخی ہے۔

موصوف پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا شرعی حکم لگنے کے علاوہ حدیث میں اضافہ کی وجہ سے حسب ذیل ''وعید'' بھی عائد ہوتی ہے۔

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ، مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ، مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَالَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ''(صحیح بخاری کتاب العلم۔رقم الحدیث ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹)

جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا یا جس نے میری طرف ایسا قول منسوب کیا جو میں نے نہیں کہا تھا اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

فهنيئاً لهم ثم هنيئاً ، فطوبى لهم ثم طوبى لهم

معلوم نہیں ''تحریک ناموس رسالت، مجلس تحفظ ختم نبوت، اہل سنت والجماعت اور دیگر مذہبی جماعتیں''اس گستاخی پر خاموش کیوں ہیں؟

یہ ملحوظ رہے کہ ''تجلیات صفدر'' کو مکتبہ امدادیہ ملتان نے ''حجۃ اللہ فی الارض'' ماسٹر اوکاڑوی صاحب کی وفات کے بعد موصوف کے ایک مایہ ناز شاگرد اور خیر المدارس ملتان کے استاذ مولانا نعیم احمد صاحب کی ترتیب، تسہیل اور تصحیح کے ساتھ شائع کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

# ۳۴۔مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

## (م ۳ذی الحج ۱۴۲۴ھ/ ۲۶جنوری ۲۰۰۴ء)

مولانا قاضی مظہر حسین ۱۰۔ذی الحج ۱۳۳۲ھ/ ۳۰۔اکتوبر ۱۹۱۴ء کو بمقام ''بھیں'' ضلع چکوال مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر کے ہاں متولد ہوئے۔ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۳۵۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے ''دورہ حدیث'' کی تکمیل کے لیے داخلہ لیا۔اساتذہ کرام میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا اعزاز علیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیعؒ، قاری محمد طیب قاسمیؒ اور علامہ شمس الحق افغانیؒ شامل ہیں۔جب کہ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل ہے۔

دیوبند سے فراغت اور وطن مراجعت کے بعد ''ابتلا'' میں مبتلا ہو گئے۔اس کا آغاز یوں ہوا کہ اپنے گاؤں میں ایک متنازعہ مکان کے سلسلہ میں ایک لڑائی کے دوران ایک سنی نوجوان موصوف کے ہاتھوں قتل ہوگیا جس کے نتیجے میں ۱۹۴۱ء میں تین رفقاء سمیت ۲۰ سال عمر قید کی سزا پائی اور ۱۹۴۹ء میں آٹھ سال سزا کاٹنے کے بعد رہا ہوئے۔

موصوف خود اس قتل کی ''نوعیت'' بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یہ قتل اپنے گاؤں کی ایک لڑائی میں ہوا تھا۔فریق مخالف کے ایک جوان نے (جو دوسرے گاؤں سے آیا تھا) پہلے مجھ پر وار کیا تھا میں نے اس کا دفاع کیا جس میں اسے کاری ضرب لگی۔وہ بھاگ کھڑا ہوا۔میں نے اس کا تعاقب کیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے چھوڑ دو۔میں نے اس کو چھوڑ دیا۔آخر وہ ہسپتال میں وفات پا گیا۔میں نے شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی خدمت میں جیل سے یہ سارا واقعہ لکھ دیا تھا اور یہ بھی رہائی کے بعد عرض کیا تھا کہ کیا میں مرحوم کے ورثہ سے معافی مانگوں؟ تو شیخ الادب نے فرمایا تھا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔اس سے قارئین اس قتل کی نوعیت معلوم کر سکتے ہیں۔'' (کشف خارجیت ص ۱۰۸)

موصوف حضرت علیؓ کے ساتھ مصالحت کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''اجتہادی و دفاعی'' اقدام کو تو برملا اور بکرار غلط کہتے ہوئے انہیں ''خطی'' قرار دیتے ہیں جبکہ اپنے دفاعی اقدام کو صحیح سمجھتے ہیں اور طرفہ تماشہ یہ کہ خواہش کے باوجود قتل جیسے فعل پر بھی ورثاء سے

معافی مانگنا گوارا نہیں کرتے اور استاذ صاحب کے مشورہ پر ہی مطمئن ہوجاتے ہیں۔

موصوف سے قتل کا فعل سرزد ہونے کے بعد ان کے بڑے بھائی جناب قاضی منظور حسین نے بھی بمعیت ماسٹر عبدالعزیز صاحب ایک ہندو چوہدری کھیم چند ایس ڈی او چکوال کو رات کے وقت ہلاک کر کے آزاد علاقہ میں روپوشی اختیار کر لی تھی۔جہاں سے گھر کی طرف مراجعت کے دوران ۱۹۴۲ء میں پولیس کی فائرنگ کے نتیجے میں انتقال کر گئے۔قاضی مظہر حسین صاحب اپنے والد محترم کے احوال زیر عنوان "پیرانہ سالی میں مصائب کا ہجوم" یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

"حق تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائش اصلاح کے لیے مصائب میں بھی ڈالتے ہیں۔ہر تکلیف صورتاً مصیبت ہوتی ہے اور باطناً وہ مومن کے لیے رحمت ثابت ہوتی ہے۔مولانا مرحوم کی عمر ۹۰ برس سے متجاوز ہوچکی تھی۔چند سال سے آنکھوں میں موتیابند ہونے کی وجہ سے لکھنے پڑھنے میں معذور تھے۔ایک آنکھ میں کچھ بینائی تھی جس سے کچھ چل پھر سکتے تھے۔تقاضائے عمر بدنی ضعف بھی بہت ہوگیا تھا اور فتق کا بھی عارضہ تھا کہ یکا یک جون ۱۹۴۱ء میں آپ پر حوادث کا نزول ہوا۔ایک قتل کے سلسلہ میں راقم الحروف مع تین رفقاء کے گرفتار ہوا اور برادرم مولوی منظور حسین صاحب شہید مرحوم نے تھانہ ڈوہمن کے ڈاک بنگلہ میں ایک متعصب ہندو چوہدری کھیم چند ایس ڈی او چکوال کو رات کے وقت ہلاک کردیا۔ماسٹر عبدالعزیز صاحب مرحوم بھی آپ کے ساتھ تھے۔دونوں رفیق وہاں سے سلامت نکل گئے اور سرحد پشاور عبور کر کے آزاد علاقہ (یاغستان) میں چلے گئے......

قضائے الٰہی سب تدبیرات پر غالب آتی ہے۔مولوی منظور حسین ایک سال یاغستان میں قیام کرنے کے بعد بعض عزائم کے پیش نظر اپنے دیگر چار رفقاء کی معیت میں وطن کی طرف واپس لوٹے.... موضع عباسیہ تحصیل لکی مروت کے قریب ایک جگہ آرام کے لیے ٹھہرے۔ماسٹر عبدالعزیز صاحب اور ایک دوسرے رفیق کو قریب بستی سے کھانا لانے کے لیے بھیجا۔پولیس کو خبر ہوگئی۔ان دونوں کو وہاں گرفتار کر لیا گیا.... آپ (مولوی منظور حسین) ایک درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں رفقاء سمیت گہری نیند سو گئے تھے۔پولیس نے ان کو بیدار ہونے کا موقع ہی نہ دیا اور بے خبری میں ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کردی اور یوں ان مجاہدوں کی سعید روحیں عالم بالا کو پرواز کر گئیں۔" (آفتاب ہدایت ص ۳۴۔۳۶)

قاضی مظہر حسین صاحب کے والد کی وفات بھی ۱۷۔جولائی ۱۹۴۶ء کو رات کے وقت اپنے مکان کی چھت پر سے گرنے کی وجہ سے حادثاتی طور پر واقع ہوئی تھی۔۱۹۴۹ء میں جیل سے رہائی کے بعد حضرت

قاضی صاحب تحریری/تقریری/دینی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے جس کا سلسلہ وفات (۲۰۰۴ء) تک جاری رہا۔
۱۹ مئی ۱۹۶۹ء کو اپنے بھائی قاضی منظور حسین کی قائم کردہ جماعت "خدام اسلام" کے نام میں ترمیم کر کے "خدام اہل سنت" کے نام سے نئی جماعت قائم کی جب کہ ۱۹۸۹ء میں نہ صرف "حق چار یار" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا بلکہ اسلام کی ساری تاریخ میں پہلی مرتبہ خلافت راشدہ کے جواب میں "حق چار یار" کے نعرے کا بھی اجرا فرمایا۔ (حق چار یار اگست ۲۰۰۹ء ص۴۶)
اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ یہ "نعرہ" ہی خدام اہل سنت کا امتیازی شعار ہے۔ خدام اہل سنت کے موقف میں خصوصیت کے ساتھ یہ ہدایت کی گئی ہے کہ:

"**خلافت راشدہ کا نعرہ**" آپ اس طرح لگائیں کہ (ایک) آدمی زور سے کہے: خلافت راشدہ ــ اور باقی لوگ جواب دیں ــ **حق چار یار**۔ (یعنی چاروں خلفاء برحق ہیں) تو حق چار یار خلافت راشدہ کا جواب ہے اور حضرت امام حسنؓ کے چھ ماہ حضرت علیؓ کی خلافت کا تتمہ ہیں۔ ؎

چاروں طرف ظہور ہے دنیا میں چار کا
ہاں بولو اک نعرہ دم چار یار کا

(عصمت انبیاء اور حرمت صحابہ ص۲۔ مطبوعہ مدرسہ اظہار الاسلام مدنی مسجد چکوال)

جہاں تک نعرہ "خلافت راشدہ" کے جواب میں "حق چار یار" کہنے کا تعلق ہے تو ساری اسلامی تاریخ میں اس کے محرک اور موجد جناب قاضی مظہر حسین صاحب ہیں؛ جسے اب باقاعدہ عقیدے کا درجہ دے دیا گیا ہے۔
اہل سنت چاروں خلفاء کو بالترتیب افضل امت و برحق مانتے ہیں اور ان کے درمیان محبت ومودت اور باہمی تعلقات اور رشتہ داریاں ثابت کرتے ہیں۔
اس کے برعکس اہل تشیع خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو (العیاذ باللہ) غاصب، ظالم بلکہ کافر و مرتد قرار دیتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل قرار دیتے ہیں، جس کا رد کرتے ہوئے اہل سنت ان چاروں خلفاء کا ذکر ایک ساتھ "خلفائے اربعہ" کے طور پر ہمیشہ کرتے رہے کہ یہ ایک دوسرے کے مخالف نہیں تھے بلکہ ایک دوسرے کے معاون اور دوست و بازو تھے۔
اہل تشیع کا مقصد خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو خارج قرار دینا تھا جب کہ اہل سنت کا مقصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کر کے چاروں خلفاء کا دفاع کرنا تھا۔ خلافت کے حوالے سے "حق چار یار" کے

نعرے سے یہ تصور ابھرتا ہے کہ بس یہی چار خلفاء "حق" ہیں۔ کیا باقی خلفاء صحابہ (حضرت حسن، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت مروان رضی اللہ عنہم) "حق" نہیں ہیں؟ کوئی مومن بالقرآن خلفائے اربعہ کے علاوہ باقی خلفاء صحابہ کے "برحق" ہونے کی نفی نہیں کر سکتا۔ جب باقی خلفاء صحابہ بھی "حق" ہی ہیں تو پھر "حق چار یار" کا نعرہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ جس کا خیال پوری اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ صرف اور صرف حضرت قاضی صاحب کو آیا ہے۔

یہ نعرہ سراسر منفی ہے جو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین کی فہرست سے خارج کرنے کے لیے ہی "وضع" کیا گیا ہے بلکہ موصوف نے حضرت معاویہؓ کو خلیفہ راشد کہنے والوں اور اس نعرہ کے ساتھ اتفاق نہ کرنے والوں کو "حامیانِ یزید" اور "یزیدی" گروہ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۴۱، خارجی فتنہ حصہ دوم ص ۶۴۶ طبع اول بلکہ انہوں نے اپنی ایک دوسری کتاب "موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہؓ کے نادان حامی۔ غالی گروہ" (ص ۲ تا ۶) میں اسے خارجیت و ناصبیت و محمودیت (محمود احمد عباسی) اور ضلالت و گمراہی قرار دیا ہے۔

قاضی صاحب کا نعرہ "حق چار یار" تو فارسی و اردو کا مرکب، خود ساختہ اور عجمی ہے جب کہ خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ (یعنی حضرات حکمین رضی اللہ عنہما کی تقرری) کے خلاف آیت قرآنی "ان الحکم الا للّٰہ" سے استدلال کیا تھا جس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا "کلمة الحق ارید بها الباطل" خارجی بات تو ٹھیک ہی کر رہے ہیں لیکن ان کا مقصد غلط ہے۔ خوارج کے استدلال کی طرح قاضی صاحب کا "چار یار" کو حق کہنا تو صحیح ہے لیکن اس نعرہ سے ان کا مقصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین کی فہرست سے خارج قرار دینا ہے جو خلافِ حقیقت، غلط اور باطل ہے۔

"چار یار" دنیا کی کسی لغت میں بھی بمعنی "خلفائے اربعہ" استعمال نہیں ہوتا لہٰذا خلافت راشدہ کے جواب میں "حق چار یار" کا نعرہ لگانا سراسر حضرت معاویہ اور دیگر خلفاء صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین و تنقیص ہے کیونکہ اس سے ان کا حق پر نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

اس عنوان پر تفصیل کے خواہش مند حضرات راقم الحروف کی کتاب "عقیدہ امامت اور خلافتِ راشدہ" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

اس کے علاوہ موصوف نے مختلف موضوعات پر متعدد کتب و رسائل بھی تالیف کیے۔ جن میں جارحانہ انداز، تلخ نویسی اور غیظ و غضب پوری طرح چھلکتا ہے۔ اغیار کے ساتھ اپنوں کو بھی خوب رگیدا گیا ہے۔ حضرت معاویہؓ کا دفاع کرنے والوں کو "یزیدی، ناصبی اور خارجی" قرار دے کر اہل

سنت والجماعت بلکہ صحیح تر الفاظ میں تحریک "خدام اہل سنت" سے خارج قرار دے دیا گیا ہے۔

دل کے بھیدوں کو جاننے والی ذات تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے لیکن موصوف کا یہ فرمانا کس قدر بے جا اور خلاف حقیقت ہے کہ:

"اس خارجی گروہ نے تو حبِ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک آڑ بنایا ہوا ہے اپنے جراثیم پھیلانے کے لیے.... " (کشفِ خارجیت ص ۴۴)

جن علمائے کرام نے موصوف کی تائید بھی کی ہے تو ساتھ ہی "تلخ نویسی" کا شکوہ بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: خارجی فتنہ پر تائیدی تبصرے اور کشف خارجیت وغیرہ۔

موصوف نے مفکر اسلام مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا نورالحسن شاہ بخاری، مفتی نظام الدین شامزی، جانشین امیر شریعت سید عطاء المنعم شاہ بخاری، قاطع قادیانیت وسبائیت ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن شاہ بخاری، پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی، مولانا سعید الرحمان علوی، خطیب العصر مولانا سید عبدالمجید شاہ ندیمؒ، شہید ملت اسلامیہ مولانا ضیاء الرحمان فاروقی، محقق اہل سنت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی، مولانا عبداللہ خطیب اسلام آباد، مولانا عبدالشکور دین پوری، مولانا ضیاء القاسمی اور مولانا قاضی شمس الدین کے خلاف کھل کر اظہار خیال فرمایا ہے اور اکثر کو تو یزیدی، ناصبی اور محمود احمد عباسی کا پیروکار کہا ہے۔ حضرت اقدس کے انداز کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

مولانا سعید الرحمٰن علوی نے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے "خارجی فتنہ" پر حقیقت افروز تبصرہ کر دیا تھا تو ان کے متعلق فرمانے لگے کہ:

"علوی صاحب مضمون نگار تو ہیں اب تک انہوں نے خلافت راشدہ کے مسئلہ کو نہیں سمجھا ....
**علوی صاحب کا مرض:۔** مولوی سعید الرحمٰن صاحب علوی دراصل پاکستان کے موجودہ یزیدی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔" (کشفِ خارجیت ص ۷۴۔۷۵)

"اس سلسلہ میں بعض حضرات نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ندیم صاحب تو ایک مقرر ہیں۔ ان کی کوئی خاص شخصیت نہیں ہے۔ ان کی تردید میں اس قسم کے رسائل کا کیا فائدہ ہے اور ان کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ تو میں نے ان سے جواباً عرض کیا آپ کی بات ٹھیک ہے (کہ ندیم صاحب کی کوئی حیثیت نہیں) لیکن ندیم صاحب مجلس تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان کے جنرل سیکرٹری ہیں اور اکابر دیوبند کی عقیدت کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن یزید کے بارے میں ان کی بعض تحریریں اکابر علمائے دیوبند کے مسلک کے خلاف ہیں۔" (خارجی فتنہ جلد ۲ ص ۲۶)

''اُس وقت ہمارے لیے اشکال (متحدہ) سنی محاذ میں مولانا عبدالمجید صاحب ندیم کا شامل ہونا تھا کیونکہ قبل ازیں ان کی تحریر سے محمود عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کی تائید ثابت ہو چکی تھی اور اکابر کی اس طرف توجہ نہ تھی۔'' (حق چاریار حضرت جہلمی نمبر جولائی تا نومبر ۱۹۹۸ء ص ۶۵)۔

''اور اگر کسی کو محمود احمد صاحب عباسی کی کتابوں ''خلافت معاویہ ویزید، تحقیق مزید اور حقیقت خلافت وملوکیت'' کے مطالعہ کی نوبت آتی ہے تو وہ ان ہی کے پیش کردہ نظریات کے گرویدہ ہو جاتے ہیں اور پھر جب باطل نظریات کی سیاہی باطن میں جم جاتی ہے تو پھر اہل حق کی تحقیق کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب فاروقی بانی و مدیر اعلیٰ خلافت راشدہ جنتری کا بھی یہی حال ہے۔ وہ غالباً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں محمود احمد صاحب عباسی کے نظریات سے متاثر ہیں اور چار خلفائے راشدین کی طرح ان کو قرآن کا موعودہ خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ اتنے غالی ہو چکے ہیں کہ قرآن مجید کی معنوی تحریف کا ارتکاب بھی کر لیتے ہیں... (موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہؓ کے نادان حامی۔ غالی گروہ ص ۴۔ مطبوعہ ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء)

مجھ سے بعض احباب نے کہا بھی ہے کہ مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تم خود کیوں جواب لکھتے ہو؟ تو میں نے جواب دیا کہ خلافت راشدہ جنتری کے بانی اور مدیر اعلیٰ بھی ہیں اور ان کے اس مضمون سے کئی ناواقف قارئین گمراہ ہو سکتے ہیں اس لیے اس کا جواب دینا ضروری ہے... (حوالہ مذکور ص ۵)

''رافضی مصنفین بھی اگر فاروقی صاحب کی یہ بہتان تراشیاں دیکھیں تو شرمندہ ہو جائیں۔'' (حوالہ مذکور ص ۱۵)۔

اسی جنتری کے آخری ٹائٹل پر حضرت عمر فاروق اسلامی یونیورسٹی کا تعارف شائع ہوا ہے۔ اس کے سرپرستوں میں تین دوسرے حضرات کے ناموں کے ساتھ شیخ الاسلام حضرت مولانا اسعد مدنی صدر جمعیت علمائے ہند کا نام بھی لکھا ہے۔ یہ سب کاروباری ذہنیت پر مبنی ہے ورنہ حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی کو مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب کے نظریات فاسدہ سے کیا تعلق ہے؟.......

مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب لغت عربی میں بھی مجتہد نظر آتے ہیں۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے جنتری کے ایک سابقہ مضمون میں ''راشد'' کا معنی ہدایت دینے والا اور آیت ''الذی ارتضیٰ لھم'' کا ترجمہ اللہ ان سے راضی ہو گیا، لکھا ہے۔ اب ایک حدیث کے ترجمہ میں باغی کا معنی مطالبہ

کرنے والا نکالا ہے۔ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کسی نے اس حدیث عمارؓ میں "فئة باغية" کا معنی مطالبہ کرنے والا لکھا ہے اور کیا یہ معنی یہاں بن بھی سکتا ہے؟

"بغی" کا معنی لغت میں چاہنا بھی آتا ہے لیکن جب اس کا صلہ "علی" آجائے تو پھر اس کا معنی ظلم کرنا، تعدی کرنا، ستم توڑنا، ستانا آتا ہے۔حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا "اخواننا بغوا علينا" یہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت (سرکشی) کی ہے۔

بغاوت کی قسمیں ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہل سنت نہ جہنمی کہتے ہیں اور نہ گمراہ (کیا ہی گستاخانہ انداز ہے!! قاضی صاحب کو یہ الفاظ لکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے تھا) بلکہ ان کے قتال کو صورتاً بغاوت کہتے ہیں جو ان کے اجتہاد پر مبنی تھی......

جس طرح حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں شیعہ غلو کرتے ہیں اور ان کو ان کے اصلی مقام سے بڑھاتے ہیں اسی طرح ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی غلو کرتے ہیں اور جو ان کے غالیانہ نظریات کو نہ تسلیم کرے اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کرنے والا اور دشمن قرار دیتے ہیں۔دور حاضر میں اس غالیانہ نظریہ کے بانی محمود احمد عباسی ہیں اور مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب اور خلافت راشدہ جنتری والے بھی اسی طرح کے غالی ہیں......

مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب تو اپنے آپ کو سنی دیوبندی قرار دیتے ہیں لیکن حال یہ ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں نہ سنی ہیں، نہ دیوبندی۔ہماری گزارش یہ ہے کہ وہ مزید جرأت سے کام لیں،

"سنیّت اور دیوبندیت" سے وابستگی ختم ہونے کا اعلان کردیں اور "فاروقی" نسبت سے بھی دست بردار ہو جائیں کیونکہ "فاروقی" تو وہ ہوتا ہے جو حق و باطل میں فرق پہچانے۔حالانکہ وہ اپنے نظریات میں حق و باطل کا ایک مشترکہ ملغوبہ تیار کر رہے ہیں۔" (حوالہ مذکور ص ۶۱۔۶۳)،

"جب آپ کی علمی استعداد یہ ہے کہ "راشدہو مرشد" کا معنی نہیں جانتے اور "ارتضٰی لھم" اور "رضی اللہ عنہم" میں فرق نہیں کرسکتے تو پھر عقیدہ خلافت راشدہ کے موضوع پر کیوں اوراق سیاہ کرتے ہیں؟......

اگر آپ سنی دیوبندی ہیں تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عقیدہ خلافت راشدہ کے بارے میں جمہور اہل سنت اور اکابر دیوبند کے مسلک کو کیوں نہیں تسلیم کرتے؟ اور اگر آپ جمہور اور اکابر دیوبند کے متفقہ مسلک کے پابند نہیں ہیں تو پھر اپنے آپ کو مذہب اہل سنت

اور مسلک دیوبند کی طرف کیوں منسوب کرتے ہیں؟ (حوالہ مذکور ص ۶۴۔۶۵)،

''مولانا حق نواز جھنگوی مرحوم نہ خارجی تھے، نہ عباسی کے پیرو تھے اور نہ ہی یزیدی تھے بلکہ وہ صحیح المسلک سنی مسلمان تھے اور سپاہ صحابہؓ کی اکثریت بھی خارجی اور یزیدی نہیں ہے۔ البتہ ان میں بعض ایسے لوگ بھی گھس گئے ہیں جو عباسی ذہن کے حامیانِ یزید ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ جماعت کی تطہیر ہونی چاہیے۔'' (ماہنامہ حق چاریار ص ۴۹۔ جون، جولائی ۱۹۹۰ء)

یہ ملحوظ رہے کہ اس وقت سپاہ صحابہؓ کے سرپرست اعلیٰ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی تھے۔ جو ۱۸ جنوری ۱۹۹۷ء یعنی اپنی شہادت تک اس ''منصب'' پر برقرار رہے جنہیں حضرت قاضی صاحب ۱۹۸۹ء میں یزیدی، خارجی اور عباسی نظریات سے متاثر شخصیت قرار دے چکے تھے۔ ۱۹۹۱ء میں قاضی صاحب نے حق چاریار میں ''مولانا قاضی شمس الدین درویش اور یزیدی ٹولہ'' کے عنوان سے ایک طویل سلسلہ مضامین شروع کیا تھا جسے نومبر ۲۰۱۲ء میں باقاعدہ کتابی صورت دے کر ''مشاجرات صحابہ اور راہ اعتدال'' کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔ اس میں بھی موصوف نے ''مولوی ضیاء الرحمٰن فاروقی'' اور ''سپاہ صحابہ کی خدمت میں'' کے عنوانات قائم کر کے فاروقی شہیدؒ کے متعلق لکھا ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی حکیم (محمود احمد ظفر) صاحب کا موقف جمہور اہل سنت کے خلاف ہے اور مولوی ضیاء الرحمٰن فاروقی کا ادارہ حکیم صاحب کی جن تصریحات کو نادرہ تحقیقات قرار دے رہا ہے وہ دراصل نادرہ تلبیسات ہیں جیسا کہ بندہ نے ان عبارات کو عقیدہ اہل سنت کی روشنی میں جہل و خیانت پر مبنی ثابت کر دیا ہے......

مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب نے اسی مضمون میں آیت استخلاف سے استدلال کیا ہے اور آیت استخلاف کا ترجمہ بھی غلط لکھا ہے اور آیت میں بھی ''منکم'' کا لفظ نہیں لکھا اور ترجمہ میں ''منکم'' کا ترجمہ حذف کر دیا ہے۔

چونکہ مولوی ضیاء الرحمٰن کا یہ مضمون جہالت اور خیانت پر مبنی تھا اور اس کے تاثر سے اکابر اہل سنت سے ناواقف لوگوں کے متنفر ہونے کا احتمال تھا اس لیے میں نے مدرسہ اظہار الاسلام کی سالانہ روئیداد میں ان کی جہالتوں کو بے نقاب کر کے مسلک اہل سنت کو مدلل طور پر پیش کر دیا اور کتابی شکل میں بھی وہ مضمون شائع کر دیا گیا۔

(موصوف زیرعنوان ''**سپاہ صحابہؓ کی خدمت میں**'' فرماتے ہیں کہ)

سپاہ صحابہؓ کا قیام خصوصیت سے صحابہ کرامؓ کی شرعی عظمتوں کی تبلیغ اور اس کے تحفظ کے لیے

ہے ۔اہل سنت والجماعت حضور رحمۃ للعالمینؐ کے فیض یافتہ صحابہ کرام مع اہل بیت عظامؓ سب کو درجہ بدرجہ جنتی مانتے ہیں اوران حضرات کی محبت ہمارے ایمان کی جز ہے ۔

لیکن شیعہ اورخارجی اس میں افراط وتفریط کرتے ہیں اورخارجی رافضیوں سے کچھ کم خطرناک نہیں ہیں ۔شیعہ تواپنا امتیازی تشخص اختیار کرچکے ہیں اورشیعیت کے عنوان پرکام کررہے ہیں لیکن خارجی اہل سنت کے لبادہ میں مختلف تدبیروں سے کام لے کرناواقف سنی مسلمانوں میں حُبِّ صحابہؓ کے نام پراپنے اثرات پھیلارہے ہیں ۔سپاہ صحابہؓ کواس بارے میں محتاط رہنا چاہیے (یعنی مولاناضیاء الرحمٰن وغیرہ سے )تنظیمیں بنتی بگڑتی رہتی ہیں اورشخصیتیں بھی آتی جاتی ہیں لیکن مسلک حق میں تبدیلی نہیں ہوسکتی ۔

صدیوں سے جومسائل وعقائدا ہل السنّت والجماعت کے ہاں متفق علیہ ہیں ان پرمضبوطی سے قائم رہنا چاہیے ۔وقتی اورہنگامی پالیسی پائیدارنہیں ہوتی ۔آج کل جوحمایت یزید کی تحریک جاری ہے یہ بھی بہت خطرناک ہے ۔عموماً حامیانِ یزیدخارجیت کواپنا چکے ہیں خواہ وہ قوم کے سامنے کسی لبادہ میں ظاہر ہوں ۔''(مشاجرات صحابہؓ اورراہِ اعتدال جلداول ص ۳۲۷۔۳۳۱۔سن اشاعت نومبر۲۰۱۳ء ناشرادارہ مظہرالتحقیق لاہور)

مگرصدافسوس!سپاہ صحابہؓ کی غالب ''سنی''اکثریت جناب قاضی صاحب کے ''انتباہ''کے باوجودنہ صرف یہ کہ اپنی صفوں سے ''عباسیوں ،یزیدیوں اورخارجیوں''کونکال کرجماعت کی تطہیرنہیں کرسکی بلکہ مولاناحق نوازجھنگوی کی شہادت کے بعداپنی قیادت بھی ایک ''یزیدی،خارجی اورعباسی ''نظریات کی حامل شخصیت مولاناضیاء الرحمٰن فاروقی کوسونپ دی جوسات سال تک (مارچ ۱۹۹۰ءتاجنوری ۱۹۹۷ء)اس منصب جلیلہ پرفائز رہی ۔

جناب قاضی صاحب نے فاروقی صاحب کی حدتک تونشاندہی کردی تھی مگروہ سپاہ صحابہؓ میں گھسے ہوئے دیگر''یزیدیوں،خارجیوں اورعباسیوں''کے بارے میں آگاہ نہیں کرسکے لیکن سخت حیرت ہے کہ علامہ فاروقی صاحب نے نہ تواپنے ''فاسد''نظریات سے رجوع کیااورنہ ہی سپاہ صحابہؓ نے کبھی انہیں جماعت سے خارج کرنے کاتصور بھی کیا۔

قاضی مظہرحسین صاحب کی وفات کے بعد''تحریک خدام اہل سنت پاکستان''نے موصوف کی یادمیں ماہنامہ حق چاریار(مارچ/اپریل ۲۰۰۵ء)کا۱۳۸۴صفحات پرمشتمل ایک ضخیم نمبرشائع کیاجس میں موصوف کو''مقام صدیقیت ،حالتِ احسان ،فنافی اللہ ،فنافی الرسول ،فنافی العلم ،مظہرشریعت وطریقت ،امام اہل سنت ،مجددالعصر ،سلطان العارفین ،غزالی دوراں ،رئیس

المتکلمین ،اسوۃ الصلحاء ،قدوۃ العلماء'' بلکہ ''پیغمبری'' کے علاوہ ہر منصب عطا کیا گیا ہے ۔چنانچہ شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ اپنے ایک خط میں فرماتے ہیں کہ:

''جو حالات آپ نے تحریر فرمائے ہیں ان کے ہوتے ہوئے افسوس کرنا ،معاف فرمائیں میرے نزدیک کفرانِ نعمت الٰہیہ ہے ۔آپ ذکر قلبی بھی کرتے ہیں اور ذکر لسانی بھی ۔اور یہ بھی امید ہے کہ ذکر تمام بدن پر مستولی ہو جائے ۔پھر آپ کا جو فرضِ منصبی ہے کہ گمراہوں کو راہِ ہدایت پر لائیں ، وہ بھی آپ ادا کرتے ہیں ۔اس کے بعد آپ اور کیا چاہتے ہیں؟ اب اور چاہتے کیا ہو؟ پیغمبری مل جائے؟ خدا کا شکر ادا کیجیے ۔آپ کی یہ حالت ہم جیسے ناکاروں کے لیے غبطہ کے قابل ہے ۔'' (ص ۹۰۳)

قارئین کرام! اس یادگار نمبر کے ص ۲۸ پر مولانا محمد شہاب الدین پوپلزئی و جملہ رفقاء عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پشاور کی طرف سے حسب ذیل ''دعا'' ملاحظہ فرمائیں:

**اے اللہ!** ......ہمیں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کے قافلہ حسینی کے آخری شہسوار ،خلیفہ مجاز ،پاسبان عقائد اہل سنت والجماعت ،وکیل صحابہؓ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلا:

☆ جنہیں دانائی و دور اندیشی شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے وراثت میں ملی ۔
☆ جو علم و حکمت میں قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے عکس جمال تھے ۔
☆ جو تفقہ و استقامت میں قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پرتو تھے ۔
☆ جو سیاسی بصیرت میں اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کی سیاست کے امین تھے ۔
☆ جو، جود و سخا اور مدح صحابہ میں اپنے مرشد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جانشین تھے ۔
☆ جو تفکر و تدبر میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا نمونہ تھے ۔
☆ جو فقر و استغناء میں محدث کبیر حضرت مولانا میاں اصغر حسین کے سہیم تھے ۔
☆ جو ایثار و قربانی میں فکر ولی اللہی کے امین حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے مثیل تھے ۔
☆ جو ولولۂ جہاد اور حمیت دینی میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے رفیق تھے ۔
☆ جو حلم و شفقت میں امام التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے نعم البدل تھے ۔
☆ جو پیری میں احقاقِ حق کے لیے اسیری گزار کر یہ ثابت کر گئے کہ وہ بزم حسین احمد کے حقیقی نمائندہ تھے ۔

ہے بزم حسین احمدؒ سے یہاں ہنگامۂ گیر و دار بپا　(حق چار یار قائد اہل سنت نمبر ص ۲۸)

حضرت قاضی صاحب شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ مجاز ہیں۔ حسب ذیل واقعہ سے حضرت مدنیؒ کے اعلیٰ وارفع مقام کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ پاکستان شریعت کونسل پنجاب کے جنرل سیکرٹری اور سپاہ صحابہؓ پاکستان کے سابق صوبائی صدر مولانا محمد نواز بلوچ، مرتب قائد اہل سنت نمبر، حافظ زاہد حسین رشیدی کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ:

آپ کا مکتوب گرامی اس سے قبل ملا تھا لیکن اس فکر نے کچھ نہ کرنے دیا کہ میرے جیسا طالب علم اتنے بڑے متبحر عالم جو شیخ العرب مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ ہوں وہ شیخ العرب والعجم جن کے بارے میں بقول استاذی مفتی محمد عیسیٰ صاحب گوجرانوالہ، حضرت شیخ التفسیر امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوریؒ فرماتے تھے:

میرا جی چاہتا ہے کہ داڑھی کو کنگھی کرتے وقت جو بال جھڑتے ہیں یہ بال میں اس موچی کو دوں جو سید حسین احمد مدنیؒ کے جوتے بناتا ہے تا کہ وہ دھاگے کی جگہ میرے یہ بال استعمال کرے۔

ان (حضرت مدنیؒ) کا وکیل صحابہؓ، فاتح مذاہب باطلہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کو خلافت کا عمامہ باندھنا ان کے مقام کا مظہر ہے، تو میرے جیسا طالب علم ان کے بارے میں کیا تحریر کر سکتا ہے؟ لیکن جب آپ کا دوبارہ مکتوب گرامی آیا ہے تو شرمندگی سے بچنے کے لیے معروضات عرض کیے دیتا ہوں۔" (حق چاریار قائد اہل سنت نمبر ص۸۴۸ تحت عنوان "حق وصداقت کے مظہر")

حضرت لاہوریؒ نے اگر "فی الواقع" اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا ہے تو اس سے بڑھ کر داڑھی (جو سنت نبوی ہی نہیں بلکہ سنت انبیاء بھی ہے) کی اور کیا توہین ہو سکتی ہے؟

مگر اس روایت پر "یقین" کیے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں کیونکہ اس کی سند میں تین جید علماء کرام تشریف فرما ہیں: ۱۔ مدرسہ نصرت العلوم کے صدر مفتی مولانا عیسیٰ خان ۲۔ پاکستان شریعت کونسل پنجاب کے جنرل سیکرٹری مولانا محمد نواز بلوچ ۳۔ مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی۔ اس طرح یہ راوی حضرات بھی "سنت نبویؐ" کی توہین میں برابر کے شریک ہو گئے۔

اور اگر حضرت لاہوریؒ نے یہ نہیں فرمایا تو پھر ان پر علماء کرام کی طرف سے یہ بہتان عائد کیا گیا ہے۔ لیکن ایک دوسرے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لاہوریؒ سے اس طرح کے "ارشادات" کچھ بعید بھی نہیں ہیں۔ چنانچہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت لاہوریؒ کی حضرت مدنیؒ سے عقیدت کا تو یہ حال تھا کہ ایک دفعہ دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تقریر ہوئی۔ میں بھی ان

دنوں لاہور میں تھا اور جلسہ میں حاضر ہوا۔

حضرت قاری صاحب کی تقریر سے پہلے حضرت قاری صاحب کے ساتھ ہی حضرت لاہوری نے کرسی پر بیٹھ کر مختصر تقریر فرمائی اور اس میں فرمایا کہ:

''حضرت مدنی کے جوتوں میں جو علم ہے وہ احمد علی کے دماغ میں نہیں''

(حضرت قاضی صاحب اس توہین آمیز جملہ کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) یہاں یہ ملحوظ رہے کہ علم سے مراد یہاں برکات ہیں کیونکہ حضرات اہل اللہ کے ساتھ جن چیزوں کا تعلق ہوجائے ان میں معنوی برکات آجاتی ہیں۔'' (ماہنامہ حق چاریار جولائی تا نومبر ۱۹۹۸ء ص ۷۵۔ مولانا عبداللطیف جہلمی نمبر)

حضرت قاضی صاحب یہی واقعہ اپنے ایک دوسرے مضمون میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''جمعیت علماء کے اجلاس میں جب حضرت مدنی تشریف فرما ہوتے تھے تو میں (احمد علی) آپ کے احترام میں تین تین، چار چار گھنٹے دوزانو بیٹھا رہتا تھا اور بار ہا فرمایا کہ:

مجھے غالباً چودہ مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوئی ہے۔ میں نے حضرت مدنی جیسا بزرگ (ولی اللہ) کہیں نہیں پایا اور ایک مرتبہ پرانی انارکلی بازار کے مدرسہ میں رات کو حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب کی تقریر کا پروگرام تھا بندہ بھی ان دنوں لاہور میں تھا، جلسہ میں حاضر ہوا۔ حضرت قاری صاحب کی موجودگی میں ان کی تقریر سے پہلے حضرت لاہوری نے تھوڑی دیر تقریر فرمائی اور دورانِ تقریر فرمایا کہ:

''حضرت مدنی کے جوتوں میں جو علم ہے وہ احمد علی کے دماغ میں نہیں ہے۔''

(قاضی صاحب اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) اس سے مراد بفضلہ تعالیٰ وہ برکات ہیں جو حضرت مدنی سے متعلقہ ہر چیز میں سرایت کرتی ہیں۔''

(ماہنامہ حق چاریار ص ۵۹۔ مولانا امین صفدر اوکاڑوی نمبر۔ اپریل ۲۰۰۱ء)

حضرت لاہوری کے اس ''ارشاد'' میں بھی ''علم'' (جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے) کی توہین پائی جاتی ہے کیونکہ علم جیسی اعلیٰ وارفع صفت کا محل ''جوتوں'' کو قرار دیا گیا ہے جب کہ قاضی صاحب کی ''تاویل'' تو جیہ، توضیح'' بالکل فاسد و باطل ہے اور ''توجیہ القائل ....'' کے زمرہ میں بھی نہیں آتی۔

اب حضرت قاضی صاحب کے ''سفر حج'' کے دوران ''واردات و بشارات'' ملاحظہ فرمائیں:

''آج نماز فجر اور ظہر کے مابین دربارِ رسالت کی حاضری نصیب ہوئی۔ زبردست ہجوم کی وجہ سے کچھ فاصلے پر قبلہ کی دیوار کے ساتھ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا اور حضرت صدیق اکبرؓ

اورحضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں بھی حسب سابق سلام عرض کیا۔پھر قبلہ کی دیوار کے ساتھ ہی پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا تو "رأیت الشیخ المدنی مجردا عن اللباس الظاهر ورأیت نفسی کذا....وعبرت عن هذا الحال انکشاف مقام الفناء عن غیراللّٰه....واللّٰه اعلم۔...

صبح 9:40 تلاوت قرآن عظیم کے دوران مراقبہ میں زیارت مقدسہ نصیب ہوئی۔واسطہ حضرت الشیخ المدنی قدس سرہ کی ذات ہی مکشوف ہوئی۔پہلے حدودِ ولایت کو عبور کیا اور پھر حدودِ رسالت میں داخلہ نصیب ہوا۔پھر دور دراز توجہ ہوئی آخر بلندی پر حضور رحمۃ للعالمین کا دیدار نصیب ہوا خصوصاً چشمان مبارک کا دیدار امتیازی طور پر ہوا۔سرمگیں تھیں اور ایسی آنکھیں کبھی نہیں دیکھیں...

قبل از نماز جمعہ آیت "قل اوحی الیّ هذا القرآن ...اننی بریٔ ممّا تشرکون" کی تلاوت کے دوران حضور اکرمؐ کی طرف روحانی توجہ ہوئی تو ایسا محسوس ہوا کہ روحِ محمدی نے توجہ فرمائی ہے حتیٰ کہ گویا میرے باطن میں متجلی ہے اور بندہ گویا حضور کی طرف سے تلاوت کر رہا ہے۔ ساتھ ہی کعبہ کی تجلی کا ظہور رہا۔واللہ اعلم...

آج بعد نماز ظہر مسجد نبوی اور روضۂ مقدسہ میں حاضری نصیب ہوئی۔مواجہ شریف میں مراقبہ کے دوران یہ محسوس ہوا کہ بندہ کے لیے "باب مدنی" کھول دیا گیا ہے جس کی نسبت "رسول مدنیؐ" اور "حضرت المرشد المدنی" دونوں کی طرف ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض اس "باب مدنی" سے حاصل ہوگا۔واللہ اعلم...

(قارئین کرام! "رسول مدنی" اور "حضرت المرشد المدنی" کے اسلوب اور الفاظ میں عقیدت کا جھکاؤ ملاحظہ کر سکتے ہیں)

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی حاضری کے دوران عموماً حضرت الشیخ المدنی قدس سرہ کی روحانیت سامنے محسوس ہوتی رہی اور یہی سمجھا کہ باب مدنی ہی بندہ کے لیے تو حید و رسالت کے فیوضات کا واسطہ ہے۔واللہ اعلم...

قبل از مغرب اپنی قیام گاہ پر لیٹے ہوئے "بین النوم والیقظۃ" جس میں "یقظۃ" (بیداری) کی حالت غالب تھی۔یہ ادراک ہوا کہ حضرت الشیخ المدنی قدس سرہ ایک گول پائپ فیض کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے جوڑ رہے ہیں۔یہ بھی ادراک ہوا کہ اس طرح کے پائپ دس اشخاص کے سینوں سے جوڑے گئے ہیں۔یہ ولایت کبریٰ ہے۔گذشتہ سال یہ پانچ اشخاص کو نصیب ہوئے

اور آئندہ سال میں حضرات کو دیے جائیں گے۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ پائپ صرف حضرت مدنی کے متوسلین کے لیے ہیں یا دوسرے سلسلوں کے حضرات بھی شامل ہیں۔ واللہ اعلم...

دن کو مواجہ شریف میں صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے بعد کچھ دیر مواجہ شریف میں کھڑا رہا تو اس دوران محسوس ہوا کہ ایک مثالی صورت میرے اندر رہے اور یہ کہ خلافت راشدہ کا ایک شعبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مثالی لطائف سے بندہ کے ساتھ متعلق کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم...

(مگر صد افسوس کہ حضرت معاویہ قرآنی تصریح کے باوجود اس شعبہ سے ''محروم'' ہی رہے)

میدان عرفات میں نماز عصر ادا کرنے کے بعد تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہوا۔ اسی حال میں مراقبہ میں زیادہ وقت گزرا اور غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے جب کہ دیدار نبوی کی خواہش کر رہا تھا، وارد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ارشاد ہوا کہ تم اپنا برتن پیش کر دو۔ ہم اپنی مرضی کے مطابق جب چاہیں گے دے دیں گے۔ واللہ اعلم...

آج دن کو ساڑھے تین سے لے کر ساڑھے پانچ بجے تک حرم شریف کی حاضری نصیب ہوئی اور تلاوت قرآن حکیم کے لیے قرآن مجید ہاتھ میں لیا لیکن توجہ الی اللہ کے غلبہ کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا اور یہ وقت زیادہ مراقبہ میں گزرا۔ اس دوران بھی محسوس ہوا کہ رسول کریم کے سینہ مبارک سے چار نور جدا جدا بندہ کے سینہ کی طرف آ رہے ہیں۔ ان سے مراد چار یار ہیں یعنی ان کے واسطے سے یہ فیضان ہے۔ واللہ اعلم...

آج ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات کو خواب میں مدینہ منورہ سے باہر جانا ہوا۔ ایک جگہ ایک ساتھی نے کہا یہیں بیٹھنا چاہیے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب تشریف لائیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ مقام حدیبیہ ہے۔ کچھ دیر بعد اجمالی طور پر یہ دیکھا کہ کچھ فاصلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چند اصحاب تشریف فرما ہیں۔

اسی نیند میں دیکھا کہ میرے ساتھ دو چار ساتھی ہیں۔ پہاڑ کی فضا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے خدام اہل سنت کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں اٹھایا ہے اور فرماتے ہیں کہ ہمارا جھنڈا تو بڑا ہوتا ہے۔ یہ بطور اظہار واقعہ کے تھا۔ پھر جھنڈا خدام کا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا۔ حضرت صدیقؓ کی شخصیت بہت زیادہ وقار اور حلم والی تھی اور آپ نے بالکل بات نہیں کی۔ اس کے بعد انتظار تھا کہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ تشریف لائیں گے اور خدام کا جھنڈا اٹھائیں گے لیکن پھر بیدار ہو گیا...'' (ماہنامہ حق چار یار۔ مارچ اپریل ۲۰۰۵ء قائد اہل سنت نمبر ص ۳۱۶ تا ۳۲۲)

اسفار حج کے دوران مذکورہ ''واردات وبشارات'' خود قاضی صاحب کے اپنے قلم سے

تحریر کردہ ہیں۔دیگر مضمون نگار حضرات نے بھی قاضی صاحب کی شخصیت کے بارے میں خوب ڈوب کر لکھا اور جا بجا موصوف کو"مغفرت ورضوان" کی بشارات سے نوازا:"راہی جنت ہو گئے، جنت کے باسی بن گئے" (ص۳۵۲)"فبشــره بــمــغــفــرة (ص۱۳۴۲)، أبشــروه بالفوزوبالمغفرة (ص۱۳۴۵)؛"آئی یہ فانی صدا_____ مولا کا مغفور ہے" (ص۱۳۴۷)

کسی"میت" کے حق میں"مرحوم ومغفور" کے الفاظ اس معنی میں استعمال کرنا کہ اللہ تعالٰی نے ضرور اسے بخش دیا ہے؛ یہ گناہ والی بات ہے اور حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے البتہ دعا کے طور پر یہ الفاظ کہے جا سکتے ہیں۔ہم بھی قاضی صاحب کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالٰی ان کے حسنات کو قبول فرمائے اور سیآت کو معاف کر کے جنت الفردوس عطا فرمائے۔آمین لیکن اوپر جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں (جنت کا باسی، راہی جنت، ابشروہ بالفوز والمغفرة فبشرہ بمغفرة، مولا کا مغفور) وہ دعا کے ضمن میں نہیں آتے۔

اس بات کا ذکر یہاں اس لیے کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ قسطنطنیہ کے جس لشکر کو"مغفور لھم" کی بشارت سے نوازا تھا (صحیح بخاری رقم الحدیث ۲۹۲۴) احباب نے خود اس لشکر کے قائد کو ہی بڑے شدومد کے ساتھ اس سے محروم کر دیا جب کہ اپنے حق میں مولانا قاری خلیل احمد تھانوی، مولانا محمد ابراہیم فانی اور دیگر معاصرین کی بشارت کو قبول کرا لیا گیا۔

مرتب قائد اہل سنت نمبر جناب زاہد حسین رشیدی صاحب قاضی صاحب کی حیات وخدمات اور فضائل ومناقب کے احاطے سے اپنی عاجزی اور بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اپنے الفاظ کو اظہار میں ڈھالوں کیسے سوچتا ہوں کہ تیرے احساس کی توہین نہ ہو

محترم قارئین! مذکورہ بالا شعر کی مجموعی فکر بہت بڑی حقیقت ہے۔قائد اہل سنت، وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب جیسی شخصیت کے متعلق قلم اٹھانا بڑے دل گردے کا کام اور عظیم جسارت ہے.....ہم نے اپنی بساط کے مطابق حضرت قائد اہل سنت کی حیات وخدمات کے بیشتر گوشے سپرد ریکارڈ کر دیے ہیں اس اعتراف کے ساتھ کہ:

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوئے اور مدح باقی ہے سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

(ماہنامہ حق چار یار ص۲۹۔قائد اہل سنت نمبر)

ان تعارفی وتمہیدی گذارشات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں قاضی

صاحب کے توہین و تنقیص پر مبنی چند ''افکار'' نذر قارئین کیے جاتے ہیں:

''اور چونکہ وعدہ خداوندی حکومت و خلافت کا مومنین صالحین ہی کے لیے تھا اس لیے ثابت ہوا کہ ارادہ خداوندی میں یہی تھا کہ ان اصحاب اربعہ کو ہی منصب خلافت عطا کیا جائے گا اس لیے ان چار یار کی خلافت راشدہ موعودہ کا کوئی مومن بالقرآن انکار نہیں کر سکتا۔

برعکس اس کے اگر "منکم" اور "الذین اخرجوا من دیارھم" کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس وعدہ خلافت کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے ان خلفاء کا مومنین صالحین ہونا ثابت کرنا پڑے گا پھر اس کے بعد ان کو خلفائے راشدین تسلیم کیا جائے گا۔

اور خلفائے اربعہ کے بعد تو کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے، مخالفین کے لیے بحث کا دروازہ کھل جائے گا۔''

(موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ ص ۳۹)

اس عبارت سے تو یہ واضح ہو رہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قاضی صاحب کے نزدیک ''مومنین صالحین'' میں سے نہیں تھے اگر وہ ''مومن صالح'' ہوتے تو پھر انہیں ضرور خلیفہ راشد تسلیم کر لیا جاتا۔ بلکہ موصوف نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنے والوں کو ''حامیان یزید'' قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''حامیان یزید جو حضرت امیر معاویہؓ کو قرآن مجید کی آیت "اولئك هم الراشدون" کے تحت خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں یعنی جب حضرت معاویہؓ بحیثیت صحابی راشد ہیں تو بحیثیت خلیفہ کیوں نہ راشد ہوں گے لیکن ان کا یہ استدلال غلط ہے۔'' (خارجی فتنہ حصہ دوم ص ۶۴۶)،

''حامیانِ یزید عموماً صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن کی آیت "اولئك هم الراشدون" سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت راشدہ قرار دیتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو خلافتِ راشدہ تسلیم نہیں کرتے؟ کیا ان کے نزدیک حضرت ابن زبیرؓ صحابی نہیں ہیں؟ یا صحابی تو ہیں لیکن یزید کی محبت کی وجہ سے آپ کی خلافت کو خلافتِ راشدہ قرار دینا ان کو پسند نہیں۔''

(ماہنامہ حق چار یار دسمبر ۱۹۹۰ء بحوالہ حق چار یار مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء۔ قائد اہل سنت نمبر ص ۳۵۵)

اللہ تعالیٰ نے تین طبقوں پر اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے:

۱۔ مہاجرین اولین　　۲۔ الانصار۔ ان دو طبقوں کا مقام معیاری ہے۔

۳۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جو مہاجرین و انصار کی پیروی خوش اسلوبی سے کرے۔ اس تیسرے طبقے

سے رضائے الٰہی مشروط ہے مہاجرین اولین اور انصار کی اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ۔

اب سندیلوی صاحب ہی اپنے علم وفضل کا زور لگا کر جواب دیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ پھر ان کو موعودہ خلفائے راشدین میں سے چوتھا مقام حاصل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو مہاجرین میں ہیں اور نہ انصار میں۔ آپ تیسرے طبقے سے وابستہ ہیں۔

ان کے لیے حضرت علی المرتضیٰؓ کی پیروی لازم تھی بوجہ ان کے مہاجرین اولین میں ہونے اور بوجہ خلیفہ ہونے کے۔ بہر حال از روئے نص قرآنی حضرت علیؓ کی پیروی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لازم ہے لیکن بجائے پیروی کے انہوں نے مخالفت کی اور صرف زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ بجائے اطاعت کے قتال کیا خواہ دفاعی ہی ہو۔ تو اس صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے؟" (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۷۶)

حضرت قاضی صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"حضرت علیؓ کی خلافت شروع سے ہی من جانب اللہ مستقل تھی اور ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کا دور خلافت عبوری نہ تھا۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد بھی حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم نہ کی بلکہ شرائط پیش کرتے رہے......

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو 'وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ' کے طبقہ میں تھے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ مہاجرین وانصار کی حسن اسلوب سے پیروی کریں۔ سندیلوی صاحب اگر آپ کے نزدیک نص قرآنی کی اتباع کی کوئی حیثیت ہے تو بکثرت مہاجرین وانصار کی بیعت کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ لازم نہ تھا کہ وہ بھی اختلاف ترک کر کے خلیفہ موعود حضرت علی المرتضیٰ کی غیر مشروط اطاعت قبول کر لیتے۔"

(خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۴۷ - ۵۴۸)

"اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخر تک حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم نہیں کی۔" (حوالہ مذکور ص ۴۶۲)۔

"حالانکہ آخری وقت تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ کی اطاعت قبول نہیں کی باوجود اس کے حضرت علیؓ نے ثالثی کی تجویز قبول فرمالی۔" (حوالہ مذکور ص ۴۴۷)۔

"اور آخر وقت تک آپ کی خلافت تسلیم نہیں کی بلکہ خلیفہ موعود کی موجودگی میں اپنی جداگانہ خلافت قائم کی ہے۔" (حوالہ مذکور ص ۵۸۹)۔

''اب فرمایئے:

۱۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے حضرت معاویہؓ شام کے گورنر تھے۔قرآن کے خلیفہ موعود حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان کو معزول کیا لیکن آپ نے اطاعت نہ کی۔

۲۔آیت استخلاف کے تحت صحیح انتخاب سے بحکم ورضائے خداوندی ''منصب نبوت'' پر فائز ہونے والے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا تو حضرت معاویہؓ نے قاتلین حضرت عثمانؓ کو ان کے سپرد کرنے اور قصاص لینے کی شرط پیش کر دی۔

۳۔خلیفہ موعود کے انتخاب کو ہنگامی،عبوری،عارضی قرار دیتے ہوئے مطالبہ کیا کہ حضرت علیؓ خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور دوبارہ انتخاب کرائے جائیں۔

۴۔اللہ کے مقرر کردہ خلیفہ موعود حضرت علیؓ نے اللہ کی دی ہوئی خلافت راشدہ کی عظیم امانت کے تحفظ کے لیے آئندہ خطرات کے تحت اقدام کیا تو بجائے خلیفہ موعود کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے کھلے طور پر جنگ کی جس میں ہزار ہا مسلمان شہید ہوئے۔یہ حقائق وواقعات ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔اس میں طبری وغیرہ روایات کا سہارا لینے کی حاجت ہی نہیں۔

۵۔آخر تک حضرت معاویہؓ نے خلیفہ موعود کی اطاعت نہیں کی۔ان واقعات کے بعد بھی کوئی صاحب عقل وشعور انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ مرکز کے تابع تھے نہ کہ آزاد۔ایک صوبے کے گورنر کی حیثیت سے یہ بغاوت نہیں بلکہ اطاعت خلیفہ ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ سرے سے بغاوت نام کی کوئی چیز دنیا میں موجود نہیں۔(حوالہ مذکور ص ۴۸۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے کرتے قاضی صاحب نے حضرت علیؓ کو ''منصب نبوت'' پر بھی فائز کر دیا۔فیا اسفا!(ظاہر ہے کہ یہ ''کتابت'' کی غلطی ہے)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ قاضی صاحب کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق تیسرے طبقے سے ہے جس سے رضائے الٰہی مشروط ہے اگر وہ حضرت علیؓ کے ساتھ قتال نہ کرتے اور ان کی بیعت واطاعت کر لیتے (جو از روئے نص قرآنی ان پر لازم تھی) تو وہ تیسرے طبقے میں شامل ہو کر ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' کا مصداق ہو سکتے تھے۔لیکن انہوں نے بجائے اطاعت وپیروی کے خلیفہ راشد کی مخالفت کے علاوہ ان کے ساتھ قتال بھی کیا لہٰذا شرط کے نہ پائے جانے سے وہ تیسرے طبقے سے بھی خارج ہو گئے۔(العیاذ باللہ)

قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دفاع کا حق دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں بلکہ وہ انہیں بہر صورت خطا کار ماننا لازمی قرار دیتے ہیں اور اسے اہم عقیدہ سمجھتے ہیں حتیٰ کہ جو انہیں خطا کار نہ مانے تو وہ اسے نص قرآنی کا منکر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''بندہ نے اس کتاب میں مسلک اہل سنت والجماعت کے اثبات کے لیے ہی آیت تمکین اور آیت استخلاف پر بحث کی ہے اور قرآنی اور حدیثی دلائل کی بناء پر ہی ثابت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی ماننے کے بغیر اور کوئی صحیح راہ نہیں ہے۔'' (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۴۲)،

قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کو ''عقائد اہل سنت'' میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''از روئے تحقیق متقدمین ومتاخرین اہل سنت والجماعت مشاجرات صحابہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کے قائل ہیں اور یہ عقیدہ عقائد اہل سنت میں شمار کیا جاتا ہے۔'' (کشف خارجیت ص ۴۸)

قاضی صاحب نے "وَالَّذِینَ اتبعوھم باحسان" کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنا موقف واضح طور پر پیش کر دیا ہے جسے کسی تاویل سے بھی صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہ موقف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو رضائے الٰہی سے محروم ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ قاضی صاحب کے ''ارشادات'' کے مطابق:

۱۔ حضرت معاویہؓ کے ساتھ اللہ کی رضا، مہاجرین وانصار کی اچھے طریقے سے پیروی کے ساتھ مشروط تھی۔

۲۔ حضرت معاویہؓ نے پیروی کے بجائے نہ صرف قولاً وعملاً ڈٹ کر مخالفت کی بلکہ آخر وقت تک عدم اطاعت کے ساتھ ساتھ قتال بھی کیا۔

جب حضرت معاویہؓ نے خلیفہ راشد موعود کیے از سابقین اولین حضرت علیؓ کی ''اتباع باحسان'' کر کے رضائے الٰہی کی شرط آخر وقت تک پوری نہیں کی تو اس کا نتیجہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ آخر وقت تک بھی "رضی اللّٰہ عنھم ورضوعنہ" کے مصداق نہیں بن سکے۔ اِنَّاللّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

قاضی صاحب نے آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''نصوص قرآنیہ'' کا مخالف ''ثابت'' کر دیا۔ ان کے نزدیک آیت ''استخلاف'' سے حضرت علیؓ کا خلیفہ

برحق ہونا ثابت ہوتا ہے جب کہ آیت ''اولی الامر'' ان کے حکم کو ''واجب التسلیم'' ہونا بتلاتی ہے لہٰذا اگر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت مرتضویؓ کا انکار کیا تو یہ آیت ''استخلاف'' کی خلاف ورزی ہوئی اور اگر خلافت تسلیم کر کے حکم عدولی کی تو یہ آیت ''اولی الامر'' کے خلاف ہوا۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

''اگر حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت کو ہی تسلیم نہیں کیا تو یہ گویا اللہ کے حکم کی مخالفت ہے اور خلیفہ مان کر ان کا وہ حکم تسلیم نہیں کیا جو خلاف حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ تھا تو یہ بھی آیت اولی الامر کے خلاف ہے.....اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخر تک حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم نہیں کی۔'' (جو آیت استخلاف کا انکار ہے) (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۶۲۔۴۶۱)

قاضی صاحب اپنے ایک دوسرے جوابی مضمون میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صریح ''توہین و تفسیق'' کا ارتکاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''میرے پیش کردہ مذکورہ موقف پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ مولانا ابو ریحان صاحب نے تو اجتہادی صواب و خطا کے حتمی اور یقینی ہونے پر یہ قید لگائی ہے کہ ان کا یقینی ہونا کسی نص سے ثابت ہو جائے اور حضرت علی المرتضٰی کے صواب اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا کے ثابت کرنے کے لیے کون سی نص پائی جاتی ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ النور کی آیت استخلاف اور سورۃ الحج کی آیت تمکین سے خلفاء اربعہ کا موعودہ خلفائے راشدین ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ آیت استخلاف کے تحت لکھتے ہیں:

خطاب فرمایا حضرت کے وقت کے لوگوں کو جو ان میں نیک ہیں، پیچھے ان کو حکومت دے گا اور جو دین پسند ہے ان کے ہاتھ سے قائم کرے گا اور وہ بندگی کریں گے بغیر شرک۔

یہ چاروں خلیفوں سے ہوا۔ پہلے خلیفوں سے اور زیادہ۔ پھر جو کوئی اس نعمت کی ناشکری کرے ان کو بے حکم (فاسق) فرمایا۔ جو کوئی ان کی خلافت کا منکر ہو اس کا حال سمجھا گیا (وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ)

حضرت دہلوی نے واضح فرما دیا کہ جو کوئی ان چاروں خلفاء کی خلافت کا منکر ہو وہ بے حکم یعنی نافرمان ہے۔

اب فرمائیے کہ کیا حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علی المرتضٰیؓ کے ساتھ جنگ نہیں کی۔

(اس طرح قاضی صاحب نے محقق اہل سنت مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی نور اللہ مرقدہ کے سوال کے جواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا ''نص'' سے ثابت کر دی۔ معلوم نہیں کہ جو خطا ''نص'' سے ثابت ہو تو اسے ''خطائے اجتہادی'' کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟)...

مولانا لکھنوی فرماتے ہیں کہ 'قرآن شریف پر ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ ان چاروں کو خلیفہ راشد مانیں'...

لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے تو حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کیا..... اور پھر آیت 'ومن کفر بعدذلك فاولٓئك هم الفاسقون' کے تحت انہوں (مولانا سندیلوی) نے یہ بھی صحیح فرمایا ہے کہ ''خلفائے راشدین کی خلافت کی حقانیت و صحت کا جو منکر ہو وہ فاسق ہے۔ ان حضرات میں سب سے پہلے خلیفہ صدیق اکبرؓ ہیں ان کی خلافت کی حقانیت کا منکر بھی فاسق اور مستوجب عذاب آخرت ہے۔ یہ ان کی خلافت کے حق ہونے کا اعلان ہے اور ان کے مخالفین کے لیے تہدید ہے۔ ظاہر ہے کہ شیعہ ہی ان کی خلافت کے منکر ہیں۔

بے شک شیعہ پہلے تین موعودہ خلفائے راشدین کی خلافت راشدہ کے منکر ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی مذکورہ وعید (اولٓئك هم الفاسقون) صادق آتی ہے۔

لیکن حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت راشدہ موعودہ کے بھی منکر ہیں اور وہ خارجی ہیں اور ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی مذکورہ وعید صادق آتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شیعہ یہ اعتراض کرے کہ حضرت امیر معاویہؓ بھی تو حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کے منکر تھے بلکہ انہوں نے تو حضرت علی المرتضیٰؓ سے جنگ بھی لڑی ہے اور آخر تک آپ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ حضرت علیؓ کے دور خلافت راشدہ میں ہی انہوں نے اپنی خلافت کے لیے بیعت شروع کر دی تھی تو کیا ان پر اللہ تعالیٰ کی مذکورہ وعید صادق نہیں آئی گی؟

تو مولانا ابو ریحان اور مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی کے پاس اس کا کیا جواب ہے اور آپ آیت استخلاف اور آیت تمکین کی روشنی میں حضرت امیر معاویہؓ کا کیونکر دفاع کریں گے؟'' (ماہنامہ حق چاریار، مارچ، اپریل ۱۹۹۴ء قسط نمبر ۱۳، مشاجرات صحابہؓ اور راہ اعتدال جلد دوم ص ۲۵۳ تا ۲۶۴ سن اشاعت نومبر ۲۰۱۳ء)

مولانا عبدالقدوس ترمذی اپنے والد مفتی عبدالشکور ترمذی کے حکم پر مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ کے نام اپنے خط میں قاضی صاحب کی حضرات حکمینؓ سے متعلق ''عبارت'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''احقر کے فہم ناقص میں تو حضرت قاضی مظہر حسین صاحب "مدظلہم" (کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ

سے "مدظلہم" کو "مدظلہ" لکھ دیا گیا ہے۔ از مؤلف) نے جا بجا اپنی تحریرات میں اسی مسلک حق کو پیش فرمایا ہے اور جناب نے ان کی جو عبارت حکمین محرمین کے بارے میں نقل فرمائی تھی حضرت موصوف اس کو بھی صورتاً ہی معصیت قرار دے رہے ہیں ورنہ خطاء اجتہادی کی وہ بارہا تصریح فرما چکے ہیں۔

لیکن چونکہ بظاہر الفاظ سخت ہیں اس لیے ان کو آئندہ ایڈیشن میں امید ہے کہ بدل دیا جائے گا۔"

قاضی مظہر حسین صاحب مولانا عبدالقدوس ترمذی کی اس "تجویز" کے جواب میں زیر عنوان **"عبارت بدلنے کی ضرورت نہیں"**

فرماتے ہیں کہ:

"ان (مولانا سندیلوی) ہی کے طرز استدلال سے میں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی موعودہ خلافت راشدہ ثابت کی ہے اور ان کو الزام دیا ہے کہ جب ان کے استدلال کے پیش نظر حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت بھی گویا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی قائم ہوئی تھی تو پھر حضرت علیؓ کو معزول کرنے کا فیصلہ بھی (بظاہر) اللہ تعالیٰ کے امر او روعدہ کے خلاف ہی ہوگا۔

اگر میں گناہ اور نافرمانی وغیرہ کے الفاظ کی جگہ اجتہادی خطا کے الفاظ لکھتا تو حضرت علیؓ کی موعودہ خلافت راشدہ کا جو مقام ہے وہ محفوظ نہ رہ سکتا کیونکہ اجتہادی خطا تو حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا کہ حضرت علیؓ کو معزول کرنا بھی حق کے دائرہ ہی میں تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت انعقاد خلافت راشدہ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

گویا کہ موعودہ خلافت کو مانو یا انکار کرو، خلفاء راشدین کی اتباع کرو یا مخالفت معمولی بات ہے اس لیے مولانا سندیلوی پر اتمام حجت کے لیے تو وہاں نافرمانی اور گناہ کے الفاظ ہی استعمال کیے جا سکتے تھے لیکن مراد میری بھی یہی تھی کہ یہ صورتاً نافرمانی اور گناہ تھا ورنہ یہ اجتہادی خطا تھی جس پر حکمین کو بھی ایک درجہ اجر ملے گا۔ چنانچہ متصلاً ہی میں نے ان الفاظ موہومہ کی مراد بیان کر دی تھی۔ یہ نہیں کی (کہ) خارجی فتنہ حصہ اول کی اشاعت کے بعد جب اعتراض ہوا تو میں نے اپنی مراد کی وضاحت کی۔

لہٰذا عبارت تبدیل کرنے کی کسی طرح بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ان الفاظ سے میری مراد حقیقتاً نافرمانی اور گناہ ہے اور اس سے ان جلیل القدر صحابہؓ کی تنقیص و توہین ہوتی ہے تو میری ہزار بار نہیں لاکھ بار توبہ ہے۔" (مشاجرات صحابہؓ اور راہِ اعتدال جلد اول ص ۲۸۴۔۲۸۶)

چونکہ قاضی صاحب نے اپنی "مراد" کی وضاحت خود ہی فرما دی ہے کہ ان توہین آمیز الفاظ سے ان کی مراد "صورتاً" نافرمانی اور گناہ ہے نہ کہ حقیقتاً۔ اس لیے نہ تو کسی طرح عبارت تبدیل

کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی ہزار یا لاکھ بار توبہ کرنے کی۔

اگر موصوف کی "مراد" پر بھی "اعتبار" کر کے اسے "صورتاً" نافرمانی اور گناہ قرار دے دیا جائے تو پھر بھی قاضی صاحب پر "توہین صحابہؓ" کا الزام ثابت ہو جائے گا کیونکہ توہین آمیز کلمات میں قائل کی "مراد" کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ عرف اور تبادر کا اعتبار ہوتا ہے۔ نیز صریح الدلالت الفاظ جو توہین و تنقیص اور بے ادبی و گستاخی پر دلالت کریں ان میں نہ تو کسی قسم کی توجیہ و تاویل کی ضرورت ہے اور نہ ہی "مرادِ متکلم" نہ ہونے والا کوئی عذر قابل قبول ہے۔

مولانا شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں کہ:

"یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے۔" (تقویۃ الایمان ص ۸۰۔ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

مولانا رشید احمد گنگوہی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

"یہ الفاظ قبیحہ بولنے والا اگرچہ معانی حقیقیہ مراد نہیں رکھتا معنی مجازی مقصود لیتا ہے مگر تاہم ایہام گستاخی واہانت واذیت ذات پاک حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں۔ یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ "راعنا" بولنے سے صحابہ کو منع فرمایا اور "انظرنا" کا لفظ عرض کرنا ارشاد کیا۔ حالانکہ مقصودِ صحابہ معاذاللہ ہرگز وہ معنی کہ یہود لیتے تھے، نہ تھے مگر ذریعہ شوخی یہود کا اور موہم اذیت و گستاخی جناب رسالت کا تھا لہٰذا حکم ہوا "لاتقولوا راعنا و قولوا انظرنا..." الخ۔

اور علیٰ ہذا، حضرات صحابہؓ کا پکار کر بولنا مجلس شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہرگز بوجہ اذیت و گستاخی معاذاللہ نہ تھا بلکہ حسب عادت وطبع تھا مگر چونکہ اذیت و بے اعتنائی شان والا کا اس میں ایہام تھا کہ یہ حکم ہوا:

یاایھاالذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیّ ولا تجھروا له بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون"

کیا صاف حکم ہے کہ اگرچہ تمہارا قصد گستاخی نہیں مگر اس فعل سے "حبط اعمال" تمہارے ہو جاویں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اور ایسا ہی حدیث میں "تکنی بکنیۃ ابوالقاسم" آپ کی حیات شریف میں منع ہو گئی تھی۔ بوجہ اذیت ذات سرورعالمؐ کے۔ کوئی کسی کو اگر پکارے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھ کر کہ مجھ کو ندا کرتا ہے التفات فرماویں گے۔ حالانکہ منادی ہرگز اذیت جناب سرور کائنات کا ارادہ نہ کرتا تھا۔

اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ اشعث بن قیس کندی جب آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کیا آپ ہم میں سے نہیں ہیں؟ اور یہ عرض والغیب عنداللہ بایں وجہ تھی کہ سب عرب از قریش تا کندہ بنو اسماعیل ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری ماؤں کو تہمت زنا مت لگاؤ اور ہمارے نسب کی نفی ہمارے باپوں سے مت کرو اور ہم اولا دنضر ہیں۔

دیکھو کہ اس لفظ میں لفظ ایہام بعید کو کس قدر نفی کر کے نہی فرمایا اور ادب کلام کا تلقین فرمایا۔

وعلیٰ ہذا "خبثت نفسی" کو منع فرمایا اور "لقست نفسی" کی اجازت دی کہ وہ بظاہر سخت لفظ ہے گو معنی ایک ہے۔

الحاصل ان الفاظ میں گستاخی اذیت ظاہرہ ہے پس ان الفاظ کو بکنا کفر ہوگا.....

پس ان کلمات کفر کو بکنے والے کو منع کرنا شدید چاہیے اور مقدور ہو تو اگر باز نہ آوے قتل کرنا چاہیے کہ موذی و گستاخ شان جناب کبریا و تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول امینؐ کا ہے۔

(تالیفات رشیدیہ ص ۶۸۷۔۶۸۸۔ تحت "لطائف رشیدیہ")

قاضی صاحب ایک طرف تو مولانا سندیلوی پر اتمام حجت کی خاطر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو نصوصِ قرآنیہ کا مخالف گردانتے ہوئے ان کے لیے "معصیت، نافرمانی اور گناہ" کے الفاظ استعمال کر کے ان سے "خطائے اجتہادی" مراد لیتے ہیں جب کہ دوسری طرف بڑے دھڑلے کے ساتھ فرماتے ہیں کہ:

"اگر میں گناہ اور نافرمانی وغیرہ کے الفاظ کی جگہ اجتہادی خطا کے الفاظ لکھتا تو حضرت علیؓ کی موعودہ خلافت راشدہ کا جو مقام ہے وہ محفوظ نہ رہ سکتا۔ کیونکہ اجتہادی خطا تو حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا کہ حضرت علیؓ کو معزول کرنا بھی حق کے دائرہ میں ہی تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت انعقاد خلافت راشدہ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی؟ گویا کہ موعودہ خلافت راشدہ کو مانو یا انکار کرو، خلفائے راشدین کی اتباع کرو یا مخالفت، معمولی بات ہے۔"

اس "وضاحت" میں تو قاضی صاحب نے صاف طور پر اپنی "مراد" واضح کر دی کہ اگر میں "خطائے اجتہادی" کے الفاظ استعمال کرتا تو قارئین ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو بھی "حق کے دائرے میں ہی شامل سمجھتے جس سے حضرت علیؓ کی خلافت راشدہ کا تحفظ نہیں ہو سکتا تھا اس لیے میں نے قارئین کو غلط فہمی سے نکالنے کے لیے" خطائے اجتہادی" کی جگہ "گناہ اور نافرمانی وغیرہ" کے الفاظ لکھے ہیں۔

ظاہر ہے کہ "گناہ اور نافرمانی وغیرہ" کے الفاظ حق کے دائرہ میں نہیں آتے تو پھر ان سے "خطائے اجتہادی" کیونکر مراد لی جا سکتی ہے؟

سخت تعجب ہے کہ قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مخلصین کرمین کو "نصوص قرآنیہ و حدیثیہ اور حکم الٰہی کا مخالف" گردانتے ہوئے "بغاوت، جور، قصور، گناہ، نافرمانی، معصیت، ازروئے نص قرآنی درحقیقت بالکل ناجائز جیسی متجاوز عن الحد اور موہم بلکہ موجب توہین و تنقیص" تعبیرات کو کبھی "صورتاً و الزاماً" کا نام دیتے ہیں اور کبھی ان سے خطائے اجتہادی مراد لے کر انہیں "یک گونہ اجر" بھی دلوا دیتے ہیں۔

قاضی صاحب کی تصانیف اور مضامین و مقالات کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطیاں ثابت کرنے اور دوسروں سے بھی زبردستی منوانے میں بڑا "لطف" آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو جہاں کہیں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جلالت قدر کی تنقیص کے لیے کوئی بات مل جاتی ہے تو وہ اس سے ضرور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

چنانچہ موصوف نے امام ابن تیمیہ کی ایک عبارت کی بناء پر تابعی حضرت عمر بن عبدالعزیز کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی پر "جزوی فضیلت" دے دی۔ امام ابن تیمیہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

جلیل القدر صحابی ہونے کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز پر یقیناً فضیلت حاصل ہے لیکن اس کے باوجود امام ابن تیمیہ یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے عدل اور زہد میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اس کو جزوی فضیلت کہتے ہیں۔ لیکن مولانا محمد اسحاق سندیلوی اتنے غالی ہیں کہ وہ خطائے اجتہادی کی نسبت بھی برداشت نہیں کرتے حالانکہ اہل سنت کے عقیدہ میں معصوم انبیاء کرام سے بھی زلّت (لغزش) کا صدور ہو جاتا ہے۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۰۰)

معلوم نہیں کہ قاضی صاحب نے کس "جذبے" کے تحت یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جزوی فضیلت اور انبیائے کرام سے صدور زلّت زیر بحث لا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کا تذکرہ فرمایا ہے؟ حالانکہ امام ابن تیمیہؒ نے یہاں صفیں "خطائے وصواب" سے متعلق کوئی ادنیٰ سا اشارہ تو درکنار الٹا حضرت عمر بن عبدالعزیز پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت کی ہے کہ بعض سلف سے منقول ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (جہاد میں) جو غبار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں پڑا ہے وہ بھی عمر بن عبدالعزیز کے عمل سے افضل ہے۔" (منہاج السنۃ جلد۳۔ص ۱۸۳)

قاضی مظہر حسین صاحب ایک تابعی کو ایک جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

پر ''جزوی'' فضیلت دے کر یقیناً ان کی تنقیص کے مرتکب ہوئے ہیں۔حضرت عمر بن عبدالعزیز خواہ کتنے ہی زاہد و عادل کیوں نہ ہوں لیکن وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زہد و عدل سے کسی طور پر بھی زیادہ نہیں ہو سکتے کیونکہ صحابیت اور تابعیت کی جنس ہی الگ ہے لہٰذا کسی تابعی کو کسی صحابی پر ''جزوی'' فضیلت نہیں دی جا سکتی۔حضرت عمر بن عبدالعزیز کو زہد و عدل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ باور کرانا سبائی پروپیگنڈا ہے۔افسوس کہ قاضی صاحب سبائیوں کا ''رد'' کرتے کرتے خود بھی سبائی سازش کا شکار ہو گئے۔

قاضی صاحب نے آیت ''فقاتلوا التی تبغی حتیٰ تفیٓء الی امر اللّٰہ'' کے تحت ''حقیقی باغی'' کا حکم بیان کیا ہے (خارجی فتنہ جلد اول ص ۴۶۷) پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اسی آیت کے تحت کھینچ کر لے آئے ہیں۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت علی المرتضیٰؓ نے خدا کی دی ہوئی خلافت موعودہ کے تحفظ کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کی دعوت دی لیکن جب انہوں نے بجائے اطاعت کے الٹا آپ کے معزول ہونے اور دوبارہ انتخاب ہونے کا مطالبہ کیا تو حضرت علیؓ نے قرآن کے حکم ''فقاتلوا التی تبغی'' پر عمل کیا یعنی امام وقت کے خلاف جو بغاوت کرنے والے ہیں ان سے رجوع الی الحق ہونے تک قتال کرو۔'' (خارجی فتنہ جلد اول ص ۵۶۰)

اس طرح جناب قاضی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''حقیقی باغی'' بنا دیا کیونکہ جب سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیت میں ''حقیقی باغی'' کا حکم مذکور ہوا تو آیت کے مطابق حضرت علیؓ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے قتال اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ ''حقیقی باغی'' ہوں۔

قاضی صاحب حضرات حکمینؓ (حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو ابن العاصؓ) کے فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''لیکن جب حکمین نے آپ کو معزول کر دیا تو چونکہ یہ فیصلہ آیت استخلاف کے خلاف تھا۔۔ حضرت علیؓ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا...... چونکہ حسب امر بصورت وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے...

یہ دونوں فیصلے آیت استخلاف کے خلاف ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو کوئی معزول نہیں کر سکتا اور نہ ہی حضرت علیؓ کی موعودہ خلافت کی موجودگی میں کسی دوسرے کو خلیفہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

...... کیونکہ حسب وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علی المرتضٰی کو خلیفہ مقرر کرنے کے بعد ان کو معزول کرنا اختلافی واجتہادی مسئلہ نہیں رہتا بلکہ ان کو معزول کرنا حکم خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے۔(خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۵۵، ۴۵۸)

''یہ دونوں فیصلے آیت استخلاف کے خلاف ہیں بلکہ ان کو معزول کرنا حکم خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے۔حضرت علیؓ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے۔''(دفاع حضرت معاویہؓ ص ۲۷)

موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''سندیلوی صاحب مثل خلفائے ثلاثہؓ کے حضرت علی المرتضٰیؓ کو بھی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق ہونا تسلیم کر چکے ہیں اب ان کے لیے یہ نظریہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے کہ حضرت علیؓ کو معزول کرنا اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ نص کے بعد اجتہاد کی گنجائش نہیں رہتی۔'' (دفاع حضرت معاویہؓ ص ۲۵)

یہاں تو قاضی صاحب نے ''نص کے بعد اجتہاد کی گنجائش ہی ختم کر دی ہے لیکن ایک دوسرے مقام پر ''گنجائش'' نکالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''لیکن نص قرآنی کے مقابلہ میں ان کی اجتہادی خطا ماننے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔''
(خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۹۰)

سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ حضرت علیؓ کو معزول کرنا گناہ، سخت نافرمانی اور حکم الٰہی کے خلاف تھا تو پھر حکمین کے فیصلے کو اجتہادی خطا کا نام کیوں کر دیا جا سکتا ہے؟

موصوف کی یہ عجیب تضاد بیانی ہے کہ وہ ایک طرف حضرت علیؓ کی خلافت کو ''قرآنی نص'' قرار دیتے ہوئے اس کے مقابلے میں اجتہاد کی گنجائش کا سرے سے انکار کرتے ہیں اور کبھی قرآنی نص کے مقابلے میں اجتہاد کو جائز تسلیم کر لیتے ہیں۔

پھر جوش میں آکر نہ صرف حکمین (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ) کو حدیث ''ضلّا و ضلّ من اتبعهما'' کی رو سے ''گمراہ'' قرار دیتے ہیں بلکہ ان کی پیروی کرنے والوں کو بھی اسی ''اعزاز'' سے نوازتے ہیں۔حالانکہ حکمین حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے نمائندے تھے اور ان کی پیروی بھی ان دونوں بزرگوں اور ان کے متبعین جملہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے کی۔بقول قاضی صاحب حکمین خود بھی گمراہ ہوئے اور ان کی پیروی کرنے والے بھی گمراہ ہوئے۔اس طرح صرف خوارج کا گروہ باقی رہ گیا ہے جسے ''ہدایت یافتہ''

کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس نے حکمین کی پیروی نہیں کی تھی۔

حضرت قاضی صاحب کی کتاب خارجی فتنہ حصہ اول ۱۹۸۲ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر آئی ہے۔حالانکہ اس سے پہلے موصوف نے ۱۹۷۶ء میں مولانا مودودی کی تائید میں لکھی جانے والی کتاب "مولانا مودودی پر اعتراضات کا علمی جائزہ" مؤلفہ مفتی محمد یوسف (مدرس جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک) کے جواب میں "مفتی محمد یوسف صاحب کے علمی جائزہ کا علمی محاسبہ" کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی ہے۔جس میں حضرات حکمین اور حضرت علیؓ کی معزولی سے متعلق خارجی فتنے والا "انداز" نہیں پایا جاتا۔چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

"خود حضرت علیؓ کے طرز عمل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باغی ہونے کا وہی حکم تھا جو مجتہد خطا کرنے والے کا ہوتا ہے۔کیونکہ آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فریقین کی طرف سے ایک ایک حَکَم (ثالث) مقرر کرنے کی تجویز قبول کر لی تھی جس کی بناء پر حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ ثالث مقرر کیے گئے تھے۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس معنی میں باغی ہوتے جس معنی میں مودودی گروہ منوانا چاہتا ہے یعنی بالکل باطل پر ہوتے تو حضرت علیؓ کے لیے حکمین کی تجویز قبول کرنا جائز تھا...

لیکن حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مساوی درجہ دے کر اپنا معاملہ ثالثوں کے سپرد کر دیا اور لطف یہ ہے کہ ہر دو ثالثوں نے اپنے فیصلہ میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر دیا تھا۔حالانکہ اگر حضرت علیؓ کو قطعاً حق پر سمجھا جاتا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باطل پر تو پھر خلیفہ حق کو معزول کرنا کیونکر جائز ہو سکتا تھا؟ اور یہ سوائے مودودی صاحب کے اور دشمنان صحابہ کے کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ صحابہ کے دونوں گروہوں نے اپنے میں سے جن دو جلیل القدر صحابہ یعنی ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ کو حَکَم تسلیم کیا تھا وہ احکام شریعت کو نہیں سمجھتے تھے یا دیدہ و دانستہ انہوں نے شریعت کی مخالفت کی۔

پس ثالثوں کے تقرر سے ثابت ہو گیا کہ حضرت معاویہؓ کا حضرت علیؓ سے اختلاف و نزاع حجت شرعی کی بناء پر اجتہادی تھا اور گو اس اجتہاد میں حضرت معاویہؓ سے خطا ہوئی مگر اس پر بھی حسب ارشاد نبوی آپ کو ایک اجر مل جائے گا خواہ مودودی صاحبان اس کو مانیں یا نہ مانیں۔واللّٰہ الہادی۔" (علمی محاسبہ ص ۱۴۱۔۱۴۲)

علمی محاسبہ کے مذکورہ اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ خارجی فتنہ کی تالیف کے دوران میں موصوف

کا نکتۂ نظر تبدیل ہو گیا تھا۔ اسی لیے حکمینؓ کے فیصلہ کو حکم الٰہی اور قرآن کے خلاف قرار دیتے ہوئے کہا کہ:

اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ حضرت علیؓ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی، گناہ اور ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ حکمین ضال اور مضل تھے (العیاذ باللہ)

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ حضرت علیؓ کے ہم عصر اور مجتہد تھے، انہیں ان سے اختلاف کرنے کا حق حاصل تھا اور انہیں عزل ونصب کا بھی اختیار تھا جب کہ بعد کے حضرات کو ان میں سے کوئی چیز بھی حاصل نہیں ہے۔ حضرات حکمینؓ جلیل القدر صحابہؓ تھے، وہ آیت استخلاف و آیت تمکین کے مصادیق اور احکام شریعت سے یقیناً بعد کے علمائے امت سے زیادہ آگاہ تھے لہٰذا ان کے فیصلے کو سخت نافرمانی، گناہ اور ناجائز کہنا نیز انہیں ضال اور مضل کہنا اور انہیں قرآن کا مخالف بتانا "یقیناً سخت نافرمانی، سراسر ناجائز، گناہ اور صحابہ کرامؓ کی شدید ترین توہین ہے۔"

حضرت قاضی صاحب خود بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ:

"یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرامؓ آپس میں اس قسم کے اختلاف کا حق رکھتے تھے لیکن یہ اس بناء پر تھا کہ اس وقت تو قطعی طور پر معلوم نہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ ہی قرآن کے خلیفہ راشد ہیں۔

فرمایئے! اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت یہ یقین ہو جاتا تو کیا پھر بھی وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے معزول ہونے کا مطالبہ کر سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ وہ معذور تھے۔" (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۲۲)

"البتہ حضرت معاویہؓ ہوں یا حکمین یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ یا دوسرے صحابہؓ ان کے لیے یہ اجتہادی مسئلہ تھا کیونکہ اس وقت یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق حضرت علی المرتضیٰ ہیں۔" (دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۴۵)

سوال یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرات حکمینؓ میں سے کسی کو بھی یہ معلوم تک نہ تھا کہ حضرت علیؓ آیت استخلاف اور آیت تمکین کے مصداق ہیں تو پھر انہیں ضال اور مضل، سخت نافرمان، گناہ گار اور حکم الٰہی اور قرآن کا مخالف کیوں قرار دیا گیا؟

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نص قرآنی کا مخالف، باغی، خاطی اور ان کے موقف کو غلط کہہ کر ان کی شدید ترین توہین وتنقیص کیوں کی گئی؟

قاضی صاحب اور جناب مودودی صاحب میں کیا فرق باقی رہ گیا ہے؟ مودودی صاحب بھی تو قاضی صاحب کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف صحابیت اور ان کے محامد و مناقب کے قائل تھے جس پر گرفت کرتے ہوئے قاضی صاحب نے لکھا تھا کہ:

"خدا جانے مودودی صاحب کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے محامد و مناقب ماننے کی کیا

ضرورت پیش آئی ہے؟ کوئی ان سے پوچھے کہ جن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ انہوں نے سیاسی اغراض کے لیے کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی اور زیاد جیسے فوجی لیڈر کو اپنا بھائی بنانے کے لیے نعوذباللہ اپنے والد ماجد کی زنا کاری کو ثابت کیا اور حضرت علیؓ پر خطبۂ جمعہ میں منبر رسولؐ پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتے رہے وغیرہ۔ تو اب شرف صحابیت کے احترام کا کیا مطلب؟ اور وہ صاحب محامد ومناقب اور دنیا میں اسلام کے غلبے کا دائرہ وسیع کرنے والے کیسے بن گئے؟ کیا یہ تقیہ بازی کی بدترین مثال نہیں ہے؟" (مودودی مذہب ص ۸۳)

اگر اسی طرح کا "ہدیہ" جناب قاضی صاحب کی نذر کردیا جائے تو کیا اسے توہین تو نہیں سمجھا جائے گا؟

کوئی پوچھے کہ جن حکمینؓ کے متعلق آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ ان کے فیصلے آیت استخلاف کے خلاف ہیں، ان کا فیصلہ حکم خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے، حکمینؓ کا انہیں معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا، انہوں نے یقیناً سخت نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے، وہ گمراہ ہوئے اور ان کی پیروی کرنے والے بھی یقیناً گمراہ ہوئے تو اب شرف صحابیت کا کیا مطلب؟ اور وہ صاحب بقول آپ کے فاتح مصر اور محسن امت کیسے بن گئے؟ ایک خاطی، باغی، محارب علیؓ اور مخالف قرآن کو "ہادی ومہدی" کیونکر کہا جا سکتا ہے؟ کیا یہ سب تقیہ بازی کی بدترین مثال نہیں ہے؟

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب کے موقف پر ابن امیر شریعت قاطع رافضیت وقادیانیت، پیکر حمیت سید عطاء المحسن شاہ بخاری کا حسب ذیل اقتباس ہدیۂ قارئین کردیا جائے:

"میری یہ قلمی جنگ تو صحابہ کے لیے ہے۔ مظہر حسین صاحب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا مغیرہ ابن شعبہؓ، سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور تمام معاونین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو درج ذیل تمغوں سے نوازا ہے اور آں جناب کو اس پر اپنے حق پر ہونے کا دعویٰ بھی ہے، میں نے اس پر گرفت کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ........ ۱۔ باغی تھے ۲۔ خطا کار تھے ۳۔ کم علم تھے ۴۔ قرآنی نصوص ان کے پیش نظر نہ تھیں ۵۔ ان کا اجتہاد غلط تھا ۶۔ حضرت علیؓ کو معزول کرنے والے گناہ گار تھے۔ ۷۔ یقیناً سخت نافرمان تھے۔ ۸۔ باطل پر تھے۔ ۹۔ ظالم بادشاہ تھے۔ ۱۰۔ فاسق تھے (دفاع معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۲۲ سے ص ۵۴ تک یہ مظہرات حسینی بکھرے ہوئے ہیں)

میں پوچھتا ہوں اگر یہ حق ہے تو پھر باطل کیا ہے؟ ان گالیوں کے بعد جناب مظہر حسین کو اگر کسی برے لفظ سے نہ بھی یاد کیا جائے بلکہ یہی ہفوات ان کے نام منتقل کردی جائیں تو ناراضی

کیسی؟ میں کہتا ہوں اگر مظہر حسین صاحب کے اس غلیظ اور بدبودار مسلک کا "رافضہ غلیظ" ماضی میں بھی کہیں پایا جاتا ہے اور انہوں نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے معاونین کو ان ہی گندے الفاظ سے یاد کیا ہے تو میں بلا جھجک لکھتا ہوں جناب مظہر حسین، ان کے تمام چیلے اور ماضی کے وہ تمام لوگ جنہوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کو مذکورہ بالا دشنام دی ہیں میرے نزدیک... باغی، فاسق، ظالم، گناہ گار، بدترین نافرمان، بےعلم، خطاکار، قرآن ناشناس ہیں۔

جب تک مظہر حسین صاحب اور ان کے چیلے معافی نہیں مانگتے، اس مسلک مردود سے تائب نہیں ہوتے میں ان تمام لوگوں کو ان ہی "اسماء صفات" سے پکارتا رہوں گا۔ اگر صحابہؓ کو ان گندے لفظوں کا مستحق سمجھا جا سکتا ہے تو انہیں کیوں ان صفات رذیلہ کا اہل نہ سمجھا جائے۔ صحابہؓ کو برا کہنے کے باوجود یہ اہل حق ہیں تو میں اور میرا حلقہ ان عجمیوں کو برا کہنے سے کیونکر اہل سنت سے خارج ہو جائیں گے؟ (ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ص ۹۔ جون ۱۹۹۰ء)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں قاضی صاحب کے سراسر توہین وتنقیص پرمبنی مذکورہ کلمات کو "إذا ذكر أصحابي فأمسكوا، إياكم وما شجر بين أصحابي، أكرموا أصحابي، ذکر بالخیر اور کف لسان" کے حکم کی تعمیل ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی ان کلمات سے "خطائے اجتہادی" مراد لی جا سکتی ہے۔

اگر بفرضِ محال ان کلمات سے خطائے اجتہادی مراد لینے کی کوئی صورت نکل بھی سکتی ہو تو پھر بھی ان کے "طرز استدلال" اور "جارحانہ انداز" سے توہین وتنقیص محض "جھکتی ہی نہیں بلکہ چھلکتی بھی ہے۔ "جارحانہ انداز" کے علاوہ موصوف نے مشاجرات صحابہ کے بارے میں "شرعی حکم" سے واضح طور پر تجاوز کرتے ہوئے بلا مبالغہ سینکڑوں مرتبہ نہایت ہی "دھڑلے" اور پورے "تیقن" کے ساتھ موقع بےموقع اور محل بےمحل، بہ تکرار و بکثرت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کی تصریح کی ہے۔ "حق چاریار" کے بےشمار شماروں کے علاوہ "عقیدہ خلافت راشدہ اور امامت، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ، دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، خارجی فتنہ جلد اول ودوم، کشفِ خارجیت اور سبائی فتنہ پر ایک نظر جیسی کتب اور مضامین اس کا واضح ثبوت ہیں۔

اہل سنت کے نزدیک اصول یہ ہے کہ ہر مجتہد کے اجتہاد میں "خطا وصواب" دونوں کا احتمال ہوتا ہے یعنی "صواب محتمل الخطا" اور "خطا محتمل الصواب"۔ لہٰذا کسی مجتہد کی طرف قطعی اور یقینی طور پر خطا وصواب کی نسبت نہیں کی جا سکتی۔ خود قاضی صاحب بھی اپنی کتاب میں یہی اصول بحوالہ قرطبی، ابن حزم، ابن حجر مکی اور شاہ ولی اللہ لکھ چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو خارجی فتنہ جلد اول ص ۲۹۶، ۳۰۱

۴۷۶۔ بلکہ موصوف نے تو حضرت علیؓ کا نام لے کر یہ اقرار کیا ہے کہ:

''جو حضرات علی المرتضیٰؓ کو حق وصواب پر قرار دیتے ہیں وہ بھی ظن غالب کی بناء پر نہ کہ قطعیت کی وجہ سے۔'' (خارجی فتنہ جلد اول ص ۳۰۲)

جب کہ قاضی صاحب کے والدگرامی جناب قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ تو مشاجرات میں حضرت علیؓ کی طرف ''خطائے اجتہادی'' کی نسبت کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ یہ جنگ وجدل طرفین کی کسی بدنیتی پر مبنی نہ تھا بلکہ ہر دو فریق کی اجتہادی غلطی تھی۔ حضرت عائشہؓ اور ان کے طرف دار حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے کے لیے ان کے قاتلین کو امیر علیہ السلام سے مانگتے تھے۔ جناب امیر علیہ السلام ان کے شر وفساد کے اندیشہ سے ان کو حوالہ نہ کر سکے۔ دوسری طرف سے سمجھا گیا کہ قتل عثمانؓ میں آپ کا بھی کچھ ہاتھ ہوگا حالانکہ امیر علیہ السلام اس الزام سے پاک تھے جس کا اظہار بار بار آپ بذریعہ خطوط وخطبات کرتے رہے۔

اسی طرح جناب امیر علیہ السلام اور ان کے معاونین نے خیال کیا کہ دوسرا فریق خلیفہ سے باغی ہو کر جنگ کرنا چاہتا ہے۔ طرفین میں معرکہ کی جنگ ہوئی۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ آخر کار صلح وصفائی ہوئی۔ حضرت عائشہؓ اپنے کیے پر پشیمان ہوئیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے ان کو بڑی عزت وتکریم سے گھر پہنچایا اور دلی صفائی ہو گئی۔ اب اس بات پر طعن کرنا خود مورد طعن بننا ہے۔ اعتراض ہر دو فریق پر یکساں عائد ہوتا ہے، فماھو جوابکم فھو جوابنا.....

شیعہ صاحبان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت کوستے ہیں کیونکہ انہوں نے جناب امیر علیہ السلام سے جنگ کی۔ اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ یہ ناگوار واقعہ طرفین کی اجتہادی رائے کی وجہ سے ہوا وہ باہم جدی بھائی تھے اصحاب رسولؐ تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے بھی تھے۔ آپ کی شان میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ پھر اس ایک واقعہ سے جس کا خاتمہ صلح پر ہوا، آپ کو برا کہنا اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرنا ہے۔ بھائیوں کے درمیان تنازعات ہوا کرتے ہیں اور صلح صفائی بھی ہو جاتی ہے لیکن ایک اجنبی شخص کا حق نہیں ہے کہ اس تنازعہ کی وجہ سے ایک کو برا کہے۔'' (آفتاب ہدایت ردّ رفض وبدعت ص ۳۹۵۔۳۹۷)

موصوف نے یہاں واضح طور پر اقرار فرمایا ہے کہ جنگ جمل، فریقین (یعنی حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور دیگر جنگ میں شریک صحابہ) کی اجتہادی غلطی تھی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف حضرت عائشہؓ کے موقف سے کوئی مختلف تو نہ تھا کہ ان

پر سبائی ہتھیاروں سے لیس ہو کر اور بالکل یک طرفہ طور پر "یلغار" کر دی گئی جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اصحاب جمل اور اصحاب صفین دونوں نے "قصاص عثمانؓ" کے مسئلہ پر حضرت علیؓ سے جنگ کی جس میں دونوں طرف سے بہت سے مسلمان شہید ہوئے، ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرایا گیا۔ جمل و صفین دونوں جنگیں صلح وصفائی پر ختم ہوئیں۔ دونوں فریق اپنے کیے پر نادم ہوئے۔ جنگ جمل تو بقول مولانا کرم الدین صاحب "ہر دو فریق کی اجتہادی غلطی تھی.... اب اس پر طعن کرنا خود مورد طعن بننا ہے۔ اعتراض ہر دو فریق پر یکساں طور پر عائد ہوتا ہے۔"

راقم الحروف "عرض مؤلف" کے تحت اہل سنت کا یہ اصول لکھ چکا ہے کہ بوقت ضرورت شدیدہ صحابہ کرامؓ کی طرف "خطائے اجتہادی" کی نسبت بطور "مَخلَص" کی جا سکتی ہے۔ یعنی بہتر تو یہی ہے کہ مشاجرات صحابہ کے مسئلہ میں "توقف، سکوت، امساک اور کف لسان" کے حکم پر عمل کیا جائے لیکن اگر کسی وقت "شرعی وشدید" ضرورت کی وجہ سے یہ موضوع زیر بحث آ ہی جائے تو اجتہادی خطا وصواب سے زیادہ کوئی لفظ ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

مگر اس کے برعکس قاضی صاحب کی تصنیفات وتالیفات اور مضامین ومقالات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں صحابہ میں سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "خطائے اجتہادی" کو بیان کرنا بلکہ "ثابت" کرنا موصوف کا وظیفۂ حیات تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں موصوف کو بالفرض کوئی "شرعی وشدید" ضرورت پیش آ بھی گئی تھی تو کیا ایک دو بار کے ذکر سے ان کی یہ "ضرورت" پوری نہیں ہو سکتی تھی؟ کیا اس کے لیے "خطی" کی گردان (اور وہ بھی بطور وظیفہ) پڑھنا بھی ضرور تھی؟

مگر صد افسوس کہ قاضی صاحب نے موقع بے موقع اور محل وبے محل سینکڑوں مرتبہ پورے تیقن اور تحدی کے ساتھ گستاخانہ انداز بیان اور توہین آمیز لب ولہجہ اختیار کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطائے اجتہادی کا "مرتکب" قرار دے دیا جو یقیناً ایک جلیل القدر صحابی کی توہین در توہین ہے۔

اس لب ولہجہ، انداز اور تکرار میں اگر صرف "خطائے اجتہادی" کے الفاظ ہی استعمال کیے جاتے تو بھی یقیناً وہ توہین وتنقیص ہی کے زمرے میں شمار ہوتے لیکن موصوف نے "خطائے اجتہادی" کے علاوہ بھی ایسے انتہائی نامناسب الفاظ استعمال کیے ہیں جو صراحتاً توہین ہی پر مبنی ہیں۔

قاضی صاحب نے اپنی کتب خارجی فتنہ، دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کشف خارجیت اور اپنے مضامین میں اصحاب صفین بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "باغی، جائر وخاطی" بنانے اور ثابت کرنے کے علاوہ ان کے اقدام کو "ناجائز، سخت گناہ

اور نافرمانی ''باور کرانے میں ہی اپنی ساری توانائی صرف کرڈالی جسے یقیناً صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع اور توہین و تنقیص کا نام ہی دیا جا سکتا ہے۔

اور جب ان کی خدمت میں رجوع اور اصلاح کی درخواست کی جاتی ہے تو ان کے غالی معتقدین یہ دہائی دینا شروع کر دیتے ہیں کہ:

''جب ان کے سامنے حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق خطائے اجتہادی جیسا علمی اور با وقار جملہ آتا ہے تو وہ اس کو خطا کار قرار دے کر اتنا شور مچاتے ہیں کہ بسا اوقات ان کی آواز ہزارہ سے ملتان جا ٹکراتی ہے۔'' (حق چار یار ص ۲۳ ۔ دسمبر ۲۰۱۱ء)

قاضی صاحب صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین ہی کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ اور ان کے متبعین کو حدیث ''ضلا وضل من اتبعهما'' کا مصداق قرار دینے کے علاوہ انہیں گناہ، یقیناً سخت نافرمانی، قرآن وحدیث کی مخالفت اور اللہ ورسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب بھی گردانا ہے۔

موصوف کو توہین صحابہ پر مبنی مذکورہ روایت کی صحت پر کامل یقین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی مخالفت کو خاطر میں لائے بغیر آخر وقت تک اس غلط موقف پر ڈٹے رہے اور وقتاً فوقتاً اس روایت کو تحریر میں بھی لاتے رہے۔ یہ روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حکمین کے ''تخطیہ'' پر قاضی صاحب کی ایک ''مضبوط'' دلیل تھی اس لیے وہ معترضین کو یہ کہہ کر خاموش کراتے رہے کہ:

''یہ ساری عبارت میں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی پیش کی تھی جس میں انہوں نے ایک حدیث نبوی کی تشریح فرمائی ہے لیکن مؤلف ''اصل حقیقت'' نے یہ بددیانتی کی کہ نہ حضرت شاہ ولی اللہ کا نام لیا اور نہ ان کی عبارت کا اور 'ضلا واضلا' کے الفاظ کی نسبت میری طرف کر دی تا کہ ناواقف قارئین یہ سمجھیں کہ چکوالی نے حضرات حکمین کے لیے 'ضلا واضلا' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

حالانکہ یہ حدیث شریف کے الفاظ تھے اور اس حدیث سے استدلال کرنے والے حضرت شاہ ولی اللہ محدث ہیں۔ اگر مؤلف کا اعتراض ہے تو دراصل حدیث پر ہے اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی پر اس کے بعد میری باری آتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے ضلا واضلا کی مراد بھی واضح کر دی ہے کہ ان ثالثوں سے اجتہادی غلطی سرزد ہوگی تو اب اعتراض کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟'' (کشف خارجیت ص ۴۴۵ ۔ ۴۴۶)

موصوف نے یہی موقف اپنی دوسری کتب میں ''حکمین خطا کریں گے'' کا باقاعدہ عنوان قائم کر کے پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو خارجی فتنہ جلد اول ۴۵۶ ۔ ۴۵۷ / ''مولوی مہر حسین شاہ بخاری

کی کھلی چٹھی کا جواب بنام دفاع "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "ص۲۴/ "موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ ص ۱۵، ۶۵۔

قاضی صاحب نے حدیث "ضلّا و ضلّ من اتبعهما" کو بحوالہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صحیح سمجھ کر ہی اپنی مختلف کتابوں میں نقل کیا ہے: لہٰذا اس توجیہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ عبارت ان کی اپنی نہیں ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فخر اہل سنت حضرت مولانا قاضی محمد شمس الدینؒ کی حسب ذیل تحقیق ہدیۂ قارئین کر دی جائے:

۱۔ بیہقی، خود ایرانی الاصل ہیں ۲۔ یہ حاکم ایران کے شاگرد ہیں اور ایرانی حاکم شیعہ تھے ۳۔ خود قاضی مظہر صاحب نے "بشارت الدارین" (ص ۵۹) میں بیہقی کو غیر معتبر کتب میں تسلیم کیا ہے ۴۔ امام ابن کثیر نے ہی لکھا ہے کہ بیہقی بہت بڑے جھوٹے راویوں (کذابین) اور بہت بڑے بڑے جھوٹی روایتیں گھڑنے والوں (وضاعین) کی روایتیں نقل کر لیتا ہے (ابن کثیر ص ۲۵۲ جلد ۵) ۵۔ اسی مذکورہ بالا حدیث (ضلّا و ضلّ من اتبعهما) کے متعلق ابن کثیر نے لکھا ہے کہ: فانّه حديث منكر ورفعه موضوع "یہ حدیث منکر ہے اور اس کی حضور علیہ السلام کی طرف نسبت موضوع ہے۔ (ابن کثیر ص ۲۸۴۔ جلد ۷) ۶۔ پھر امام ابن کثیر نے اس روایت کے موضوع ہونے کا قرینہ لکھا ہے کہ اس حدیث کی روایت خود حضرت علیؓ سے ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

اذ لو كان هذا معلوما عنده لما وافق تحكيم الحكمين حتىٰ لا يكون سبباً لا ضلال النّاس كما نطق به هذا الحديث وراوى هذا الحديث هو زكريا بن يحيىٰ الكندى الحميرى الأعمى قال ابن معين ليس بشيء۔

"اور اگر یہ حدیث حضرت علیؓ کو معلوم ہوتی تو وہ حکمین کے فیصلے سے موافقت نہ کرتے (جب کہ انہوں نے تحکیم کا فیصلہ تسلیم کر لیا تھا) تاکہ لوگوں کی گمراہی کا سبب یہ حدیث نہ بنتی جیسا کہ اس حدیث کا منطوق (بیان) ہے۔ اور اس حدیث کے منکر اور موضوع ہونے کا باعث زکریا بن یحییٰ الکندی الحمیری اندھا ہے۔ ابن معین نے کہا ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے (تاریخ ابن کثیر جلد ۷ ص ۲۸۴)۔

اس سے قبل ابن کثیر ص ۲۱۵۔۲۱۶ (جلد ۶) پر لکھتے ہیں..... بیہقی نے یہ حدیث ایسے ہی بیان کی ہے اور ایک ذرہ بھی اس پر تنقید نہیں کی جب کہ یہ حدیث منکر ہے اور اس کی آفت (باعث) وہی زکریا بن یحییٰ ہے اور وہ کندی حمیری اندھا ہے اور ابن معین نے اس کے متعلق کہا ہے کہ وہ (زکریا) کچھ بھی نہیں ہے۔ اور وہ دونوں حکمین بہترین صحابہ میں سے تھے۔ حضرت عمرو بن عاص السہمی اہل شام کی طرف سے حکم نامزد ہوئے تھے اور دوسرے ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری اہل عراق کی طرف

سے حَکَم نامزد ہوئے تھے۔ان دونوں کو اس لیے حَکَم بنایا گیا تھا کہ وہ فریقین کے درمیان صلح کراویں اور کسی ایسی بات پر متفق ہو جائیں جس سے جانبین میں نرمی پیدا ہو اور مسلمانوں میں خون ریزی بند ہو جائے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا (کہ خون ریزی بند ہو گئی) اور اس تحکیم کی وجہ سے سوائے خارجی فرقہ کے کوئی ایک بھی گمراہ نہ ہوا۔چنانچہ صرف خارجیوں نے اس تحکیم کو رد کر دیا اور حَکَمین (کو تسلیم کرنے) سے انکار کیا۔ان کو (حکمین کو ماننے والوں کو) کافر قرار دے دیا اور ان کے مقابلے میں نکل آئے۔حضرت ابن عباسؓ نے ان کے ساتھ مناظرہ کیا۔بالآخر حضرت علیؓ نے ان سے جنگ کی۔۸۔امام بیہقی کی "سنن کبریٰ" کی تنقید میں امام علاءالدین ابن الترکمانی نے ۷۵۰ھ میں ایک ضخیم کتاب "الجوھر النقیٰ فی الرد علی البیھقی" لکھی۔پھر امام قاسم بن قطلو بغا حنفی نے ۸۷۹ھ میں اس کتاب کی تلخیص کی۔(بحوالہ ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ص ۳۰۔جون ۱۹۹۰ء)

قاضی شمس الدین صاحب ایک دوسرے مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر اور موضوع ہے۔بیہقی خود ایرانی ہیں اور حاکم نیشاپوری کے شاگرد ہیں اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حاکم شیعہ تھے اور ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ بیہقی کذابین اور وضاعین یعنی بہت بڑے جھوٹوں اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں سے حدیثیں نقل کر لیتے ہیں۔

اور خود آپ نے بھی بشارت الدارین ص ۵۹ پر بیہقی کو غیر معتبر کتابوں میں گنوایا ہے تو اگر صحت اجازت دے تو ابن کثیر ص ۲۱۵۔۲۱۶ جلد ۶۔اور ۲۸۲ جلد ۷ دیکھ لیں اور اس وضوحِ حق کے بعد جناب ان عبارتوں سے رجوع فرما کر ان دونوں حکمین صحابہؓ کی روح سے معافی طلب کریں۔" (ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ص ۴۱۔اگست ۱۹۹۱ء زیر عنوان "قاضی مظہر چکوالی اور سبائی ٹولہ" بسلسلہ چکوالی فتنہ)

شخصیت پرستی کا ناس ہو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرات حکمین (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ) کے متعلق مذکورہ بالا توہین آمیز کلمات پڑھنے اور ملاحظہ کرنے کے باوجود قاضی صاحب کے اندھے معتقد یہ چیلنج دیتے ہیں کہ "معترضین پانچ بار بھی جنم لے کر آتے رہیں تو ایک سطر نہیں دکھا سکتے" (ماہنامہ حق چار یار ص ۲۱۔مئی ۲۰۱۳ء)

قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کا تعلق مہاجرین و انصار کے بعد تیسرے طبقہ کے ساتھ ہے لہٰذا ان کے لیے رضائے الٰہی مہاجرین و انصار کی خوش اسلوبی کے ساتھ پیروی کرنے کے ساتھ مشروط ہے۔ان پر از روئے نص قرآنی حضرت علیؓ (یکے از خلفائے راشدین وسابقین اولین من المہاجرین) کی پیروی لازمی تھی لیکن انہوں نے پیروی و اطاعت کے بجائے نہ صرف مخالفت کی بلکہ قتال بھی کیا۔خواہ دفاعی ہی کیوں نہ ہو تو اس صورت میں کون ان کے موقف کو صحیح کہہ سکتا ہے؟

جب کہ خود قاضی صاحب نے ''دفاعی اقدام'' کے طور پر ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور ان کے استاذ مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے ان کے ''موقف کو صحیح'' سمجھتے ہوئے انہیں مقتول کے ورثاء سے معافی مانگنے سے روک دیا تھا۔

قاضی صاحب تو حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ کی عدم پیروی اور عدم اطاعت کی وجہ سے رضائے الٰہی کے ''اعزاز'' سے محروم کر رہے ہیں جب کہ ان کے مرید غیر مشروط طور پر رضائے الٰہی کو خود قاضی صاحب کے لیے تسلیم کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو ماہنامہ حق چاریار نومبر ۲۰۱۲ء ص ۲۵۔ سطر ۱۳۔ یہاں علامت رضی ''ؓ'' پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ''قاضی مظہر حسین رضی اللہ عنہ'' لکھا گیا۔

جہاں تک قاضی صاحب کا حضرات حکمین اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کی روح سے ''معافی'' مانگنے کا تعلق ہے تو جس طرح موصوف کو بسلسلۂ قتل، اسارت کے دوران مقتول کے ورثاء سے معافی مانگنے کا احساس تھا مگر بعد میں استاذ کے مشورہ سے اپنا ارادہ ترک کر دیا تھا اسی طرح اپنی کتاب خارجی فتنہ جلد اول (مطبوعہ ۱۹۸۳ء) میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف محاکمانہ و جارحانہ اور توہین آمیز رویہ اختیار کرنے کی وجہ سے دل میں کچھ کچھ ''خلش و کھٹک'' محسوس فرما رہے تھے لیکن حسب ذیل ''خواب'' کی وجہ سے اپنے توہین آمیز کلمات پر ''مطمئن'' ہو گئے۔ چنانچہ حضرت قاضی صاحب زیر عنوان

**''خواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیارت''** فرماتے ہیں کہ:

''گذشتہ سال ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ (۱۹۸۳ء) میں بندہ کو بفضلہ تعالیٰ چوتھی مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضہ مقدسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ منیٰ میں شب جمعہ ۹۔ ذی الحجہ نماز عشاء پڑھ کر جلدی سو گیا تو خواب میں حضرت امیر معاویہؓ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے بندہ ناکارہ سے معانقہ فرمایا۔ اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ حضرت بندہ نے کتاب ''خارجی فتنہ'' لکھی ہے اگر اس میں آپ کے متعلق کوئی تنقیص یا توہین پائی جاتی ہے تو معاف فرمائیں۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ باوقار اور سفید نورانی تھا اور بندہ کی معافی کی درخواست پر آپ کے چہرہ پر کوئی ملال ظاہر نہیں ہوا بلکہ حسب سابق شفقت کی نگاہ تھی۔

خواب گو شرعی حجت نہیں ہے لیکن حسب ارشاد رسالت اچھے خواب مبشرات میں سے ہوتے ہیں۔ شرعی دلائل کی بناء پر بندہ اپنی کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اول'' سے مطمئن ہے۔ علمائے اہل سنت والجماعت نے اصل مسئلہ مشاجرات صحابہ میں اس کی تائید و تصویب بھی کر دی ہے۔ البتہ منیٰ کے مقدس مقام میں ایام حج کے دوران حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیارت و معانقہ بندہ کے لیے ایک بڑی

سعادت ہے جس سے مزید اطمینان نصیب ہوگیا ہے۔"(دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص۱۸۶۔۱۸۷۔طبع ۱۹۸۴ء ، کشف خارجیت ص۵۵۷۔ ۵۵۸ طبع ۱۹۸۵ء ، ماہنامہ حق چاریار ص۱۵۔مارچ ۱۹۹۲ء، تکبیر مسلسل ستمبر ۲۰۱۳ء ص ا۔مرتبہ حافظ زاہد حسین رشیدی تحت 'صراطِ مستقیم راہِ حق کی نشاندہی، مشاجرات صحابہؓ اور راہِ اعتدال جلد دوم ص ۳۹۔سن اشاعت نومبر ۲۰۱۳ء)

گویا یہ "خواب" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قاضی صاحب کے لیے ایک "سند" کی حیثیت رکھتا ہے جسے وہ نہ صرف اپنی وفات (۲۰۰۴ء) تک اپنی "صفائی" میں پیش فرماتے رہے بلکہ ان کے "خدام" اسے "تکبیر مسلسل" سمجھتے ہوئے بعد از وفات بھی منظرِ عام پر لاتے رہے۔

قاضی صاحب چونکہ اپنی کتاب "خارجی فتنہ" جلد اول میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں توہین آمیز مواد شامل کرنے پر اپنے "شرعی دلائل" اور علماء اہل سنت کے "تائیدی تبصروں" کی وجہ سے مطمئن تھے اس لیے انہوں نے اپنا "سفر" جاری رکھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو موقف پیش فرما چکے تھے بعد میں اس کا اپنی دیگر کتب اور ترجمان رسالہ ماہنامہ حق چاریار میں نہ صرف اظہار کرتے رہے بلکہ اسے اہل سنت (مسلک دیوبند) میں داخلے کی لازمی شرط بھی قرار دیتے رہے۔موصوف کے اس "مشن" پر ان کی قائم کردہ تنظیم "خدام اہل سنت" بھی سختی کے ساتھ قائم ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس نے خارجی فتنہ کی طباعت اول (۱۹۸۳ء) کے تیس سال بعد ۲۰۱۲ء میں اس کی جدید طباعت کی "سعادت" حاصل کی۔ماہنامہ "حق چاریار" میں اس پر تبصرہ کے لیے

## "خارجی فتنہ کی جدید اشاعت۔یزیدی حلقوں میں فکری تھرتھلی"

کی جلی سرخی قائم کی گئی۔ملاحظہ ہو ماہنامہ حق چاریار ص ۲۷۔جنوری ۲۰۱۲ء۔

"خارجی فتنہ کی اول یا جدید اشاعت سے "یزیدی حلقوں میں فکری تھرتھلی" سے متعلق خود مبصر ہی زیادہ بہتر جانتے ہوں گے البتہ اس بات میں شک کی ذرہ برابر بھی کوئی گنجائش نہیں کہ "خارجی فتنہ" کی قدیم وجدید اشاعت سے "سبائی حلقوں" میں گھی کے چراغ ضرور جلائے گئے۔

قاضی صاحب کی کتب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین پر مبنی عبارات کے ساتھ اختلاف رکھنے والے بعض علماء کو انہوں نے "ممماتی اور پتھری" کہہ کر "اہل سنت" سے خارج کر دیا اور جو علماء مذکورہ طبقہ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے تھے تو انہیں "ناصبی، خارجی اور یزیدی" قرار دے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں ان کی جائز اور صحیح تنقید کو بزعم خویش "بے اثر" کر دیا۔جب کہ اپنے معتقدین کو "شرعی دلائل" اور زیر بحث "خواب" کے ذریعے مطمئن کر دیا۔

قاضی صاحب ''خواب'' میں ایک طرف تو ''تنقیصی عبارات'' پر معافی کی درخواست کر رہے ہیں جب کہ دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر عدم ملال کے آثار سے حوصلہ پا کر توہین آمیز عبارات کی اشاعت بھی برابر جاری رکھے ہوئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر وہ ''شرعی دلائل'' کی بناء پر خارجی فتنہ نامی کتاب سے مطمئن تھے تو پھر انہوں نے خواب میں ''معافی'' کی درخواست کس داعیہ کی بناء پر پیش کی؟ خواب تو انہوں نے خود ''دیکھا'' تھا جس کے متعلق کسی دوسرے شخص کو علم نہیں ہو سکتا تھا لیکن وہ کیا ''خدشات'' تھے جن کے پیش نظر تحریراً و تقریراً اس کی ''تبلیغ'' کی ضرورت محسوس کی گئی؟

قاضی صاحب کے لیے تو اس کا جواب دینا آسان ہے کہ:

''خواب ''شرعی حجت'' نہیں ہوتے اصل حیثیت ''شرعی دلائل'' کی ہے اور مجھے علماء حق کی تائید بھی حاصل ہے لہٰذا بندہ ان سے مطمئن ہے۔ اور جہاں تک ''معافی'' کی درخواست کا تعلق ہے تو بندہ نے وہ ''صورتاً'' پیش کی ہے نہ کہ حقیقتاً۔

اس ''درخواست'' کی جو بھی توجیہ پیش کی جائے اصل بات یہی ہے کہ خارجی فتنہ جلد اول کی اشاعت (۱۹۸۳ء) کے بعد اسی سال موصوف حج کے سفر پر روانہ ہو گئے تھے اور کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اپنی تحریر سے صورتاً یا حقیقتاً مطمئن نہیں تھے اور تنقیدی نشتروں کی بناء پر باقاعدہ اپنے اندر ایک ''خلش'' بھی محسوس کر رہے تھے جس کی وجہ سے انہیں معافی کی درخواست کرنا پڑی (یہ درخواست ہی اس بات پر زبردست قرینہ ہے کہ ان سے توہین سرزد ہوئی) لیکن صد افسوس کہ موصوف ''خواب'' میں ملاقات کے موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر ''ملال'' کے آثار نہ پا کر غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ بندہ سے کوئی توہین سرزد نہیں ہوئی؛ پھر زندگی بھر نہ صرف خود اس توہین آمیز رویہ کو جاری رکھا بلکہ ان کے ''خدام'' اب بھی برابر جاری رکھے ہوئے ہیں۔

قاضی صاحب نے جنگ صفین کے چودہ سو سال بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''باغی، خاطی، جائر، قرآن و حدیث کی مخالفت اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب'' ٹھہراتے ہوئے ان کی اور حضرت علیؓ کے مقرر کردہ ثالثوں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ اور ان کے متبعین کو ''ضال اور مضل'' قرار دیا ہے پھر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات (۶۰ھ) کے ۱۳۴۳ سال بعد ۱۴۰۳ھ میں خواب کی حالت میں معافی کی درخواست ان الفاظ میں پیش کر رہے ہیں کہ ''بندہ نے کتاب خارجی فتنہ لکھی ہے اگر اس میں آپ کے متعلق کوئی تنقیص و توہین پائی جاتی ہے تو معاف فرمائیں۔''

بھلا جس شخص نے نہ کتاب دیکھی ہو اور نہ اسے اس کے مندرجات کا کوئی علم ہو تو وہ سوائے "سکوت" کے اور کیا جواب دے سکتا ہے؟ علاوہ ازیں قاضی صاحب نے "خواب" میں معافی کی درخواست بھی اپنی غلطی کے "اقرار" کے بغیر لفظ "اگر" کے ساتھ "مشروط" طور پر پیش کی جب کہ وہ توہین کے مرتکب یقینی طور پر ہوئے تھے۔ پھر حالت بیداری میں معافی کی درخواست بھی ان الفاظ کے ساتھ واپس لے لی کہ "شرعی دلائل" کی بناء پر بندہ اپنی کتاب خارجی فتنہ حصہ اول سے مطمئن ہے" جب کہ علمائے اہل سنت والجماعت کی تائید وتصویب اس پر مستزاد ہے۔

حضرت معاویہؓ "سکوت" کے بجائے اگر صریح الفاظ میں بھی "معاف" فرمادیتے تو پھر بھی اس کی کوئی شرعی حیثیت نہ ہوتی۔ کیونکہ یہ خواب کا معاملہ تھا اور خود ان کے نزدیک خواب "شرعی حجت" نہیں ہوتے۔ پھر معلوم نہیں کہ یہ خواب ان کے لیے "مبشرات" کا درجہ کس طرح اختیار کر گیا؟ اگر اسے "مبشرات" میں شمار کر بھی لیا جائے تو یہ تبھی ممکن ہے کہ جب قاضی صاحب آئندہ اس توہین کا اعادہ اور ارتکاب نہ کرتے مگر انہوں نے تو بعد میں بھی توہین کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

معلوم نہیں کہ قاضی صاحب نے بیداری میں "مبشرات" کا لفظ کس مفہوم میں استعمال فرمایا ہے؟ اگر اس سے مراد محض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیارت ہے تو پھر اس کا استعمال کسی حد تک صحیح ہو سکتا ہے لیکن یہاں جس مقصد کے لیے یہ لفظ لایا گیا ہے اس سے یہ مفہوم اخذ نہیں ہو سکتا البتہ ناقدین ومعاندین معاویہؓ کے حق میں یہ "خواب" "مبشرات" میں شمار ہو سکتا ہے۔

قاضی صاحب کے لیے یہ خواب "مبشرات" میں تب شمار ہو سکتا تھا جب وہ "خواب" میں اپنی خطا کا واضح طور پر اقرار کر کے "غیر مشروط" طور پر معافی کی درخواست پیش کرتے پھر بیداری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص پر مبنی عبارات سے رجوع کرنے کا تحریراً وتقریراً واضح اعلان کر دیتے کیونکہ اصول یہ ہے کہ "التوبۃ علی حسب الجنایۃ ان کانت جھراً فجھراً وان کانت سراً فسراً ..." جب کہ یہاں گناہ تو جہراً اور بتکرار ومطبوعہ ہے اور "مشروط توبہ" کی درخواست خواب میں پیش کرنے کے بعد "شعوری وبیداری" حالت میں اسی گناہ کا ارتکاب بھی مسلسل اور تحدی کے ساتھ جاری ہے۔ اس معافی کی درخواست پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ:

"معذرت را خندہ می آید بہ استغفار"

یہ عجیب عدالت ہے کہ جس میں "مدعی، مجرم، گواہ صفائی اور منصف" ایک ہی شخص ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے مقدمہ میں "باعزت بری" ہونے کے علاوہ اور کیا فیصلہ سنایا جا سکتا ہے؟ یہ تو خیر "خواب" کا معاملہ ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو وہ شخصیت ہیں جو نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''احلم امتی'' کا مصداق ہیں۔ان کی صفتِ ''حلم و بردباری'' ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔انہوں نے تو اس وقت بھی اپنی اس صفتِ ''حلم'' کو داغ دار نہیں ہونے دیا جب ان کے منہ پر انہیں سخت ترین الفاظ میں برا بھلا کہا جاتا تھا۔کاش قاضی صاحب واضح الفاظ میں اپنی توہین آمیز عبارات سے رجوع کر کے حضرت معاویہؓ کی روح سے معافی مانگ لیتے! (جو صاحبِ حق تھے) جس سے کم از کم یہ فائدہ تو ضرور حاصل ہوتا کہ ان کے ''خدام .... '' بھی آئندہ کے لیے اس گناہِ کبیرہ اور جرمِ عظیم سے بچ جاتے۔لیکن جب ''توہین'' کو ''تکریم''، ''بدی کو نیکی'' اور ''قدح صحابہ کو مدح صحابہ'' سمجھا جا رہا ہو (جیسا کہ قاضی صاحب اپنے شرعی دلائل اور علماء کی تائید سے مطمئن ہیں) تو پھر یقیناً توبہ کی توفیق ہی سلب ہو جاتی ہے۔

جس طرح موصوف ایک نوجوان کو قتل کرنے کے بعد اپنے استاذ کے مشورہ پر مقتول کے ورثاء سے معافی نہیں مانگ سکے تھے اسی طرح یہاں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ اور جنگ صفین میں دونوں طرف سے شریک جملہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور ان کے متبعین سے نہ صرف یہ کہ معافی نہیں مانگ سکے بلکہ بعد میں بھی توہین آمیز الفاظ سے ''خطائے اجتہادی'' مراد لے کر توہین کا سلسلہ جاری رکھا جب کہ دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ''خطائے اجتہادی'' کا مرتکب ہونے کی بناء پر ''ایک اجر'' کا مستحق قرار دے دیا۔اس طرح موصوف انشاء اللہ خان انشاء کے اس شعر کا مصداق ہونے سے ''بال بال'' بچ گئے:

یہ عجب ماجرا ہے کہ بروزِ عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے، وہی لے ثواب الٹا

افسوس اس بات کا ہے کہ بعض علمائے کرام کے توجہ دلانے کے باوجود موصوف کو زندگی بھر اپنی غلطی کا احساس نہیں ہو سکا اور وہ صریح توہین سے بھی ''خطائے اجتہادی'' مراد لے کر اپنے دل کو مطمئن کرتے رہے چنانچہ ایک مقام پر وہ بطورِ چیلنج فرماتے ہیں کہ:

''ثابت کریں کہ میں نے کسی صحابی کو فاسق لکھا ہے، کسی صحابی کے موقف کو میں نے باطل قرار دیا ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کو عنادی لکھا ہے، خارجی فتنہ حصہ اول میں حکمین کے بارے میں جو ''ضلا و ضل من اتبعھما'' کے الفاظ ہیں وہ میرے نہیں بلکہ ایک حدیث کے ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں درج کی ہے اور اس سے مراد بھی انہوں نے خطائے اجتہادی ہی لی ہے..... حکمین کے لیے خارجی فتنہ حصہ اول میں بندہ نے جو گناہ اور نافرمانی وغیرہ کے الفاظ لکھے ہیں تو یہ الزاماً مولانا محمد اسحاق صاحب

سندیلوی کے جواب میں ہیں اور ان سے مراد بھی میں نے خطائے اجتہادی ہی لی ہے۔"
(ماہنامہ حق چار یار لاہور ص ۱۰۸۔ جون / جولائی ۱۹۹۰ء)

موصوف ایک دوسرے مضمون میں مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی سے "چند سوالات" کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء مترجم جلد چہارم ص ۵۰۸ میں حکمین کے بارے میں سنن بیہقی کے حوالہ سے ایک حدیث لکھی ہے جس کے یہ الفاظ ہیں "ضالا و ضل من اتبعھما" اور حضرت شاہ ولی اللہ نے ضلالت سے خطائے اجتہادی مراد لی ہے لیکن (خلافت راشدہ) جنتری کے زیر بحث مضمون میں اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ آپ کسی محدث سے ثابت کریں کہ یہ حدیث موضوع ہے؟" (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ ص ۶۵)

اس حدیث پر بحث پیچھے گزر چکی ہے۔ قارئین کرام! قاضی صاحب کے اس "چیلنج" کے جواب میں ان کی توہین آمیز عبارات کا بغور مطالعہ کر کے حق و باطل اور صدق و کذب کی پہچان کر سکتے ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ "قوسین" کے درمیان الفاظ قاضی صاحب کے اپنے ہیں۔
(حق چار یار ص ۱۰۸۔ جون جولائی ۱۹۹۰ء)

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قاضی صاحب نے جو بات دوسرے "ناقدین معاویہؓ" کے لیے لکھی ہے وہ خود بدرجہ اولیٰ اس کے مصداق ہیں۔ ان کی اپنی تحریر اس پر شاہد ہے۔ موصوف اپنے "اداریے" کے بالکل آغاز میں فرماتے ہیں کہ:

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلط سلط تاریخی روایات کی بناء پر مخالفین نے اس طرح پروپیگنڈے کا طوفان برپا کیا ہے کہ حقائق سے ناواقف کئی اہل سنت بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سوئے ظن رکھتے ہیں حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور خود نبی کریمؐ کے بھی معتمد ہیں۔" (ماہنامہ حق چار یار ص ۳۔ دسمبر ۱۹۹۸ء)

قاضی صاحب نے "خواب" میں معافی کی درخواست پیش کی تو وہاں سے کوئی جواب نہ پا کر اور محض نورانی چہرہ پر "ملال" کے آثار نہ دیکھنے سے یہ غلط نتیجہ اخذ کر لیا کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جس "گستاخانہ" انداز سے جو کچھ لکھا ہے وہ سب ٹھیک ہے اس میں ان کی کوئی توہین و تنقیص نہیں پائی جاتی۔

اس بات کا تو "خفیف" سا امکان ہے کہ قاضی صاحب "خواب" میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کر سکتے ہیں لیکن اس بات کا قطعاً کوئی امکان نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے "عالم برزخ"

میں کتاب ''خارجی فتنہ'' کا مطالعہ کیا ہوگا یا کتاب کے ''مندرجات'' سے وہ آگاہ ہوئے ہوں گے۔
اگر بفرضِ محال کتاب ان تک پہنچ بھی گئی ہو اور انہوں نے توہین آمیز عبارات کے مطالعہ کے باوجود معافی کی درخواست پر ناراضی کا اظہار نہ کیا ہو یا چہرہ پر ''ملال'' کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں تو اس کے باوجود قاضی صاحب کا یہ نتیجہ اخذ کرنا بالکل ہی غلط ہے کہ ان عبارات میں ''توہین'' نہیں پائی جاتی۔
کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس ''سلوک و رویہ'' سے توہین و تنقیص کی نفی نہیں ہوتی بلکہ ان کے ''حلم و حوصلہ'' اور تحمل و بردباری کی تائید ہوتی ہے کہ اس قدر توہین کے باوجود ان کے نورانی چہرہ پر ملال کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ قاضی صاحب کا ''خواب'' میں معافی کی درخواست پیش کرنا جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''حلم و حوصلہ'' کی تائید ہے تو وہیں توہین و تنقیص کی دلیل بھی۔
کشادہ روئی و فراخدلی اور عفو و درگزر سے ''قدح'' ''مدح'' میں ہرگز تبدیل نہیں ہوسکتی اور نہ ہی یہ ''معافی'' کی درخواست قاضی صاحب کے گستاخانہ و جارحانہ و محاکمانہ اندازِ بیان اور طرزِ استدلال کی صحت اور تائید قرار دی جاسکتی ہے۔
قاضی صاحب کی یہ کمال جرأت ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو باغی، خاطی، جائر، قرآن و حدیث کی مخالفت اور اللہ و رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دینے کے علاوہ حضرات حکمین یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ اور ان کے متبعین کو ''ضال و مضل، سخت نافرمان، گناہ گار اور مخالف قرآن'' قرار دینے کے بعد آخر میں نہایت ہی ''معصومیت'' کے ساتھ ان الفاظ سے ''خطائے اجتہادی'' مراد لے لیتے ہیں یعنی موصوف توہین آمیز الفاظ کو خطائے اجتہادی سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔
قاضی صاحب کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کیا نسبت ہوسکتی ہے؟ پھر وہ درجۂ اجتہاد پر بھی فائز نہیں ہیں۔ اگر مذکورہ الفاظ خود ان کی طرف منسوب کرکے اس سے ''خطائے اجتہادی'' مراد لے لی جائے تو کیا وہ یا ان کے خدام اسے توہین سے تعبیر تو نہیں کریں گے؟
قاضی صاحب کے خواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے معافی کی درخواست کے بعد حالتِ بیداری میں توہین کا سلسلہ جاری رکھنے سے یہ بات خود بخود ثابت ہوجاتی ہے کہ اس خواب کا تعلق ''رؤیائے صالحہ'' یا ''مبشرات'' (جنہیں حدیث میں نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے ملاحظہ ہو صحیح بخاری رقم الحدیث ۶۹۸۹) کے ساتھ نہیں تھا۔ کیونکہ اگر یہ خواب ''مبشرات'' میں سے ہوتا تو آئندہ توہین کا ارتکاب نہ ہوتا۔ لیکن یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کو یہ کیونکر معلوم ہوگیا تھا کہ خواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی زیارت ہوئی ہے؟ جب کہ

حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنے بارے میں یہ اعلان فرمایا ہے کہ:

"مَنْ رَاٰنِیَ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ"

(صحیح بخاری کتاب التعبیر باب من رأی النبیؐ فی المنام۔ رقم الحدیث ۶۹۹۴)

جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا تحقیق مجھ ہی کو دیکھا اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

اسی سلسلہ کی ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

"مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ" (حوالہ مذکور۔ رقم الحدیث ۶۹۹۳)

جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا پس عنقریب مجھ کو بیداری میں بھی دیکھے گا اور شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

یہ حدیث تو صحابہ کرامؓ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ دونوں حالتوں یعنی خواب و بیداری میں صرف وہی دیکھ سکتے تھے اور وہ خواب میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک پہچانتے تھے۔ اگر اس حدیث کو عام سمجھا جائے تو قیامت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت بیداری میں کیونکر دیکھا جا سکتا ہے؟

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک میں شیطان لعین نہیں آ سکتا مگر کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ شیطان جھوٹ نہیں بول سکتا اور کسی دوسری شکل میں آ کر کذب بیانی سے اسے کسی مومن اور صالح شخص کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔

اس حدیث کی تشریح میں مختلف اقوال ملتے ہیں البتہ اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ شیطان ان کی صورت بنا کر خواب میں کسی کو گمراہ نہیں کر سکتا۔

اس حدیث کی روشنی میں قاضی صاحب کا یہ دعویٰ ہی محل نظر ہے کہ انہوں نے خواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی زیارت کی تھی۔ "باوقار، سفید نورانی چہرہ اور بلا ملال چہرہ کے ساتھ کوئی "سبائی" بھی خواب میں آ سکتا ہے اور "حسب سابق شفقت کی نگاہ" ڈال کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کے ارتکاب پر حوصلہ افزائی بھی کر سکتا ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک صحابی اپنی توہین کرنے والے اور اپنے اوپر الزامات عائد کرنے والے کی حوصلہ افزائی کرے؟ کیا صحابیؓ کی توہین پر ابھارنے والا خواب بھی "مبشرات" یعنی نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

صحابہ کرامؓ کی ایذا دہی اور توہین خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا دہی اور توہین ہے جو کسی "خواب" کے واقعہ سے نہیں بلکہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

قاضی صاحب نے اپنی کتب (خارجی فتنہ حصہ اول طبع ۱۹۸۲ء، دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طبع ۱۹۸۴ء، کشف خارجیت طبع ۱۹۸۵ء، خارجی فتنہ حصہ دوم طبع ۱۹۸۶ء، موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ طبع ۱۹۸۹ء) میں اپنا موقف پیش کردیا ہے جس کے ساتھ دلیل کی روشنی میں ان کی حیات میں بھی اختلاف کیا گیا ہے اور اب بھی اختلاف ہے۔ یہ اختلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف محض ''خطائے اجتہادی'' کی نسبت کرنے کی وجہ سے ہرگز نہیں ہے بلکہ ان کے اس ''جارحانہ وحاکمانہ'' انداز کے ساتھ ہے جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص صرف لازم ہی نہیں آتی بلکہ صراحتاً ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے جارحانہ وحاکمانہ اور توہین آمیز انداز کے علاوہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشق سخن بنایا ہے:

مزید برآں موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ کی مخالفت اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب بھی بنایا ہے، ان کے صفینی اجتہادی موقف کو از روئے نص قرآنی درحقیقت بالکل ناجائز بتایا ہے، انہیں حقیقی ''باغی'' قرار دیا ہے۔ اس کو مرتدین، منکرین زکوٰۃ اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی کافرانہ وزندیقانہ مخالفت حق پر قیاس کیا ہے، اصحاب جمل وصفین پر ہزاروں مسلمانوں کے خون کا الزام عائد کیا ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو گناہ، یقیناً سخت نافرمانی، آیت استخلاف اور حکم الٰہی کی خلاف ورزی نیز حدیث ''لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق'' اور حدیث ''ضلّا و ضلّ من اتبعهما'' کی رو سے معصیت کا مرتکب قرار دیا ہے۔

قاضی صاحب سے ان کی زندگی میں بھی توہین آمیز عبارات سے رجوع کرنے کی درخواست پیش کی جاتی رہی ہے۔ اب چونکہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے اس لیے ان کے ''خدام'' سے استدعا ہے کہ وہ اس موقف سے ''رجوع'' کرکے ان کی روحانی تسکین کا باعث بنتے ہوئے اپنی عاقبت بھی سنواریں۔ مگر انہوں نے ۱۹۹۲، ۱۹۹۳ء میں ماہنامہ حق چاریار کے اوراق کی ''زینت'' بننے والے قاضی صاحب کے مضامین کو ان کی وفات کے ۹ سال اور مضامین کے شائع ہونے کے ۲۰ سال بعد نومبر ۲۰۱۳ء میں ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور راہ اعتدال'' کے نام سے شائع کرا کے ''رجوع'' کی موہوم سی امید بھی ختم کردی۔ ع

بات پہنچی ہے کہاں تک، یہ تجھے کیا معلوم؟

یہ ملحوظ رہے کہ قاضی صاحب کے ان مضامین کا عنوان ''کتاب سبائی فتنہ پر ایک اجمالی نظر'' تھا۔ قاضی صاحب نے یہ جوابی سلسلہ از خود ہی بند کردیا تھا اور آخری قسط کی اشاعت کے

بعد بارہ سال تک بقید حیات رہے لیکن اس تمام عرصہ میں انہوں نے مضامین کو کتابی صورت میں شائع کرانا مناسب نہ سمجھا کیونکہ "سبائی فتنہ جلد اول" کے مصنف محقق اہل سنت مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی رحمہ اللہ نے بھی نقیب ختم نبوت ملتان میں "جواب الجواب" کا سلسلہ شروع کر دیا تھا جو بالآخر خود ہی دھیرے دھیرے دونوں طرف سے بند ہو گیا؛ جسے قاضی صاحب کے متعلقین نے اب "مشاجرات صحابہ اور راہ اعتدال" کے نام سے شائع کرا کے پھر از سر نو جاری کر دیا۔ فیا اسفا!

اس کے جواب میں دوسری طرف سے بھی سبائی فتنہ جلد دوم، کشف سبائیت اور دیگر جوابی مضامین کی کتابی صورت میں اشاعت متوقع ہے۔

زیر نظر کتاب میں اس مقام پر اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو قاضی صاحب کی توہین آمیز عبارات (عکس سمیت) اور ان کے موقف کا مفصل اور مکمل و مدلل جائزہ ایک علیحدہ اور مستقل کتاب میں لیا جائے گا (انشاء اللہ) تا کہ قارئین کرام علمائے اہل سنت اور بانی خدام اہل سنت کے نظریات کے مابین خود ہی فرق و امتیاز کر لیں۔

البتہ اس بحث کے آخر میں بطور اتمام حجت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب کا 1976ء میں تحریر کردہ موقف (جس میں انہوں نے بجا طور پر اہل حق کی نمائندگی کرتے ہوئے مودودی صاحب کی بعض عبارات پر گرفت کی اور انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین قرار دیا تھا) بھی پیش کر دیا جائے تا کہ قارئین کرام بآسانی فیصلہ کر سکیں کہ اگر قاضی صاحب کے نزدیک مودودی صاحب کی تنقید "توہین" ہے تو پھر قاضی صاحب کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس جیسی یا اس سے بھی زیادہ سخت تنقید آخر "توہین" کیوں قرار نہیں دی جا سکتی؟

حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ:

مفتی محمد یوسف صاحب نے لغت اور محاورات عرب سے جو تنقید کے معنی لکھے ہیں یعنی کھرے اور کھوٹے کو پرکھنا اور عیب چینی اور عیب جوئی۔ اور اردو لغت سے یہ معنی نقل کیا ہے کہ کسی چیز کو جانچنا اور پرکھنا۔

تو ان میں چنداں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ کیونکہ کھوٹ اور عیب اور ردّی ہونا ایک ہی چیز ہے۔ اسی چیز کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے جس میں کھوٹ اور عیب کا احتمال ہو۔ باقی رہا تنقید کا شرعی مفہوم تو اس کے لیے مفتی صاحب نے کتاب و سنت سے کوئی حوالہ نہیں پیش کیا جس سے یہ ثابت ہو کہ لفظ تنقید سے شرعاً یہ مراد ہے کہ کسی کے قول و عمل کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر،

پرکھا جائے...

مفتی محمد یوسف صاحب بھی عجیب بزرگ ہیں ۔عصمت انبیاء کی بحث میں انبیائے کرام کے بارے میں خطاء لغزش سے بڑھ کر صغیرہ گناہوں کا جواز بھی نہ صرف سھواً بلکہ عمداً مان رہے ہیں لیکن صحابہ کرام کے معیارحق ہونے کی بحث میں انبیاء کے متعلق سب کی نفی کرتے ہوئے صاف لکھتے ہیں کہ:

''ان کی آراء واقوال، فیصلے اور اعمال سب کے سب وحی الٰہی کے تحت ہونے کی وجہ سے حق اور صواب ہیں ۔ان میں نہ غلطی کا شائبہ ہوسکتا ہے اور نہ خطاء کا امکان ۔لہٰذا وہ ہر قسم کی تنقید سے بالاتر ہیں ۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کا اصل دین ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تائیدوتصدیق کرنا ہے ۔چونکہ عصمت انبیاء کی بحث میں مودودی صاحب کی عبارتوں کی تائید میں انبیاء علیہم السلام کے لیے صغائر کے صدور کا نظریہ مفید پڑتا تھا، اس لیے وہاں وہ قول اختیار کیا اور یہاں معیارحق کی بحث میں چونکہ صحابہ کرام کا خطا کار ثابت کرنا مطلوب تھا اس لیے انبیاء کرام کو امکانِ خطا سے بھی بالکل مبرا قرار دے دیا ۔گویا کہ دونوں جگہ انبیاء کرامؑ کے متعلق عقیدہ پیش کیا ۔یہ ہے مفتی صاحب کے مخلصانہ علمی جائزہ کی حقیقت ۔

اگر غفلت سے باز آیا، جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

## مودودی تنقید یقیناً توہین ہے:

ہم نے گذشتہ اوراق میں مسئلہ معیارحق اور تنقید کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ محض علمی پہلوؤں کے پیش نظر تھا ورنہ ''خلافت وملوکیت'' کے بعد نہ تنقید کے لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق کی ضرورت رہتی ہے اور نہ تقلید صحابی وغیرہ کی بحث کی ۔کیونکہ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں جو انداز اختیار کیا ہے اس میں صراحتاً بعض صحابہ کرام کی تحقیر وتوہین پائی جاتی ہے، جس کے سامنے مفتی صاحب کی دور از کار تاویلات ''ھباء منثوراً'' ہو جاتی ہیں...

مفتی صاحب مانیں یا نہ مانیں یہ حقیقت ہر اہل انصاف تسلیم کرے گا کہ چونکہ ''خلافت وملوکیت'' میں مودودی صاحب نے بعض جلیل القدر صحابہ کی صریح توہین کی ہے اس لیے مفتی صاحب اس کتاب کے تذکرہ کو بالکل نظرانداز کر گئے ہیں تاکہ ان کے امام ومقتداء کی کہیں پردہ

دری نہ ہو جائے اور مسئلہ معیارِ حق میں مودودی صاحب کی جو ناجائز تائید کی ہے وہ سب بے کار نہ ہو جائے اور اس طرح "علمی جائزہ" کہیں "علمی ز دائغہ" ہی نہ ثابت ہو لیکن مفتی صاحب اس پردہ پوشی میں کامیاب نہیں ہو سکے...

لیکن علمائے حق اور اصحابِ تحقیق کی نظر میں یہ کتاب (خلافت و ملوکیت) صحابہ و خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیتوں کو مجروح کرنے والی اور فتنہ سبائیت کو ہوا دینے والی ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس کی بناء پر بعض علماء بھی مودودی صاحب کے خلاف ہو گئے جو پہلے ان سے کچھ حسنِ ظن رکھتے تھے یا ان کی تردید ضروری نہیں سمجھتے تھے مثلاً مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی شیخ الحدیث ٹنڈوالہ یار سندھ۔ مولانا موصوف نے "خلافت و ملوکیت" کے بعض مندرجات کے جواب میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا جو "براءۃ عثمان رضی اللہ عنہ" کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں تنقید کے مسئلہ میں فرمایا کہ:

"یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی بھی تنقید سے بالا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر کس و ناکس کو ہر شخص پر تنقید کا حق حاصل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ، ادنیٰ پر تنقید کر سکتا ہے یا اپنے مساوی پر۔ ادنیٰ کو اعلیٰ پر، جاہل کو عالم پر، غیر مجتہد کو مجتہد پر غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق نہیں۔" (ص ۱۲)...

تمام اہلِ حق یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضور کے سالے اور کاتب وحی بھی ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کر لی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ۱۹/۲۰ سال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تحت گزارے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا فرمائی تھی کہ "اللّٰھم اجعله ھادیاً مھدیا" (مشکوٰۃ شریف) اے اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا بنا دے۔

جمیع اہلِ سنت کے نزدیک "الصحابة کلھم عدول" (صحابہ سب عادل ہیں) کے ضابطہ کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ایک عادل شخصیت ہیں اور ارشادِ رسالت مآب "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے) کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہدایت کا ایک روشن ستارہ ہیں۔ سوائے روافض اور دشمنانِ صحابہ کے، کوئی بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب و شتم، جرح و طعن جائز قرار نہیں دیتا لیکن مودودی صاحب نے تنقید کے نام سے جس طرح اس مقبول صحابی

کے خلاف اپنے قلبی بغض کا اظہار کیا ہے وہ حسب ذیل عبارات سے ظاہر ہے ...

(یہاں قاضی صاحب چند توہین آمیز عبارات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ)

یہاں جناب مفتی محمد یوسف صاحب سے میرا یہ سوال ہے کہ کیا آپ کے نزدیک یہی وہ پاک تنقید ہے جو صحابہ پر آپ جائز قرار دیتے ہیں اور اس میں کوئی توہین نہیں پائی جاتی؟

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ جو شخص کچھ بھی عقل وانصاف رکھتا ہو وہ ان عبارتوں کو صریح توہین ہی قرار دے گا اور ایسا لکھنے والے کو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بدترین دشمن سمجھے گا۔ جو کردار مودودی صاحب نے یہاں حضرت معاویہؓ کی طرف منسوب کیا ہے یہ تو ایک فاسق وفاجر شخص کا کردار ہے۔ اس کو تسلیم کر لینے کے بعد حضرت معاویہؓ کو ایک صحابی رسول اور عادل شخص ماننا بالکل بے معنی رہ جاتا ہے ... (مفتی محمد یوسف صاحب کے علمی جائزہ کا علمی محاسبہ۔ ص ۱۲۷۔ ۱۳۶ مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت والجماعت چکوال۔ ۱۹۷۶)

## قاضی صاحب کی تنقید بھی یقیناً توہین ہی ہے:

لیکن صد افسوس! قاضی صاحب اپنی بعد کی تصانیف ("خارجی فتنہ حصہ اول طبع ۱۹۸۳ء، دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طبع ۱۹۸۴ء، کشف خارجیت طبع ۱۹۸۵ء، خارجی فتنہ حصہ دوم طبع ۱۹۸۶ء بموعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی، غالی گروہ طبع ۱۹۸۹ء) میں اس اصولی موقف پر قائم نہ رہ سکے۔ قاضی صاحب کے معتقدین مانیں یا نہ مانیں یہ حقیقت ہر اہل انصاف تسلیم کرے گا کہ مذکورہ کتب میں قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو ہدف تنقید بنا کے ان کی صریح توہین کے مرتکب ہوئے ہیں اور بقول شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی "کسی غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا کوئی حق حاصل نہیں۔"

قاضی صاحب کی منقولہ توہین آمیز عبارات با حوالہ پیچھے گزر چکی ہیں؛ ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر وہ شخص جو کچھ بھی عقل وانصاف رکھتا ہو وہ ان عبارتوں کو صریح توہین ہی قرار دے گا۔ ان عبارتوں میں جو کردار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کو تسلیم کر لینے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک صحابی رسول، ہادی ومہدی، خلیفہ برحق اور عادل شخص ماننا بالکل بے معنی رہ جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

# ۳۵۔ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

## (م ۱۴۲۶ھ)

ڈاکٹر سید عبداللہ عباس ندوی کا شمار ماضی قریب کے مشہور علماء وفضلاء میں ہوتا ہے۔ان کی ولادت ۱۹۲۵ء میں پھلواری میں ہوئی۔ڈاکٹر صاحب کے والد مولانا مفتی محمد عباس پھلواری امارتِ شرعیہ بہار کے صدر مفتی تھے۔ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم پھلواری میں ہوئی۔مزید تعلیم کے لیے فرنگی محل لکھنؤ میں مولانا محمد عتیق فرنگی محلی سے استفادہ کیا۔تکمیل علم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے کی۔

ڈاکٹر صاحب کا شمار مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے برطانیہ سے فلسفۂ لسانیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد انہیں ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں عربی ادب کا استاد مقرر کیا گیا۔عالم عرب میں ان کی علمی وادبی صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا۔مختلف جامعات میں انہیں محاضرات کے لیے بلایا جانے لگا اور سعودی حکومت نے ان کے اعتراف علم وفضل میں انہیں سعودیہ کی مستقل شہریت دی۔ڈاکٹر صاحب نے متعدد کتابیں تصنیف وتالیف کیں۔انہوں نے یکم ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ / یکم جنوری ۲۰۰۶ء کو جدہ (سعودی عرب) میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ان کی نماز جنازہ حرم مکی میں امام حرم کی اقتداء میں ادا کی گئی۔بعد ازاں انہیں جنت المعلیٰ میں سپرد خاک کیا گیا۔(تذکرہ علمائے بہار جلد۲۔ص۱۵۲۔۱۵۳ بحوالہ ششماہی السیر ۃ عالمی کراچی شمارہ ۲۰ ص۳۸۲)

علاوہ ازیں ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے نائب اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے "معتمد تعلیم" بھی رہے ہیں۔انہوں نے ندوۃ العلماء کے ترجمان رسالہ "تعمیر حیات" میں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی ابن مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت معاویہ اور دیگر اموی صحابہ رضی اللہ عنہم کو شدید تنقید کا ہدف بناڈالا۔چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

"تاریخ کا کوئی حادثہ یا واقعہ ماضی سے جدا کرکے ایک اکائی کی شکل میں نہیں دیکھا جاسکتا۔کربلا کا واقعہ بنوامیہ اور بنوہاشم کی دیرینہ عداوتوں کا ایک منطقی نتیجہ تھا۔وہ عداوتیں جو ظہور اسلام کے بعد طاقت ور شکل میں ابھر کر سامنے آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ سالہ

عرصۂ نبوت میں ۲۱ سال تک بلکہ ساڑھے اکیس سال تک شدومد سے قائم رہیں۔

غزوہ بدر میں مسلمان فوج کی کامرانی نے جس طبقہ کو سب سے زیادہ برافروختہ کیا اس کے سربراہ ابوسفیان تھے۔اسی طرح غزوہ احد میں ان کا اوران کی اہلیہ جگرخوار حمزہ ہند کا کردار یہ سب وہ باتیں ہیں جن میں مؤرخین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔فتح مکہ کے بعد یہ گروہ اسلام لایا یا بقول سید قطب شہید کے''استسلام'' کی مگر اس استسلام کے بعد اچانک ایک پَل میں ایسی تبدیلی ہوگئی کہ وہ بدر کا غم بھول گئے،اپنی انانیت کو بھول گئے عقلاً محال بات ہے۔

اور صحاح کی مستند روایات سے ثابت ہے کہ ہند نے بیعت کے الفاظ دہراتے ہوئے بھی اپنے اندرونی کرب وغم اور غیظ وغضب کا اظہار کیا تھا۔

حضرت ابوسفیان نے احتجاج کیا تھا کہ اب وہ دن آگیا ہے کہ یہ پسماندہ ہم اشراف پر فوقیت دیے جاتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے خلاف حضرت علی کو اکسانے کی کوشش بھی ان سے ثابت ہے۔

اسلام کے پورے طور پر فاتح ہوجانے کے بعد جب مقاومت کی تمام راہیں مسدود ہوگئی تھیں۔اس عرصۂ مختصر میں اس گروہ کی طرف سے کسی واضح دشمنی کا ثبوت تاریخ میں نہیں ملتا ہے مگر جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں میں شکست کا غم وغصہ آج تک موجود ہے اسی طرح اس گروہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ سینہ کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مارتا رہا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت نے البتہ اسلام کی طرف سے ان کے عناد کو ختم کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ان کا دل صاف نہیں ہوا......

اس حادثہ کا سرا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سے نہیں غزوہ بدر کے واقعات سے مربوط کیا جائے تو تاریخی احداث کی کڑیاں ایک دوسرے سے زیادہ پیوست نظر آئیں گی۔واقعات جو تاریخ کی کتابوں میں متضاد ومتناقض ہیں اس کا سبب کوئی معمہ نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آسکے۔

خلافت راشدہ کے بعد''ملکیت عضوض'' کا دور شروع ہوا تو قدرتاً دو گروہ ہوگئے۔ایک وہ جس کو حکومت وقت سے وابستگی تھی خواہ جان بچانے کی خاطر یا طمع کی وجہ سے یا مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی سے نجات حاصل کرنے کی خاطر وہ سمجھتا تھا کہ مناسب یہی ہے کہ جس کا غلبہ ہے اس کی تائید کی جائے۔

دوسرا طبقہ وہ تھا جو اصل دین کی پامالی پر رنجیدہ تھا۔اسلامی روح جو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی تعلیمات سے پیدا ہوئی تھی اس کا گلا گھونٹا جا رہا تھا۔ نبیذ کے پردے میں شراب عام تھی۔ جواری وقینات کی اتنی کثرت تھی کہ ابوالفرج اصبہانی نے آغانی میں ۲۱ ہزار ۲ جلدیں اور لاتعداد فواحش ومنکرات کے قصے قلمبند کر دیے ہیں جن کی پرورش دربار شاہی سے ہوتی تھی۔ عدلیہ کا یہ حال تھا کہ حاکم وقت کے دیوان عام میں ایک چمڑے کا ٹکڑا بچھا رہتا تھا اور بغیر کسی دلیل اور بغیر کسی الزام کے جس کو چاہا اس پر کھڑا کر دیا اور جلاد نے اس کی گردن اتار دی۔ شاہانہ ٹھاٹ باٹ کسی طرح بھی کسریٰ کے درباروں سے کم نہ تھا۔

لہٰذا وہ لوگ جو حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ، ان کے زہد وورع اور احتیاط وتقویٰ کی باتیں جانتے تھے اور دوسرے خلفائے راشدین کے ورع واحتیاط کو دیکھے ہوئے یا سنے ہوئے تھے وہ اس فسق وفجور کی گرم بازاری سے نالاں تھے، ان لوگوں میں اسلام سے وابستگی کا جذبہ بھی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت ومحبت بھی تھی۔ (تعمیر حیات لکھنؤ ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء بحوالہ واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر ص ۳۶۷۔۳۶۸، ماہنامہ لولاک ص ۱۹۔۲۵۔ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ اکتوبر ۲۰۱۲ء)

صحابہ کرامؓ کی گستاخی پر مبنی اس تبصرہ کے خلاف علمائے کرام کے زبردست احتجاج کے بعد مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور ڈاکٹر عبداللہ عباس ہر دو حضرات نے نفس مسئلہ سے اعراض کرتے ہوئے ''گول مول'' انداز میں وضاحت کی جسے علماء کرام نے مسترد کر کے توہین صحابہؓ کے اپنے دعویٰ کو برقرار رکھا۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اپنے اداریہ میں زیر عنوان:

''بات پہنچی ہے کہاں تک یہ تجھے کیا معلوم؟'' رقم طراز ہیں کہ:

ملک میں پھیلے ہوئے مدارس، علماء اور حساس مسلمانوں کے پیہم اصرار کے باوجود ہم اس انتظار میں تاخیر کرتے رہے کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی یا تعمیر حیات کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کی اس تحریر کی تردید وبراءت پر کوئی بیان آجائے لیکن ادھر سے جب بالکل مایوسی ہوگئی تو محض اظہار حق اور ردّ باطل کی نیت سے یہ مضمون لکھنا پڑا...

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی مذکورہ طویل عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ حضرت ابوسفیانؓ اور خاندان بنی امیہ کے دیگر صحابہ کرامؓ حقیقتاً مسلمان نہیں تھے بلکہ ظاہری طور پر اطاعت قبول کر لی تھی بالفاظ دیگر یہ حضرات آیت پاک: ''قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا'' کے مصداق تھے۔

۲۔ اس استسلام (ظاہری تسلیم واطاعت) کے بعد اچانک زمانۂ کفر وشرک کی عداوتوں کو وہ

بھول گئے ـــــ یہ عقلاً محال ہے۔

۳۔ ہندؓ زوجہ حضرت ابوسفیانؓ (جنہیں موصوف نے جگرخوارحمزہؓ کا طعنہ دیا ہے) نے بیعت اسلام کے وقت اپنے کرب وغم کا اظہار کیا تھا۔غالباً ڈاکٹر صاحب امت کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ عین اسلام قبول کرتے وقت بھی اللہ کے دین اور اللہ کے رسولؐ سے ان کا دل صاف نہیں تھا، بدرجۂ مجبوری استسلام کر رہی تھیں۔

۴۔حضرت ابوسفیانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلاف خلافت کے لیے حضرت علیؓ کو اکسایا تھا۔

۵۔غلبۂ اسلام کے بعد یہ گروہ مقابلہ کی طاقت نہ پاکر ایک محدود عرصہ کے لیے خاموش ہوگیا تھا مگر جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں کا غم آج تک موجود ہے اسی طرح اس گروہ کے سینہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مار رہا تھا۔

۶۔حضرت عثمانؓ کی خلافت نے اسلام سے ان کے عناد کو ختم کردیا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا دل صاف نہیں ہوا (پھر معلوم نہیں "اسلام" سے ان کا دل کس طرح صاف ہوگیا تھا؟)

یہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی صحابہؓ کی اس جماعت کے بارے میں رائے ہے جن میں حضرت ابوسفیانؓ عامل نجران اور ان کی زوجہ ہندؓ کے علاوہ خال المؤمنین کاتب وحی حضرت معاویہ ،عتاب بن اسید گورنر مکہ معظمہ، یزید بن ابی سفیان عامل تیما، عبداللہ بن سعید عامل فدک و کاتب وحی، عمرو بن سعید عامل خیبر و کاتب وحی، عثمان بن سعید عامل عرینہ، خالد بن سعید کاتب وحی و عامل یمن، ابان بن سعید عامل بحرین، سعید بن سعید بازار مکہ کے نگرانِ اعلیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین جیسی اسلام کی پاکباز شخصیتیں شامل ہیں۔

جن پر خود صاحب وحی، رسالت مآب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتماد کرکے اپنے عہدرسالت میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت پر مامور فرمایا تھا اور اپنے اس انتخاب کے ذریعہ اس جماعت کے ایمان واخلاق پر ہمیشہ کے لیے مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔

پھر حضرت ابوصدیقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اسلامی لشکر کی قیادت اور صوبوں کی سربراہی جیسے اہم و نازک ترین عہدوں پر انہیں سرفراز کرکے ہمیشہ کے واسطے اسلامی تاریخ میں ان کے ناموں اور کارناموں کو روشن وتابناک بنادیا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مستسلمین جن کے سینوں میں غزوہ بدر کے انتقام کا جذبہ بھڑکتی

ہوئی آگ کی طرح جوش مار رہا تھا اور قلوب، اسلام اور داعیٔ اسلام سے صاف نہیں تھے (جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق ہے) کیا اس اعتماد واعزاز کے مستحق تھے کہ کتابتِ وحی جیسی نازک ترین خدمت اور اسلامی ریاست کے اہم مناصب ان کے سپرد کردیے جائیں؟ کیا ندوی صاحب کی اس تحقیق کو تسلیم کر لینے کے بعد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے عصمت کو (نعوذ باللہ) جرح وقدح کے دھبوں سے پاک وصاف رکھا جاسکتا ہے؟

**بات پہنچی ہے کہاں تک یہ تجھے کیا معلوم؟**

اس لیے یہ ہمارے ایمان بالرسول کا تقاضا ہے کہ بغیر کسی بحث وتحقیق اور ریب وشک کے کہہ دیں کہ ____ واللّٰہ ھٰذا بھتان عظیم......

ڈاکٹر صاحب نے اپنی بات میں زور پیدا کرنے اور اپنے کمالِ ادب وبلاغت کے اظہار کے لیے حضرات صحابہؓ کی مقدس جماعت کے ساتھ جس بے ادبی کا مظاہرہ کیا ہے وہ صاف طور پر غماز ہے کہ "فی قلبہ شیئ"

حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت عتاب بن اسید، حضرت خالد بن سعید وغیرہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابہ کرامؓ کو انگریزوں کی صف میں کھڑا کر دینا حد درجہ کی جسارت ہے جو اہل سنت والجماعت کے صحابہ سے متعلق اجماعی عقیدہ کے یکسر منافی ہے ...

مگر حیرت ہے کہ ترجمان ندوہ تعمیر حیات نے آج تک اس کی واضح طور پر تردید اور اس سے برأت کے سلسلہ میں کچھ نہیں لکھا۔ بعض علماء کی جانب سے حضرت مولانا علی میاں صاحب کو اس نامناسب تحریر کی طرف توجہ دلائی گئی بلکہ احتجاج کیا گیا تو موصوف نے "ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور کارکنوں کا صحابہ کرامؓ کے بارے میں مسلک وعقیدہ" کے عنوان سے ایک مختصر مضمون شائع فرمادیا جس میں ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب کی تردید میں ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ البتہ ان کے بے بنیاد مفروضوں اور صحابہ بیزار خیالات کو "تاریخی تجزیہ وتبصرہ" کا نام دے کر یک گونہ علمی حیثیت دے دی گئی ہے۔" (واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر ص ۵۴۷ - ۵۴۵)

مولانا مفتی منظور احمد مظاہری قاضی شہر کانپور مدیر ماہنامہ الفرقان مولانا خلیل الرحمٰن سجاد صاحب کے نام اپنے ایک خط میں ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب کی صحابہ کرامؓ کی شان میں دیگر توہین آمیز باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ: "استسلام کے بعد اچانک ایک پل میں ایسی تبدیلی ہوگئی کہ وہ بدر کا غم بھول گئے، اپنی انانیت کو بھول گئے۔ عقلاً محال بات ہے۔" میرے نزدیک

بالکل بدیہی بات یہ ہے کہ ان جملوں میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان سے رجوع کے لیے شرعی و علمی طور پر صرف یہ کہہ دینا ہرگز کافی نہیں ہوگا کہ ”میرے قلم سے جو غلط عبارت نکل گئی تھی اس سے میں رجوع کر چکا ہوں، مزید اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں“

بلکہ یہ بھی ضروری ہوگا کہ عبداللہ عباس صاحب ان لوگوں کے خیالات کو پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ دلائل کی روشنی میں غلط قرار دیں جو یہ کہتے ہیں کہ بنو امیہ کے لوگوں نے فتح مکہ کے موقع پر حالات سے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے تھے، مگر وہ دل سے کبھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور آگے چل کر انہوں نے اور ان کی اولادوں نے سیدنا حسینؓ کو شہید کر کے بدر کا حساب چکایا۔ گویا غزوہ احد میں ستر بڑے بڑے صحابہؓ کو شہید کر کے بھی اور اتنے ہی زخمی کر کے بھی ان کے دل کو قرار نہیں آیا تھا۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ ان حضرات کے اسلام کو سچا اسلام نہ ماننے والی مجرمانہ ذہنیت کے غلط ہونے کا جب تک صاف صاف اعتراف نہ ہوا اور ان حضرات کے سچے مسلمان ہونے کا صاف صاف اعلان واقرار نہ ہو کوئی علمی ذوق رکھنے والا شخص صرف اتنا کہہ دینے کو ہرگز ”رجوع شرعی“ نہیں قرار دے سکتا جتنا انہوں نے کہا ہے اور جتنے کو آپ نے شاید کافی سمجھ لیا۔

انہوں نے جو کچھ لکھا کم از کم اپنے خیال میں تاریخی و عقلی دلائل کے حوالہ سے لکھا اور اس انداز سے لکھا جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ ان کے وہ خیالات ہیں جو ان کے دل و دماغ میں رچے بسے ہیں۔ پس کیا صرف یہ عبارت اور الفاظ پر معذرت خواہی کی وجہ سے یہ مان لینا ممکن ہے کہ اب ان کے دماغ کے جالے صاف ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنے ان خیالات کا بالکل غلط ہونا صمیم قلب سے تسلیم کر لیا ہے؟

اس سلسلے میں ایک اور بات جو اور زیادہ کھلی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ عبداللہ عباس ندوی صاحب نے پہلے تو کسی اور کے حوالہ سے کسی قدر ڈرتے ڈرتے یہ بات نقل کی کہ یہ لوگ فتح مکہ کے موقع پر اسلام نہیں لائے تھے، صرف مجبوراً ہتھیار ڈال دیے تھے اور پھر ذرا حوصلہ پا کر اس بنائے فاسد پر اپنا یہ خیال بھی ظاہر کر ڈالا کہ:

”اس استسلام کے بعد (یعنی مقابلہ سے عاجز ہو کر ہتھیار ڈال دینے کے نتیجہ میں) اچانک ایک پل میں ایسی تبدیلی ہو گئی کہ وہ بدر کا غم بھول گئے، اپنی انانیت کو بھول گئے۔ عقلاً محال بات ہے۔“

ذرا گہرائی سے غور کیجیے کیسی خطرناک بات اس شخص کی زبان سے نکلی ہے۔ یعنی یہ کہ اس گروہ کے دل سے بدر کا غم نکل جائے یہ عقلاً محال ہے۔

یاد رکھیے گا کہ جو چیز عقلی طور پر محال ہوتی ہے اس کا وجود ناممکن ہوتا ہے۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اس شخص کے خیال کے مطابق یہ ناممکن ہے کہ بنوامیہ کے جو لوگ فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر اسلام لائے تھے، کبھی بھی ان کے دل سے غزوہ بدر کی شکست کا غم نکل سکے۔ اور کبھی وہ انانیت کو بھول سکے ہوں۔

اب آپ خود فیصلہ فرمایئے کہ کیا ایسے گہرے اور فاسد دلائل پر مبنی خیالات کو صرف ''عبارت کی لغزش'' قرار دیا جا سکتا ہے؟

کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ فکر و نظر کا فساد ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک فاسد عقیدہ اور باطل خیالات سے علی الاعلان توبہ نہ کی جائے صرف عبارت کی غلطی تسلیم کر لینے یا عبارت کو تھوڑا سا بدل دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔

اس موقع پر اگر آپ عبداللہ عباس ندوی صاحب کے اس ''معصومانہ'' جملہ کو بھی پیش نظر رکھیں کہ یزید کے خلاف شدتِ جذبات میں میرے قلم سے ایک ایسی عبارت نکل گئی جس سے حضرت ابوسفیان، حضرت ہند اور بنوامیہ کے بعض دیگر صحابیوں کی تنقیص کا مطلب بھی نکالا جا سکتا ہے ــــــ تو آپ کو موصوف کا تقیہ اور ڈھٹائی صاف نظر آجائے گی کہ پورے ایک کالم میں مزعومہ دلائل کی بنیاد پر اور غیر مبہم الفاظ میں ان صحابہ کو اسلام سے خارج کرنے کے بعد جب کسی ٹوکنے والے نے انہیں ٹوکا تو ان حضرات نے اپنے ان خیالات سے توبہ کرنے کے بجائے صرف اتنے اعتراف سے کام چلانے کی کوشش کی کہ ہاں! میری عبارت سے ان صحابہ کی تنقیص کا مطلب بھی نکالا جا سکتا ہے۔

بہر حال میرا مدعا یہی ہے کہ اپنے وضاحتی بیان میں بھی عبداللہ عباس ندوی صاحب نے ہرگز ہرگز اپنے فاسد خیالات سے رجوع نہیں کیا ہے۔ بلکہ عام لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک علمی مسئلہ ہے عوام اس کی نزاکت اور اس کے دور رس اثرات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ (واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر ص ۵۷۶۔۵۷۸)

ڈاکٹر صاحب کے ''رجوع'' نامے کے الفاظ یہ تھے کہ:

''یزید کے خلاف شدت جذبات میں میرے قلم سے ایسی عبارت نکل گئی جس سے حضرت ابوسفیانؓ، حضرت ہندؓ اور بنوامیہ کے بعض دیگر صحابیوں کی تنقیص کا مطلب نکالا جا سکتا تھا''

مولانا امام علی دانش صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ:

"تعمیر حیات" کا تبصرہ بہت ہی دل آزار، گمراہ کن اور رفض پرور ہے۔ندوی تبصرہ نگار نے اسلامی عقائد سے انحراف کیا ہے۔صحابہ کرامؓ کے ایک پورے گروہ کو معاذاللہ مسلم تسلیم نہ کرنا اوران کے دلوں کو رسول اکرمؐ سے صاف نہ کہنا قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔صحبت نبوی کی اعجازی تاثیر کا انکار ہے۔واقعہ کربلا کا غزوہ بدر سے کوئی ربط وتعلق نہیں ہے۔اس قسم کی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جن کو قاتلین عثمانؓ اور دشمنانِ حسینؓ سے ہمدردی ہے۔وہ منافقین اسلام کی بدکرداریوں سے توجہ ہٹانے کے لیے ہر واقعہ کو بنو امیہ اور بنو ہاشم کی عداوت پر محمول کرتے رہتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے دیرینہ عداوتوں کو مٹا کر صحابہ کرامؓ کے قلوب کو آپس میں ملا دیا اوران میں الفت ڈال دی جس پر قرآن شاہد ہے۔پھر بیان قرآنی کے خلاف ان میں عداوت وبغض ثابت کرنا کہاں کا اسلام وایمان ہے۔ندوہ کے منتظمین کو اپنے آدمی کی حمایت میں عقائد اسلامی کے معاملہ میں تہاون سے اور مداہنت سے کام نہیں لینا چاہیے۔ایسے شخص کو جو صحابہ کرامؓ سے بغض کا مظاہرہ کرے اور توجہ دلانے پر بھی مسلمانوں کی دل آزاری سے باز نہ آئے اور برسرعام معافی نہ مانگے ممکن حد تک اپنے سے الگ رکھنا ضروری ہے۔(حوالہ مذکور ص ۵۷۹۔۵۸۰)

مولانا محمد عیسیٰ صاحب لندن سے اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ:

شروع رمضان ہی میں تعمیر حیات میں کتاب پر تبصرہ پڑھ کر حیران رہ گیا۔ایسا لگتا تھا کوئی پشتینی عداوت نکال رہے ہوں کوئی توجیہ سمجھ میں نہ آسکی سوائے اس کے کہ خلیج کے مسئلہ میں آپ کے موقف پر کسی کے بدلہ چکا رہے ہوں۔خاص طور سے اموی صحابہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ کر دل کانپ گیا۔مودودی صاحب نے تو اس کا عشرعشیر بھی نہیں لکھا تھا۔غالی رافضی کے علاوہ صحابہ کے بارے میں اتنے سخت الفاظ کہیں نہیں دیکھے۔بدر کے ساتھ ڈانڈے ملا کر اموی صحابہ کے ساتھ سخت عداوت کا مظاہرہ کیا ہے۔

میرا خیال ہے تعمیر حیات میں آج تک کسی کتاب پر ایسا سخت ومعاندانہ تبصرہ نہیں پڑھا حتیٰ کہ قادیانیوں وشیعوں پر بھی نہیں۔(حوالہ مذکور ص ۵۶۸)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ڈاکٹر عبداللہ عباس کے توہین آمیز مضمون کے خلاف علمائے حق نے ایسا بروقت اور بھرپور احتجاج کیا کہ جس سے مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ندوۃ العلماء کے ناظم تعلیمات ڈاکٹر عبداللہ عباس تین ماہ کے اندر ہی (۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء) ادھوری وضاحت اور مبہم رجوع پر مجبور ہو گئے۔اس کے بعد اس مسئلہ پر پورے برصغیر میں سکوت طاری رہا جسے ۲۱ سال بعد توڑنے کی سعادت پاکستان میں عالمی

مجلس تحفظ ختم نبوت کے اہم اور مرکزی رہنما مولانا اللہ وسایا صاحب کو حاصل ہوئی۔ اس پر جامع تبصرہ زیر نظر کتاب کے آخر میں زیر عنوان "شاہین ختم نبوت" مولانا اللہ وسایا ملاحظہ فرمائیں۔

موصوف نے محرم ۱۴۳۵ھ کی آمد سے ایک ماہ قبل بلا ضرورت توہین صحابہ پر مبنی ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا ایک "مرجوع عنہ" مکمل مضمون ختم نبوت کے ترجمان رسالہ ماہنامہ لولاک میں اپنے حسب ذیل "تعارفی" کلمات کے ساتھ شائع کر دیا:

## "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر"...... کا تجزیہ!

### یہ کتاب یزیدیت کی پنیری کا نیا گملہ ہے۔

لکھنؤ میں مولانا محمد منظور نعمانی کے صاحبزادہ نے "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" لکھی۔ اس پر مولانا ابوالحسن علی ندوی کے حلقہ کے ایک صاحب (مولانا عبداللہ عباس ندوی) نے تبصرہ لکھا جو ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لیے پیش خدمت ہے۔ یہ دارالعلوم ندوہ کے پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء سے ماخوذ ہے۔ ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ___ ادارہ

مذکورہ تمہیدی اور تعارفی کلمات کے بعد آگے پورا مضمون نقل کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو ماہنامہ لولاک ملتان ص ۱۹ تا ۲۵۔ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ / اکتوبر ۲۰۱۳ء۔

"لولاک" کے مذکورہ شمارہ میں کل پندرہ عنوانات فہرست میں دیئے گئے ہیں جن میں سے صرف چار عنوانات کا "ٹائٹل" پر اشارہ دیا گیا ہے ان میں سے ڈاکٹر عبداللہ عباس کے توہین صحابہ پر مبنی انتہائی دل آزار، متعفن اور بدبودار مضمون کو خاص طور پر "ہائی لائٹ" کر کے "گلاب کے پھولوں" میں سجا کر قارئین کو متوجہ کیا گیا ہے جس سے نہ صرف مولانا اللہ وسایا کے "قصد اور نیت" کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے بلکہ بعد میں ان کے "ضروری اعتذار" کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ مولانا اللہ وسایا نے اسی زیر بحث شمارہ کے اداریہ میں قارئین لولاک کو یہ نوید بھی سنائی کہ "قارئین تک یہ شمارہ (سالانہ) کانفرنس (۲۵۔ اکتوبر ۲۰۱۳ء) سے قبل پہنچ جائے گا اور آپ سب اس کو پڑھ کر کانفرنس پر پہنچ جائیں گے" (ماہنامہ لولاک اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۵)

مولانا اللہ وسایا صاحب نے حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت معاویہ، حضرت یزید بن ابی سفیان اور دیگر اموی صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین پر مبنی اس بدبودار مضمون کو اس کی اشاعت اولین کے ۲۱ سال بعد "ریکارڈ" میں محفوظ کرنے کے لیے قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ کیا "ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں" کے الفاظ لکھ دینے سے صحابہ کرامؓ کی توہین اور بے ادبی میں "تخفیف" واقع ہو جائے

گی؟ کیا ''ادارہ'' اس توہین آمیز مضمون کی اشاعت پر عنداللہ و عندالناس بری الذمہ قرار دے دیا جائے گا؟

اگر بالفرض . . . . مولانا اللہ وسایا صاحب کا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے بدبودار مضمون کے مندرجات کے ساتھ اتفاق نہیں تھا تو پھر اسے کس کے ''ریکارڈ'' میں محفوظ کرنے کے لیے ''لولاک'' جیسے مذہبی آرگن میں شائع کرایا گیا؟ کیونکہ موصوف کے ''ریکارڈ'' میں تو یہ توہین آمیز مضمون پہلے سے محفوظ تھا۔

موصوف کو اس بات کا خدشہ تھا کہ ۲۱ سال پرانا مضمون لوگوں کے ذہن سے محو ہو گیا ہوگا اس لیے اسے ''تازہ'' کرنے اور ''ریکارڈ'' میں محفوظ کرنے کے لیے دوبارہ شائع کرنا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں موصوف کی ٹائمنگ (یعنی محرم سے ایک ماہ قبل) یقیناً قابل داد ہے کیونکہ ۱۵ نومبر ۲۰۱۳ء/ ۱۰ محرم ۱۴۳۵ھ کو دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی کا سانحہ رونما ہو گیا۔

یہاں یہ بات بھی قابل وضاحت ہے کہ ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء کو تعمیر حیات میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا جو مضمون شائع ہوا تھا اس کا عنوان کچھ یوں تھا کہ:

**واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر۔**

**تعمیر حیات کا تبصرہ**

از قلم مولانا عبداللہ عباس ندوی

لیکن مولانا اللہ وسایا صاحب نے ماہنامہ لولاک میں تعمیر حیات لکھنؤ ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء کے حوالہ سے ہی ڈاکٹر صاحب کا یہ تبصرہ اس عنوان کے تحت شائع کیا ہے کہ:

**''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر''...... کا تجزیہ!**

**یہ کتاب یزیدیت کی پنیری کا نیا گملہ ہے۔**

مولانا عبداللہ عباس ندوی

اس عنوان اور ترتیب سے تو یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ عنوان میں ''یہ کتاب یزیدیت کی پنیری کا نیا گملہ ہے'' کے الفاظ بھی ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ہی کے ہیں لیکن راقم الحروف کے پاس تعمیر حیات میں شائع شدہ اس مضمون کا مکمل فوٹو ہے اور اس میں مذکورہ الفاظ پورے مضمون میں کہیں بھی نہیں ہیں۔

دونوں مضامین کے عنوانات کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ الفاظ پر مشتمل ''مختصر مگر جامع'' تبصرہ مولانا اللہ وسایا صاحب کا خود اپنا ہے جو اس خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ شامل کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا اسے عبداللہ عباس ندوی کے ہی الفاظ سمجھے۔ طرفہ تماشا یہ کہ اس قدر اہتمام

اور تعارفی سطور کے ساتھ اشاعت کے باوجود یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ ''ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں'' اگر بالفرض اتفاق نہیں تھا تو پھر صحابہ کرامؓ کی توہین پرمبنی اس مضمون کی ۲۱ سال بعد محرم کے آغاز سے ایک ماہ قبل اشاعت کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ آخر اس بات کہ ''ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لیے پیش خدمت ہے'' اور ''ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں'' میں کیا ربط اور جوڑ ہے؟

بہر حال اس توہین آمیز مضمون کی اشاعت کے بعد چند حضرات کے توجہ دلانے پر مولانا اللہ وسایا صاحب نے لولاک کے اگلے شمارے میں قارئین سے معذرت کرلی جسے ہر مومن بالقرآن کے ''ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لیے ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

## ضروری اعتذار:

''ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ترجمان رسالہ ''تعمیر حیات'' ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تاریخ اسلام کی اشاعت میں گراں قدر خدمات، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی سرپرستی میں شائع ہونے والے اس رسالہ میں ندوہ کے نہ صرف فاضل بلکہ ناظم تعلیمات مولانا عبداللہ عباس ندوی کا ایک دیرینہ مضمون تھا۔ کسی نے اس کی فوٹو بھجوائی جو عرصہ سے بغیر پڑھے رکھ دی تھی۔ اب حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی کی نئی کتاب ''محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ'' تبصرہ کے لیے آئی تو فقیر نے عبداللہ عباس ندوی کا وہ مضمون جو ایک کتاب ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' پر تبصرہ تھا اسے بھی یہاں ریکارڈ کے لیے شائع کیا۔ کیونکہ محمود عباسی اور عتیق سنبھلی دونوں یزیدیت کے علمبردار اور ان کی کتابیں یزیدیت کی پنیری کا نیا گملہ ہیں۔

ماہنامہ لولاک کی ترتیب کی تمام تر ذمہ داری فقیر کے ذمہ ہے۔ شوال المکرّم تا ذی الحجہ شب وروز تین ماہ کے طوفانی اسفار رہے۔ ختم نبوت کانفرنس چناب نگر کی تیاری کی مصروفیت علاوہ ازیں تھی۔ چنانچہ ماہنامہ لولاک کے یہ شمارے بھاگم بھاگ میں مرتب ہوئے۔ اس مصروفیت میں ندوہ کے نام وکام کے اعتماد میں مولانا عبداللہ عباس ندوی کا مضمون دقت نظر سے نہ پڑھا جاسکا۔ سرسری اور سطحی نظر سے دیکھا۔ بعض مقام قلمزد بھی کیے، ''ادارہ کا مضمون سے اتفاق ضروری نہیں'' کا نوٹ لگا کر جلدی میں کمپوزنگ کے لیے بھجوادیا۔ ایسی چیزوں کی کمپوزنگ کے بعد کانٹ چھانٹ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ پروف ریڈنگ بھی اپنی مصروفیات کے باعث فقیر نہ کرپایا۔ جب ذی الحجہ کا پرچہ چھپ کر آیا تو بعض بہی خواہان نے توجہ دلائی کہ اس میں سیدنا حضرت (ابو۔ از مؤلف) سفیانؓ ایسے حضرات

سے متعلق ایسی بات آ گئی ہے جو کسی بھی طور پر کسی بھی مسلمان کے ایمانی تقاضا کے منافی ہے۔

امیر مرکز یہ حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، مولانا صاحبزادہ عزیز احمد، حضرت مولانا عبدالرؤف، مولانا محمد طیب فاروقی اسلام آباد اور دیگر احباب نے توجہ دلائی۔

جامعہ نعمانیہ ڈیرہ اسماعیل خان کے مولانا احسان اللہ احسان کے خط سے معلوم ہوا کہ اس مضمون سے خود مضمون نگار نے بھی رجوع کیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں اس مضمون کا جواب بھی لکھا گیا۔ مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی کی اس پر خط وکتابت بھی ہوئی۔ فقیر کے لیے یہ تمام معلومات نئی تھیں۔ اپنی لاعلمی پر بہت ہی ترس آیا۔ حضرات صحابہ کرامؓ، حضرات اہل بیت عظامؓ کی محبت اور ان کا احترام تمام مسلمانوں کے لیے ایمان کا حصہ ہے۔

اس مضمون کے قابل اعتراض حصوں پر جتنی اور اہل اسلام کی (اہل اسلام کی جتنی۔ از مؤلف) دل آزاری ہوئی۔ ان سب سے بڑھ کر اکیلے فقیر راقم اس سے دل گرفتہ ہوا۔ غفلت چاہے غیر ارادی تھی لیکن اس کا باعث فقیر بنا۔ اس پر اللہ رب العزت کے حضور تمام قارئین کے سامنے استغفار کرتا ہوں۔ تمام قارئین جن کی دل آزاری ہوئی، سے معذرت چاہتا ہوں۔ اللہ رب العزت جو دلوں کے رازوں کو جانتے ہیں وہ فقیر کی اس غیر ارادی غلطی کو معاف فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر سے نوازیں جنہوں نے اس پر تنبیہ فرمائی۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ بحمدہ تعالیٰ کسی بھی مسلمان سے اصحاب کرامؓ و اہل بیت عظامؓ سے محبت اور ان کے احترام میں کم نہیں ہوں۔ لولاک کا ریکارڈ گواہ ہے کہ جب سے اس کی ترتیب فقیر کے ذمہ لگی ہے اس دن سے کوئی شمارہ صحابہ کرامؓ، اہل بیت عظامؓ کے ذکر مبارک سے خالی نہیں۔ یہ کسی پر احسان نہیں بلکہ یہ بات ایمان کا حصہ اور عین تقاضا ہے۔ مگر بایں ہمہ انسان نسیان وخطا کا پتلا ہے۔

آئندہ کے لیے بھی دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان و اسلام کی سلامتی سے سرفراز فرمائیں اور خطاؤں سے محفوظ رکھیں۔ وماذلك على الله بعزيز۔ آمین بحرمة النبيّ الكريم۔

راقم (مولانا) اللہ وسایا

(ماہنامہ لولاک ملتان ص اندرون ٹائٹل۔ نومبر ۲۰۱۳ء)

قارئین کرام! اس "ضروری اعتذار" کو بار بار پڑھیں اور خود ہی یہ فیصلہ کریں کہ کیا اس "اعتذار" پر یہ مقولہ صادق نہیں آتا کہ: "معذرت راخندہ می آید بر استعذار"

زیر بحث دل آزار مضمون کی اشاعت کے حوالے سے بنیادی سوال یہی ہے کہ ۴۱ سال کے بعد اس کی اشاعت ''بھاگم بھاگ'' کیفیت میں کیوں ضروری سمجھی گئی؟موصوف نے اس کی بنیادی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ان دنوں میں مفتی عبدالشکور ترمذی کی کتاب ''محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ'' تبصرہ کے لیے آئی ہوئی تھی اس لیے فقیر نے عبداللہ عباس ندوی کا وہ مضمون جو ایک کتاب ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' پر تبصرہ تھا اسے بھی یہاں ریکارڈ کے لیے شائع کیا کیونکہ محمود عباسی اور عتیق الرحمٰن سنبھلی دونوں یزیدیت کے علمبردار اور ان کی کتابیں یزیدیت کی پیری کا نیا گملہ ہیں ۔''

اسی ''جذبہ صادقہ'' کے تحت موصوف نے دل آزار مضمون کے لیے لولاک کے پورے سات صفحات (۱۹ تا ۲۵) وقف کر دیے حالانکہ سنبھلی صاحب کی کتاب تو ان کے پاس برائے تبصرہ ہرگز نہیں آئی تھی ۔اگر سنبھلی صاحب کی کتاب سے قارئین کو آگاہ کرنا ضروری تھا تو پھر کیا اس کے لیے یہ بہتر نہیں تھا کہ اسے ترمذی صاحب کی کتاب پر تبصرہ کے ساتھ ہی شامل کر لیا جاتا ؟ یہ ملحوظ رہے کہ اس کتاب پر تبصرہ بھی ''لولاک'' کے اسی شمارہ میں شامل ہے جو خود ''ادارہ'' یعنی مولانا اللہ وسایا صاحب کے ہی قلم سے ہے ۔چنانچہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں کہ:

''رسوائے زمانہ محمود عباسی علیہ ما علیہ نے ایک کتاب لکھی جو تحقیق کے نام پر دجل دجال اور تلبیس ابلیس کا نمونہ تھی ۔اس کتاب کا نام ''خلافت معاویہ و یزید'' تھا۔اس کتاب کے ذریعے محمود عباسی نے پاکستان میں فتنہ یزیدیت کی بنیاد رکھی ۔پھر شیطانی ذریت بلکہ ذریت البغایا کی ایک فصل اُگ آئی ۔محمود عباسی کی کتاب حیا سوز تھی تو اس کا جواب ایمان افروز ہے ۔پڑھیے اور آنے والی نسل کو یزیدیت کے ملعون فتنہ سے بچایئے ۔'' (ماہنامہ لولاک ملتان اکتوبر ۲۰۱۳ ص ۵۲ ۔۵۳)

کاش کہ موصوف اسی شمارے میں ڈاکٹر ندوی کے مضمون کے لیے پورے سات صفحات وقف کرنے کے بجائے اسی مقام پر سنبھلی صاحب کی کتاب کا ذکر بھی کر دیتے ۔

مولانا اللہ وسایا صاحب کے ''اعتذار'' میں دوسری حیران کن بات یہ ہے کہ انہوں نے ۲۸ سطروں پر مشتمل اپنے اعتذار میں میں نفس مسئلہ پر صرف ''ایک سطر'' صرف فرمائی پھر اس میں صحابی کا پورا نام بھی نہیں لکھ سکے ''اس میں سیدنا حضرت سفیانؓ ایسے حضرات سے متعلق ایسی بات آ گئی ہے ....''

کاش مولانا اللہ وسایا صاحب ان صحابہ کرامؓ (جن کے ایمان پر ڈاکٹر عبداللہ عباس نے حیا سوز حملے کیے تھے ) کا بنام ذکر کر کے کم از کم اسی انداز میں تردید کر دیتے جس انداز میں انہوں نے محمود احمد عباسی کے نظریات کی تردید کی ہے ۔

# ۳۶۔ پیر سید نفیس الحسینی

(م ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء)

خاندانی نام "انور حسین" ہے جب کہ "نفیس الحسینی" کے قلمی نام سے شہرت پائی۔ سلسلۂ نسب خواجۂ دکن سید محمد گیسودراز سے ہوتا ہوا حضرت زید بن زین العابدین بن حسین بن علیؓ تک جا پہنچتا ہے۔ اسی نسبت سے آپ ایک عرصہ تک "سید انور زیدی" کے نام سے شعروشاعری فرماتے رہے اور اپنے آپ کو "زیدی" لکھتے رہے۔ بعد میں حضرت حسینؓ اور اپنے جدامجد خواجہ گیسودراز کی طرف نسبت کر کے "حسینی" کہلانے لگے۔

دینی تعلیم تو باقاعدہ کسی مدرسہ سے حاصل نہیں کر سکے البتہ دنیاوی تعلیم گورنمنٹ کالج لائل پور (فیصل آباد) سے انٹرمیڈیٹ تک پائی جب کہ فن خطاطی میں بام عروج تک پہنچے۔

۱۹۵۷ء میں برصغیر کے مشہور و معروف روحانی پیشوا حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک کے بعد "اجازت و خلافت" سے سرفراز ہوئے۔ چونکہ حضرت شاہ صاحب کا شجرہ حضرت زید بن زین العابدینؒ کے ساتھ ملتا ہے اس لیے ان کے ساتھ بے پناہ محبت وعقیدت تھی۔ اکلوتے بیٹے سید انیس الحسن تو ان کی زندگی میں ہی ۸۔ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو انتقال کر گئے تھے لیکن بڑے پوتے کا نام ان ہی کی عقیدت میں سید زید الحسن رکھا جنہیں اپنی زندگی کے اخیر ایام میں جانشینی کو ناپسندیدہ سمجھنے کے باوجود کسی نہ کسی مصلحت کے تحت اپنا جانشین نامزد فرما ہی دیا۔

۱۹۸۳ء میں اپنے سفرِ حج کے موقع پر "مسند امام زید" خرید کر ساتھ لائے اور اسے شائع کرانے کی خاطر اپنے ایک مرید مولوی محمد اشرف صاحب (فاضل مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ) کو ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ جب دوسرے علماء کو پتہ چلا تو انہوں نے مولوی اشرف صاحب کو ترجمہ کرنے سے منع کیا کہ اس سے "شیعیت" پھیلے گی جس سے وہ تذبذب کا شکار ہو گئے۔

یہ سن کر پہلے تو شاہ صاحب خاموش ہو گئے پھر فرمایا: "معلوم نہیں انہیں کیا ہو گیا۔ اہل بیت سے ان لوگوں کو اتنی پرخاش کیوں ہے؟ خیر کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ میرے (یعنی شاہ جی کے) دل میں خیال آیا کہ جیسے بھی ہو اس کتاب کو چھپنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے پختہ ارادہ کر لیا۔

ایک دن میں اسی جوش میں بیٹھا تھا کہ مولانا اشرف صاحب آئے ۔میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ مولانا آپ ترجمہ کریں یا نہ کریں ہم یہ کتاب ضرور چھاپیں گے ۔مولانا نے یہ دیکھ کر ہامی بھرلی کہ میں ضرور اس کا ترجمہ کروں گا...

حضرت نے فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اہل بیت سے بہت زیادہ تعلقات تھے۔ حضرت امام صاحبؒ نے حضرت امام جعفر صادقؒ اوران کے والد امام محمد باقرؒ سے حدیث پڑھی ہے...ادھر عراق میں امام صاحبؒ نے حضرت امام زید سے استفادہ کیا ہے اوران کی تحریک کا بھر پور ساتھ دیا ہے۔" (مجالس نفیس ص۲۸۶۔۲۸۸)

مولانا نعیم الدین صاحب استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو اہل بیت سے محبت ایک تو اس لیے ضروری ہے کہ یہ خاندان رسالت ہے اور حضور علیہ السلام سے محبت کا تقاضا ہے کہ خاندان رسالت سے محبت کی جائے۔دوسرے اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہم حنفی ہیں یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پیروکار ہیں ۔حضرت امام ابوحنیفہؒ کو اہل بیتؓ سے بہت زیادہ تعلق تھا۔آپ اہل بیت کرامؓ کی خدمت میں رہنے اوران کی خدمت کرنے کو باعث سعادت خیال فرماتے تھے آپ نے امام محمد باقر، امام جعفر صادق اورامام زید رحمہم اللہ سے علوم نبوت اوراشغال طریقت حاصل کیے تھے۔حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں دو سال رہے تھے۔ان دو سالوں کی نسبت امام صاحبؒ فرمایا کرتے تھے۔

"لو لا السنتان لهلك النعمان" اگر نعمان کو یہ دو سال نصیب نہ ہوتے تو وہ ہلاک ہو جاتا ۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اہل بیت کی جانب سے اٹھنے والی ہر تحریک کا ساتھ دیا تھا۔اموی حکمران ہشام بن عبدالملک کے خلاف جب حضرت امام زیدؒ نے خروج کیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ان کی مالی امداد بھی کی اوراس کے ساتھ ساتھ یہ بیان بھی جاری فرمایا:

"خُرُوْجُهٗ يُضَاهِيَ خُرُوْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَوْمَ بَدْرٍ" حضرت زید کا اس وقت اٹھ کھڑا ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر میں تشریف بری کے مترادف ہے.....ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بڑے جوش میں فرمایا:

"نہ معلوم لوگ اہل بیت سے اس قدر کیوں دور ہیں ، آخر یہ اہل بیت سے بچ کر کہاں جائیں گے؟ قرب قیامت تو پھر اہل بیت کا دور ہوگا۔اہل بیت کی عظمت کا اندازہ اس سے کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر سے بھی ایک نماز امام مہدی کی

اقتداء میں پڑھوائیں گے۔" (مجلس نفیس ص ۷۰ ۔۷۲)،

شاہ صاحبؒ نے فرمایا: "ہمیں اہل بیت سے شیعوں کا تسلط ختم کرنا چاہیے کیونکہ اہل بیت ہمارے ہیں۔اہل بیت کو شیعوں کے سپرد کرنے والی پالیسی ٹھیک نہیں ہے۔ہم اہل بیت کا کثرت کے ساتھ ذکر کریں گے تو شیعہ کا تسلط ختم ہو جائے گا۔"

ایک صاحب سے آپ نے فرمایا: جس طرح ہم پر صحابہ کرامؓ کا دفاع واجب ہے اسی طرح اہل بیت کا دفاع بھی واجب ہے۔اہل سنت والجماعت کے یہاں صحابہ کرامؓ اور اہل بیت دونوں باعظمت ہیں اس لیے کہ ان کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو وہ قابل عظمت ہے بلکہ اہل بیت کی عظمت زیادہ ہے کیونکہ ان کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے۔(حوالہ مذکور ص ۱۲۰)

مولانا نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں:

"جب ہم حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی زندگی اتباع سنت کا کامل نمونہ تھی۔شکل وصورت ہو یا لباس وپوشاک ، نشست وبرخاست ہو یا کردار وگفتار، کھانا پینا ہو یا سونا جاگنا ،ہر ہر امر میں آپ نے اتباع سنت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔شاہ صاحب مہر فاطمی پر نکاح پڑھایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ لڑکی کا والد پانچ ہزار روپے مہر پر مصر ہوا تو جلال میں آ گئے اور اس زور سے لڑکی کے والد کے منہ پر "ہاتھ" مارا کہ منہ سے خون نکل آیا لیکن "خلاف سنت" نکاح نہیں پڑھایا اور سب کو اٹھوا دیا۔(ملاحظہ ہو مجلس نفیس ص ۸۴ ۔۸۶)

معلوم نہیں کہ پیر صاحبؒ نے بھری محفل میں شریعت میں ایک جائز مطالبہ پر لڑکی کے والد کو اس قدر زوردار تھپڑ کیوں رسید کیا جس کی وجہ سے اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی نگرانی میں اپنے کلام "برگ گل" کی ترتیب وطباعت کرائی۔مرتب اظہار احمد گیلانی نفیسی قمیصی قادری لکھتے ہیں کہ:

"اس مجموعہ کی ترتیب میں ہر قدم پر جناب نفیس الحسینی مدظلہ العالی کی خواہش اور مشورہ شامل رہا ہے۔" (برگ گل ص ۵۹)

اس کتاب کے آخری باب "مصریرِ قلم" کے تحت شاہ صاحبؒ کی خطاطی کے چند نمونے بھی دیے گئے ہیں۔صفحہ ۱۲۱ پر ایک حدیث لکھی گئی ہے:

"حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيْمَانِ ــــ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت (جس کی پیر صاحب نے ''صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے الفاظ کے ساتھ تصدیق کی ہے) بالکل بے اصل اور محض جعلسازی ہے۔ایسی کوئی روایت نہ مرفوع ہے اور نہ کسی صحابی کا اثر ہے۔

''مجلس نفیس ؒ'' کے بنظر عمیق مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف ؒ میں بعض صوفیاء کرام کی طرح ''اہل بیت'' سے اظہار محبت وعقیدت میں اہل سنت کے اعتقاد کے مطابق مطلوبہ احتیاط کے بجائے ''غلو'' اور ''زیدیت'' کی مسلکی جھلک (یعنی تفضیلیت) صاف طور پر نظر آتی ہے۔ممکن ہے کہ یہ انداز انہوں نے مصلحتاً اہل تشیع کا ''اہل بیت'' سے تسلط ختم کرنے کے لیے اختیار کیا ہو۔علاوہ ازیں اسی ''مجلس نفیس ؒ'' کے آخر میں زیر عنوان'' کلک نفیس'' حضرات ''عشرہ مبشرہ'' کی ترتیب میں حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر مقدم کیا گیا ہے: ؎

دہ یار بہشتی اند قطعیے　　　　بوبکر و عمر، علی و عثمان

سعد است و سعید، بوعبیدہ　　　　طلحہ است و زبیر، عبدالرحمٰن

(مجلس نفیس ص ۴۹ ے)

جب کہ اسی صفحہ پر ایک دوسرے شعر میں درست ترتیب دی گئی ہے:

چراغ و مسجد و محراب و منبر　　　　ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ

مرتب ''مجلس نفیس'' محمود احمد عباسی کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پاکستان میں ناصبی تحریک کے بانی ...... آپ علی گڑھ کے فاضل اور سرسید کے افکار کے حامل تھے ۔امروہہ میں نیچری افکار کی ترویج اور بغض اہل بیت کی وجہ سے ان کی شہرت اچھی نہیں تھی ۔قیام پاکستان کے بعد کراچی چلے آئے اور یہاں رسوائے زمانہ کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' لکھ کر ناصبیت کے فروغ کا باعث بنے ۔ردِ شیعیت پر کام کرنے والے حضرات عموماً اور مماتی حضرات خصوصاً ان کی تحریک سے متاثر ہوئے ۔(مجلس نفیس ص ۵۸۱)

یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب ؒ فتنۂ ناصبیت'' کے خلاف زندگی بھر برسر پیکار رہے بلکہ ''اٹھنے والے ہر فتنہ پر نظر رکھتے تھے خواہ وہ داخلی فتنہ ہو یا خارجی فتنہ اور نئے پیدا شدہ فتنوں کے خلاف جہاں خود سعی وکوشش فرماتے تھے وہیں اپنے احباب ومتوسلین کو بھی ان کے دفعیہ کی طرف متوجہ فرماتے تھے ۔فتنہ خارجیت ہو یا رافضیت ،مماتیت ہو یا یزیدیت ،قادیانیت ہو یا غیر مقلدیت سب ہی سے آپ نہایت خاموشی کے ساتھ برسر پیکار رہے ۔'' (مجلس نفیس ص ۱۱۱)

مرتب ''مجلس نفیس'' لکھتے ہیں: ''آج کل بہت سے لوگ کراچی کے محمود احمد عباسی کی زہریلی تحریک سے متاثر ہو کر اہل بیت سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور العیاذ باللہ امام عالی مقام حضرت امام حسینؓ کو یزید کے مقابلہ میں خطاوار سمجھنے لگے ہیں۔ اس پر حضرت شاہ صاحبؒ انتہائی افسوس کا اظہار فرماتے تھے کہ ہمارے اکابر اہل بیتؓ کے مناقب بیان کرتے تھے اور یہ جدید محقق یزید کی صفائیاں پیش کرنے میں لگے ہوئے ہیں... (بحوالہ سید متین ہاشمی فرمایا) دیوبندیت کو دو چیزوں نے بہت نقصان پہنچایا ہے ایک یزیدیت دوسرے مماتیت۔'' (مجلس نفیس ص ۷۰)

جانشین امیر شریعتؒ سید عطاء المنعم شاہ بخاریؒ یکے از زعمائے اہل سنت والجماعت تھے۔ انہوں نے ہر باطل فرقے اور ''فتنے'' بالخصوص رافضیت وسبائیت کے خلاف بہت کام کیا شاید اسی وجہ سے نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ نے انہیں بھی علامہ محمود احمد عباسی کے متاثرین میں شامل کر لیا؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''عطاء المنعم شاہ صاحب (اپنے نام کے ساتھ) صرف ابوذر بخاری لکھا کرتے تھے لیکن جب محمود احمد عباسی کی کتاب کو پڑھا اور اس سے متاثر ہوئے تو پھر ابو معاویہ بڑھا لیا۔

فرمایا: عباسی کی کتاب نے بڑا ستم ڈھایا ہے بڑے بڑے اس سے دھوکہ کھا گئے۔

فرمایا: شاہ (عطاء المنعم شاہ) صاحب نے مجھ سے خود کہا تھا کہ میں نے یہ کتاب (خلافت معاویہؓ ویزید) سو دفعہ پڑھی ہے۔ شاہ صاحبؒ کراچی جا کر اس سے ملے بھی تھے۔'' (مجلس نفیس ۲۳۵-۲۳۶)

جانشین امیر شریعتؒ کے متعلق تو یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' سے متاثر ہو کر اپنی کنیت ''ابو معاویہ'' رکھی کیونکہ وہ خود پاکستان میں تحریک تجدید اسمائے صحابہؓ کے بانی تھے۔ انہوں نے بڑی کٹھن مہم چلا کر سینکڑوں لوگوں کے گھروں میں نومولود بچوں کا نام ''معاویہ'' رکھوایا۔

خاندان رسالت کے ایک ممتاز فرد ہونے کے باوجود اپنی ''خاندانی عصبیت'' کو قربان کر کے برصغیر کے سادات کی تاریخ میں پہلی بار خود اپنے بچوں کے نام ''محمد معاویہ'' اور ''محمد مغیرہ'' رکھے۔

سخت حیرت ہے کہ ایسے جری، نڈر، بے باک اور بہادر شخص کے بارے میں سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ نے یہ کس طرح لکھ دیا کہ

''ہمارا یہ مضمون مولانا عطاء المنعم شاہ صاحبؒ نے بھی پڑھا۔ ان کے یہاں کسی کی خوبی مشکل سے بیان ہوتی تھی لیکن اس مضمون کے بارے میں فرمایا یہ ''ایٹم بم'' ہے۔'' (مجلس نفیس ۲۵۴)

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جانشین امیر شریعتؒ اپنے وپرائے اور دوست ودشمن کی پروا کیے بغیر ہر شخص کی ''واقعی خوبی'' بیان کرنے میں ہرگز بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے یزید سمیت محمود احمد عباسی تک کی ''خوبی'' بیان کرنے میں کبھی ''بخل'' سے کام نہیں لیا۔

چنانچہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے جانشین امیر شریعتؒ فرماتے ہیں:

''مجھ سے پہلے جس یزید کی تردید ہو رہی تھی میرا تو ایمان ہے کہ صحابہؓ کی جوتیوں کی برکت سے اگر میں تقریر نہیں کروں گا تو اس یزید کی جوتی کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی ____ وہ بہت بڑا مشہور رہا؟

لیکن یقیناً وہ ابن سبا سے برا نہیں ہے، حسن بن صباح سے برا نہیں ہے، سکندر مرزا سے برا نہیں ہے، خمینی سے برا نہیں ہے؛ اس لیے کہ وہ صحابی کا بیٹا ہے، صحابی کا پوتا ہے، تابعی ماں کا بیٹا ہے اور ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ کا بھتیجا ہے۔

وہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے مقابلے میں تو برا ہو سکتا ہے ہر لپاڈیے کو اس کے مقابلے میں نہیں لایا جا سکتا۔شرابیوں اور زانیوں کو اس کے مقابلے میں کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔جن کے باپ کا سات ضلعوں میں پتہ نہ ہو وہ یزید کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' (ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ص ۲۱۰۔ اشاعت خاص اکتوبر،نومبر ۱۹۹۷ء)

حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب، مولانا قاری قیام الدین الحسینی کی تالیف ''تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ''پرا پنی'' تقریظ'' میں فرماتے ہیں:

آخر میں یہ اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس زمانہ میں محمود احمد عباسی کی تحریروں سے متاثر ہونے والے اکثر لوگ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے جادۂ حق سے تجاوز کر جاتے ہیں اور خاتم الخلفاء الراشدین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تنقیص وتوہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اس افراط وتفریط سے بھی مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔

(آگے بحوالہ مولانا محمد منظور نعمانی، امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی کے ''غیر معمولی اعتدال'' کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:)

ایک موقع پر حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''حضرت علی المرتضیٰؓ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابر ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سر کا تاج ہیں لیکن حضرت علی المرتضیٰؓ سے ان کو کیا

نسبت؟ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہؓ کوجگہ مل جائے توان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔''

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو راہ حق واعتدال نصیب فرمائے اور آخرت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب کے ساتھ محشور فرمائے آمین ــــــ سید نفیس الحسینی۔کریم پارک لاہور۔'' (تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۹۔۲۰)

چنانچہ قاری قیام الدین صاحب نے پیر صاحب کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اسی ''معتدل قول'' کو اپنی کتاب کے آخر میں زیر عنوان ''گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی'' مع ترجمہ نقل کر دیا کہ''ان کی مجلس میں اگر صف نعال (جوتوں کی صف) میں حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے توان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے'' (حوالہ مذکور ص ۲۲۷)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ بعد از ثلاثہؓ جماعت صحابہ میں سب سے افضل ہیں لیکن ایک کاتب وحی اور جلیل القدر صحابی کو ''جوتوں'' کی صف میں بٹھانا بھی یقیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص ہے کیونکہ ''صف نعال'' کسی مجلس کی آخری صف بھی شمار نہیں ہوتی۔اس پر بحث پیچھے زیر عنوان ''امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ'' گزر چکی ہے۔

سخت حیرت ہے کہ ہمارے بزرگ سراسر ''توہین وتنقیص'' پر مبنی اس قول کو ''غیر معمولی اعتدال'' قرار دے رہے ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ پیر سید نفیس الحسینی صاحب، اللہ تعالیٰ سے سب مسلمانوں کو اسی ''راہ حق واعتدال'' نصیب فرمائے جانے کی دعا بھی فرما رہے ہیں۔

گویا پیر صاحب نے راہ ''حق واعتدال'' متعین فرما دی ہے۔اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنے والا شخص اگر انہیں ''صف نعال'' میں جگہ نہیں دے گا تو وہ محمود احمد عباسی کی تحریرات سے متاثر، حد شکن، افراط وتفریط کا شکار، جادۂ حق سے تجاوز کرنے والا اور خاتم الخلفاء الراشدین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تنقیص وتوہین کا مرتکب سمجھا جائے گا۔

سید نفیس الحسینی صاحب کی وفات کے پانچ سال بعد ان کے خادم خاص نے علامہ ابن حجر مکی کی کتاب ''تطہیر الجنان'' مترجمہ مولانا عبدالشکور لکھنوی شاہ نفیس اکیڈمی کی طرف سے اپریل ۲۰۱۲ء میں شائع کی تو انہوں نے قاری قیام الدین صاحب کی کتاب پر شاہ صاحب کی تحریر کردہ تقریظ کو اس کتاب کا ''مقدمہ'' بنا دیا۔ملاحظہ ہو ''مناقب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' ص ۱۰ تا ۱۲ علاوہ

ازیں میاں رضوان نفیس صاحب نے ''انتساب'' میں پیر صاحب کو حسب ذیل القابات سے یاد فرمایا:

''امام العاشقین، زبدۃ الواصلین، برہان العارفین، سید الاولیاء، سید الاصفیاء، رہبر شریعت وطریقت، سید السادات، مجمع السادات، مظہر انوار نبویؐ، مقبول بارگاہ الٰہی، قطب الاقطاب حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی روح پرفتوح کے ____ نام (ص۴)

بہر حال حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے تقابل میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اس قول کو نقل کرنا، عظمت صحابہ سے ناآشنائی ہے۔ احترام صحابیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر ایک طرف کوئی عام صحابی جن کی کوئی نمایاں خدمت سامنے نہ آئی ہو اور دوسری طرف حضرت علیؓ نہیں بلکہ افضل امت حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوں تو بھی اس قول کو برداشت نہ کر سکے۔

چونکہ حضرت نفیس الحسینی صاحب سمجھتے تھے کہ محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' عوام وخواص کو مسلک حق سے ہٹانے میں مدد دیتی ہے اور اس کا زہر خوب پھیل رہا ہے اس لیے انہوں نے عباسی صاحب کی کتاب کے جواب میں قاضی اطہر مبارک پوری کی ۱۹۶۰ء میں شائع ہونے والی کتاب ''سیدنا علیؓ وسیدنا حسینؓ'' کی تلخیص کی ذمہ داری خود اٹھائی اور بالآخر ۲۰۰۳ء میں خوبصورت اور عمدہ جلد میں بڑے سائز کے ۴۲۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مکتبہ سید احمد شہید لاہور کی طرف سے منظر عام پر آ گئی۔ مرتب ''مجلس نفیس'' مولانا نعیم الدین صاحب نے نفیس الحسینی صاحب کی تصانیف کے ذیل میں چودہویں نمبر پر ''تلخیص سیدنا علیؓ وحسینؓ'' کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں بھی مختلف مقامات پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''تعریض'' کی گئی ہے۔

ایک طرف تو پیر صاحب حضرت علیؓ کو ''خاتم الخلفاء الراشدین'' لکھ رہے ہیں اور دوسری طرف اپنی ''تلخیص'' میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بھی ''خلیفہ راشد'' قرار دے رہے ہیں (ملاحظہ ہو ص ۳۰۸) بلکہ آگے یہ تصریح بھی پائی جاتی ہے کہ: ''یہ بات واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ اہل سنت والجماعت کے متفقہ فیصلے کے مطابق یزید فاسق تھا نیز بجائے حضرت امیر معاویہؓ کے حضرت عمر بن عبدالعزیز پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔'' (سیدنا علیؓ وسیدنا حسینؓ ص ۴۱۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ''رشد'' کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''رشد'' کے ساتھ کیا مناسبت ہو سکتی ہے، اول الذکر کا رشد ظنی ہے جب کہ ثانی الذکر کا ''رشد'' نصی، قطعی، یقینی وقرآنی ہے۔

حضرت معافی بن عمران سے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مقام کے بارے میں پوچھا گیا تو:

"فغضب غضباً شديداً و قال لايقاس بأصحاب النبي صلّى اللّه عليه وسلّم أحد، معاوية صاحبه وصهره وكاتبه وأمينه على وحي اللّه" **(تطہیر الجنان ص ۱۰)**

انہوں نے سخت غصہ کا اظہار کیا اور فرمایا اصحاب رسولؐ کے مقابلہ میں کسی اور کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی، اللہ کی وحی کے کاتب اور امین ہیں۔

اگر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت، "خلافت راشدہ" ہو سکتی ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تو بدرجہ اولیٰ خلافت راشدہ ہے۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔ اس موضوع پر تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے خواہش مند قارئین راقم الحروف کی ضخیم کتاب (مشتمل بر ۸۳۲ صفحات) "عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

یہ حضرات، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ "راشد" کا لفظ گوارا نہیں کر سکتے جب کہ ان کے مشائخ طریقت اور ان کے خلفاء بھی مقام "رشد و ہدایت" پر فائز ہیں۔ چنانچہ نفیس الحسینی صاحب لکھتے ہیں: "پہلے ایسا ہوتا تھا کہ مشائخ اپنے خلفاء کو مختلف مقامات پر مخلوق کی "رشد و ہدایت" کے لیے خود بھیجتے تھے۔" (مجلس نفیس ص ۲۳۹)

بلکہ حضرت نفیس الحسینی صاحب خود بھی اس مقام "رشد و ہدایت" پر فائز ہیں۔ چنانچہ سید اظہار احمد گیلانی صاحب موصوف کے متعلق لکھتے ہیں: "جہاں تک اپنی فہم کا تعلق ہے یہ "ادبی خود احتسابی" اُن کے موجودہ مقام رشد و ہدایت پر فائز ہونے، عالمانہ تقدس اور شعور فکر و نظر کا فطری تقاضا ہو سکتی ہے....." (برگ گل۔ص ۳۰)

☆☆☆☆☆☆

# ۴۷۔ پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی

(م ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء)

پیر سید نصیر الدین نصیر کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ حضرت پیر مہر علی شاہ کے پوتے، پیر سید غلام معین الدین گیلانی کے صاحبزادے ہیں۔ وہ ۱۴۔ نومبر ۱۹۴۹ء کو گولڑہ میں پیدا ہوئے۔ وہ شاعر ہفت زبان ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے نقاد، محقق، مذہبی و روحانی پیشوا اور دانشور بھی تھے۔ انہوں نے چالیس سے زائد کتب تصنیف کیں جن میں سے "نام و نسب" سب سے زیادہ ضخیم اور اہم ہے۔

موصوف ۱۳ فروری ۲۰۰۹ء کو جمعہ کے روز دو بجے دن ۶۰ سال کی عمر میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال فرما گئے اور ۱۴ فروری ۲۰۰۹ء کو آستانہ گولڑہ شریف میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

ان کی قبر کے اوپر بڑا سا فانوس بھی لگایا گیا ہے۔ قبر کا کتبہ سفید ماربل کا بنا ہوا ہے تاہم اس پر کالے رنگ کا مخمل کپڑا چڑھایا گیا ہے جس پر نہایت نفاست کے ساتھ گولڈن دھاگے سے کڑھائی کی گئی ہے۔ محرابی شکل میں تیار کیے گئے کتبے پر دھاگے سے نقش نگاری کی صورت میں حاشیہ بنایا گیا ہے جس کے اندر سب سے اوپر بسم اللہ شریف درج ہے۔ اس سے نیچے دو گول دائروں کی شکل میں دائیں جانب "یا اللہ" اور بائیں جانب "یا رسول اللہ" تحریر کیا گیا ہے۔

کتبہ کے غلاف کے نچلے حصے پر بڑے حروف میں "پیر سید علامہ نصیر الدین نصیر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ درج ہے۔ نام کے اندر سے سورج کی شعاعیں اوپر کی طرف پھیلتی نظر آ رہی ہیں۔ سورج کی کرنوں کے اوپر دائیں سے بائیں: "حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ" کے نام تحریر کیے گئے ہیں۔

پیر صاحب کی قبر پر ہرے رنگ کی بے شمار چادریں بھی چڑھائی گئی ہیں جن پر آل رسول اور خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

پیر نصیر الدین نصیر کے والد پیر سید غلام معین الدین شاہ گیلانی کا کتبہ سفید ماربل سے تیار کردہ ہے۔ اس پر گاڑھے نیلے رنگ کا مخملی غلاف چڑھا گیا ہے۔ غلاف پر گولڈن رنگ کے دھاگے سے کشیدہ کاری کی مدد سے کپڑا پر حاشیہ، القابات اور نام درج کیا گیا ہے۔ کتبہ کے اوپر والے حصہ پر ۷۸۶/۹۲ تحریر کیا گیا ہے، جس سے نیچے "یا محمد، یا علی، یا فاطمہ، یا حسن، یا حسین" تحریر کیا گیا ہے۔

ان ناموں کے درمیان میں "ھو القادر" درج ہے۔اس کے نیچے یہ اشعار ہیں:

سیدی و مرشدی یا خواجہ مہر علی
دوست رکھتے ہیں تجھے دنیا کے سب غوث و قطب
دید تو دید علی یا خواجہ مہر علی
تو ہے ولیوں کا ولی یا خواجہ مہر علی
وقت آخر یا الٰہی لب پہ ہو مشتاق کے
خواجہ مہر علی یا خواجہ مہر علی

ان اشعار کے نیچے "مرقد انور، عمدۃ الواصلین، قدوۃ السالکین، سلطان العارفین، سیادت پناہ حضرت قبلہ پیر سید غلام معین الدین شاہ گیلانیؒ (المعروف بڑے لالہ جی) درج ہے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی قبر کا کتبہ بھی سفید مار بل سے بنایا گیا ہے جس کے اوپر والے حصے پر کالے رنگ کا مخملی غلاف چڑھایا گیا ہے جس پر گولڈن دھاگے سے "مہر علی شاہ" تحریر ہے۔اس سے نیچے قرآنی آیات درج ہیں جب کہ کتبہ کے نچلے حصہ پر بڑے حروف میں "ھـــذا مرقد الشریف" کندہ کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر نصیر الدین اور ان کے والد کی قبروں کے کتبوں پر "پنجتن" کے اسمائے گرامی درج کیے گئے ہیں۔اس کا زیادہ تر رواج اہل تشیع کے ہاں پایا جاتا ہے۔

اس "تمہید" کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیر نصیر الدین صاحب کے خیالات ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں:

موصوف بروایت امام حاکم ارشاد نبویؐ نقل کرتے ہیں کہ:

"بنوامیہ اور یزید کے بارے میں چند احادیث نقل کر رہا ہوں، یاد رہے کہ ان کے ناقل شیعہ نہیں خالص سنی ہیں۔مگر آپ کہیں گے کہ سنی بھی آدھے شیعہ ہوتے ہیں اگر اہل بیت سے محبت وعقیدت شیعیت ہے تو سنی ضرور شیعہ ہیں مگر بفضلہٖ تعالیٰ خارجی نہیں ہو سکتے۔ارشاد نبوی ہے:

"میرے اہل بیت کو میرے بعد قتل اور سخت تشدد کا سامنا کرنا پڑے گا اور بے شک ہماری قوم سے بنوامیہ اور بنومخزوم ہمارے ساتھ بغض میں سخت ہیں۔" (رواہ حاکم) (نام ونسب باب نہم ص ۵۱۱۔۵۱۲)

یہ ملحوظ رہے کہ امام حاکم مشہور شیعہ ہیں۔(ملاحظہ ہو لسان المیزان جلد ۵ ص ۲۳۲)

اس میں شک نہیں کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خلیفہ برحق تھے اور اس پر اجماع امت

ہے۔ جناب امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف جو رویہ اختیار کیا وہ کسی بھی لحاظ سے پسندیدہ نہ تھا۔ ان کے اس رویے کو محض خطائے اجتہادی قرار دے کر، موجب اجر و ثواب سمجھنا محل نظر ہے۔ کسی شرعی مسئلہ میں حتی الوسع جدو جہد کے بعد اجتہادی غلطی کا معاملہ کچھ اور ہے مگر دینوی اور ملکی امور میں ایسی اجتہادی خطاء کو جو موجب فتنہ بنے، باعث اجر و ثواب قرار دینا قرین دانش مندی وانصاف نہیں۔

ہمیں درجۂ صحابیت کا لحاظ ہے اور ہم جناب امیر معاویہؓ کے بارے میں کوئی عناد نہیں رکھتے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ہم ان کے اس طرز عمل کو اجتہادی کارنامہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ہم اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں اہل سنت والجماعت کی چند نامور اور معتبر شخصیات کی عبارات و نظریات پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

مشہور عاشق رسولؐ اور عارف حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی نقشبندی فرماتے ہیں: ع

جمعے از بیعتش ابا کردند　و ندراں سرکشی خطا کردند

ترجمہ: ایک جماعت نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کیا اور اس (جماعت) نے سرکشی میں خطا کی۔

اپنی اسی تصنیف میں مولانا جامی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

واں خلافے کہ داشت با حیدرؓ　در خلافت صحابی دیگر
حق در آنجا بدست حیدرؓ بود　جنگ با او خطائے منکر بود

ترجمہ: اور وہ دوسرا صحابی جو بہ سلسلہ خلافت حضرت علیؓ سے اختلاف رکھتا تھا (یعنی جناب معاویہ) اس وقت حق حضرت علی المرتضٰی کی طرف تھا اور ان سے جنگ کرنا خطائے منکر تھا یعنی ناپسندیدہ خطا تھی۔

مقتدر فقیہ اور مصنف بہار شریعت علامہ مفتی امجد علی صاحب قادری رضوی فرماتے ہیں:

مجتہد سے خطا و صواب دونوں صادر ہوتے ہیں۔ خطا دو قسم ہے۔ خطائے عنادی۔ یہ مجتہد کی شان نہیں۔ اور خطائے اجتہادی۔ یہ مجتہد سے ہوتی ہے۔ اور اس سے اس کے صاحب پر انکار نہ ہوگا۔ یہ وہ خطائے اجتہادی ہے جس سے دین میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہوتا ہو جیسے ہمارے نزدیک مقتدی کا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا۔

دوسرے خطائے منکر یہ وہ خطائے اجتہادی ہے جس کے صاحب پر انکار کیا جائے گا کہ اس کی خطا باعث فتنہ ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت سیدنا امیر المومنین علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے خلاف اسی قسم کا تھا۔" (نام و نسب باب نہم تحت "اجتہادی خطاء کی حقیقت ص ۵۴۲-۵۴۳)

جب کہ ایک دوسرے نقشبندی بزرگ حضرت مجدد الف ثانی، جامی کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا جامی نے جو خطائے منکر کہا ہے اس نے بھی زیادتی کی ہے۔ خطاء پر جو کچھ زیادہ کریں خطاء ہے اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ ''اگر وہ لعنت کا مستحق ہے... الخ'' یہ بھی نامناسب کہا ہے۔ اس کی تردید کی کیا حاجت ہے اور اس میں کون سا محل اشتباہ ہے اگر یہ بات یزید کے حق میں کہتے تو بے شک جائز تھا لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کہنا برا ہے۔

(مکتوبات امام ربانی جلد دوم اردو۔ حصہ چہارم دفتر اول ص ۷۹ ۵۔ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)''

''چونکہ خارجی فضائل اہل بیت کی احادیث کو موضوع اور ضعیف قرار دیتے ہیں اس لیے مناسب ہے جن احادیث کو وہ صحت کا اعلیٰ معیار سمجھتے ہیں ان احادیث کے متعلق محدثین کی رائے بھی پیش کر دی جائے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسحاق بن راہویہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ معاویہ بن ابی سفیان کے فضائل کی روایات میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔

اور ابن جوزی نے عبداللہ بن احمد کی روایت سے نقل کیا ہے کہ:

میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے پوچھا کہ آپ جناب علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں تو آپ نے سر جھکا لیا اور پھر کہا کہ یہ بات یاد رکھو کہ حضرت علیؓ کے دشمن بہت تھے جنہوں نے آپ کی عیب چینی کرنا چاہی لیکن کچھ نہ پایا۔ پھر انہوں نے ایک ایسے شخص کا سہارا لیا جس نے علیؓ کے ساتھ جنگ کی (پس اس کی تعریف میں غلو سے کام لیا) جس سے ان کا مقصد علیؓ کے بارے میں فریب دینا تھا۔

صاحب فتح الباری فرماتے ہیں کہ امام احمد نے اپنے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ لوگوں نے جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے اپنی طرف سے فضائل ومناقب کی جو روایات گھڑلی تھیں ان کی کوئی اصل نہیں اور فضائل معاویہؓ میں بہت سی احادیث مروی ہیں لیکن ان میں سے کوئی روایت ایسی نہیں جو اسناد کے لحاظ سے صحیح ہو۔

...... امام ابن حجر عسقلانی کے مطابق امام احمد بن حنبل کے اشارے سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جناب امیر معاویہؓ کے سلسلے میں امیہ نوازوں نے احادیث فضائل اس لیے گھڑی تھیں تاکہ لوگ جناب علیؓ سے بدظن ہو جائیں کہ علیؓ ایسے عظیم انسان سے برسرپیکار رہیں جس کے متعلق رسالت مآبؐ سے اتنی احادیث مروی ہیں۔ جب امیہ پرستوں نے احادیث گھڑنے کی اتنی زحمت صرف اس لیے اٹھائی کہ وہ اس سے جناب امیر معاویہؓ کی فضیلت واہمیت ثابت

کر سکیں....." (نام ونسب ص ۵۱۴-۵۱۵)

"شیخ ابن تیمیہ (اگرچہ شیعوں کے شدید مخالف ہیں اور ان کے عقائد باطلہ کی تردید میں ایک ضخیم کتاب منہاج السنہ کے نام سے تصنیف کی جسے آفاقی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔اس منہاج السنہ میں ابن تیمیہ جناب معاویہؓ کے فضائل اور ان کے اجتہاد کے سلسلے میں مروی احادیث کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ہاں معاویہؓ کے ساتھ مروانیہ وغیرہم کا ایک بڑا گروہ ہے...اور اس سلسلہ میں معاویہؓ کے لیے بہت سی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں جیسے کتاب المروانیہ جس کے مصنف حافظ ہیں اور ایک گروہ نے تو معاویہؓ کے فضائل میں من گھڑت روایات اور احادیث رسالت مآبؐ سے روایت کیں لیکن وہ سب کی سب جھوٹ ہیں.... (منہاج السنہ الجزء الثانی ص ۲۰۷)

خوارج اور امیہ پرستوں سے اتنی گزارش ضرور کی جاتی ہے کہ وہ جن احادیث کو فضائل جناب معاویہؓ میں بطور سند و دلیل پیش کرتے ہیں ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک بلحاظ سند ان میں ایک روایت بھی صحیح نہیں۔(نام ونسب ۵۱۷-۵۱۸)۔

"بدعات کا سلسلہ اگرچہ جناب معاویہؓ کے دور امارت میں شروع ہو گیا تھا مگر ان کے اخلاف نے تو انتہا کر دی۔یہاں اس تفصیل میں جانے کا وقت نہیں مختصراً ایک بدعت کا ذکر کیا جاتا ہے:

عیدین میں اذان اور اقامت نہ کہنا سنت ہے مگر جناب معاویہؓ نے نماز عید سے پہلے اذان اور تکبیر شروع کروا دی۔چونکہ ایسے تاریخی حقائق و شواہد کو زیر بحث لانا ہمارا موضوع نہیں ورنہ بے شمار ایسے تاریخی حقائق حوالہ جات کے ساتھ پیش کیے جا سکتے ہیں جن کے مطالعہ سے انسان ضرور چونک اٹھتا ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوا؟ اور قرآن و سنت میں اس کا ثبوت کہاں پر موجود ہے؟" (نام ونسب ص ۵۱۹)۔

"آپ (یعنی حضرت پیر مہر علی شاہ) جناب حسنؓ کی دست برداری خلافت سے لے کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد مقدس تک کے درمیانی عہد امارت کے بارے میں فرماتے ہیں:

خلفائے اربعہ اور مختصر عہد خلافت حسنیؓ کے بعد خلافت کی صورت ہی باقی رہ گئی اور کمال معنی ختم ہو گیا۔جیسا کہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور حکومت۔

چنانچہ حدیث شریف میں "هُدْنَةٌ عَلَى دَخَنٍ" (یعنی صلح بر کدورت) کے جو الفاظ وارد ہیں ان کا یہی مفہوم ہے، پھر رفتہ رفتہ سلسلۂ خلافت بالکل جبری حکومت اور رعونت الی جہنم تک

پہنچ گیا لیکن مشیت ایزدی کے مطابق پھر ایک ایسا انقلاب رونما ہوا جس میں خلافت راشدہ کی مشابہت دوبارہ آ گئی۔ یہ مبارک دور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا تھا۔

آپ نے غور فرمایا کہ جناب حسنؓ کے بعد صورت رہ گئی اور کمالِ معنی ختم ہو گیا۔ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ کے الفاظ کی جامعیت دیدنی ہے خصوصاً "معنی بہ وجہ اتم مفقود" کا جملہ۔

ساتھ ہی آپ نے یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ جناب حسنؓ کے ترک خلافت کے بعد خلافتِ راشدہ کی معنوی مشابہت کسی اموی امیر کے دور میں نہیں پائی گئی۔ البتہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور کو خلافت راشدہ میں شمار کرتے ہیں۔

اگر جناب معاویہؓ کے دورِ امارت میں بھی خلافت راشدہ کی معنویت پائی جاتی تو ان کے دور کو بھی بطریق اولیٰ خلافت راشدہ میں شامل کیا جاتا کیونکہ وہ تو صحابی بھی ہیں، عمر بن عبدالعزیز صحابی تو نہیں مگر ان کے دور کو خلافت راشدہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

مطلب یہ نکلا کہ اگر ایک صحابی "وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کے عہد خلافت کی جھلکیاں اپنے دورِ اقتدار میں پیدا نہ کر سکے تو اسے خلافت راشدہ کے مرتبہ ومقام کے زمرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا اور ایک غیر صحابی (حضرت عمر بن عبدالعزیز) جو خود بھی اموی ہیں مگر ان کا دور، خلافت راشدہ کی مکمل تصویر تھا۔ اس لیے وہ غیر صحابی ہونے کے باوجود اس کے اہل ہیں کہ ان کے دورِ اقتدار کو نہ صرف یہ کہ دورِ امارت نہ کہا جائے بلکہ اسے عہد خلافت راشدہ کے زریں دور میں شامل سمجھا جائے۔

خلفائے راشدین کے متعلق یہ حدیث موجود ہے "فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ" کہ اے صحابہ اور امت مسلمہ تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے مطابق اس کی سنت کا اتباع ضروری ہوگا جس کے دورِ اقتدار میں خلفائے راشدین کی معنویت پائی جائے اور جس کے دورِ اقتدار میں خلافت راشدہ کا رنگ ڈھنگ نہ ہو اس کی سنت کا اتباع نہ کیا جائے گا اور پھر یہ کہ یہ حکم دورِ صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے مخاطبین اول صحابہؓ اور پھر قیامت تک آنے والی امتِ مسلمہ ہے۔

اس تفصیلی جائزے سے ایک منصف مزاج اور ذی عقل انسان بنو امیہ کی دینی حیثیت اور مقام کا خود اندازہ کر سکتا ہے۔ اگر اب بھی کوئی شک وشبہ ذہن کے کسی گوشے میں جاگزیں ہو جب کہ ہم نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہا تو ایسی صورت میں ان افراد کے لیے ہم بارگاہ ایزدی میں یہی دعا کر سکتے ہیں: ع

بہ ایں بے حاصلاں یا دانشے یا مرگ ناگاہے　　(نام ونسب باب نہم ص ۵۴۴۔۵۵۵)

☆☆☆☆☆☆☆

# ۳۸۔ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی (م ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء)

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی ایک معروف بین الاقوامی سکالر ہیں لیکن اپنے ''بھائی'' ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی طرح اموی صحابہ کرامؓ بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ''تبرا'' کی عبادت سرانجام دیتے ہوئے نہایت ہی اطمینانِ قلب محسوس کرتے ہیں۔پہلے ڈاکٹر صاحب کی چند ''**تعلیات**'' ملاحظہ فرمائیں:

ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب نے ۱۹۹۰ء میں شاہ بلیغ الدین مرحوم کے ایک مضمون کا تعاقب کرتے ہوئے زیرعنوان ''خانوادہ نبوی کی بحث سے متعلق آخری وضاحت'' ایک جواب تحریر کیا تھا جو ہفت روزہ تکبیر کراچی ۱۷مئی ۱۹۹۰ء میں شامل اشاعت ہے۔اس مضمون میں موصوف اپنے علمی مقام کا تذکرہ ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ:

''یہ ناچیز طالب علم حجازِ مقدس اور مصر میں ازدواتعلیم کے بعد دمشق یونیورسٹی اور پھر کیمرج میں ڈاکٹریٹ کا طالب علم بھی رہا ہے۔ندوہ میں تو اس نے صرف ایک سال گزار کر عالیہ کی ڈگری حاصل کی تھی لیکن عرب ممالک میں اس نے اپنی تعلیم کے آٹھ سال گزارے تھے۔پھر یہی طالب علم لیبیا و سعودی عرب کی یونیورسٹیوں میں ۲۴ سال تک اسلامی تاریخ و تمدن کا پروفیسر رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب مذکورہ مضمون میں ایک مقام پر اصول حدیث کے بارے میں اپنی وسعتِ مطالعہ سے متعلق تعلّی فخریہ انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ:

یہاں انہوں نے ''صحیح و حسن'' حدیثوں کی تعریف میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مقدمہ مشکوٰۃ کے اردو ترجمہ سے جو کچھ میرے جواب میں نقل فرمایا ہے وہ بھی عجیب شئ ہے۔میں نے تو ساتویں صدی کے مشہور محدث عمرو بن عبدالرحمٰن المعروف با بن الصلاح سے ایسی احادیث کی تعریف پیش کی اور وہ تین سو سال بعد کے ایک ہندوستانی محدث کا قول نقل کر رہے ہیں جن کا مأخذ یہی مقدمہ ابن الصلاح تھا۔

ڈاکٹر صاحب شاہ بلیغ الدین مرحوم کو تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا حوالہ پیش کرنے پر خوب رگید رہے ہیں اور خود ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ اس ''ہمہ دانی اور تعلّی'' کے باوجود ''مقدمہ ابن

الصلاح'' کے مؤلف کا اسم گرامی بھی صحیح نقل نہیں کر سکے۔ ان کا صحیح نام ''عمرو'' نہیں بلکہ عثمان بن عبدالرحمٰن ہے جب کہ ''عمرو'' ان کے بیٹے کا نام ہے، کیونکہ ان کی کنیت ''ابوعمرو'' ہے۔

ڈاکٹر صاحب اپنے اس زیر تبصرہ مضمون میں باوجود ''ہمہ دانی'' کے حضرت سعید بن زیدؓ (یکے از عشرہ مبشرہ) کی تاریخ وفات کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اور سب سے آخر میں وفات پانے والے سعید بن زید ہیں جن کا انتقال ۵۱ھ میں ہوا۔''

ڈاکٹر صاحب کی یہ ''تحقیق'' صحیح نہیں کیونکہ عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے آخر میں فوت ہونے والے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ مشہور قول کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی وفات ۵۵ھ میں ''عقیق'' کے مقام پر ہوئی۔ "وھو آخر العشرة وفاة" اور وہ وفات کے اعتبار سے عشرہ مبشرہ میں آخری ہیں۔ (تقریب التہذیب ص۹۰)

کسی اموی صحابی کا شرف صحبت کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اگر قرابت کا تعلق بھی ہو پھر بھی ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب ان پر ''چوٹ'' کیے بغیر نہیں رہ سکتے؛ چنانچہ موصوف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور سیدہ زینبؓ کے شوہر ابوالعاصؓ بن الربیع پر ''طنز'' کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''حضرت ابوالعاص ابن الربیع حضرت زینبؓ کے شوہر اور بحیثیت مسلمان یک سالہ داماد کا لقب شیر بطحاء نہیں تھا انہوں نے کسی غزوہ میں حضور صلعم کے ساتھ شرکت نہیں کی۔''

(ڈاکٹر صاحب نے تمام تر علمی جلالت کے باوجود یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ ''صلوٰۃ وسلام'' مکمل لکھنے کے بجائے ''صلعم'' پر ہی اکتفاء کیا ہے جسے محدثین نے مکروہ قرار دیا ہے)

جب ابوالعاصؓ کا ایمان، اسلام، شرف صحابیت اور ہجرت ثابت ہے تو پھر ''یک سالہ'' کی پھبتی کی کیا ضرورت تھی؟

پھر ''صحابیت'' کے لیے تو صرف ''لقاء ورؤیت'' ہی کافی ہے خواہ ایک ساعت کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ ڈاکٹر صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انہیں کم شرف صحبت حاصل ہوا اس لیے ان میں کوئی ''نقص'' باقی رہ گیا ہے۔ کیا وہ ''كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى'' کے تحت نہیں آتے؟

زیر نظر مضمون کے آغاز میں ڈاکٹر صاحب کا تعارف خود ان کے قلم سے گزر چکا ہے جس میں موصوف نے اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ:

''ندوہ میں تو اس نے صرف ایک سال گزار کر عالیہ کی ڈگری حاصل کی تھی''

ڈاکٹر رضوان علی ندوی اگر ندوہ میں ایک سال گزار کر ''عالیہ'' کی ڈگری حاصل کر سکتے

ہیں اور کوئی انہیں ''یک سالہ'' ڈگری ہولڈر قرار دے کر ان کے ''علم و فضل میں نقص بھی نہیں نکالتا تو پھر کیا ''صحبت نبویؐ'' کی تاثیر اتنی کمزور ہے کہ حضرت ابوالعاصؓ کی یکسالہ ''شرف دامادی'' کی موصوف کے ذہن میں کوئی حیثیت ہی نہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے انہیں بحیثیت مسلمان ''یک سالہ داماد'' کہا ہے کیونکہ حضرت ابوالعاصؓ ۷ھ میں مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اور ۸ھ میں سیدہ زینبؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان یک سالہ شرف دامادی کیا موجب طعن ہے؟

مولانا محمد اسلم شیخوپوری مرحوم نے ۱۹۹۸ء میں ماہنامہ ''الاشرف'' کراچی کا قرآن نمبر شائع کیا۔ اس خصوصی اشاعت میں ''مولانا اصلاحی اور سورۃ الحجرات کی تفسیر'' کے عنوان سے ۲۲ صفحات پر مشتمل ایک مضمون ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب کا بھی شامل ہے۔

موصوف نے اپنے اس مضمون میں جا بجا دیگر صحابہؓ پر ''تعریض'' کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے ماں جائے بھائی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے سیدنا ولید بن عقبہؓ کو سورۃ الحجرات کی آیت ''اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ ....'' کے تحت سخت ہدف تنقید بنایا۔ (ملاحظہ ہو ماہنامہ الاشرف کراچی جولائی تا اکتوبر ۱۹۹۸ء ص ۱۱۷ تا ۱۴۸)

راقم الحروف نے اپنے شفیق مکرم حضرت سید عطاء المحسن شاہ بخاریؒ کے حکم پر ۱۹ صفحات پر مشتمل اس دل آزار مضمون کا جواب ''تردید اصلاحی یا توہین صحابی'' کے عنوان سے دیا تھا جو ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان مارچ ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں (ایک ہی قسط میں صفحہ ۲۸ تا ۴۶) شائع ہوا۔

راقم کا یہ مضمون جب مولانا محمد اسلم شیخوپوری کی نظر سے گزرا تو انہوں نے راقم کو براہِ راست خط بھیجنے کے بجائے بہ عنوان ''اعتذار'' مدیر ختم نبوت کو برائے اشاعت ارسال کر دیا۔ (ملاحظہ ہو نقیب ختم نبوت ملتان ص ۶۰۔۶۱، جولائی ۱۹۹۹ء)

مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ کا یہ ''اعتذار'' ان کی اخلاقی جرأت ہی کی نہیں بلکہ ان کے خوف و خشیت، علم و فضل اور سب سے بڑھ کر ان کی ''ایمانی جرأت'' کا عظیم ثبوت ہے۔

موصوف نے واضح طور پر ڈاکٹر رضوان ندوی کے خیالات سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ:

''ماہنامہ نقیب ختم نبوت کے ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ کے شمارہ میں آپ کا مضمون ''تردید اصلاحی یا توہین صحابی'' پڑھا۔ میں آپ کے جذبات واحساسات کی قدر کرتا ہوں اور مضمون کے مندرجات سے متفق ہوں۔ واقعتاً ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب نے اپنے مقالہ میں جن خیالات کا اظہار کیا وہ ہمارے اکابر کے عقائد اور تاریخی حقائق کے منافی ہیں۔ بالمشافہ ملاقات میں محترم

سید کفیل بخاری زید مجدہ کو بتا چکا ہوں کہ اپنے مسلک کی ایک محترم اور غیر متنازع شخصیت کی توثیق و تعریف کی بناء پر یہ مضمون قرآن نمبر میں شامل کر لیا گیا تھا..... میں ان تمام قارئین سے معافی کی درخواست کرتا ہوں جن کے جذبات اس مضمون کی اشاعت سے مجروح ہوئے......"

اس تمہید کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے اور سیدنا عثمانؓ کے اخیافی بھائی، اموی صحابی حضرت ولید بن عقبہؓ کے متعلق ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب کے"خیالات"ملاحظہ فرمائیں:

""افسوس ہے کہ مولانا اصلاحی نے مضمون کے آخر میں ولید بن عقبہ کے دفاع کے بعد.... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی نے سورۃ حجرات کی اس آیت کی تفسیر کو ولید بن عقبہ کے دفاع کے لیے استعمال کیا ہے..... یہ کوئی مناسب طریقہ نہیں ہے کہ اموی خاندان کے ایک ایسے فرد کے دفاع کے لیے جو فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام لائے، ہم اپنے تمام علمائے سلف کو مطعون کریں اور اپنے تمام ذخیرۂ تفسیر میں شک پیدا کریں یہ نہ تو علم کی کوئی خدمت ہے نہ اسلام کی......،

لیکن بعد کے واقعات نے بتایا کہ حضرت عثمانؓ کا یہ اقدام درست نہ تھا...... سعد بن ابی وقاصؓ جیسے صحابی کو معزول کر کے ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو مقرر کرنا حضرت عثمانؓ کا ایک غیر مستحسن فعل تھا..،

جہاں تک عہد نبویؐ میں سرکاری مناصب کے لیے ثقاہت وعدالت کا مسئلہ تھا تو یہ ایک غلط مفروضہ پر مبنی ہے۔ ایسے مناصب پر تعین کے لیے ثقاہت وعدالت سے زیادہ شخصی اعزاز، خاندانی وجاہت اور تعلیم واہلیت ضروری تھی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد سابقین اولین اور انصار کے بجائے خاندانِ بنی امیہ کے بعض اہل افراد کو ایسے مناصب سپرد کیے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایسے اصحاب کے بجائے ان لوگوں (بنی امیہ) کو یہ مناصب تالیف قلب کے لیے خاندانی وجاہت اور ذاتی کارکردگی کی بنیاد پر دیے تھے۔ اس میں ثقاہت وعدالت کی کوئی بات نہ تھی۔

قابل افسوس بات یہ ہے کہ بعض لوگ صحابہ کے بارے میں وہ تصور رکھتے ہیں جو شیعہ حضرات اپنے ائمہ کے بارے میں رکھتے ہیں ___ پھر ولید بن عقبہ کی دروغ گوئی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے صحابہ کے بارے میں ناواقفیت اور بے بصیرتی کا الزام کیسے آسکتا ہے؟ (اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بدر، احد، افک، حنین و تبوک میں بعض صحابہ کی خطاؤں کا ذکر کیا)

شیعہ حضرات تو اس حماقت میں گرفتار ہیں ہی کہ ان کے بارہ ائمہ اہل بیت معصوم عن الخطاء تھے لیکن افسوس کہ جواب میں ہمارے بعض علماء اور عوام نے صحابہ صحابہ کا نعرہ لگا کر شیعوں والی بات صحابہ کے ساتھ کی ہے یعنی ان کو معصوم عن الخطاء سمجھ رکھا ہے اس لیے وہ ان سے کوئی ایسی غلطی

منسوب کرنا نہیں پسند کرتے جو صریحاً حرام ہو مگر کیا کیا جائے ہماری انتہائی صحیح کتب حدیث و تاریخ میں معدودے چند ایسے واقعات مذکور ہیں، ان ہی میں سے ولید بن عقبہ کا معاملہ بھی ہے۔

ان کے علاوہ ایک دوسرے صحابی ابو محجن الثقفی کا معاملہ ہے جو فتح طائف کے بعد اسلام لائے تھے وہ بھی بادہ نوشی کی لت میں قدیم عرصے سے مبتلا تھے یا بالفاظ دیگر "Addict" تھے اور ان پر کئی بار حد جاری ہوئی۔ پھر انہوں نے شراب سے مطلقاً توبہ کرلی۔ مگر وہ صاحب ایمان اور مجاہد تھے ..... سو ولید بن عقبہ کا شراب خوری کا معاملہ بھی ایسے ہی Addiction یا مرض کی مثال ہے۔ ان کا نشہ کے عالم میں فجر کی نماز کی امامت کرانا ایک مشہور قصہ ہے۔

(ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون میں ۳۲ مرتبہ سیدنا ولید بن عقبہؓ کا نام لکھا ہے مگر کسی مقام پر بھی آں محترم کے نام کے ساتھ ادب و احترام یا علامت رضی ''ؓ'' نہیں لکھی حالانکہ کاتب تو ماہنامہ الاشرف کا متعین کردہ تھا۔ جب کہ بعض مقامات پر ولید بن عقبہؓ کے نام کے بجائے یوں لکھا گیا ہے کہ:)

اس کے ایسے قصے ہیں..... اس کے مکروہ حالات ...... اس کی بہادری .... اس کو.... بہادر تھا اور جہاد کرتا تھا .... اس کی شراب خوری ..... (وغیرہ)،

مولانا اصلاحی صاحب بھول رہے ہیں کہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن کے بیٹے تھے اور طلقاء میں سے تھے یعنی ان لوگوں میں سے جو فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام لائے۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صحبت بھی حاصل نہیں رہی ......

(ماہنامہ جریدہ الاشرف کراچی قرآن نمبر جولائی تا اکتوبر ۱۹۹۸ء ص ۱۲۷ تا ۱۳۷)

(ڈاکٹر صاحب کے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے اور حضرت عثمانؓ کے اخیافی بھائی حضرت ولید بن عقبہؓ کے بارے میں اس ''انداز تحقیق'' کو رافضیت وسبائیت کی خدمت کے علاوہ آخر اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟)

ندوی فضلاء کی یہ عظیم جوڑی یعنی ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اور ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی دونوں اموی صحابہ بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خصوصی پُرخاش اور عناد رکھتے ہیں اور طعن و تشنیع کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ بلکہ ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب تو اپنے ''علم و فضل'' کے بل بوتے پر ''مقام مدح'' سے بھی ''ذم'' کی صورت نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے شاہ بلیغ الدین مرحوم کے تعاقب میں زیر عنوان ''خانوادہ نبوی کی بحث سے متعلق آخری وضاحت'' ایک مضمون سپرد قلم فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو ہفت روزہ تکبیر کراچی ۷ مئی ۱۹۹۰ء)

اس مضمون میں موصوف ایک مقام پر شاہ بلیغ الدین مرحوم کے اس جملہ کہ:
''ان (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے سب سے زیادہ مشابہ تھی'' کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:
''خلفائے راشدین اور ان صحابہ کی تنقیص ہے جن کو عشرہ مبشرہ بالجنۃ کہا جاتا ہے کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ جو جلیل القدر صحابہ حضرت معاویہ کے اسلام سے قبل اکیس سال تک حضور صلعم کے ساتھ نماز پڑھتے رہے اور بعد میں بھی دو سال مزید ان کی نماز آنحضرت کی نماز سے مشابہ نہ تھی یعنی ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ وغیرہ پیچھے رہ گئے اور صرف دو سال کی صحبت میں امیر معاویہ ان صحابہ کرام سے جن کو ''اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ''(اسلام میں سبقت کرنے والے) کہا گیا ہے، آگے بڑھ گئے۔
اس فقرہ کے تحت بلیغ الدین صاحب کی ناصبیت کھل کر سامنے آگئی ہے۔
جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قول شاہ بلیغ الدین مرحوم کا ہرگز نہیں ہے (جس کی بناء پر انہیں ''ناصبی'' کا لقب عطا کیا گیا ہے۔ بلکہ یہ قول مشہور اور جلیل القدر صحابی حضرت ابو درداءؓ کا ہے:
''ما رأیت احداً اشبہ صلوٰۃ برسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم من امامکم ھذا یعنی معاویۃ رضی اللّٰہ عنہ۔''
میں نے اس تمہارے امام یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔
ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۹۹ء میں تو سیدنا ولید بن عقبہؓ کو ہدف تنقید بنایا تھا لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ۱۹۹۰ء کے بعد راقم ان کی تحریری صورت میں ''علمی کاوشوں'' سے بالکل ہی ناواقف ہے لیکن ۷ جولائی ۲۰۱۳ء کے ایک مضمون بہ عنوان ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور قدیم مؤرخین ومحدثین'' (جو انہوں نے مولانا اورنگزیب فاروقی کے مضمون ''سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ '' کے جواب میں لکھا تھا) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ''مشن'' کی تکمیل کے لیے اس پیرانہ سالی میں بھی پرعزم اور پوری طرح جتے ہوئے ہیں۔
محترم فاروقی صاحب نے اپنے مختصر مضمون میں حدیث وتاریخ کی روشنی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب بیان کیے تھے اور اس میں کسی کے بھی خلاف حتیٰ کہ اہل تشیع کے بھی خلاف کوئی اشارہ تک نہ تھا۔ (ملاحظہ ہو روزنامہ امت کراچی/ حیدرآباد ۲۰،۲۱ جون ۲۰۱۳ء)
لیکن معلوم نہیں کہ ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب کیوں ایک جلیل القدر اور کاتب وحی صحابی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب پڑھ کر اس قدر مشتعل ہوئے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی شدید ترین تنقید کا نشانہ بنا ڈالا۔

روزنامہ امت نے ڈاکٹر صاحب کے مضمون سے پہلے حسب ذیل "تعارفی نوٹ" دیا ہے کہ:

"ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی اسلامی تاریخ، عربی زبان اور دیگر علوم پر اتھارٹی کا درجہ رکھتے ہیں۔وہ برس ہا برس عربوں کو عربی زبان اور تاریخ پڑھاتے رہے۔ان موضوعات پر پاکستان میں ان سے زیادہ مستند عالم شاید ہی کوئی ہو۔

ڈاکٹر ندوی نے علامہ فاروقی صاحب کے ایک مضمون کے جواب میں یہ تحریر ارسال کی ہے جو صحابی رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات پر روشنی ڈالتی ہے۔علامہ فاروقی کا مضمون دو جون کو "امت" میں شائع ہوا تھا۔

ڈاکٹر ندوی تحقیق میں کس درجہ مہارت رکھتے ہیں اس کا ایک اندازہ ان کی درج ذیل تحریر سے لگایا جا سکتا ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک خالص علمی بحث ہے اس کا کوئی تعلق عقائد یا فقہی اختلافات سے نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی تاریخ سے آگہی کی کوشش ہے۔جس معیاری بحث ڈاکٹر ندوی نے کی ہے ان سے اختلاف رکھنے والے حضرات سے توقع ہے کہ وہ بھی بحث کا یہ معیار برقرار رکھیں گے۔اس نکتہ نظر سے اختلاف رکھنے والوں کے لیے "امت" کے صفحات حاضر ہیں۔(ادارہ)

ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب حسب سابق وحسب معمول اپنا جوابی مضمون "تعلی" سے شروع کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

ہر پڑھا لکھا مسلمان جانتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے لیکن ان کے تفصیلی حالات کو صرف وہی جانتے ہیں جنہوں نے اسلامی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔عام لوگوں کی بات نہیں میں نے کراچی میں ڈیفنس سوسائٹی کی دو مساجد کے ائمہ سے جمعہ کے خطبہ میں حضرت معاویہؓ کا ذکر سننے کے بعد ان سے پوچھا کہ حضرت معاویہؓ کب اسلام لائے تھے تو پتہ چلا کہ وہ دونوں امام اس سے بے خبر تھے۔بلکہ ان کے امتیاز کو تو اور بھی بہت کم لوگ جانتے ہیں جو یہ ہے کہ وہ اسلام میں پہلی سلطنت یعنی مملکت بنی امیہ یا "دولتِ اموی" کے بانی تھے۔اس لیے ہمارے قدیم محدثین ومؤرخین نے ان کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

لیکن چونکہ درس نظامی کے نصاب میں اسلامی تاریخ کا موضوع نہیں پڑھایا جاتا ہے اس لیے مدارس کے فارغ التحصیل مولویوں کو (جو بعد میں مولانا اور مفتی بن جاتے ہیں) بھی حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی کا تفصیلی علم نہیں ہوتا۔حتیٰ کہ ان میں سے بیشتر یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کب اسلام لائے تھے۔

اتوار ۲ جون (۲۰۱۳ء) کو "امت" میں ایک "علامہ" اورنگ زیب فاروقی صاحب کا ایک مضمون "سیدنا امیر معاویہؓ" کے عنوان سے شائع ہوا۔اس میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کے مناقب بیان کیے ہیں۔اس مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ صرف قدیم محدثین ومؤرخین کے بیانات سے اعراض کیا ہے بلکہ قرآن کریم کی صحابہ کرام سے متعلق آیات سے (بھی) اغماض کیا ہے۔

"علامہ" صاحب کی کسی عربی واردو تصنیف کا کم ازکم مجھے علم نہیں......یہ دوسری بات ہے کہ مضمون نگار نے ایک اسلامی فرقے کے انداز پر۔جن میں ہر مجلس پڑھنے والا یا مولوی "علامہ" ہوتا ہے،اپنے لیے علامہ کا لقب اختیار کیا ہوتا ہے۔" (روزنامہ امت ۷ جولائی ۲۰۱۲ء)

"ڈاکٹر صاحب کی "نگارشات" کا جواب محمد عرفان الحق صاحب ایڈووکیٹ،پروفیسر عبدالستار انصاری صاحب اور خود مولانا اورنگ زیب فاروقی صاحب نے روزنامہ "امت" کے ان ہی صفحات پر مدلل انداز میں دیا ہے۔جب کہ راقم الحروف ڈاکٹر صاحب کی تازہ "تحقیقات" منظر عام پر آنے سے بہت پہلے اپنی دوضخیم کتابوں تذکرہ سیدنا معاویہؓ (طبع اول ۱۹۹۵ء) اور سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ (مطبوعہ دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ۱۹۹۶ء) میں جملہ اعتراضات کا جواب نہایت ہی تفصیل کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کر چکا ہے۔

زیر نظر کتاب "سیدنا معاویہؓ کے ناقدین" میں حضرت معاویہؓ کے خلاف صرف ان حضرات کی "تنقیدی نگارشات" جمع کی گئی ہیں جنہوں نے کسی بھی پیرائے میں انہیں "ہدف تنقید" بنایا ہے۔

چونکہ ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کی "تحقیقات" روزنامہ امت کے ذریعے زیر نظر کتاب کی اشاعت اول کے بعد منظر عام پر آئی ہیں اس لیے انہیں اشاعت دوم میں شامل کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے جوابی مضمون میں حضرت معاویہؓ کے متعلق حسب ذیل "تحقیق" پیش فرمائی ہے:قسط اول ودوم (روزنامہ امت ۷،۸ جولائی ۲۰۱۳ء)

ا۔"اگر حضرت معاویہؓ ہی جلیل القدر صحابی اور عظیم المرتبت خلیفہ تھے تو پھر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے لیے کون سے الفاظِ مدح باقی رہ گئے؟.....

۲۔یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ امیر معاویہؓ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے۔وہ اور ان کے والد و بھائی یزید بن ابی سفیان طلقاء اور "مؤلفة القلوب" (وہ نومسلم جن کو اسلام پر قائم

رکھنے کے لیے ان کی مالی مدد کی جاتی ہے) میں سے تھے۔

۳۔ اور "طلقاء" وہ اہل مکہ ہیں جو عرب کے جنگی قوانین کے مطابق سب قیدی اور غلام بنائے جاسکتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خوف زدہ اہل مکہ کو "اذھبوا فانتم الطلقاء" (جاؤتم سب آزاد ہو) کی نوید سنا کر سب کو آزاد کر دیا......

۴۔ پھر وہ (معاویہ) "السابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار" میں بھی شامل نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ میں اپنی خوشنودی کی خبر دی اور ساتھ ہی ان کو بھی جنھوں نے ان سابقون اوّلون (اولین مسلمان) کا بخوبی اتباع کیا یعنی فتح مکہ سے قبل کیونکہ فتح مکہ اور اس کے بعد تو طاقت کے بل پر مکہ اور تمام دیگر مقامات وقبائل میں اسلام پھیل گیا تھا اور اب اسلام لانے والوں کا کسی طرح وہ درجہ نہیں تھا جو سابقون اوّلون اور فتح مکہ سے قبل اسلام لانے والوں کا تھا.....

۵۔ عشرہ مبشرہ بالجنۃ یعنی وہ صحابہ کرام جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی، پھر دوسرے سابقون اولون میں یاسرؓ ان کی بیوی سمیہؓ، بیٹا عمارؓ، بلالؓ، صہیبؓ، مقدادؓ، ارقمؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، خالد بن سعیدؓ، زید بن حارثؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت جعفرؓ وغیرہ دسیوں، بیسیوں صحابہ کرام ہیں۔

یہ ہیں جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابہ اور پھر وہ انصار مدینہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو بلکہ اسلام کو مدینہ میں پناہ دی ___ جن کی مہاجرین اولین کے ساتھ جان نثاریوں اور قربانیوں سے اسلام کو بقا ملی۔ ان کی جلالت قدر پر تاریخ شاہد ہے ___ نہ کہ وہ جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، نہ کہ وہ جن کو اسلام دسیوں غزوات کے بعد مکہ اور دیگر مقامات پر زیر کر چکا تھا (معاویہؓ اور دیگر بعد از فتح مکہ اسلام لانے والے شکست خوردہ کیونکر جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابہ کی فہرست میں شامل ہو سکتے ہیں؟)

۶۔ علامہ (اورنگ زیب فاروقی) صاحب نے بالکل غلط لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ، سیدنا عمر بن خطابؓ کے معتمد خاص تھے۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے تو ان کو سبز عمدہ لباس پہنے ہوئے دیکھا تو ان کو درے مارے کچھ صحابہ کے سامنے۔ ان صحابہ نے جب اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے اوپر اشارہ کر کے بتایا کہ میں نے ان کی بڑائی کے احساس کو ختم کرنا چاہا۔ ابن کثیر اور دوسروں کی روایت میں لفظ "شمخ" ہے جس کے معنی تکبر کے ہیں ___ حضرت عمرؓ جب امیر معاویہؓ کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے، یہ عربوں کا کسریٰ ہے تو وہ (معاویہؓ) کس طرح حضرت عمرؓ کے معتمد خاص ہو سکتے ہیں؟

۷۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کے سوتیلے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان جن کو حضرت ابو بکرؓ نے

چار لشکروں کے ساتھ شام و فلسطین کی فتح کے لیے بھیجا تھا ان میں سے ایک لشکر کے کمانڈر یہ تھے۔ طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے ان کے چھوٹے بھائی کو جوان کے ساتھ لشکر میں گئے ہوئے تھے "مواسات" کرتے ہوئے دمشق کا امیر (گورنر) بنا دیا تھا لیکن وہ کسی اور اعلیٰ عہدہ پر فائز نہیں رہے۔ یہ بات تو صریح مبالغہ آرائی ہے کہ وہ خلافت صدیقی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔

۸۔ امام بخاری و امام مسلم نے بہت سے صحابہ کی منقبت و فضیلت میں باب باندھے ہیں لیکن انہوں نے امیر معاویہ کی منقبت میں کچھ نہیں لکھا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور امام بخاری کے استاد مشہور محدث اسحاق بن راہویہ نے تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاویہؓ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔ بعد میں امام ابن جوزی نے حدیث "اللھم اجعلہ ھادیا ...." کو موضوع لکھا ہے ۔۔۔۔ عبداللہ بن عباسؓ سے مشہور روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھیجا کہ معاویہ کو بلا کر لائیں۔ وہ تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر بلائے گئے۔ تینوں مرتبہ انہوں نے آ کر بتایا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا دی "لا اشبع اللہ بطنہ" (اللہ کبھی اس کو شکم سیری نہ دے) اس کا نتیجہ تھا کہ وہ دن میں سات بار کھانا، گوشت و حلوہ وغیرہ کھاتے تھے لیکن شکم سیر نہیں ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ میں کھانے سے تھک جاتا ہوں اس لیے رک جاتا ہوں لیکن پیٹ نہیں بھرتا....

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بخاری میں متعدد صحابہ کے فضائل "مناقب" کے عنوان سے لکھے ہیں لیکن حضرت کے حالات "ذکر معاویہؓ" کے عنوان سے دیے ہیں اور صرف فقہ کے ایک مسئلے وتر کی بات لکھی ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے امام ابن الجوزی کے حوالے سے امام احمد کا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں بڑا حقیقت افروز قول لکھا ہے جو حضرت معاویہؓ کے بارے میں گویا ان کا فیصلہ ہے:

"عبداللہ بن احمد نے اپنے والد امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ حضرت علیؓ و معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

تو انہوں نے سر جھکایا اور پھر کہا کہ: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت علیؓ کے بہت سے دشمن تھے (یعنی خوارج و ناصبی) ان کے دشمنوں نے بہت کوشش کی کہ ان کو علیؓ کا کوئی عیب مل جائے لیکن ان کو، کوئی عیب نہیں ملا۔ تو انہوں نے ایک ایسے شخص کے حالات کی طرف رخ کیا جس نے

ان (علیؓ) سے جنگ کی تھی اور حضرت علیؓ کی دشمنی میں اس کی تعریف کے ڈونگرے باندھے ہیں۔"

انہوں نے امام احمد کی اس بات کا ماحصل ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"فاشار بھذا الی ما اختلفوا لمعاویة من الفضائل مما لا اصل لہ"

(اس سے انہوں نے اشارہ کیا ہے ان من گھڑت فضائل معاویہؓ کی طرف جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر اپنی رائے لکھتے ہیں کہ ان فضائل میں بہت سی احادیث بیان کی گئی ہیں لیکن از روئے اسناد ان میں سے کوئی صحیح نہیں اور یہی بات پورے یقین کے ساتھ اسحاق بن راہویہ اور امام نسائی وغیرہ نے کہی ہے ......

۹۔ اورنگ زیب صاحب تو ان کے ایسے مداح ہیں کہ کاتب وحی کے ساتھ ساتھ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو "رازدار رسول" بھی لکھ دیا ہے۔

یہ یا تو لاعلمی ہے یا صریح غلط بیانی ہے۔ وہ سیرت ابن ہشام پڑھیں تو ان کو صاف معلوم ہوگا کہ رازدار رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حذیفہ بن الیمانؓ تھے جو جنگ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور اس موقع پر ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض منافقین کے نام بتا دیے تھے اور ہدایت کی تھی کہ وہ کسی کو نہ بتائے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے بہت پوچھا لیکن انہوں نے نہیں بتایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد انہوں نے حضرت عمرؓ کو یہ نام بتا دیے۔

حافظ ابن حجر نے بخاری و مسلم کے حوالے سے ان کا لقب "صاحب السر" (رازدار) لکھا۔ کسی قدیم عرب مصنف نے معاویہؓ کو صاحب السر نہیں لکھا ہے۔ وہ ہو بھی کیسے سکتے ہیں؟ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو سال پہلے اسلام لائے تھے اور ان کے والد ابوسفیان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے موقع پر لعنت بھیجی تھی، کہا تھا: "اللّٰھم العن ابا سفیان"

۱۰۔ اسی طرح مضمون میں الاصابہ کا یہ حوالہ بھی غلط ہے کہ امیر معاویہؓ کاتب وحی تھے۔ اس میں کہیں ان کو کاتب وحی نہیں لکھا ہے۔

یہ بات لوگوں نے خواہ مخواہ مشہور کر دی ہے اور افسوس کی بات ہے کہ حافظ ابن کثیر بھی اسی رو میں بہہ گئے ہیں۔ جہاں تک حافظ ابن حجر کا تعلق ہے جو ابن کثیر سے زیادہ وسیع العلم اور حافظ حدیث و مؤرخ ہیں۔ انہوں نے تو تمام کتب تاریخ کی طرح پہلے تو صرف اتنا ہی لکھا ہے "و کتب لہ" (اور معاویہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھا) ملاحظہ کیجیے کہ اس میں کہیں کتابت وحی کا ذکر نہیں...

زید بن ثابتؓ وحی لکھا کرتے تھے اور معاویہؓ نبی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور عربوں کے درمیان جو معاملات ہوتے تھے وہ لکھا کرتے تھے۔یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اور معاہدات لکھا کرتے تھے اور یہی بات ابن حجر سے ایک صدی قبل امام ذہبی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مفصل سوانح حیات میں لکھی ہے اور انہوں نے اس کتابت کی حقیقت بھی اس طرح بیان کی ہے "وکتب لمرّات یسیرۃ" چندہی مرتبہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسی کتابت یا خطوط نگاری کی ۔

بڑاافسوس اس بات کا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کتابت وحی کا ڈھول پیٹنے والے اس اظہار سے تغافل برتتے ہیں کہ وہ ظہور اسلام کے اکیس سال بعد اسلام لائے فتح مکہ کے موقع پر____ تو سوال یہ ہے کہ اکیس سال تک کون قرآن لکھ رہا تھا؟......

لوگوں نے ان کی کتابت وحی کا اتنا پروپیگنڈہ کیا ہے کہ لوگ ان کو اولین صحابہ میں سے سمجھنے لگے ہیں ۔ان کو معلوم نہیں کہ وہ نہ مہاجرین میں سے تھے اور نہ انصار میں سے جن کی فضیلت قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہے ....

ایک بڑی اہم بات جو ان کی کتابت وحی کی نفی کرتی ہے کہ ......اس طرح جب دو مرتبہ (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں) قرآن کی کتابت کی گئی تو دونوں مرتبہ یہ مہم حضرت زیدؓ بن ثابت انصاریؓ اور تین قریشی کاتبین وحی کے سپرد کی گئی ۔اگر حضرت معاویہؓ کاتب وحی ہوتے تو ان کو ان لوگوں میں شامل کیا جاتا جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں قرآن کے سات نسخے ایک ایک جلد میں تیار کیے اور وہ مختلف بڑے اسلامی شہروں کو بھیجے گئے ۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا وحی لکھنے والوں میں شمار نہیں ہوتا تھا......

۱۱۔ درس نظامی کے مدارس میں اسلامی تاریخ نہیں پڑھائی جاتی ۔افسوس کہ درس حدیث پڑھاتے ہوئے رجال حدیث اور صحابہ کے حالات سے انہیں بے خبر رکھا جاتا ہے ۔افسوس ناک حد تک مجھے اس کا ذاتی تجربہ کراچی میں ہوا ۔ڈیفنس کی دو مساجد میں نماز جمعہ میں، میں نے خطبۂ جمعہ میں دوسرے خطبہ میں خلفائے راشدین کے نام کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا نام بھی سنا تو پہلی مرتبہ مسجد سے باہر نکلتے ہوئے میں نے امام صاحب سے کہا کہ آج آپ نے حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ "السابقون الاوّلون" صحابہ پر بڑا ظلم کیا ۔بڑے سٹ پٹائے کہ کیا بات ہوئی ؟ میں نے کہا کہ آپ نے ان جلیل القدر صحابہ کا نام دعا کے

ساتھ دوسرے خطبہ میں نہیں لیا اور حضرت معاویہؓ کا نام لیا جو بہت بعد میں اسلام لائے ....

دوسرے (مولوی) صاحب جو ملتان کے کسی بڑے مدرسے کے فارغ التحصیل تھے۔ انہوں نے اپنے خطبہ کا پہلا حصہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا تصنیف کردہ پڑھا۔ دوسرا خطبہ جس میں خلفائے راشدین کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا نام تھا، میں نے موصوف سے پوچھا کہ آپ نے دوسرا خطبہ مولانا تھانوی صاحب کا نہیں پڑھا وہ کس کا تھا؟

انہوں نے بتایا کہ وہ مفتی رشید احمد صاحب کا تحریر کردہ ہے۔ مولانا تھانوی کے خطبہ ثانیہ میں حضرت معاویہؓ کا نام نہیں......

مسند ابوداؤد الطیالسی کے حوالے سے ذہبی نے بیان کیا ہے کہ:

حضرت عائشہؓ سے کہا گیا کہ کیا آپ کو اس پر کوئی تعجب نہیں کہ طلقاء میں سے ایک شخص (معاویہؓ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے خلافت پر نزاع کرکے خلافت پر قابض ہو گیا؟

تو انہوں نے جواباً کہا: تعجب کی کیا بات ہے؟ یہ اللہ کا اقتدار ہے وہ نیک کو بھی دیتا ہے اور فاجر کو بھی۔ فرعون نے تو مصر میں چار سو سال تک حکومت کی (مختلف فرعونوں نے چار سو سال تک حکومت کی)...

ذہبی کا آخری فیصلہ ہے "اور معاویہ بہترین بادشاہوں میں سے تھے وہ بادشاہان جن کا عدل ان کے ظلم سے زیادہ ہے اور وہ معاویہ خطا کاریوں سے بری نہیں ہے۔ اللہ ان کو معاف کرے۔"

ملحوظ رہے کہ امام ذہبی نے ان کو "خلیفہ" نہیں، خیر الملوک" (بہترین بادشاہ) کہا ہے۔ کیونکہ تمام تواریخ میں لکھا ہے کہ وہ خود کو "اول الملوک" (اسلام میں پہلا بادشاہ کہتے تھے) اور ان کے طور طریقے بھی بادشاہوں جیسے تھے۔ گارڈ، محل، خواجہ سرا، خادم وغیرہ۔

خلافت، سیدنا حسنؓ کی خلافت کے فوراً بعد سن ۴۱ھ میں ختم ہو گئی کہ خلافت کے تیس سال پورے ہو گئے تھے۔ امام ذہبی اور دیگر کے بقول پھر معاویہؓ حکمران ہوئے اور زیب و زینت اور رعب و داب پر انہوں نے بہت توجہ کی۔

اس کے ساتھ انہوں (ذہبی) نے کہا: کاش کہ انہوں نے یزید کو ولی عہد نہ بنایا ہوتا اور امت کے لیے اختیار چھوڑ دیا ہوتا کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کرے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن حزم نے اپنے رسالہ "اسماء الخلفاء والولاۃ وذکر مدتھم" میں سیدنا حسنؓ کے عہد تک تو خلافت کا لفظ لکھا ہے ــــ اور پھر حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت کو "ولایۃ معاویۃ بن ابی سفیان، ولایۃ یزید

ابـــنــــہ" اور پھر سب اموی حکمرانوں کے لیے"ولایت" کا لفظ لکھا ہے۔صرف حضرت عمر بن عبدالعزیز کے لیے"خلافت" کا لفظ لکھا ہے۔

الغرض ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف طویل "فرد جرم" عائد کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

"یہ ہیں حضرت معاویہؓ کی زندگی کے صحیح حالات۔ان میں سے بہت سے گوشے ابھی لائق بحث ہیں۔یہاں صرف مولانا اورنگ زیب کی غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔عام قارئین کو یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ ظہور اسلام کے ۲۱ سال بعد اور وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال پہلے فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور وہ کاتب وحی نہیں تھے۔" (ملاحظہ ہو روزنامہ امت کراچی ۷/۸ جولائی ۲۰۱۳ء)

ابھی بھی ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب کا" کلیجہ" ٹھنڈا نہیں ہوا۔ایک طرف تو لکھ رہے ہیں کہ" یہ ہیں حضرت معاویہؓ کی زندگی کے صحیح حالات" لیکن اس کے ساتھ فوری طور پر یہ وضاحت بھی جاری کر دیتے ہیں کہ:

"ان میں سے بہت سے گوشے ابھی لائق بحث ہیں۔"

موصوف کا زیر نظر جوابی مضمون زیادہ تر تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "قدح" پر مبنی ہے اور جہاں کہیں قارئین کو"مدح" کا گمان ہو جائے تو اس کا ازالہ یوں فرما رہے ہیں کہ"ان میں سے بہت سے گوشے ابھی لائق بحث ہیں۔"

موصوف نے یہ مضمون قارئین یعنی معاندین و ناقدین معاویہؓ کو"کسی تعصب اور فرقہ وارانہ ذہنیت سے دور رہ کر حضرت معاویہؓ سے متعلق صحیح معلومات" پہنچانے کی غرض سے ہی لکھا ہے مگر افسوس کہ وہ"بعض گوشوں" کی ابھی تک توضیح نہیں کر سکے یا راقم الحروف کی اس تک"رسائی" نہیں ہو سکی۔

ڈاکٹر سید رضوان علی صاحب نے اپنے"جوابی مضمون" میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو"فرد جرم" عائد کی ہے اس سے وہ یقیناً"معاندین معاویہؓ" کی فہرست میں شامل ہو گئے ہیں اور جن گوشوں سے انہوں نے ہنوز پردہ ہٹانا ہے تو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو پہلے ہی آگاہ فرما چکے ہیں:

"قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۃ آل عمران آیت ۱۱۸)

ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں) سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بڑا ہے۔ہم نے صاف بیان کر دیں تمہارے لیے اپنی آیتیں اگر تم سمجھدار ہو۔

# ۳۹۔ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری
## اور چند دیگر بریلوی علماء

پروفیسر ڈاکٹر علامہ طاہر القادری ایک منفرد شخصیت کے مالک ہیں۔"منہاج القرآن" اور اتفاق فاؤنڈری کی مسجد کی خطابت سے مذہبی میدان میں اترے پھر "پاکستان عوامی تحریک" کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم کر کے ملک میں "نفاذ شریعت" کی تحریک برپا کر دی جو ۱۹۹۰ء کے الیکشن کے شدید حادثے میں اپنی جان "جان آفریں" کے سپرد کر گئی۔مذکورہ الیکشن سے چند ماہ قبل انہوں نے اپنے مکان پر فائرنگ کا ڈرامہ بھی رچایا جس کا پردہ لاہور ہائی کورٹ کے یک رکنی ٹریبونل نے اپنی رپورٹ میں چاک کر دیا۔ہفت روزہ زندگی لاہور کی رپورٹ کے مطابق ملاحظہ فرمائیں:

وہ ایک محسن کش، ناشکر گزار، خودغرض، جھوٹے، دولت کے پجاری، خودپرست اور شہرت کے بھوکے انسان ہیں۔

فائرنگ کا ڈرامہ ان کے ذہن کی اختراع ہے۔
کیا یہ ممکن ہے کہ گولی شیشے کو لگے اور شیشہ نہ ٹوٹے؟
خون انسانی نہیں بناوٹی تھا۔
جائے وقوعہ پر پائے جانے والے نشانات خودساختہ تھے۔
عدالتی کاروائی کی مکمل تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:
ہفت روزہ زندگی لاہور ۲۱ تا ۲۷ ستمبر ۱۹۹۰ ص ۱۱ تا ۱۴، ۵۶۔

ملک میں "مصطفوی انقلاب" برپا کرنے کے لیے موصوف نے ۱۰ جنوری ۱۹۹۰ء کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے ساتھ ایک دس نکاتی معاہدہ بھی کیا۔

موصوف اہل تشیع کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے ایک مرتبہ "امام خمینی کی یاد میں منعقدہ تعزیتی جلسہ" سے خطاب کے لیے تشریف لے گئے جہاں انہوں نے زبردست الفاظ میں امام خمینی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

"آیت اللہ نے حضرت علیؓ کی سی زندگی گزاری اور حضرت امام حسینؓ کی طرح دنیا سے رخصت ہوئے۔امام خمینی خود تو زمین کے پیٹ میں چلے گئے مگر زمین کی پیٹھ پر چلنے والے لاکھوں انسانوں کو جینے کا طریقہ سکھا گئے۔" (روزنامہ جنگ۔لاہور ایڈیشن۔۸ جون ۱۹۸۹ء)

اگر بفرض محال امام خمینی اسلام دشمن اور صحابہ دشمن نہ بھی ہوتے تو پھر بھی ایسے ''ریمارکس'' جائز نہیں تھے۔

ڈاکٹر طاہرالقادری ملی یکجہتی کونسل میں بھی نہایت سرعت کے ساتھ شامل ہوئے تھے پھر اپنے مقاصد حاصل کرنے کے بعد جلد ہی واپس بھی چلے گئے۔

روزنامہ اساس راولپنڈی ۱۹۹۷ء میں ''آج کی شک صیت''(یعنی شخصیت) کے کالم کے تحت مختلف سیاست دانوں اور شخصیات کے تعارف کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا تھا ان میں ڈاکٹر طاہرالقادری بھی شامل تھے۔اس کالم کا عنوان ہی ''علامہ فی الفور'' تھا۔اس کے بعض جملے ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں:

''علامہ فی الفوران لوگوں میں سے ہیں جو ہر کام جلدی سے کرتے ہیں، وہ تو دیر کرنے میں بھی جلدی کرتے ہیں۔انہوں نے معروف ہونے میں تو چند ماہ ہی لگائے البتہ غیر معروف ہونے میں کئی سال لگائے ہیں۔مولانا خواب زادہ علامہ فی الفور بڑی ''جھنگ جو'' شخصیت ہیں۔لاہور آکر لاء کالج کے ہاسٹل میں رہے۔یہاں ''لاء ہاسٹل'' سے مراد سسرال نہیں کہ وہاں بھی ''مدران لاء، فادران لاء، سسٹران لاء'' بلکہ ہر کوئی اِن لاء ہی ہوتا ہے۔وہاں سے نکل کر فیض الحسن صاحب سے ''فیض'' لیا....

مولانا خواب زادہ علامہ فی الفور اس وقت سوتے ہیں جب اٹھنا ہو، جب کہ ہم جیسے تب اٹھتے ہیں جب سونا ہو.... لوگ تو جاگتے میں کام کرتے ہیں یہ سوئے ہوئے بھی فارغ نہیں ہوتے، خواب ملاحظہ فرمارہے ہوتے ہیں.... علامہ صاحب جاگتے میں خواب دیکھتے ہی نہیں دکھاتے بھی ہیں۔فرماتے ہیں:ان کا نام بھی خواب میں رکھا گیا۔یہی ہی نہیں انہوں نے نام پیدا بھی خواب ہی سے کیا.... علامہ صاحب دنیا کے واحد فرد ہیں جنہیں کوئی درازی عمر کی دعا بھی نہیں دے سکتا کیونکہ بقول علامہ فی الفور بحوالہ خواب نمبر..... اللہ تعالیٰ نے میری عمر ۶۳ سال مقرر کی جو حضور پاکؐ نے بڑھا کر ۶۶ برس کر دی لیکن میں نے قبول نہ کی اور عرض کیا کہ میں ۶۳ برس سے زیادہ زندہ نہیں رہنا چاہتا کیونکہ اس طرح عمر کے سلسلے میں سنت نبوی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوں گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مان کر ۶۳ کر دی ___ ایک صحافی دوست بتاتے ہیں کہ علامہ کی دعا بڑی جلد قبول ہوتی ہے۔میں ملنے گیا، مدعا بیان کیا تو انہوں نے کہا: ''جاؤ، کھوئی رقم مل جائے گی'' اور ان کی آدھی دعا فوراً قبول ہوگئی کہ میں وہاں سے چلا آیا... (روزنامہ اساس۔۲۱۔اکتوبر ۱۹۹۷ء)

معروف کالم نگار جناب خالد مسعود خان صاحب رقم طراز ہیں کہ:

''قادری صاحب نے عالم رؤیا میں امام ابوحنیفہؒ سے براہ راست علم حاصل کیا۔ان سے پڑھا اور ان کی شاگردی میں رہے۔اس سلسلے میں وہ یہ واقعہ خود اپنی زبان سے یوں بیان کرتے ہیں:

''میری حقیقت کا تو عالم یہ ہے کہ میں نے تو عالم رؤیا میں کوئی پندرہ بیس سال کے لگ بھگ کا عرصہ امام اعظم کی شاگردی کی، آپ سے پڑھا، عالم رؤیا میں براہ راست تلمذ کا شرف ملا ہے۔ عالم رؤیا میں بطریق منام (خواب میں) تو میں مرسکتا ہوں حنفیت کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ میں تو ان کا کف بردار رہوں، ان کے جوتے اٹھانے والا ہوں، میرا تو جینا، مرنا امام اعظم کے قدم کے نشان پر ہے''

یہ ان کا ایک بیان ہے۔ صرف دوماہ بعد حیدرآباد میں ان کا بیان ملاحظہ فرمائیں:

میں عالم رؤیا میں خواب میں اللہ کی عزت کی قسم، تاجدار کائنات کے نعلین پاک کی قسم، عالم رؤیا میں ۹ سال تک امام اعظم ابوحنیفہ سے پڑھا ہوں''

اب آپ دیکھیں ایک بیان میں پندرہ بیس سال اور دوسرے بیان میں اللہ کی عزت اور تاجدار کائنات کے نعلین کی قسم اٹھا کر یہ مدت نو سال کردی۔ ان کے مطالبات ایک دوسرے کی ضد ہیں، ان کی سوچ اور مطالبات آئین سے متصادم ہیں......میں اسلام آباد میں بیٹھ کر انقلاب کا نظارہ کروں گا۔ اگر آتے ہوئے انقلاب کا نظارہ نہ کرسکا تو کم از کم انقلاب کی واپسی کا منظر تو ضرور دیکھوں گا۔ ممکن ہے یہ گناہ گار آنکھیں بعدازاں انہیں کینیڈا جاتے ہوئے بھی دیکھیں مگر فی الحال تو انقلاب کی آنیاں جانیاں دیکھنے کے لئے خرچہ کرکے اسلام آباد جارہا ہوں۔ خدا نہ کرے کہ میرا یہ سارا خرچہ برباد ہوجائے اور میں نہ تو انقلاب کو آتا دیکھ سکوں اور نہ جاتا ہوا۔ بلکہ انقلاب کی ڈیڈ لائن میں اضافہ ہوجائے۔ (روزنامہ دنیا۔۱۸ اگست ۲۰۱۴ء۔ تحت کالم ''کٹہرا'' زیرعنوان ''انقلاب کی آنیاں جانیاں''

اس تمہید کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ڈاکٹر صاحب کے خیالات خود بریلوی علماء کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت امیر معاویہؓ کے انتقال کا وقت جب قریب آیا تو انہوں نے اس خواہش کے پیش نظر کہ یہ حکومت اور خلافت میرے ہی خاندان میں رہے اپنی زندگی میں یزید کو ولی عہد نامزد کردیا اور اس کی تخت نشینی کے لیے راہ ہموار کرنے کی کوششیں شروع کردیں۔

میں سمجھتا ہوں اور بلاتأمل اس بات کا اقرار اور اعلان کرتا ہوں کہ سیدنا امیر معاویہؓ کی یہ دوسری زبردست لغزش اور ہولناک سیاسی خطاء تھی جس نے تاریخ اسلام پر بڑے دوررس نتائج مرتب کیے اور امت مسلمہ کے سیاسی تشخص کو خلافت سے اٹھا کر ملوکیت کی گود میں دھکیل دیا۔ ہم ان دونوں غلطیوں کو شرف صحابیت کے حوالے سے اجتہادی غلطیاں تسلیم کرتے ہیں۔'' (شہادت امام حسینؓ حصہ اول ص ۱۲۳ بحوالہ دشمنان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی محاسبہ ص ۳۷۷)۔

''حضرت امیر معاویہ ان کے دور حکومت کی نسبت ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی

وجہ سے حیاء کو اور خاموشی کو فرض جانتے ہیں اور زبان کھولنے کو ناپسند کرتے ہیں اور گناہ سمجھتے ہیں۔

لیکن آگے جب یزید کا باب آتا ہے تو یزید پر ہزار بار لعنت بھیجتے ہیں۔ جو کچھ میں نے عرض کیا اہل سنت کی عقائد کی تمام کتابوں میں اور ائمہ تاریخ ہمیشہ بیان کرتے چلے آئے ہیں۔

سیاستِ معاویہ کا فتنہ آج پیدا ہوا ہے فقط اہل بیت پاک اور حسنین کریمین اور حضرت علی شیر خدا کی خلافت کے خلاف بغض اگلنے کے لیے اس فتنے کو جاگر کیا گیا ہے۔" (محبت حسینؓ اور شہادت امام حسین ص ۱۵۔۱۶)

"جب ہم واقعہ کربلا کا تصور کرتے ہیں تو ہمیں معاویہ یاد آجاتا ہے۔"

(شہادت حسین ص ۵۲۔ بحوالہ دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ ص ۳۷۷، ۳۸۳)

ممتاز بریلوی عالم شیخ الحدیث جامعہ رسولیہ شیرازیہ مولانا محمد علی صاحب طاہر القادری صاحب کے مذکورہ نظریات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اگر طاہر القادری کو یہ خوف نہ ہو کہ مجھے علماء اہل سنت شیعہ اور رافضی کی طرف منسوب کریں گے تو وہ کھل کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں تنقیص کرتا...... اور طاہر القادری تو مودودی سے بڑھ کر زبان کھول رہا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست ایک فتنہ تھی جس کا واضح معنی یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست اگر فتنہ ہے تو پھر امیر معاویہؓ اس کے ساتھ موصوف ہوئے کیونکہ صفت موصوف کے بغیر وجود نہیں رکھتی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو فتنہ کہنا یہ انتہائی جرأت ہے۔

اور جو یہ بار بار کہہ رہا ہے کہ امیر معاویہؓ کے خلاف زبان کھولنے سے صرف اس لیے حیاء آتی ہے کہ انہیں صحابی کہا جاتا ہے، تو یہ اس کا کہنا بھی بے معنی ہے۔ جب کہ وہ امیر معاویہؓ کی ذات کو فتنہ کہہ رہے ہیں تو پھر کون سی حیاء باقی رہ گئی ہے اور پھر واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ میں بلا تامل اس بات کا اقرار اور اعلان کرتا ہوں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہولناک سیاسی غلطیاں کی ہیں۔ لیکن مجھے انتہائی افسوس ہے کہ کاش طاہر القادری سلف صالحین اور اپنے اکابر شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مجدد الف ثانی وغیرہ کی تحریرات جو کہ انہوں نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں تحریر کی ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی اتباع کرتے اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان و مناقب تحریر کرتے نہ کہ ان کی شان میں طعن و تنقیص کرتے اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی کی کتاب احکام شریعت (حصہ اول ۵۵) کو اگر طاہر القادری صاحب پڑھ لیتے اور پھر اعلیٰ حضرت سے جو وہ اپنی عقیدت کا اظہار اور دعویٰ کرتے ہیں، پھر یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات میں طعن و تنقیص نہ کرتے۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت نے اس جگہ یوں لکھا ہے:

و من یکون یطعن فی معاویۃ　　　فذاك من كلاب الهاوية

جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے۔

فقیر کے شیخ کامل پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت قبلہ پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب زیب نشین سجادہ عالیہ حضرت کیلیانوالی شریف کی زبان اقدس سے میں نے کئی مرتبہ سنا ہے کہ جو آدمی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں تنقیص کرنے والا ہے اسے اللہ تعالیٰ ولایت عطا نہیں کرتا ......

مذکورہ واقعہ سے ان سید زادوں، پیروں اور علماء کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو اہل سنت کے مقتداء کہلانے کے باوجود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقیص کرتے ہیں۔ ایسوں کو روحانی فیض کیا مل سکتا ہے اور پھر مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ طاہر القادری کہ جو روحانی مقتداء کہلاتے ہیں ان کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات فتنہ اور فحش خطاؤں سے ملوث تو نظر آتی ہے مگر جو دشمن صحابہؓ خمینی ہے اس میں طاہر القادری کو کوئی نقص نظر نہیں آیا اور.... اس عنوان کے ساتھ خمینی کی تعریف کی ''امام خمینی کا جینا علیؓ کی طرح اور مرنا حسینؓ کی طرح ہے''......

قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ یہی وہ خمینی ہے جو شیعہ عقیدہ رجعت کا معتقد ہے اور اس کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ امام مہدی دوبارہ آئیں گے اور آکر ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ کو زندہ کر کے ان پر حد لگائیں گے اور ابوبکرؓ و عمرؓ اس امت کے فرعون و ہامان ہیں۔ اس خمینی کو طاہر القادری امام حسینؓ کی شہادت اور علی المرتضیٰ کی ولایت کا وارث کہہ رہا ہے۔

طاہر القادری نے خمینی کی مذکورہ تعریف کر کے کیا ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ و ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ بن خطاب کا دل نہ دکھایا اور ان کی ناراضی مول نہ لی؟ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کو اذیت و دکھ پہنچانا دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانا اللہ تعالیٰ کو تکلیف دینا ہے تو جس نے اللہ اور اس کے رسول کو دکھ دیا اس کا حشر کیسا ہوگا؟

تو معلوم ہوا کہ طاہر القادری کا جو عنوان (امام خمینی کا جینا علیؓ اور مرنا حسینؓ کی طرح ہے) وہ اس قدر گستاخی پر مبنی ہے کہ جس کی وجہ سے اس کے سارے اچھے اعمال اکارت گئے اور آخرت بھی برباد کر بیٹھا اور بارگاہ صدیقی، فاروقی اور نبوی سے مردود ہو گیا۔

سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت اور وقار و عظمت سے درحقیقت طاہر القادری کا سینہ بالکل خالی ہے بلکہ اس کی جگہ عداوت و کدورت اور بغض سے اس کا دل بھرا پڑا ہے۔ محض علمائے اہل سنت کی گرفت کا خوف اسے زبان کھولنے سے روک رہا ہے ورنہ وہ دبے لفظوں دل کی بات کہہ گیا ہے جیسا کہ اس کی کتاب شہادت حسینؓ گواہی دے رہی ہے اور ہمارے خیال کی تائید کرتی ہے:

''جب ہم واقعہ کربلا کا تصور کرتے ہیں تو ہمیں معاویہ یاد آجاتا ہے۔''

اب رہی یہ بات کہ واقعہ کربلا کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یاد آجانا کس نوعیت کا ہے ۔انداز تحریر بتا رہا ہے کہ ان کی یاد ایک مجرم اور شہادت امام حسینؓ کا اصلی سبب کے طور پر آتی ہے لہٰذا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ کربلا کے ساتھ تصور کسی عزت واحترام اور عظمت کے طور پر نہیں بلکہ ایک سازشی، دشمن اہل بیت اور فاسق وفاجر کے طور پر آتا ہے۔

طاہرالقادری کی یہ تحریر اس بات کی واضح نشاندہی کرتی ہے کہ اس کے دل میں حضرت امیر معاویہؓ کا قطعاً ادب واحترام نہیں ۔اسی لیے اس کا یہ کہنا کہ ''شرف صحابیت ہمیں مانع ہے'' یہ بھی ایک عذر لنگ سے کم نہیں ۔اگر شرف صحابیت واقعی ان کی توہین سے مانع ہوتا تو ''شہادت حسینؓ'' نامی کتاب کی مذکورہ عبارت لکھتے وقت اس شرف کا لحاظ وخیال کدھر گیا۔

قارئین کرام! حضرت عمر بن عبدالعزیز ایسی شخصیت جو عظیم الشان ہے انہوں نے بھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کسی گستاخی یا زیادتی کی نشاندہی نہ کی بلکہ گستاخِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کوڑے لگوائے ۔ان کا یہ طرز عمل بتاتا ہے اور واضح شہادت دیتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ قریب ہونے کے باوجود انہیں تو کوئی عیب یا گستاخی نظر نہ آئی اور چودہ سو سال کے لگ بھگ گزرنے کے بعد جن لوگوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخیاں نظر آنے لگیں اور تحریر وتقریر میں ان کی شان میں نازیبا اور گستاخانہ انداز اپنایا، کیا ان لوگوں کی بات کا کوئی وزن ہوسکتا ہے؟ اور کیا ان کے بغض وعداوت سے بھرے الفاظ اس کی دلیل بن سکتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کیا جانا درست ہے؟ ہر ذی عقل اور ذی علم اس کے خلاف ہی فیصلہ کرے گا اور قرآن وحدیث کی رو سے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو علیٰ جنتی قرار دے گا ۔ایسی شخصیت کے خلاف نازیبا الفاظ اور گستاخانہ طرز اختیار کرنا اپنی بدقسمتی بلکہ ازلی بدبختی کی علامت ہی ہوسکتا ہے۔

خلاصہ کلام طاہرالقادری اہل سنت اور اسی طرح وحیدالزماں اہل حدیث اگرچہ اپنے آپ کو محبّ صحابہ کہلاتے ہیں مگر ان کے دلوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیانؓ کے خلاف بغض وعداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے جس کا واضح ثبوت خود ان کی تحریرات سے ملتا ہے، لکھتے ہیں:

''ان کا صحابی ہونا مانع ہے کہ ان کے حق میں کچھ کہیں ۔''

مطلب یہ کہ آپ کا صحابی ہونا ہمیں زبان کھولنے سے روک رہا ہے اور لعن طعن کرنے سے صرف صحابیت آڑے آرہی ہے ۔ورنہ ہم وہی کچھ کہتے جو دشمن کہا کرتے ہیں ۔گویا ان کے سینوں میں عداوت کی آگ جل رہی ہے ۔جیسا کہ طاہرالقادری نے شہادت حسینؓ کے صفحہ ۱۵ پر لکھا ہے کہ:

''جب ہم واقعہ کربلا کا تصور کرتے ہیں تو ہمیں معاویہ یاد آجاتا ہے۔''یعنی ہمیں اس قدر غصہ آتا ہے کہ گویا قاتل معاویہ ہی ہیں۔

یاد رہے کہ امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گستاخوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا دشمن دوزخی کتا ہے۔ یہ فتویٰ خاص کر طاہر القادری کو پڑھنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا اہل سنت کا فرد ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ فیصلہ مجدد الف ثانی کا بھی ہے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرامؓ سے عداوت اور بغض سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین ـــــ فاعتبروا یاولی الابصار (دشمنانِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی محاسبہ۔ جلد اول ص ۳۷۸۔۳۸۵۔ طبع ۱۹۹۲ء)

مشہور بریلوی عالم دین جناب ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی کی زیر سرپرستی ادارہ دارالاسلام لاہور نے ''معاویات'' کے نام سے مستقل طور پر ایک شعبہ قائم کیا ہے جس کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور دفاع سے متعلق جدید و قدیم سنی لٹریچر شائع کیا جاتا ہے۔ اس وقت ادارے کی مطبوعہ کتاب ''دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ـــــ رسائل فی افضال معاویہ رضی اللہ عنہ'' راقم الحروف کے سامنے ہے۔ اس کتاب سے مؤلف اور ناشر کے شکریہ کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع سے متعلق ڈاکٹر طاہر القادری سمیت چند بریلوی علماء کا تذکرہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:

مدیر دارالاسلام جناب محمد رضاء الحسن قادری رقم طراز ہیں:

''صحابہ کرام علی الخصوص حضرت امیر معاویہؓ کی ناموس کے تحفظ کے لیے ہمیں یہ تحریک کیوں چلانی پڑی؟ اس کے محرکات و اسباب کی چند جھلکیں ہم پیش کرتے ہیں۔

یہ وقت ہے کہ زمانے پہ آشکار کریں
وہ رازِ خاص کہ حامل ہیں جس کے یہ رگ و پے

اور یہ نمونے صرف اہل سنت بریلوی حضرات کے ہیں باقی طبقات سے بھی اگر شمار کیے جائیں اور ان کی تفصیل لکھی جائے تو کئی دفتر جمع ہوجائیں۔

راقم کے مشاہدے سے گذشتہ چند سال سے جو باتیں آرہی ہیں یہاں اسی ترتیب سے پیش کی جائیں گی جس سے اس امر کا وضوح بھی ہوجائے گا کہ یہ خطرناک سوچ کیسے منظم اور مربوط انداز میں پھیلائی جارہی ہے اور اس کے ازالہ کے لیے ہمیں کس قدر پھرتی سے کام کرنے کی ضرورت ہے؟

۱۔ ادارہ پاکستان شناسی لاہور والے **بابا جی ظہور الدین خان امرت سری** نے ستمبر ۲۰۱۰ء

میں ''البلاغ'' پروفیسر علامہ سید محمد سلیمان اشرف بہاری، چھاپی تو اس کے شروع میں ڈاکٹر وحید عشرت کا دیباچہ شامل کیا۔ اس میں انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کئی طرح کی سست باتیں لکھ کر ان کے کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کی۔

اس سے مذہبی حلقوں کے اہل علم حضرات میں کافی اضطراب پایا گیا۔ ''البلاغ'' میں ظہور الدین خان کی جا بہ جا حاشیہ آرائی نے جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کیا۔

اگست ۲۰۱۲ء میں ظہور الدین خان کی تحریک پر مکرمی مختار جاوید منہاس صاحب نے ''میں زہر ہلاہل کو کیسے کہوں قند؟'' میں مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور کی مطبوعہ 'تاریخ اسلام' مرتضیٰ احمد خان میکش کی کتاب کو بنیاد بنا کر ادارہ کی کئی غیر معمولی غفلتوں کی خبر لی۔ اس میں دانستہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ایسے عامیانہ انداز میں کروایا گیا ہے کہ ایک عام مسلمان کے درجے سے بھی نیچے لے آئے۔ راقم نے منہاس صاحب سے اس معاملے پر بات کی تو انہوں نے بھی احساس کیا۔ دراصل یہ ظہور الدین صاحب کا کارنامہ ہے جو انہوں نے منہاس صاحب کے نام کے سہارے اپنے لیے راہ ہموار کی ہے۔

کچھ عرصہ سے ادارہ پاکستان شناسی کی طرف سے کتاب ''مناقب اہل بیت'' عزیز الحق کوثر ندوی کی تشہیری مہم چل رہی ہے۔ ماشاء اللہ والحمدللہ! مگر اس میں بابا ظہور الدین اپنا کمال پُر وبال بھی فرمارہے ہیں۔ وہ حسب سابق اس کتاب کی ابتداء میں اپنا دیباچہ شامل کرنا چاہ رہے ہیں اور اس میں جو مغز کہ وہ بپا کرنا چاہتے ہیں وہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیوی میسون اور کچھ دیگر تاریخی باتوں کا سہارا لے کر آپ کے سیاسی اور ریاستی کردار کو مجرمانہ حد تک مجروح کرنا ہے۔ اس پر ان کے دلائل کے اجل ماخذ عیسائی مؤرخین کی کتب تاریخ ہیں۔

ایک طرح سے وہ اہل بیت کے ذکر خیر کے ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار کو گندا کر کے دکھانے کی دانستہ کوشش میں مصروف ہیں جس سے لازماً رافضیت وشیعیت کے پاؤں مضبوط ہوں گے اور ایسے ہی کچھ فرض ناشناس لوگوں کی غیر ذمہ دارانہ حرکات سے فضاء وہ رنگ اختیار کر لیتی ہے کہ تاریخ کسی ابو یزید محمد دین بٹ اور محمود عباسی کو پیدا کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں قسم کے فتنوں سے بچائے رکھے۔

ظہور الدین صاحب اپنی عمر کے آخری حصے میں پہنچ کر پٹڑی سے کیوں اتر گئے ہیں اور وہ کسی کے صلاح مشورے کو خاطر میں نہ لانے پر مجبور کیوں ہیں؟ اس کے پیچھے دراصل ان کی گھریلو ناچاقیاں، حالات کی ستم ظریفی اور بیٹوں کی ان سے عدم التفاتی ہے جس نے ان کے حس ضدیت کو پختہ کر دیا ہے اور قبولیت کی خصلت ان میں معدوم ہو چکی ہے۔ انہیں ہر وہ بات جو ان کی سوچ کے

خلاف ہواس سے چڑ سی ہو گئی ہے۔یقین کریں جن لوگوں کی ان سے شناسائی نہیں ہے وہ انہیں دیوانہ خیال کرنے لگے ہیں۔آپ اندازہ کریں کہ میری ان سے ایک سال تواتر سے اس مسئلہ میں تکرار ہوتی رہی۔میں نے ان کی نشست اپنے کرم فرما علامہ حافظ فریاد علی قادری اور مولانا عبدالجبار قادری زیدمجدہما (تلمیذان حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی) سے کروائی۔عزت مآب قاری محمد لقمان قادری صاحب سے اتفاقاً میرے ہی پاس ان کی ملاقات ہوگئی۔ہر بار کیا ہوا؟

یہی کہ اپنی طرف سے دو چار سطحی دلائل دینے کے بعد ظہور صاحب بغلیں جھانکنے لگ جاتے اور پھران کے ورد زبان ایک ہی بات ہوتی:

''تم لکھو!میرے خلاف لکھو!میری تحریروں کا جواب دو!مضمون لکھو!کتاب لکھو!یہ بھی کرو وہ بھی کرو''اس کے علاوہ کوئی بات، کوئی دلیل ان کے کشکول تحقیق سے برآمد نہ ہوتی۔جو شخص موتہہ پر جھونا پڑ جائے اس کو تحریری جواب دینا اپنی حماقت کو ثابت کرنے کے مترادف ہے۔واللہ هوالهادی ومالك يوم التنادی۔

میر اظہور الدین صاحب سے چونکہ 5 سال سے تعلق ہے اور ابتداء سے کچھ عرصہ تک لٹریچر سے شناسائی میں وہ میری مدد بھی کرتے رہے ہیں۔ان کو اس تکلیف میں دیکھ کر مجھے ترس بھی آتا ہے اور دلی تمنا بھی یہی ہے کہ وہ اس کلفت سے ماڑی جان کو آزاد کر لیں تاکہ زندگی کے بچے کھچے دن سکھ کے ساتھ بتا سکیں۔اس واسطے ان کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ:

بابا جی!سیدھے سے جاکر اپنا گھر چلائیں!آپ کے ذہن میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جو بھی تصویر بن چکی ہے، بجا، مگر وہ اپنی تمام ریاست کا انصرام آپ کے گھر سے سوگنا اچھا چلاتے تھے:

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش
رموز مملکتِ خویش خسرواں دانند

۲۔**پیر ہارون الرشید** (موہڑہ شریف کوہ مری ضلع راولپنڈی) نے اپنی ایک دعا کے دوران حضرت سیدنا ومولانا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو''منافق''کہا۔(العیاذ باللہ)

۳۔**قاری ظہور احمد فیضی** نے''شرح خصائل علیؓ''میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مردود ومطرود اقوال بیان کیے ہیں۔(رافضیوں کے اس اجرتی محقق کو ہم اسی سال میزانِ تحقیق پر پیش کریں گے۔پھر آپ دیکھیے گا کہ اس کی تحقیق کی زنبیل سے کیا کیا کچھ نکلتا ہے:

حقیقتاً ہے فریبِ کمالِ خوش نظری ترے خیال کے فرضی بتوں کی عشوہ گری
عجب نہیں کہ خرد کا نقاب اٹھ جائے بہ روئے کار جو آئے جنوں کی پردہ دری

۴۔ **شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری** کا بیداری شعور کے سلسلے میں کیے ہوئے ایک خطاب کا چھوٹا سا حصہ ہم تک پہنچا۔اس میں ضمناً انہوں نے جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان کرنے والوں کو ''فتنہ گر ملا''، ''یزیدی ٹولہ''، ''خارجی الذہن''، ''حب اہل بیت کے مخالف'' وغیرہ قرار دیا۔اور یہ سب انہوں نے کہا تو کسی اور کو نہیں، سنی بریلوی بھائیوں کو کہا۔اتنی تواضع کرنے کے بعد وہ گویا ہوئے کہ ''ایسے لوگوں کو اہل سنت کی صفوں سے جوتے مار کر نکال دو۔''

طاہر القادری صاحب کا دل عیسائیوں جن کے کفر پر نصوص قطعیہ شاہد ہیں، کی محبت سے اتنا پُر ہوچکا ہے کہ اس میں امیر معاویہ صحابی رسول کی محبت کے لیے ذرا بھی جگہ باقی نہیں رہی ہے البتہ وہ ''کرسمس ڈے'' کو خوب انجوائے کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنے چہیتے عیسائی بھائیوں کے لیے مسجد کے دروازے تک کھول دیتے ہیں۔طاغوت کے پیروکاروں سے اس حد تک نسبت اور محمد عربیؐ کے اصحاب سے اتنا تنفر! تف ہے!!

خیر ان کے اس بیان کی باقی سب باتیں تو ہماری سمجھ میں اتر گئیں مگر یہ بات اب تک ہمارے لیے ناقابل فہم رہی ہے جو انہوں نے کافی زور دیتے ہوئے کہی کہ میرے پاس عقائد کی پچاسوں کتابیں ہیں، عقیدہ کی کسی کتاب میں ان (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کے مناقب پر کوئی باب قائم نہیں ہے۔

یہ بات بھی ہمیں ہضم ہوگئی کہ آنجناب کے پاس عقائد کی پچاسوں کتابیں ہیں۔مشکل یہ ہے کہ قادری صاحب! آپ کو مناقب کے ابواب حدیث کی کتابوں میں تلاش کرنے چاہیے تھے نہ کہ عقائد کی۔

اور اگر جناب کتب عقائد میں دیکھنے پر ہی بہ ضد ہیں تو ان ہی پچاسوں کتابوں میں سے جن کتب میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے مناقب کے ابواب ملیں گے، ان ہی میں تھوڑا آگے بھی دیکھ لیں۔آپ کو مناقب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے باب بھی نظر آجائیں گے اور اگر چند ایک کتب میں اس کے برعکس ہو بھی تو یہ قاعدہ یاد فرمالیں: ''عدم الذکر لا یستلزم عدم الشیء۔''

منہاج القرآن لاہور کے مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی نے جب ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب پر کتاب تصنیف کرنی شروع کی تو طاہر القادری صاحب نے انہیں اس صالح کام سے ٹوک دیا۔

یہ روایت مجھ تک میرے والد گرامی حضرت علامہ مفتی غلام حسن قادری مدظلہ سے پہنچی ہے جو ہزاروی صاحب موصوف کے شاگرد ہیں۔

ایک بات اور _____ کہ طاہر القادری کی شروع دن سے شہرت مذہبی رنگیلے کی سی رہی ہے۔ان کی باتوں کو اکثر لوگ سنجیدگی سے نہیں لیتے، مگر فکر اس وقت دامن گیر ہوتی ہے جب ان کے جیالے متوالے انہیں دنیا کا سب سے بڑا عالم ماننے پر تُل جاتے ہیں۔

سوچنے والی بات ہے کہ کچھ عرصہ سے ایسی کرخت باتیں کرنا ان کا محبوب مشغلہ یا کہہ لیں کہ اپنی تشہیر کا سستا کاروبار بن چکا ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ یہ ان کے اندر کا بخار ہے یا وہ کسی کے اشارے پر یہ سب کچھ کرنے اور کہنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ خیر، حقیقت جو بھی ہے اللہ عزشانہ اس سے خوب باخبر ہے۔ ویسے اب ان کی حالت قرآن مجید میں مذکور اس شخص کے مشابہ ہو چکی ہے جس کے متعلق اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ...... (الاعراف ۱۷۵۔۱۷۶۔ ترجمہ "عرفان القرآن" سے ملاحظہ ہو)

۵۔ **ملا محمد برخوردار ملتانی** کی کتاب "**غوث اعظم**" حال ہی میں زاویہ پبلشرز لاہور سے چھپی۔ اس کا آغاز نبی کریمؐ کے ذکر مبارک سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد خلفائے راشدین کے حالات ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور خاص طور پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے ذکر پاک میں مصنف نے حضرت سیدا میر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں ایسے حیا سوز اور ظلمت آمیز جملے لکھے ہیں جنہیں پڑھ کر کسی بھی سچے مسلمان کا ایمان زخمی ہو جاتا ہے۔ یہ عبارات ہم اپنے رسالہ "**رندِ خراب حال**" میں نقل کر چکے ہیں۔ فمن شآء فلیرجع الیہ۔

مولوی برخوردار ملتانی نے آج تک اہل سنت کے علمی حلقوں سے "حاشیہ نبراس" کی یہ دولت خاصی داد وصول کی ہے۔ لوگ انہیں اہل سنت کا بڑا عالم گمان کیا کرتے تھے۔ شاید ہزار میں سے کسی ایک کو بھی اس شخص کے رافضیانہ نظریات کی خبر نہیں تھی۔ ہم قاری ظہور احمد اسد گوڑوی صاحب کے شکر گزار ہیں کہ جن کی تحریک پر "غوث اعظم" والی کتاب شائع کی گئی جس نے کم از کم ان کی تصویرِ نیم رخ کا پورا چہرہ تو نمایاں کر دیا ہے۔

۶۔ **سید شمس الدین شاہ بخاری** نے چند دن پہلے عثمان مسجد اسلام پورہ لاہور میں تقریر کی۔ اے ٹی آئی کے کچھ ساتھیوں نے بتایا کہ ان کی کئی باتوں سے اہل علاقہ پریشان ہیں، علماء ان کے اس بیان سے بیزار ہیں۔

۷۔ **سید مزمل حسین شاہ** نے ایک مقام پر تقریر کی جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بڑا ہی بے باک طعن کیا۔ جس پر حاضرین میں سے نعرہ بلند ہوا "معاویہ پہ لعنت" (اعوذ معاذ اللہ)

مزمل حسین شاہ نے فوری طور پر اسے منع تو کیا مگر چند لمحے گزرنے کے بعد اس لعین شخص کا ذکر ان الفاظ میں کیا: "میں اپنے عزیز کو داد دیتا ہوں، اس کے اپنے جذبات تھے ........

(ان تمام باتوں کے ثبوت ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ جو صاحب تصدیق چاہیں رابطہ فرمائیں)

ومن یکون یطعن فی معاویۃ فذاك كلب من كلاب الھاویۃ

۸۔**مولانا مفتی محمد شوکت سیالوی صاحب**(خانیوال) نے چندسال قبل ڈیرہ غازی خان میں ایک تقریر کی تھی جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بے احتیاطی سے کئی باتیں نکل گئیں۔ان سے ۲۹/۲۶۔دسمبر(۲۰۱۲ء) کوفون پر بات ہوئی تو انہوں نے سابقہ کئی باتوں سے اپنا رجوع کرنا بیان کیا مگر ابھی تک ان کا متعین موقف تحریری صورت میں سامنے نہیں آسکا توقع ہے کہ وہ اس نازک مسئلے میں اپنا دوٹوک نظریہ جلد سے جلد شائع کریں گے۔وباللہ التوفیق

۹۔**مولانا محمد حنیف قریشی** (راولپنڈی) کے چند غیر محتاط جملے بابت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مشہور ہوگئے تھے۔اس معاملے میں ان کی وضاحت بھی موجود ہے اور ان کے قریبی ساتھیوں سے معلوم پڑا ہے کہ وہ اس سے لاتعلق ہیں۔

۱۰۔**علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب**(ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان) کے حوالے سے بھی کئی باتیں گردش میں ہیں۔شنید ہے کہ انہوں نے علماء کی ایک مجلس میں اپنی سابقہ باتوں سے رجوع اور توبہ کرلی ہے۔اللہ کرے ایسا ہی ہو۔

یادرکھیں!جب بھی کچھ لوگ بے دھیانی میں یاجانتے کے باوجود صحابہ کرام ایسی بڑی ہستیوں کے بارے میں نامناسب باتیں کرجاتے ہیں تو جواباً مصلحتاً کچھ لوگوں کو ان کی ذاتیاتی سرزنش کرکے ان کی غیرت کو اشتعال دلاکر انہیں یہ باور کرانا پڑتا ہے کہ جیسے آپ حضرات مجمع عام میں ان جلیل القدر شخصیات کی عزتیں اچھالتے ہیں جس سے ہمارے جذبات مجروح ہوتے ہیں اور بلاریب نبی کریمؐ کے قلب اطہر کو بھی ٹھیس پہنچتی ہے،تو چلو آپ کا ظرف بھی ماپ لیتے ہیں۔ذرا دیکھیں تو سہی کتنے طوفان سموسکتے ہیں آپ اس میں___لہٰذا جن حضرات پر اس قبیل سے کچھ بھی الزام ہوں کہ جن کا علاقہ کسی نہ کسی طرح عقائد سے متصل ہو وہ وضاحت طلبی پر پیچیدہ اور رنجیدہ نہ ہوا کریں کیونکہ جہاں صحابہ کی عزت کا سوال ہو وہاں اپنے نام کی عزت کو قربان کردینا چاہیے۔ایسے لوگوں کے لیے دامن کی سیاہی دھونے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنا وضاحتی بیان، رجوعی موقف تحریراً تفصیلاً شائع کردیں یا کوئی مضمون یا جامع تحقیق کتابی صورت میں پیش کردیں۔اگر طباعت کی بابت وہ کسی قسم کی رکاوٹ محسوس کریں تو ہمارے ادارہ سے رجوع کریں۔ان شاءاللہ اہل سنت کی مؤید تحریریں ان کے شایان شان شائع کی جائیں گی۔"(دفاع سیدنا معاویہؓ۔رسائل فی افضال معاویہؓ۔ص ۶۔۱۲۔مطبوعہ دارالاسلام 8.C محی الدین بلڈنگ۔داتادربار مارکیٹ لاہور)

☆☆☆☆☆☆

# ۴۰۔ پیر سید مہر حسین بخاری ۔ اٹک

موصوف ''متوحد'' معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے کاشانہ کا نام بھی ''بیت التوحید'' رکھا ہے۔ سید لعل شاہ بخاری کے غالی عقیدت مند اور ان کے افکار و نظریات اور تحقیقات و تدقیقات سے متاثر ہی نہیں بلکہ ان کے پرچارک و مبلغ بھی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے ''پیر و مرشد'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''رئیس المحققین امام اہل سنت مولانا سید لعل شاہ بخاری دامت برکاتہم کی کتاب استخلاف یزید...''

موصوف، راقم الحروف کے نام اپنے ایک مکتوب (محررہ ۱۱ نومبر ۱۹۸۶ء) میں رقم طراز ہیں:

''حضرت اقدس فخر المحققین مولانا السید لعل شاہ صاحب بخاری دامت برکاتہم و فیوضہم نے بھی اپنی نادرۂ عصر تالیف میں...''

مگر یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مولوی مہر حسین بخاری نے ''معاویہ دشمنی میں اپنے ''رئیس المحققین اور فخر المحققین'' کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی کتب سے چند اقتباسات ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں:

''قاضی (مظہر حسین) صاحب گستاخی معاف اگر استخلاف یزید کے مطالعہ کے بعد ناواقف قاری کو حضرت معاویہ کے ساتھ حسن ظن نہیں رہتا تو آپ یقین فرمائیں کہ آپ کی کتاب ''خارجی فتنہ'' پڑھ کر واقف کار قارئین کو بھی حسن ظن نہیں رہتا (اور اسی وجہ سے متشددنواصب نے آنجناب کو بھی شیعہ قرار دیا ہے) اور قارئین اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرت معاویہ کو ''رضی اللہ عنہ'' کہنا خلاف قرآن ہے اور نصِ قرآنی جائز نہیں۔'' (الاجابة الکافیه فی ردّ دفاع معاویہ ص ۱۹)۔

''اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ معاویہ اور اس کے حامی جائر تھے جو اہل سنت کا متفق علیہ مسئلہ ہے اور اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ محبت عادلوں اور امانت داروں سے رکھتے ہیں اور اہل جور و خیانت سے بغض رکھتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ معاویہ جائر تھا اور اللہ کے قرآن، نبی کی حدیث میں خیانت کی۔ نیز بیت المال میں خیانت کی اور جس نے خیانت پر ساتھ نہ دیا اسے جیل میں محبوس کر دیا اور اسے وہیں موت نے آ کر رہائی دلائی۔ لہٰذا معاویہ سے بغض رکھنا عین ایمان اور اہل سنت کا مذہب ہے۔'' (جواز الصلوٰة و التسلیم علیٰ ذریة النّبی الکریم ص ۳۱)۔

''معاویہ متغلّب تھا۔جائز خلیفہ یا حکمران نہیں حضرت علی علیہ السلام، حسنین علیہما السلام اوراس دور کے تمام صحابہ معاویہ سے تبرا کرتے تھےاور دوستی نہیں رکھتے تھے۔(حوالہ مذکورص ۳۷)،

''معاویہ کے اپنے اعتراف اور محققین علمائے اہل سنت کی تصریح کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ ہم متردد ہوں لہٰذا اہل سنت کا مذہب معاویہ کو متغلّب جاننا ہے۔''(حوالہ مذکورص ۴۱)

''لاؤڈ سپیکر سے فضا میں جب بار بار سیاست معاویہ زندہ باد کے نعرے بلند ہوتے ہیں تو سامعین کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ امیر معاویہ کے وہ کون سے قابل قدر اور مستحسن اقدامات تھے جن کی بدولت آج چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود ہمارے کانوں کے پردے اس ناموس آواز سے پھٹے جاتے ہیں۔تاریخ دان کے علاوہ جب تاریخ کا کوئی طالب علم بھی امیر معاویہ کی زندگی پر نظر ڈالتا ہے تو اسے سب سے پہلے خلیفہ راشد سے بغاوت نظر آتی ہے، جنگ صفین کا ہولناک منظر نظر آتا ہے، حضرت حجر بن عدی، حضرت محمد بن ابی بکر اور حضرت حکم کے ناجائز قتل نظر آتے ہیں، بیت المال کا ناروا استعمال اور اس ادارہ سے خرد برد جیسے کریہہ افعال نظر آتے ہیں، استلحاق زیاد کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔

شرفائے صحابہ و صلحائے امت کو چھوڑ کر اپنے جانے پہچانے بدکردار بیٹے کی جبری نامزدگی دکھائی دیتی ہے۔حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ پر برسر منبر سبّ وشتم کی بوچھاڑ نظر آتی ہے۔توریث المسلم من الکافر جیسے خلاف سنت فیصلے علم میں آتے ہیں۔معاویہ کے گورنروں کی زیادتیاں اوران سے عدم مواخذہ کی گھناؤنی صورتیں تصور میں دکھائی دیتی ہیں۔بلکہ میں یہ کہنا پسند کروں گا کہ خدا اور رسول کی صریح نافرمانی اور قرآن وسنت سے کھلے انکار جیسی صورتیں نظر آتی ہیں۔

یہ امور''حضرت''معاویہ کی سیاست کا جز ولاینفک تھے۔کیا یہی سیاستِ معاویہ ہے جسے آج زندہ باد کے نام سے پکارا جاتا ہے؟ کیا کوئی ناصبی اس سیاست معاویہ سے انکار کرسکتا ہے؟

اگر یہ سیاست معاویہ ہے تو اسے زندہ باد کہنا کہاں کا انصاف ہے؟ اور اسے زندہ باد کہنا خاکم بدہن تمام اسلام کو مردہ باد کہنے کے مترادف ہے۔''(سیاست معاویہ ص ۶۔۷)،

نواصب نے معاویہ کو ایک جلیل القدر اور صاحب فضیلت ثابت کرنے کے لیے حدیثیں وضع کیں اوراس مقصد سے دفاتر کے دفاتر بھر دیے اور جہاں بھی کسی صحابی کے بارے میں کوئی کلمہ منقبت دیکھا پایا تو اسے فی الفور معاویہ پر چسپاں کردیا اور معاویہ کو جامع الصفات ثابت کرنے کے لیے تمام صحابہ کے اوصاف ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں معاویہ کے لیے ثابت کیا گیا۔

بنوامیہ کا جابرانہ دورِ حکومت تقریباً نوے سال رہا تو اس کا اثر کافی لوگوں میں سرایت کر گیا اور معاویہ کو بدقسمتی سے ایک جلیل القدر صحابی تسلیم کرلیا گیا جو اس امت کا بہت بڑا المیہ ہے۔ مگر جاننا چاہیے کہ ہر زمانے میں بعض حق پرست لوگ بھی موجود رہے ہیں۔چنانچہ محدثین کا اتفاق ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں پورے ذخیرہ حدیث میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔(حوالہ مذکور ص۱۸۔۱۹)

"لواء الغدر عنداستہ" (غدر کا جھنڈا عمرو بن عاص اور معاویہ جنہوں نے امام برحق جناب علی المرتضیٰ سے غداری کی اور واقعہ تحکیم میں عہد شکنی غدر کیا تو قیامت کے دن معاویہ صاحب اور عمرو بن العاص کی مقعدوں میں غدر کا جھنڈا نصب کیا جائے گا۔

روز قیامت سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لواء الحمد ہوگا جو لوگ اس جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے شفاعت کے حق دار ہوں گے اور یہ لواء الحمد جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اٹھائیں گے۔

جب کہ معاویہ اور عمرو بن عاص کے پاخانہ کے مقام میں غدر کے جھنڈے لواء الغدر نصب ہوں گے۔حضرت علیؑ کو ماننے والے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے اور جنت میں جائیں گے اور معاویہ صاحب کے پیروکار و حامی لواء الغدر کے نیچے ہوں گے اور اپنے ٹھکانے پر اپنے مقتداؤں کے پیچھے جائیں گے۔پسند اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا۔" (سیاست معاویہ ص ۳۹)

"میں علی وجہ البصیرت یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت علیؑ کی شہادت بھی معاویہ اور اس کے ساتھیوں کی سازش کا نتیجہ ہے..... چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم مشہور خارجی نے معاویہ کی اعانت سے کوفے کی جامع مسجد میں نماز فجر کے وقت شبیب بن بجرہ کی ہمراہی میں حضرت علیؑ پر اچانک حملہ کر دیا۔زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۰ رمضان المبارک شب یک شنبہ ۴۰ھ کو رشد و ہدایت کا چراغ، شہنشاہ ولایت معاویہ کی سیاست کا شکار ہو کر دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔" (حوالہ مذکور ص ۴۹)

جنگ صفین کے مقتولین کا خون بھی یوں تو معاویہ کے سر پر ہے لیکن حضرت حجر کا قتل بغیر جنگ کے جبراً ہوا ہے لہٰذا یہ زیادہ کربناک ہے۔یوں معاویہ فرمان باری تعالیٰ:

"مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ" کا صحیح مصداق بنا ہے۔اب اگر قرآن کے فیصلے کے بعد معاویہ کے پجاری اسے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ پڑھیں تو یہ خدائے بزرگ و برتر اور اس کے کلام سے مقابلہ ہے۔ان کے کہنے سے معاویہ اللہ کا پسندیدہ بندہ نہیں بن سکتا۔" (حوالہ مذکور ص ۱۲۴)

☆☆☆☆☆☆

# ۴۱۔ مولوی عبدالقیوم علوی

مولوی عبدالقیوم علوی (متوطن پنڈ سنگریال ڈاکخانہ گولڑہ شریف تحصیل وضلع اسلام آباد) بھی مولوی لعل شاہ بخاری کے شاگرد ہیں (جن کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے) چنانچہ علوی صاحب اپنے استاذ، صاحب "استخلاف یزید" کے متعلق لکھتے ہیں:

"ان کے بعد علمائے دیوبند میں سے ہمارے محترم ومکرم استاد علامہ زماں، محقق دوراں، جامع علوم وفنون، مزیل شبہات وظنون حضرت مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری ادام اللہ فیوضہم...... " (تاریخ نواصب جلد اول ص ۸۔۹)

علوی صاحب نے اپنی کتاب "السیوف القواضب علی أعناق النواصب یعنی تاریخ النواصب" میں جابجا کاتب وحی، صحابی رسول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھی صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو "کافر، ملعون، منافق، دشمن اسلام اور کتے وخنزیر" کے برابر قرار دیا ہے (العیاذ باللہ) جس کے خلاف ۴ افروری ۱۹۸۵ء کو خطیب لال مسجد مولانا محمد عبداللہ صاحب نے عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور پانچ سال کی مساعی جمیلہ کے بعد بالآخر ۱۵ نومبر ۱۹۸۹ء کو عدالت نے عبدالقیوم علوی، صاحب "تاریخ نواصب" کو جرم ثابت ہونے پر تین سال قید با مشقت کی سزا سنادی۔ یہاں موصوف کے چند "ہفوات وہذیانات" ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں:

۱۔ "بغض علیؓ، خلافت علیؓ کا انکار اور علی علیہ السلام پر سب وشتم کرنا شعائر نواصب میں سے ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کا مبتدی اور بانی کون ہے؟ اس کا تفصیلی جواب تو حصہ دوم میں ہی آئے گا۔ سردست اتنا بتادیتا ہوں کہ ان سب افعال شنیعہ وعقائد قبیحہ کا بانی معاویہ بن ابی سفیان ہے جسے اہل سنت غیر شعوری طور پر جلیل القدر صحابی سمجھے بیٹھے ہیں .... بانی ناصبیت معاویہ تھا..." (تاریخ نواصب ص ۱۵)

۲۔ اہل سنت کے نزدیک نواصب کتے اور خنزیر کے برابر ہیں اور لڑنے والا حضرت مرتضیٰ کا جو بغض وعداوت سے لڑتا ہے کافر ہے بالاجماع اہل سنت کے نزدیک .... جنگ صفین محض بغض وعداوت کی بناء پر واقع ہوئی تھی۔ اجتہادی خطا وغیرہ کا بہانہ "عذر گناہ بدتر از گناہ" کا مصداق ہے۔" (حوالہ مذکور ص ۱۷)

۳۔ "ہاں یہ بات درست ہے کہ جنہوں نے امام حسن علیہ السلام کو زہر دے کر شہید کرایا کہ

آئندہ امر خلافت میں کوئی مدعی باقی نہ رہے اور جس نے اپنے پیارے بیٹے کو کہا کہ واللہ جس نے علی وحسن علیہما السلام کو رسوا کیا، حسین علیہ السلام کو بھی ذلیل وخوار کرے گا۔ ایسے صحابہ سے البتہ بغض پیدا ہوگا اور یہ کوئی مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔ درحقیقت یہ لوگ صحابی نہیں تھے بظاہر تسلیم وانقیاد کا دم بھرتے تھے، اندر سے باپ دادا کے دین پر قائم تھے۔ انہیں تو بدر وفتح مکہ کی ذلت کا انتقام لینا تھا، سو لے لیا۔ ایسے لوگوں سے تو بغض ہی رکھا جائے گا، محبت واحترام کیسے کیا جائے؟'' (حوالہ مذکور ص ۳)

۴۔''یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناصبیت کے بہت سے اجزاء ہیں۔ ایک عام جزء جو تقریباً تمام اہل سنت میں پایا جاتا ہے، معاویہ کو مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی علیہ التسلیمات کے مقابلہ میں مجتہد مخطی سمجھنا ہے، اس سے بھی ادنیٰ مرتبہ معاویہ کو مولا علی علیہ السلام کے مقابلہ میں بوجہ مقاتلہ وغیرہ باطل پر گردانا اور فاسق جاننا ہے۔ ناصبیت کا یہ ادنیٰ مرتبہ حق کے قریب ہے پورا حق اس لیے نہیں کہ مرتبۂ صحابیت کو آڑ بنا کر طعن وغیرہ سے مانع ہوتے ہیں۔ یہ دونوں مراتب صدر اول کی اکثریت میں پائے جاتے تھے، بعد میں مجتہد مخطی ماننے کا حصہ غالب ہوگیا۔'' (حوالہ مذکور ص ۴۲۔۴۳)

۵۔''عرض ہے کہ بنو امیہ ہی وہ قبیلہ ہے جس نے آخری دم تک نور اسلام کو ختم کرنے کے لیے کفر کی ظلمات کی امامت کی، آخر مکہ فتح ہوا اور مجبوراً دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے، بعد میں موقع کی تلاش میں رہے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے اسباب مہیا کیے۔ وہ ابو سفیان جس نے شمع نبوت کو گل کرنے کی ناپاک کوششوں میں ساری زندگی صرف کر دی تھی اب اس کے بیٹے معاویہ نے یادگار نبوت شاہ ولایت مولا علی علیہ السلام اور ان کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام کے ساتھ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر محاربت کی بالآخر دشمنان نبوت کے ہاتھ غاصبانہ طور پر خلافت آ گئی۔

انہوں نے اب اسلام پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیے۔ رہی سہی کسر کو پورا کرنے کے لیے یزید کو ولی عہد بنایا۔'' (حوالہ مذکور ص ۴۷)

۶۔''جیسے افعال شنیعہ عبیداللہ بن زیاد، مسلم بن عقبہ مری وغیرہما سگان نواصب نے یزید پلید کے حکم سے اہل بیتؑ اور انصار ومہاجرینؓ سے کیے ہیں، ایسے ظلم وستم بسر بن ارطاۃ نے معاویہ کے حکم سے کیے ہیں۔ جس طرح عبیداللہ وغیرہ کے افعال کی نسبت یزید کی طرف کی جاتی ہے اس لیے کہ یہ کام اس کے حکم ورضا سے ہوئے ہیں۔ اسی طرح بسر بن ارطاۃ کے ظلم وتعدی کا طوق معاویہ کے گلے میں ڈالا جائے گا اس لیے کہ بسر نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا، معاویہ کے حکم سے کیا ہے۔'' (حوالہ مذکور ص ۲۵۲)

۷۔علوی صاحب بحوالہ تاریخ ابوالفداء بروایت امام شافعی لکھتے ہیں:

''انہوں نے ربیع کو خفیہ طور پر کہا کہ چار صحابیوں کی شہادت قبول نہیں کی جاتی اور وہ چار معاویہ،عمرو بن عاص،مغیرہ اور زیاد ہیں۔

شہادت سے مراد یہاں روایت حدیث ہے کیونکہ یہ چاروں شخص امام شافعی کے دور میں آنجہانی ہو چکے تھے، پھر یہ محدود فی القذف بھی نہ تھے کہ امام شافعی کا قول اس گواہی پر محمول کر لیا جائے۔امام شافعی کے نزدیک یہ چاروں دوست اپنی بدکرداری اور عداوت اہل بیت علیہم السلام کی وجہ سے غیر عادل ہیں......

(اسی وجہ سے )امام شافعی کو تشیع اور رفض کا ملزم ٹھہرایا گیا ہے یہاں تک کہ انہیں حب آل رسول علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا اعلان کرنا پڑا۔تاہم سب باتوں کا اظہار مناسب نہیں تھا اس لیے یہ بات اپنے خاص شاگرد ربیع کو بتائی اور انہوں نے بھی یہ بات خواص تک ہی محدود رکھی لیکن ایسی روایات کو اعلانیہ بیان کرنا دشوار تھا اس لیے زیادہ عرصہ سینہ بہ سینہ چلتی رہی آخر کسی نے اس روایت کو تحریری صورت میں پیش کر دیا......

جو مسائل اس حصہ (یعنی تاریخ نواصب حصہ اول ) میں زیر بحث آئے ہیں یہ حصہ دوم کے لیے مقدمہ اور تمہید کی حیثیت رکھتے ہیں۔اصل کام حصہ دوم کی تالیف ہے۔دعا ہے اللہ تعالیٰ مقصد میں کامیاب فرمائے آمین۔

خادم اہل سنت عبدالقیوم علوی۔۴محرم الحرام ۱۴۰۵ھ/۱۰۔اکتوبر۱۹۸۴ء''

(تاریخ نواصب حصہ اول ص۲۶۱۔۲۶۲)

☆☆☆☆☆☆

# ۴۲۔ مفتی محمد سعید خان اسلام آبادی

محترم جناب مفتی محمد سعید خان صاحب کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہے بالخصوص وہ پیر طریقت مولانا عزیز الرحمان ہزاروی کے ارشادات، مولانا احسان الحق حسینی (واہ)، مولانا عبدالرؤف (مدرس دارالعلوم زکریا اسلام آباد)، مدیر ماہنامہ بیداری حیدرآباد محمد موسیٰ بھٹو، کے مضامین استفسارات ومراسلات کی روشنی میں کتاب ''آپریشن خلافت ۱۹۹۵ء'' (مؤلفہ بریگیڈیر مستنصر باللہ) اور عمران خان وریحام خان کے نکاح کے حوالے سے ''خواص'' کے حلقے میں بہت معروف ہیں۔

مفتی صاحب کی اپنے ''ناقدین'' کے ساتھ خط وکتابت اور مراسلت (جس کا سلسلہ ۲۰۱۰ء تک زوروشور کے ساتھ جاری رہا) سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے نہایت ہی ''صبر واستقامت'' اور ''تحمل وبردباری'' کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا لیکن جوں ہی اس ''شدت'' میں کمی واقع ہوئی تو موصوف نے اپنی تمام صلاحیتیں صحابی رسولؐ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص پر صرف کرنا شروع کردیں چنانچہ ۲۰۱۱ء کے سال میں تو وہ اس ''محاذ'' پر پوری طرح سرگرم عمل رہے۔

اس وقت ماہنامہ الحامد کے ''اپریل، مئی، دسمبر ۲۰۱۱ء'' کے شماروں کے علاوہ موصوف کا تحریر کردہ ۲۰ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ''دیوبندیت کی تطہیر ضروری ہے ــــ ایک تجزیہ ... ...... ایک فکر'' مطبوعہ ''شعبہ نشر واشاعت تحریک خدم اہل سنت والجماعت پاکستان'' راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔ اس کتابچے پر تاریخ طباعت درج نہیں ہے لیکن صفحہ ۱۴ پر اسلام آباد میں یکم محرم ۱۴۳۲ھ کے جلوس کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰۱۱ء سے پہلے اس کی طباعت ممکن ہی نہیں ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ان کی ''تحقیق'' اور ''حلقۂ دیوبند'' سے متعلق ان کا ''تجزیہ'' ملاحظہ فرمائیں: ''دیوبندیت یا اھل السنۃ والجماعۃ کا یہ نیر تاباں زمانے کے افق پر پوری آب وتاب سے چمکتا رہا۔ اس کی کرنیں عالم کو مستنیر کرتی رہیں۔ ان کے اکابر خالصتاً لوجہ اللہ عوام کی رہنمائی کرتے رہے ..... لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس سورج کو بھی نصف النہار سے مائل بہ زوال ہونا پڑا اور صحیح عقیدہ، صحیح علم اور صحیح تصوف ان تینوں میدانوں میں بدعات کا نفوذ ہوا۔ چنانچہ آج ہم جس دیوبندیت کو دیکھتے ہیں یہ وہ مسلک نہیں ہے جو اس مدرسے کے

بانیان وسرپرستان کا تھا، یہ وہ عقائد نہیں ہیں جو حضرت مجدد اور شاہ ولی اللہ کے تھے.....

اس مسلک دیوبندیت میں تین دراڑیں پڑیں۔عقیدہ میں بھی دراڑ پڑی ،علم میں بھی دراڑ پڑی اور سلوک واحسان میں بھی دراڑ پڑی اور یہ دراڑیں ان علمائے کرام نے ڈالیں جو اپنے آپ کو دیوبند کی طرف منسوب کرتے تھے اور ہیں اور انہوں نے ہی عوام کو گمراہ کیا۔

اپنے اکابر یعنی اہل سنت والجماعت کے مسلک سے انحراف اور عقیدے میں پہلی دراڑ اس وقت پڑی جب یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ حضرت رسالت مآبؐ کی حیات کی نوعیت کیا ہے؟ اور جو زائران کے روضۂ اطہر پر جا کر انہیں سلام پیش کرتا ہے وہ اسے سنتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر سنتے ہیں تو ان کے سماع اور حیات کی کیفیت کیا ہے؟

بیسیوں اہل علم اور مشائخ کی آراء سماع وحیات مبارکہ کی تھیں اور ان کا کہنا یہ بھی تھا کہ ہمارے اکابر اور اہل السنّت والجماعت کا مسلک یہی ہے۔دوسری طرف علمائے کرام کی ایک مکمل جماعت نے اس عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا.....اور اب حال یہ ہے کہ دونوں فرقے اپنے آپ کو دیوبند ہی سے منسوب کرتے ہیں۔ان ہی اکابرین دیوبند کے نام لیوا ہیں اور ان ہی کی نسبت سے تعلیم وتعلم میں مصروف ہیں جب کہ ان میں سے یقیناً ایک گروہ اس مسلک سے منحرف ہے جو اکابرین اہل سنت والجماعت یا دیوبند کے علماء ومشائخ کا تھا......

(حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق عقیدے میں دوسری دراڑ کا ذکر بعد میں کیا جائے گا)

ہمارے ملک میں دیوبندیت کو ان نواصب کے علاوہ جس مسلک یا عقیدے نے بہت نقصان پہنچایا ہے وہ وہابیت ہے۔اسی کا اثر ہے کہ اب بیعت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔اس مسلک کے علماء بھی اب اول تو بیعت نہیں کرتے اور کرتے بھی ہیں تو ذکر اور سلوک کے اسباق کی طرف توجہ نہیں دیتے۔اولیاء اللہ کا توسّل ،اہل اللہ کا ادب ،شعائر اللہ کا احترام اور چھوٹے بڑے کی تمیز اٹھ جانے کا ایک سبب وہ وہابیت کا اثر ہے جو ہمارے مدارس میں گھس آئی ہے اور توحید کے نام پر طلباء،حضرات اولیاء کرامؒ کو گستاخ آمیز جملوں کا نشانہ بنانے لگے ہیں۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ جن بدعات کے رد پر ہمارے اکابرین اہل السنّت والجماعت نے تقریباً ڈیڑھ سو برس خم ٹھونک کر جہاد کیا، اب وہی بدعات ان نام نہاد سنیوں،صوفیوں، دیوبندیوں نے اپنالی ہیں مثلاً:

اکابرین اہل السنّت والجماعت رضی اللہ عنہم ہمیشہ دن منانے کے خلاف رہے لیکن اب خلفائے راشدینؓ کے باقاعدہ دن منائے جاتے ہیں اور اس بات کی ترغیب وسعی نامبارک بھی کی جاتی ہے۔

محرم ۱۴۳۲ھ یہ پہلا سال ہے کہ اپنے آپ کو سنی اور دیوبندی کہنوالے علماء کرام نے اسلام آباد میں صحابہ کرامؓ کے نام پر ایک باقاعدہ جلوس نکالا ہے۔ شیعہ حضرات دس محرم مناتے ہیں اور انہوں نے یکم محرم منایا ہے۔

تیجہ اور چالیسواں جو ہمیشہ بدعت قرار دیے جاتے رہے اب دیوبندی اور اہل السنّت والجماعت کہلانے والے علماء ان رسومات میں شریک ہونے لگے ہیں۔ بڑے بڑے علماء اور مشائخ کے سوئم ہوتے ہیں اگر یہ سب کچھ جائز ہے تو یہ اکابر آخر کس بات پر، ان اعمال کو بدعت قرار دے کر طعن و تشنیع کا نشانہ بنتے رہے...... اور ایک اور بدعت جسے اکابرین امت نے حرام قرار دیا ہے اور اسے ''خیانت'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اب دیوبندی مدارس اور خانقاہوں کی رونق بن گئی ہے۔ کسی بھی مدرسے کے مہتمم عالم دین ہیں یا کسی بھی خانقاہ کے شیخ، صاحبِ مسند و ارشاد ہیں تو ان کے انتقال پر اہتمام ان کے صاحبزادے اور خانقاہ، شیخ کے صاحبزادے کے حوالے کردی جاتی ہے ...... لیکن اب ہو یہ رہا ہے کہ یہ شرعی مناصب (اہتمام اور مشیخیت) بطور وراثت منتقل ہو رہے ہیں ..... یہ دونوں عہدے شرعی ہیں اور انہیں غیر اہل لوگوں کے سپرد کرنا حرام، ناجائز اور خیانت ہے۔ جو لوگ ان بدعات میں ملوث ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں یقیناً مجرم ٹھہریں گے...... اب ہمارے ہاں ان عہدوں کی منتقلی بر بنائے وراثت ہو رہی ہے نہ کہ بر بنائے اہلیت۔

یہ بدعتیں پچھلے دور میں ان لوگوں کے ہاں ہوا کرتی تھیں جنہیں اہل السنّت والجماعت دیوبندی علماء کرام کثر اللہ سوادہم بدعتی کہتے تھے اور اب ہمارے اپنے علماء و مشائخ کے انتقال کے بعد یہی حرام کام اور بدعتیں خود دیوبندی مدارس اور خانقاہوں میں ہو رہی ہیں۔ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا ان بدعات کے ارتکاب اور وقف میں خیانت پر کوئی سزا نہیں ملے گی؟ دیوبندی مدارس کے زوال اور خانقاہوں کے اجڑ جانے کی ایک وجہ، اس بدعت کا ارتکاب بھی ہے .....

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اصل ایمان ہے اور کون ایسا مسلمان ہے جو اس محبت کی حرارت اپنے دل میں محسوس نہیں کرتا لیکن بدعات میں انہماک اور سنت و بدعت کی حدود نہ پہچاننے کی وجہ سے اب ہم دیوبندیوں کا یہ عشق نبوی بدعتیوں جیسا ہونے لگا ہے۔ اپنے علماء و مشائخ کے عمل کو کتاب و سنت کے مقابلے میں لانے لگے ہیں اور اپنے اور اپنے مشائخ کے خوابوں کو عملی طور پر شرعی دلیل سمجھے بیٹھے ہیں۔ یہ سب باتیں اہل السنّت کے مسلک سے لگا نہیں کھاتیں ....

ہم خدام اہل السنّت والجماعت سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ دیوبندیت کے نام پہ یہ کیا کچھ ہو رہا ہے اور یہ کیا گل کھلائے جا رہے ہیں؟ سنت و بدعت کا فرق مٹایا جا رہا ہے اور اہل بدعت کے اعمال سے بیزاری کے اظہار میں کمی واقع ہو رہی ہے۔

حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد اب کون ہے جو اس نئی نسل کو سنت اور بدعت کا امتیاز سکھلائے؟ کون ہے جو ائمہ اہل السنّت والجماعت کو ناصبیت کے علمبرداروں سے ممتاز کرے؟

اب کہیں خال خال، کونوں کھدروں میں صرف چند ہستیاں باقی ہیں جو اہل السنّت والجماعت کے ٹمٹماتے چراغ ہیں۔ اب یہ ان کا فریضہ ہے اور انہیں چاہیے کہ وہ اٹھیں اور اس دیوبندیت کی تطہیر کریں۔ یہ صاف صاف تحریر فرمادیں کہ اہل السنّت والجماعت دیوبندی ہونے کا معیار کیا ہے؟ اہل السنّت والجماعت کون ہیں اور اہل بدعت کون ہیں؟ جو کم علمی اور بدعملی کے باوجود سنی، دیوبندی ہونے کے مدعی ہیں۔" (دیوبندیت کی تطہیر ضروری ہے۔ ایک تجزیہ۔ ایک فکر، ص ۷۔ تا ۲۰)

عقیدے میں دوسری دراڑ یہ پڑی کہ ان میں سے بعض حضرات نے سانحہ کربلا کو بغاوت قرار دیا۔ سیدنا حسین بن علیؓ کی صحابیت کا انکار، اہل بیت کرامؓ کی تنقیص خلیفہ راشد سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے مقابلے میں حضرت سیدنا معاویہؓ کو ترجیح دینا اور یزید کو امیر المومنین اور ایک خدا ترس انسان ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔ یہ وہ دراڑ تھی جس نے دیوبندیت جیسی مخمل کی چادر میں ناصبیت کا پیوند لگایا اور اب ہمارے دیار وامصار میں یہ حال ہے کہ دیوبند کے منتسبین رد شیعیت میں جب تک اپنا تعلق ناصبیت سے نہ جوڑلیں ان کی تردید مکمل نہیں ہوتی...

سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ راشد قرار دینا اور پھر ان کو مہاجر، بدری اور بیعت رضوان میں شریک صحابہ کرامؓ سے افضل قرار دینا یہ اہل السنّت والجماعت کا مسلک نہ تھا، نہ ہے اور نہ ہی ان کی عقائد کی کتابیں اس عقیدے کی تائید کرتی ہیں مگر ہمارے دور میں یہ دراڑ گہری سے گہری ہوتی چلی جارہی ہے اور یہ سب پیوند، دیوبندیت ہی کے نام پر لگائے جارہے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جوتوں کے تلے کی خاک، امت کے لیے سرمہ توتیا ہے۔ بلا شبہ وہ صحابی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، امیر عادل تھے لیکن نہ ہی وہ خلیفہ راشد تھے اور نہ ہی ان کا دور حکومت، خلافت راشدہ میں شمار ہوتا ہے۔

اہل السنّت والجماعت کا مسلک یہی ہے... دیوبندی علمائے اہل السنّت والجماعت کا یہی مسلک ہے...

اس لیے جو اہل علم غلط فہمی سے "نواصب" کا عقیدہ (کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد تھے) رکھتے ہیں انہیں چاہیے کہ یا تو وہ اپنے اس غلط نظریہ سے توبہ کریں اور ناصبیت کو چھوڑ کر اہل السنّت والجماعت دیوبندی علماء کرام رحمہم اللہ کی طرف رجوع کریں اور یا پھر اگر یہ

نہ کر سکیں تو پھر یہ جھوٹ بولنا چھوڑ دیں کہ ہم دیوبندی ہیں........

قادیانی حضرات کے ساتھ ہمارا جھگڑا کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ بھی اپنے کفریہ عقائد کو اسلام کے نام پر پیش کرتے ہیں اور اہل السنّت والجماعت یہی کہتے ہیں کہ لوگوں کو دھوکہ مت دو اور کفر کو اسلام کا لبادہ مت اوڑھاؤ۔ ایسے ہی ناصبی کر رہے ہیں کہ اپنے گمراہ کن عقائد (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد سمجھنا) کو اہل السنّت والجماعت دیوبندی حضرات کا عقیدہ قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ اکابرین امت رحمہم اللہ ان ہفوات سے کوسوں دور تھے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی بہت تمنا تھی۔ پہلی مرتبہ جب ہندوستان جانا ہوا تو لکھنؤ ان کی خدمت میں بھی حاضری ہوئی۔ یہ زمانہ ان کی رحلت سے کچھ ہی پہلے کا تھا۔ امام اہل السنّت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ دریافت کیا تو اگرچہ وہ معذور تھے لیکن ان پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ چارپائی ہلنے لگی۔ تمنا ہوئی کہ شاید یہ ذکر نہ کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ کیا معلوم تھا کہ انہیں حضرت امام اہل السنّت رحمۃ اللہ علیہ سے اس قدر تعلق اور محبت ہے۔ انہوں نے منجملہ اور باتوں کے اس روایت کی بھی تصدیق فرمائی جو خود انہوں نے ہی (اپنے کانوں سے سن کر) اپنے مؤقر جریدے ''الفرقان'' ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ میں تحریر فرمائی تھی (پھر آگے موصوف نے پورا اقتباس نقل کر دیا جس کے آخر میں یہ عبارت ہے:)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰؓ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر ''صف نعال'' میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو انکے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔''

(یہ ملحوظ رہے کہ مفتی محمد سعید خان صاحب نے حضرت نعمانی کا یہ مضمون اپنے مؤقر جریدے ماہنامہ الحامد ''اپریل، مئی ۲۰۱۱ء'' کے شماروں میں بھی شائع کیا ہے)

یہ ہے اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ اور نظریہ کہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بلاشبہ اپنی جگہ پر ایک مقام ہے وہ قابل صد احترام ہیں لیکن ان کا تقابل امیر المومنین سیدنا حضرت علیؓ سے کرنا! چہ معنی دارد؟ پھر یہ عقیدہ (یعنی حضرت معاویہؓ خلیفہ راشد نہیں ہیں اور حضرت علیؓ کی مجلس میں ان کا درجہ ''صف نعال'' میں ہے پھر ان کا یہ مقام بھی قطعی اور یقینی نہیں بلکہ احتمالاً ہے کہ ''اگر اس صف میں''.......) کچھ ایسا نہیں ہے بلکہ حضرات ائمہ اہل السنّت والجماعت رضی اللہ عنہم کے تمام عقائد کچھ ایسے نہیں ہیں کہ انہوں نے اپنے طور پر گھڑ لیے ہوں (معاذ اللہ) بلکہ ہر ہر عقیدے کا ثبوت قرآن کریم سے ہے

اور یا پھر احادیث متواترہ اور مشہورہ سے۔اور پھران متواتر اور مشہور روایات کو لفظاً یا معنیً یا ایک نسل سے دوسری نسل کو اور یا پھر ایک قرن سے دوسرے قرن کو منتقل ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

ناصبی جو ہر ہر مقام پر سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کا تقابل کرنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جو عقیدہ حضرت شاہ ولی اللہ (کہ حضرت معاویہؓ کی حکومت ''ملک عضوض'' یعنی کاٹ کھانے والی بادشاہت تھی) اور امام اہل السنّت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنویؒ (کہ حضرت علیؓ کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے) اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (کہ اہل سنت حضرت معاویہؓ کو صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں گنتے ،ملوک میں شمار کرتے ہیں لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے ایک نوشیروان تھا ایک چنگیز خان ) نے بیان کیا ہے کچھ خانہ زاد نہیں ہے بلکہ عہد صحابہ کرامؓ سے معاملہ یوں ہی چلا آ رہا ہے۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں ایک رائے یہ بھی تھی کہ ایک شوریٰ منعقد کر کے خلافت کا فیصلہ ان کی رائے کے مطابق کر دیا جائے اور دو جلیل القدر صحابہ کرام حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما اس رائے سے نہ صرف یہ کہ متفق تھے بلکہ وہ اس تجویز کو پیش نظر رکھتے ہوئے فریقین سے گفتگو بھی کرنا چاہتے تھے۔ جب اس مقصد کے لیے انہوں نے سفر کرنا چاہا تو حضرت عبد الرحمٰن بن غنم الاشعریؓ جو اپنے مرتبے اور مقام میں ان دونوں حضرات سے اس قدر چھوٹے تھے کہ حتیٰ کہ ان کی صحابیت میں بھی اختلاف ہے ...... نے ان دونوں جلیل القدر صحابہ کرامؓ سے عرض کیا:

عجبا منكما كيف جاز عليكما ماجئتما به، تدعوان عليا ان يجعلها شورىٰ وقد علمتما انه قد بايعه المهاجرون والانصار وأهل الحجاز والعراق ، وأن من رضيه خير ممن كره ، ومن بايعه خير ممن لا يبايعه ـ وأي مدخل لمعاوية في الشورىٰ وهو من الطلقاء الذين لا تجوز لهم الخلافة وهو أبوه رؤس الاحزاب ـ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال باب العین رقم ۳۹۱۰ جلد ۱۱ ص ۳۳۳)

''مجھے آپ دونوں حضرات پر تعجب ہے کہ آپ اس بات کو کیسے جائز اور درست سمجھتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کو چھوڑ رہے ہیں اور اس معاملے (خلافت) کے لیے شوریٰ بلا رہے ہیں؟ حالانکہ آپ دونوں کو اچھی طرح پتہ ہے کہ (سیدنا علیؓ کا سیدنا معاویہؓ سے کیا مقابلہ؟) مہاجرین ، انصار صحابہ کرامؓ ، اہل حجاز اور اہل عراق ، سبھی نے سیدنا علیؓ کی خلافت پر بیعت کی ہے اور جو لوگ ان کی خلافت پر خوش ہیں وہ ان لوگوں سے زیادہ اہم (خیر) ہیں جو ان کی خلافت پر ناخوش ہیں اور جنہوں نے بھی اس

خلافت کی بیعت کی ہے وہ ان سے زیادہ اچھے ہیں جن لوگوں نے یہ بیعت نہیں کی۔

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شوریٰ میں شامل کرنا کیسے درست ہے جب کہ وہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو خلافت نہیں دی جا سکتی اور (کیا آپ کو یاد نہیں) کہ وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) اور ان کے والد (حضرت ابوسفیانؓ) تو کفار کے سرداروں میں سے تھے۔ (یہ ملحوظ رہے کہ روایت میں بین القوسین الفاظ بھی مترجم یعنی مفتی محمد سعید خان کے ہیں)

پھر ان دونوں اکابرین امت، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابودرداءؓ نے کیا کہا؟ یہ بھی پڑھ لیجیے۔

"فندما علی مسیرھما و تابا منه بین یدیه ، رحمة اللّٰه علیه۔" (ایضاً)

سو یہ دونوں حضرات اپنے اس جانے کے عزم پہ نادم ہوئے اور اپنی رائے سے رجوع کیا۔ یہ اچھا مشورہ دینے پہ عبدالرحمٰن ابن غنم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

اس روایت سے جہاں اس عقیدے کی تائید ہوتی ہے جو ائمہ اہل السنّت رحمہم اللہ نے بیان فرمایا ہے وہاں ہمیں یہ اخلاقی سبق بھی ملتا ہے کہ کوئی بھی شخص جو اپنے مقام اور عمر میں ہم سے کتنا ہی چھوٹا، کیوں نہ ہو، اگر ہماری کسی لغزش اور کوتاہی کی نشاندہی کرے تو ہمیں بلا تامل حق کے سامنے سر جھکا دینا چاہیے۔ (دیوبندیت کی تطہیر ضروری ہے۔ ایک تجزیہ ـــــ ایک فکر۔ ص ۸تا۱۲)

معلوم نہیں کہ کن "مقاصد" کی خاطر جناب مفتی صاحب "دیوبندیت" کی تطہیر میں حضرت معاویہؓ کو زیر بحث لائے ہیں؟ اس مضمون میں اگر انہیں کوئی "ضرورت" یا "مجبوری" لاحق تھی بھی تو وہ اپنے آپ کو احترام اہل بیتؓ اور "فسق یزید" تک ہی محدود رکھتے لیکن صد افسوس کہ وہ "صغرے، کبرے" اور موضوع و منکر روایات کے سہارے اپنے تصدیق کنندگان سمیت ایک جلیل القدر صحابی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کا ارتکاب کر بیٹھے اور طرفہ تماشا یہ کہ الٹا وہ حضرت معاویہؓ کو "خلیفہ راشد" "مجتہد" اور صحابہؓ کے بارے میں کتاب و سنت اور عقائد اہل سنت کے عین مطابق "کف لسان" کے حکم پر عمل پیرا ہونے والوں کو نہ صرف "توبہ" کا مشورہ دے رہے ہیں بلکہ "اہل السنّت والجماعت دیوبندی علماء کرام رحمہم اللہ" کی طرف "رجوع" کرنے کی دعوت بھی دے رہے ہیں۔ (دیوبندیت کی تطہیر ص ۱۰) معلوم نہیں کہ مفتی صاحب کون سے دیوبندی علماء کی طرف "رجوع" کی دعوت دے رہے ہیں کیونکہ وہ ابھی "دیوبندیت کی تطہیر" کے عمل سے فارغ نہیں ہوئے۔ اگر ان کی مراد وہ دیوبندی علماء ہیں جن کا ذکر زیر نظر کتاب میں گزر چکا ہے تو ان کے حق میں اب دعائے خیر ہی کی جا سکتی ہے۔

موصوف ایک طرف "توہین وتنقیص" پرمبنی "اصاغر" سے مروی روایات کو عین "حق" سمجھ کران کے سامنے "اکابر" کو بھی بلاتامل سر جھکانے کا "فتویٰ" صادر فرما رہے ہیں لیکن دوسری طرف جس منصب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت مزید اجاگر ہوتی ہے، اس کے حاملین کی فہرست سے بڑی "خوبصورتی اور چالاکی" کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی "حذف" کردیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی ایک کتاب میں "کاتبین وحی" کی فہرست سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام "حذف" کر گئے۔ ملاحظہ ہو قرآن حکیم کی تلاوت کے احکام اور مسائل ص ۴۷۔ زیر عنوان "قرأت اور رسم الخط۔" جب کہ جمہور مفسرین، محدثین اور ائمہ اہل السنّت والجماعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف ہی "کاتب وحی" کے لقب سے کراتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ حضرت مفتی محمد سعید خان صاحب اپنے مرشد قاضی مظہر حسین صاحب کی طرح حضرت معاویہؓ کی توہین وتنقیص کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ چنانچہ انہوں نے زیر عنوان "کم سن بچوں کی شادیاں" ایک مضمون سپرد قلم کیا ہے، اس میں بھی وہ چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابن عساکر کی ایک من گھڑت روایت کی بناء پر حضرت معاویہؓ کی توہین کر بیٹھے۔ پڑھیے اور سر دھنیے۔

"اپنی حیات طیبہ میں حضرت عبداللہ بن عامرؓ دمشق تشریف لے گئے۔ وہاں پر سیدنا حضرت معاویہؓ امیر مقرر تھے۔ انہوں نے ان کا بہت شاندار استقبال کیا اور پھر ان کے اسی قیام کے دوران اپنی بیٹی ہند بنت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی بھی کر دی۔

حضرت معاویہؓ بہت سمجھدار اور دانا انسان تھے۔ انہوں نے جب اپنی بیٹی ہند کی شادی کی ہے تو اس بچی کی عمر نو برس تھی۔ انہوں نے اپنی اس بیٹی کی رہائش کے لیے اپنے گھر سے متصل ایک گھر بھی تجویز کیا اور بیٹی کو سمجھایا کہ بیٹی یہ آپ کا شوہر ہے اور آپ دونوں کا تعلق اللہ تعالیٰ نے درست قرار دیا ہے اپنی شوہر کی مانتی رہیں۔

(فلمّا خرج قال معاوية لابنته لاتفعلی فانما هوزو جك الّذی أحله الله لك)

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں اس عمر کی بچیوں کی شادی بخوشی کر دی جاتی تھی... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اس داماد سے اتنی محبت تھی کہ ان کے انتقال پر فرمایا:

عبداللہ اب تمہارے بعد کون سی قابل فخر شخصیت ہمارے خاندان میں بچی ہے؟ اور عبداللہ تمہارے جائے پیچھے، دشمنوں کے مقابلے میں اب ہم کس کو پیش کیا کریں گے؟

(توفی قبل معاوية سنة تسع و خمسين ، فقال معاوية:بمن نفاخروبمن نباهی

بعدہ ___ سیر اعلام النبلاء عبداللہ بن عامر ج ۳۔ص ۲۱)

اصولِ روایت و درایت کے سہارے کے بغیر بھی ایک سطحی نظر سے بھی اس روایت کا من گھڑت ہونا واضح ہوجاتا ہے لیکن مفتی محمد سعید خان صاحب نے جو "اسلوب بیان" اختیار کیا ہے وہ کسی طور پر بھی برادر نسبتی رسولؐ، کاتب وحی، فاتح عرب وعجم، صحابی رسولؐ اور خلیفہ راشد، عادل و برحق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے شایانِ شان نہیں ہے۔چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

"امیر دمشق حضرت معاویہؓ نے حضرت عبداللہ بن عامرؓ کا بہت شاندار استقبال کیا، اپنی بیٹی ہند بنت معاویہ (فرط جوش میں "اپنی بیٹی ہند بنت معاویہ" لکھ گئے حالانکہ "اپنی بیٹی" سے مفہوم تو واضح ہوگیا تھا لیکن اس موقع پر انہوں نے خلاف ضابطہ واصول "معاویہ" نام کی تصریح بھی ضروری سمجھی) سے ان کی شادی کردی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت سمجھدار اور دانا انسان تھے، بچی کی عمر ۹ برس تھی، بیٹی کی رہائش کے لیے اپنے گھر سے متصل ایک گھر بھی تجویز کیا اور بیٹی کو سمجھایا کہ بیٹی یہ آپ کا شوہر ہے آپ دونوں کا تعلق اللہ نے درست قرار دیا ہے، اپنے شوہر کی مانتی رہیں۔"

معلوم نہیں کہ مفتی صاحب نے بیٹی کی اس انداز کے ساتھ شادی کرنے پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "سمجھداری اور دانائی" کا ذکر بطور خاص کیوں کیا؟ البتہ اس "اسلوب بیان" سے خود مفتی صاحب کی اپنی "دانائی اور سمجھداری" ضرور ثابت ہوگئی ہے۔اس کے بعد کم عمری میں بچوں کی شادی پر جس مثال سے حضرت مفتی صاحب نے استدلال فرمایا وہ "واقعی" پوری دنیا کی تاریخ کی ایک انوکھی مثال ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

"حضرت ہشام بن عروہؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ کے بیٹے تھے۔ان کی پیدائش ۶۱ھ میں ہوئی... ہشام بن عروہ بن زبیرؓ کی شادی جب اپنی چچا زاد بہن فاطمہ بنت منذر بن زبیرؓ سے ہوئی تو فاطمہ بنت منذر کی عمر نو برس تھی۔

حضرت زبیر کا خاندان اپنی گوناگوں خصوصیات کی بناء پر مسلمانوں اور عربوں کا مشہور گھرانا تھا۔اگر کم سنی کی شادی اس معاشرے کے لیے کوئی عجیب اور انہونی بات ہوتی تو اس زمانے کے لوگ اعتراض کرتے یا یہ بات اچھالتے لیکن تاریخ کھنگال لیجیے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو اس قسم کے ازدواجی بندھن پر اعتراض کرتا ہو۔

(حدث عن امرأتی فاطمة بنت المنذر وأدخلت علی وھی بنت تسع سنین ومارآھا رجل حتی لقیت اللہ ___ الکامل فی ضعفاء الرجال محمدبن اسحق بن یسار مدنی۔ج ۷۔ص ۲۵۶) (ماہنامہ الحامد۔لاہور ص ۲۳۔۲۴ مئی ۲۰۱۱ء)

مفتی صاحب نے یہاں "ہشام بن عروہ کو حضرت زبیر بن عوامؓ کا بیٹا قرار دیا ہے حالانکہ وہ ان کے پوتے ہیں اور ان کی سن پیدائش ۶۱ھ بتائی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ جنگ جمل کے موقع پر ۳۶ھ میں شہید ہو گئے تھے۔ باپ کی وفات کے پچیس سال بعد کسی بیٹے کا پیدا ہونا واقعی یہ پہلی اور آخری مثال ہے۔

مفتی صاحب سے پہلے 'امام الزاہدین والعارفین' جناب قاضی زاہد الحسینی صاحب نے کسی مُردے کے ہاں بعد از مرگ ایک بچے کی پیدائش کا ذکر فرمایا ہے لیکن وہ اس سے بہت کم مدت میں پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''ایک آدمی کے دفن کے بعد جب کفن چوروں نے اس کی قبر کھودی تو وہ زندہ ہو کر بھاگ آیا۔ پھر کافی زمانہ زندہ رہا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا بھی دیا جس کا نام مالک تھا''

(رحمت کائنات ص ۴۷۔ گیارہواں ایڈیشن ۱۹۹۸ء)

اس غلطی کو مفتی صاحب یا کمپوزر اور پروف ریڈر کا "سہو" قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اس قسم کے ''واقعہ'' سے کم سنی کی شادی پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مفتی صاحب کے بقول اس "قصے" کے راوی محمد بن اسحاق ہیں جنہوں نے نہ صرف فاطمہ بنت منذرؒ کی عمر نو سال بتائی ہے بلکہ ان کے شاگرد ہونے اور ان سے حدیث سماعت کرنے کا بھی دعویٰ کیا تو اس پر ہشام بن عروہ کو سخت غصہ آیا اور فرمایا:

"عدو اللّٰہ الکذاب یروی عن امرأتی این راھا؟ ولقد دخلت بھا وھی بنت تسع سنین وما راھا مخلوق حتی وصلت باللّٰہ عزوجل" (تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۲۳)

اللہ کا دشمن پرلے درجے کا جھوٹا، میری بیوی سے روایت کرتا ہے۔ اس نے میری بیوی کو کہاں دیکھا تھا؟ حالانکہ جب میں نے اس کے ساتھ شادی کی تو وہ نو سال کی تھی اور اس کے بعد اس کو کسی مخلوق نے نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملی۔

موصوف ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں: "کانت اکبر منی بثلاث عشر سنة" (تہذیب التہذیب تحت ذکر فاطمہ بنت منذر) وہ (یعنی میری بیوی) مجھ سے تیرہ سال بڑی تھی۔

اگر بقول مفتی صاحب فاطمہ بنت منذر کی عمر بوقت رخصتی نو سال تھی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ہشام نے اپنی پیدائش سے بھی چار سال پہلے فاطمہ بنت منذر سے نہ صرف نکاح کر لیا تھا بلکہ ازدواجی زندگی سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کم سنی کی شادی اور اس قسم کے جملہ واقعات کی تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب "عمر عائشہؓ پر تحقیقی نظر ــــ ایک تقابلی مطالعہ" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

''کم سنی'' کی شادی کے حوالے سے بھی مفتی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک مضحکہ خیز کہانی نقل کر دی۔

حضرت معاویہؓ کے بارے میں مفتی صاحب کا (ذم بصورت مدح) ایک اورانداز ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کی وہ مظلوم شخصیت ہیں جن کی آج تک کوئی ایسی سوانح عربی، فارسی یا اردو زبان میں نہیں لکھی گئی جو ان کے شایان شان ہو۔ کچھ حضرات نے ان کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات بیان کر دیے ہیں اور کچھ حضرات نے ان کی شخصیت پر لگائے جانے والے الزامات کا دفاع کیا ہے۔ ان کے زمانے میں اسلام کو کیا عروج ملا ، ان کی شخصیت اور تصویر کے مختلف اجزاء جو پوری تاریخ اسلام کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں، میں باہمی ربط کیا ہے؟ ، ان کا دور حکومت کیسا تھا؟ امیر شام ہونے اور جب حضرت حسن بن علیؓ نے ان کی بیعت کر لی تھی تو اس وقت ان کی حیثیت میں کیا فرق آ گیا تھا؟ بعض لوگوں کو جو انہوں (نے) سزا دی تھی اس کا سبب کیا تھا؟ یزید کو جانشین کیوں مقرر کیا گیا تھا؟ انتقال کیسے ہوا تھا؟

یہ تمام سوالات اپنے جوابات چاہتے ہیں لیکن ابھی تک کوئی ایسا اللہ کا بندہ نہیں آیا جو متقدمین کی کتابوں کو کھنگالے، اس موضوع پر مطالعے کا حق ادا کرے، تمام اعتراضات کے تسلی بخش جوابات لکھے اور اس مظلوم شخصیت کا دفاع کرے۔

ان کی مظلومیت کا حال تو یہ ہے کہ بالعموم ان کی تصویر کشی جس قلم سے کی گئی ہے وہ قلم ان کے دشمن کے ہاتھ میں تھا اور اس ظالم نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

اس حقیقت کا دوسرا رخ دیکھیے تو اب آہستہ آہستہ ان کے ایسے چاہنے والے پیدا ہو گئے ہیں اور دن بدن بام عروج کی منازل طے کر رہے ہیں جن کا سرمایۂ علم اردو کی چند کتابوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ علم اور مطالعے کی گہرائی تو کجا انہوں نے ''العقد الفرید ، المعارف ، البدایة والنهایة اور الکامل لابن الاثیر'' کا نام تک نہیں سنا۔

تاریخ سے بے خبری بھی اگر چہ ان کا ایک جرم ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان کا جرم یہ ہے کہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ کثر اللہ سوادہم نے کتب عقائد میں حضرت سیدنا معاویہ بن ابو سفیانؓ کا جو مقام متعین کیا ہے، یہ بے علم مخلص اس مقام تک سے بے خبر ہیں اور اس روش کا نتیجہ یہ ہے کہ اس نسل کے کئی ایک ذہین، جوشیلے، مخلص لیکن حقائق وعقائد اہل السنّت والجماعت سے بے خبر نوجوان، انہیں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ہی نہیں لاتے بلکہ حضرت خلیفہ راشد سیدنا علی بن ابی طالب

رضی اللہ عنہ پر انہیں ترجیح دیتے ہوئے، ان کی افضلیت کے بھی قائل ہوتے جارہے ہیں.....

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ خیر کی آڑ میں سیدنا علیؓ کی ہستی کونشانۂ تنقید بنانا اور پھر اس سے بھی مزید آگے بڑھ کر حضرات اہل بیت کرامؓ کی توہین کرنا یہ ہم اہل السنّت والجماعت کا مسلک نہیں ہے۔'' (ماہنامہ الحامد لاہور ص ۳ تا ۵ ۔ دسمبر ۲۰۱۱ء)

حضرت مفتی صاحب کی اس بات کے ساتھ مکمل اتفاق ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ خیر کی آڑ میں سیدنا علیؓ اور اہل بیت عظامؓ کونشانۂ تنقید بنانے والوں کا اہل السنّت والجماعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر انہیں اس بات کا بھی واضح، واشگاف اور دوٹوک الفاظ میں اعلان کردینا چاہیے کہ حضرت علیؓ اور دیگر اہل بیت عظامؓ کے تذکرہ خیر کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے احباب کی توہین، تنقیص اور انہیں ہدف تنقید بنانے والوں کا بھی اہل السنّت والجماعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

مفتی محمد سعید خان (جنہوں نے ''العقد الفرید، المعارف، البدایة والنہایة اور الکامل لابن اثیر'' جیسی معرکۃ الآراء کتب کا صرف ''نام'' ہی نہیں سن رکھا ہے بلکہ انہیں باقاعدہ ''علم اور مطالعے'' کی گہرائی بھی حاصل ہے) نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہایت ہی محنت، جانفشانی عرق ریزی حتیٰ کہ ہندوستان کی سفری صعوبتیں جھیلنے کے بعد جو ''تحقیقی'' مضامین سپرد قلم کیے ہیں ان کے مطالعہ کے بعد حضرت مفتی صاحب کے اس مبنی برحقیقت اور ''الہامی'' قول کی صداقت اور حقانیت پر کامل یقین ہوجاتا ہے جو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر قلم اٹھانے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کا حال تو یہ ہے کہ بالعموم ان کی تصویر کشی جس قلم سے کی گئی ہے وہ قلم ان کے دشمن کے ہاتھ میں تھا اور اس ظالم نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔''

کاش کہ موصوف اس موضوع پر خود ہی کوئی مستند کتاب تصنیف فرمادیتے تو بہت ہی بہتر ہوتا۔ گذشتہ صفحات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق مفتی صاحب کی صرف ۲۰۱۱ء میں (الحامد اپریل، مئی، دسمبر اور دیوبندیت کی تطہیر ضروری ہے کے حوالے سے) تحریری نگارشات کا ذکر کیا گیا ہے ان کے تقریری ارشادات اس کے علاوہ ہیں۔

معلوم نہیں کہ ذمہ دارانِ وفاق المدارس اور وابستگانِ دارالعلوم دیوبند مفتی صاحب کی خواہش کے مطابق ''دیوبندیت'' کی ''تطہیر'' کا فریضہ کب سرانجام دیتے ہیں؟ اس ''اہم اور ضروری'' کام میں تاخیر اور غفلت سے مزید شکوک وشبہات جنم لیتے رہیں گے۔

ناصبیوں، خارجیوں، مماتیوں، بدعتیوں، یزیدیوں اور مدارس وخانقاہوں میں موروثیت کے علم

بردارں، ٹھگوں اور خائنوں کو "دیوبندیت" اور "وفاق المدارس" سے نکالے بغیر "دیوبندیت" کی تطہیر ہرگز نہیں ہوسکتی۔ کوئی اللہ کا بندہ اٹھے اور "دیوبندیت" کو اس "گندگی" سے پاک کردے۔ اس فریضے کو سرانجام دینے کے لیے "تحریک خدام اہل سنت پاکستان" سے بہتر اور کوئی تنظیم نہیں ہوسکتی کیونکہ اس تحریک کو مفتی صاحب کے کتابچے "دیوبندیت کی تطہیر ضروری ہے۔۔۔ ایک تجزیہ۔۔۔ ایک فکر" کی نہ صرف طباعت اور نشر و اشاعت کی "سعادت" حاصل ہوئی ہے بلکہ امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان جناب قاضی محمد ظہور الحسین اظہر صاحب نے ان کے عقائد، افکار و نظریات کی مکمل تائید و تصدیق بھی فرمائی ہے:

**مفتی محمد سعید خان کے بارے میں امیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت قاضی محمد ظہور الحسین اظہر کی طرف سے ایک ضروری وضاحت:**

"جناب مفتی محمد سعید خان صاحب ۲۰۰۸ء سے تحریک خدام اہل سنت والجماعت سے باقاعدہ وابستہ ہوئے ہیں۔ ہم نے ان میں کسی قسم کی عقیدہ و عمل کی خرابی نہیں دیکھی۔ ان کے عقائد و اعمال اہل سنت والجماعت کے بالکل مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں اپنے اکابرین اہل سنت والجماعت کے عقائد و اعمال پر استقامت بخشے۔

تحریک خدام اہل سنت والجماعت اور جناب مفتی محمد سعید خان صاحب کے تعلق کی حالت یہ ہے کہ ہم نے انہیں جب بھی اور جہاں بھی اپنے سٹیج پر بلایا ہے انہوں نے مکمل تعاون کیا ہے۔ بحمدہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی تقاریر سے اہل سنت والجماعت کو مسلسل فائدہ پہنچ رہا ہے۔ وہ اپنے بیانات میں مرزائیت، رافضیت، خارجیت، منکرین حدیث و فقہ، بدعات اور جدید گمراہ کن نظریات کا ہمیشہ رد کرتے رہے ہیں۔

جناب مفتی صاحب کے خلاف اب جو بھی الزامات اور تحریرات کا سلسلہ شروع ہوا ہے ہم ان تمام الزامات کو بے حقیقت سمجھتے ہیں اور جناب مفتی صاحب کی ان الزامات سے مکمل برأت کا اعلان کرتے ہیں۔ نیز میں مفتی صاحب کو ہدایت کرتا ہوں کہ آئندہ کسی تحریر کا کوئی جواب آپ کے کسی ساتھی کی طرف سے نہ آنا چاہیے اور آپ اپنی صلاحیتیں مفید کاموں میں استعمال کریں۔ معترض حضرات سے گزارش ہے کہ مفتی صاحب کے جس عقیدہ یا عمل سے انہیں اختلاف ہو اس کی حقیقت جاننے کے لیے مرکزی دفتر خدام اہل سنت والجماعت سے رجوع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہل سنت والجماعت کے موقف پر استقامت اور تمام اہل بدعت سے نفرت پر قائم رکھے۔ آمین"

(ماہنامہ حق چاریار۔ لاہور ص ۶ جلد ۲۴ شمارہ ۴۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ / اپریل ۲۰۱۱ء)

# ۴۳۔مولانا محمد طارق جمیل صاحب

مولانا طارق جمیل صاحب تبلیغی جماعت کے ایک انتہائی بااثر اور عالمی مبلغ ہیں۔ان کے وعظ اور بیان میں بلا کی تاثیر پائی جاتی ہے اور بلا مبالغہ ان کے بیانات سے لاکھوں لوگوں کی زندگی میں نمایاں تبدیلی آئی ہے۔لیکن بایں ہمہ ان کے بعض بیانات سے دین کے دیگر شعبوں اور پہلوؤں کی کم قیمتی اور بعض اوقات فریق مخالف کی مجلس ''شام غریباں'' کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اور ایسے مواقع پر ''آڈیو'' پروگرام سنتے ہوئے ''مولانا'' طالب جوہری اور مولانا طارق جمیل میں فرق و امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔یہ طرز عمل عام سامعین کے حق میں دینی اعتبار سے نہایت ہی مضر ہے۔

راقم الحروف کو متعدد مرتبہ موصوف کے بیانات سننے کا اتفاق ہوا تو بالخصوص واقعہ کربلا اور حدیث کساء یعنی پنج تن پاک کے حوالے سے بعض نکات کی تشریح و ترتیب میں فریق مخالف کے ساتھ حیرت انگیز مماثلت پائی گئی۔گذشتہ پانچ چھے سالوں کے دوران میں واقعہ کربلا،مصائب اہل بیت اور حدیث کساء جیسے عنوانات خصوصیت کے ساتھ موصوف کے بیانات میں زیر بحث رہے۔

مؤخر الذکر عنوان پر انہوں نے ابتداء میں تو اشارتاً و کنایتاً پھر بلا لحاظ موقع و محل حتیٰ کہ زلزلہ ۲۰۰۵ء اور ایام حج میں قیام منیٰ کے دوران بھی کھلم کھلا اظہار خیال کرنا شروع کر دیا۔راقم سمیت بعض احباب نے موصوف کو مذکورہ عنوانات پر عام اجتماعات میں لب کشائی سے اجتناب اور تبلیغی چھے نمبروں تک ہی محدود رہنے کا قیمتی مشورہ دیا مگر افسوس کہ اسے در خور اعتناء نہ سمجھا گیا۔

راقم الحروف کے پاس مولانا طارق جمیل صاحب کے ۱۹ دسمبر ۲۰۰۶ء کو گلگت میں ایک طویل بیان پر مشتمل تین کیسٹیں محفوظ ہیں جن سے فریق مخالف کی ''مجلس'' اور ''نوحے'' کی فضا کا گمان ہونے لگتا ہے۔(یہ ملحوظ رہے کہ نوحے کا لفظ بھی موصوف نے خود ہی اپنی اسی تقریر میں استعمال کیا ہے کہ ''ہم نوحے بھی پڑھتے رہیں تو کوئی نہیں سنتا'')

اس بیان میں موصوف نے بغیر کسی موقع و محل اور ضرورت کے ہزاروں کے مخلوط (شیعہ،سنی اور مرد و خواتین) اجتماع میں فرمایا کہ:

''حضرت عائشہؓ پر کھلم کھلا ''زنا'' کی تہمت لگائی گئی۔''

موصوف اس موقع پر بہتان اور تہمت جیسے الفاظ بھی استعمال کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے لیے "زنا" جیسا قبیح ترین اور مکروہ ترین لفظ استعمال کیا۔ اگر کسی مولوی کی اپنی نسبی ماں پر اس قسم کی تہمت لگائی جاتی تو کیا وہ اسے لفظ "زنا" کی تصریح کے ساتھ ہزاروں کے اجتماع میں بیان کر سکتا تھا؟ وہ تو اسے تنہائی میں بھی ہرگز زبان پر لانا گوارا نہ کرتا لیکن موصوف نے تو ہزاروں کے اجتماع میں حضرت عائشہؓ کے لیے اس لفظ کے استعمال کرنے میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

اگر اس موقع پر (بقول مولانا طارق جمیل) مولانا حق نواز جھنگوی جیسا "مخلص، ناپختہ، بے علم، شعلہ بیان خطیب" ہوتا تو وہ ضرور ملک بھر میں آگ بھڑکا دیتا۔ مگر افسوس ہزاروں تبلیغی بھائیوں کی موجودگی میں ابن ابیؔ کی "سنت" کو زندہ کرنے والے طارق جمیل صاحب نے حضرت عائشہؓ کی شان میں یہ گستاخی کی مگر کسی "تبلیغی بھائی" کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ ع

"حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے"

ستم بالائے ستم یہ کہ اس "مبلغ اعظم" نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی "بے حمیتی" کا الزام عائد کر دیا۔ قارئین کرام موصوف کا سلسلہ کلام ملاحظہ فرمائیں:

"نبیؐ نے کبھی بیان میں مکے نہیں لہرائے، کبھی آستین نہیں چڑھائی، کبھی کسی کے عیب کو نہیں اچھالا، کبھی کسی کو منبر سے رسوا نہیں کیا، کبھی کسی کی برائی کو منبر سے بیان نہیں کیا۔

عبداللہ بن ابیؔ نے کھلم کھلا حضرت اماں عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگائی۔ کھلم کھلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ نہیں کہا کہ عبداللہ بن ابی میرے گھر والوں کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے؟ (لیکن موصوف نے خود برسرِ منبر وہ الفاظ دہرا دیے)

یوں فرمایا: کیا ہوا لوگ میرے گھر والوں کے بارے میں مجھے تکلیف دے رہے ہیں۔ تو اتنے کھلم کھلا منافق کو بھی منبر پر نام لے کر رسوا نہیں کیا۔

میرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ نہیں کہا کہ عبداللہ بن ابی کیا کر رہا ہے؟ جو اتنا وسیع ظرف دے کر جائے، جو اتنے اعلیٰ اخلاق دے کر جائے اس کی امت آپس میں دست و گریباں ہو جائے......

موصوف کے "زریں خیالات" پر تبصرہ ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے۔ کاش موصوف بیان کرنے سے پہلے صحیح بخاری کی طرف ہی مراجعت کر لیتے اور مجمع عام میں اس "کذب بیانی" کے تو مرتکب نہ ہوتے۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ:

"فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَوْمِهٖ فَاسْتَعْذَرَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اُبَيّ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ مَنْ يَعْذِرُنِيْ مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِيْ عَنْهُ اَذَاهُ فِيْ اَهْلِيْ وَاللّٰهِ مَاعَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِيْ اِلَّا خَيْرًا......." (صحیح بخاری۔ کتاب المغازی باب حدیث الافک)

چنانچہ رسول اکرمؐ نے اسی دن عبداللہ بن ابی کے خلاف مدد طلب کرتے ہوئے برسر منبر خطاب فرمایا۔ اے گروہ مسلمین! کون ہے جو اس شخص کے مقابلہ میں میری مدد کرے جس کی جانب سے مجھے میرے اہل خانہ کے متعلق تکلیف پہنچی ہے۔

اللہ کی قسم! میں اپنے اہل کے بارے میں صرف خیر کو ہی جانتا ہوں۔

مولانا طارق جمیل صاحب کے قابل اعتراض اور مخالف اہل سنت والجماعت نظریات جاننے کے لیے مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب (سابق صدر مفتی نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) کی تالیف لطیف:

"کلمۃ الھادی الی سواء السبیل فی جواب من لبس الحق بالاباطیل" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

کتاب کی تالیف سے قبل موصوف نے مولانا طارق جمیل صاحب کے بیانات سے قابل اعتراض نکات جمع کرکے ۱۴ صفحات پر مشتمل ایک چارج شیٹ ملک بھر کے علماء کرام اور مشائخ عظام کی خدمت میں ارسال فرمائی۔ اس چارج شیٹ میں "تضحیک جہاد و توہین صحابہؓ اور توہین علماء کرام کے علاوہ سبائیت، رافضیت، بریلویت اور مودودیت کی مختلف فیہ مسائل میں صفائی پیش کرنے کے علاوہ فرق باطلہ کی تائید و تصویب بھی پائی جاتی ہے۔ یہاں توہین صحابہؓ بالخصوص توہین معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق موصوف کے افکار ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں:

"یزید کی ستر صحابہؓ نے بیعت کی۔ تو صحابہ وہ کیا تھے؟ وہ ایسے ویسے تھے جنہوں نے بیعت کر لی؟ اللہ کے بندو! وہ کمزور تھے اور کمزور کے احکام اور ہیں۔ ستر صحابہؓ کا بیعت کرنا یزید کو متقی اور تقویٰ کے ترازو میں نہیں بٹھاتا۔ وہ کمزور تھے۔ حجاج کی امارت میں حضرت انسؓ رہ رہے تھے تو اس سے حجاج پاک ہو گیا؟ اور کئی صحابہؓ تھے جو حجاج کی حکومت میں موجود تھے تو حجاج پاک دامن ہو گیا؟ ابن زیاد کی ولایت میں کئی صحابہ تھے تو ضعف کے احکام میں، ضعف کے حالات میں ضعف والی ترتیب کو اختیار کرنا پڑے گا۔"

(چارج شیٹ ص ۲۔ کلمۃ الھادی إلی سواء السبیل فی جواب من لبس الحق بالأباطیل۔ طبع اول ص ۶۸۔ طبع دوم ۱۶۳)

"نظام حضرت معاویہؓ کو آگے لانے کے لیے چل رہا تھا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس وقت تمام صحابہ میں حکومت چلانے کی اہلیت میں حضرت معاویہؓ کے برابر کوئی نہیں تھا اور خلافت ختم ہو رہی تھی اور حکومت آ رہی تھی۔ حکومت کسی بڑے صحابی کے ہاتھ لگے یہ کوئی اس صحابی کے شان

کے مناسب نہیں ہے تو کوئی چھوٹے درجے کے صحابی کو ہی اسے لینا تھا، بڑے درجے کے صحابی اس میں آ ہی نہیں سکتے۔ تو چھوٹے درجے کے صحابہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ اکیس برس حکومت کا تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ گورنر رہے اور اس کے ساتھ بنوامیہ میں سے تھے جو بنو ہاشم کے بعد سب سے معزز شاخ ہے۔ میں نے اس کو بہت پڑھا ہے کیونکہ میں خود اس میں الجھا ہوا تھا تقریباً جتنے بھی اہل سنت ہیں وہ یہاں آ کر شیعہ بن جاتے ہیں صرف اس مسئلے پر۔

تو معاویہ رضی اللہ عنہ اور جو بھی اس طرف تھے وہ (یعنی اہل سنت) اس میں افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کو میں نے بہت پڑھا کہ میں اس کا کوئی حل نکالوں۔ یہ تعصب کہ شیعہ کے مقابلے میں ہم صحابہ کو معصوم بنا دیتے ہیں۔ یہ ذہن میرا کبھی نہیں رہا کہ وہ معصوم ہیں۔ معصوم اور محفوظ تو ایک ہی چیز ہے۔ میں نے سوچا بہتر ایسا عنوان ہو جو دل کو بھی لگے اور عقل کو بھی لگے۔ یہ عنوان میں نے خود ہی سوچے ہیں جو میں تمہیں بتا رہا ہوں اور اس کو پڑھ پڑھ کے تو پھر یہ بات میرے سامنے آئی کہ اللہ کے تکوینی نظام میں اس سے خوب صورت اور شکل تھی ہی کوئی نہیں۔

اور خلافت کے لیے اولیت تقویٰ کو نہیں ہے۔ خلافت کے لیے اولیت تدبیر کو ہے کہ یہ تدبیر میں کیسا ہے؟ انتظام میں کیسا ہے؟

معاویہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمرؓ کے تو ناخن کے برابر بھی نہیں تھے درجے کے لحاظ سے۔ اور خود معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے کہ:

میرا یہ دعویٰ ہے ہی نہیں کہ میں تم میں بہتر ہوں۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں اس سے زیادہ تمہارے لیے نفع بخش ہوں۔''

بس یہ بات ذہن میں رکھو کہ علیؓ حق پر تھے اور معاویہؓ اس کے مقابلے میں خطا پر تھے۔ جس نے پوچھنا ہے جب اس نے ہی معاف کر دیا ہے تو پھر مجھے کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہ نہیں جی دونوں ہی حق پر تھے۔ وہ احق تھے اور یہ حق تھے یہ بڑی رکیک تاویلیں ہیں۔ یہ ساری باتیں میں نے سنی ہوئی ہیں اور پڑھی بھی ہوئی ہیں۔ یہ میرے دل کو نہیں لگیں۔ حضرت علیؓ حق پر اور معاویہؓ خطا پر۔ خطا میں چونکہ بددیانتی نہیں تھی وہ اپنے کو صحیح سمجھ کر کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی خطا مغفور ہے۔ بس۔ اب ہمیں تاویل کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ (کسی طالب علم نے سوال کیا کہ کیا یہ اجتہادی غلطی تھی؟ تو اس پر مولانا کا جواب یہ تھا) ارے یہ تو سب ہمارے سابقے لاحقے ہیں۔ خطا تھی۔

ایک جگہ میں نے ایسی کوئی بات کردی تو ایک طالب علم بڑے غصے سے میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اس کا مطلب ہے کہ صحابہ دنیا کے طلب گار تھے تو میں نے یہ آیت پڑھ دی "منکم من یرید الدنیا" اور یہ کن کے بارے میں ہے؟ وہیں چپ ہوکر واپس آ گیا۔"

(چارج شیٹ ص۳۔ کلمة الهادی الیٰ سواء السبیل فی جواب من لبس الحق بالاطیل طبع اول ص۱۴۷۔ طبع دوم ص۱۱۵)

"دوسری بات یہ ہے کہ ہم شیعوں کے رد میں صحابہ کو بھی معصوم بنانے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں، ان کی خطا کی تاویل کرنا شروع کر دیتے ہیں تو اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ بس یہ ایک آیت کافی ہے "و کلا و عدالله الحسنیٰ"

تاویل نہ کرو، مانو خطا ہوئی ہے۔ خطا کی تاویل کرنا تو کمزور راستہ ہے......

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کتاب لکھی ہے مولانا تقی عثمانی صاحب نے وہ تاویل میں پڑے ہیں ہر جگہ۔ کئی جگہ وہ تاویل بڑی ہی کمزور ہے تو یہ تاویل کا راستہ صحیح نہیں ہے۔ وہ معصوم نہیں تھے، انبیاء نہیں تھے، محفوظ بھی نہیں تھے۔ یہ معصوم اور محفوظ تو ایک ہی چیز ہے۔ ان میں کوئی فرق ہے؟ اللہ نے ان کو معاف کر دیا تو صحابہ کا دفاع یوں ٹھیک نہیں ہے کہ ان کی غلطیوں کی تاویل شروع کر دو۔" (چارج شیٹ ص۱۰)

مولانا تقی عثمانی صاحب نے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کیا تو موصوف نے اسے کمزور تاویلیں قرار دیا اور جب عثمانی صاحب نے اہل تشیع کی تکفیر کے حوالے سے برصغیر کے جید علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کے متفقہ فتویٰ (جسے مولانا منظور احمد نعمانی نے مرتب فرمایا تھا) کے ساتھ اختلاف کیا تو مولانا طارق جمیل صاحب نے فرمایا کہ:

"اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں بڑے راسخ لوگ دیے ہیں۔ مفتی تقی عثمانی صاحب اس وقت حجت ہیں۔ عالمی سطح پر اس شخص کا علم مانا ہوا ہے۔" (چارج شیٹ ص۱۶)

بہر حال چارج شیٹ کے منظر عام پر آنے اور بعض علماء کی گرفت کے بعد مولانا طارق جمیل نے حسب ذیل وضاحت جاری کی کہ:

"میرے تمام تر عقائد وہی ہیں جو زبدۃ المحدثین شارح سنن ابی داؤد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی عمدہ تالیف "المهنّد علی المفنّد" میں اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے عقائد پر تحریر کردہ رسائل میں درج ہیں۔

باقی اگر میرے بعض درسی بیانات میں اس سے مختلف تأثر پایا جاتا ہے تو وہ میری تعبیر کی

غلطی ہے عقیدے کی غلطی نہیں۔ میں اس پر معذرت خواہ ہوں۔ آئندہ پوری احتیاط کروں گا۔"
(ماہنامہ حق چار یار ص ۴۹۔ جون ۲۰۰۹ء)

اس معذرت نامے پر اگرچہ تاریخ درج نہیں ہے لیکن بعد میں مولانا طارق جمیل صاحب نے یہ رجوع نامہ باقاعدہ لفظ "رجوع" کی تصریح کے ساتھ بقلم خود اور مع دستخط و تاریخ (۷ جولائی ۲۰۰۹ء) مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب کو ارسال کر دیا جس کا عکس موصوف نے اپنی کتاب "کلمۃ الھادی ...." کے آخری صفحہ پر شائع کر دیا ہے۔

مؤخر الذکر رجوع نامے میں مولانا طارق جمیل صاحب نے سابقہ "معذرت نامے" کی عبارت میں اس پر معذرت خواہ ہوں۔ آئندہ پوری احتیاط کروں گا" کو "میں اس سے رجوع کرتا ہوں اور آئندہ پوری احتیاط کروں گا" کے الفاظ سے تبدیل کر دیا۔ جب کہ باقی عبارت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

کیا اس مبہم رجوع سے مولانا طارق جمیل صاحب نے "چارج شیٹ" میں مذکور اپنے تمام غلط افکار و نظریات سے رجوع کر لیا ہے؟

"رجوع نامے" میں کتاب "المھند علی المفند" کا حوالہ دیا گیا تھا جو بعد میں عقائد علمائے دیوبند کے نام سے (مع عربی متن و ترجمہ) مکتبہ حنفیہ جامع مسجد گنبد والی جہلم کی طرف سے ۱۳۸۲ھ میں شائع ہوئی۔

کتاب مذکور دراصل مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی تالیف "حسام الحرمین" مطبوعہ ۱۳۲۵ھ کے جواب میں لکھی گئی تھی۔

"حسام الحرمین" میں فاضل بریلوی نے حرمین شریفین کے علماء کی تصدیقات کے ساتھ اکابر علماء دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کی عبارات پر قطعی تکفیر کا فتویٰ صادر کیا اور یہاں تک لکھا کہ:

"جو شخص ان کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔"

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی مساعی جمیلہ سے علمائے حرمین شریفین نے چھبیس سوالات اکابر دیوبند کو جواب کے لیے ارسال کیے۔ جن کے جوابات پر مشتمل مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے اکابر دیوبند و دیگر علماء کی تصدیقات کے ساتھ ۱۳۲۵ھ میں ہی "المھند علی المفند" کے نام سے ایک کتاب شائع کر دی۔

اس کتاب میں چھبیس سوالات میں سے ایک سوال بھی ایسا نہیں ہے جو مولانا طارق جمیل صاحب کے خلاف "فرد جرم" میں مذکور نظریات کے ساتھ کوئی ادنیٰ مطابقت بھی رکھتا ہو۔

مشاجرات صحابہؓ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تو سرے سے کوئی سوال ہی نہیں ہے لہٰذا مولانا طارق جمیل صاحب کا "المھند علی المفند" میں مذکور علمائے دیوبند کے عقائد کے ساتھ متفق ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اور نہ ہی اسے رجوع کا نام دیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں اس رجوع نامے میں موصوف کا یہ فرمانا کہ:

''اگر میرے بعض درسی بیانات میں اس سے مختلف تأثر پایا جاتا ہے تو وہ میری تعبیر کی غلطی ہے، عقیدے کی غلطی نہیں۔ میں اس سے معذرت خواہ ہوں، آئندہ پوری احتیاط کروں گا۔''

''چارج شیٹ'' کے سرسری مطالعے کے بعد کوئی عام شخص بھی اسے ''تعبیر کی غلطی'' قرار نہیں دے سکتا۔

کیا ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی طرف قبیح ترین اور مکروہ ترین لفظ منسوب کرنا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کے کردار کا توہین آمیز نقشہ کھینچنا تعبیر کی غلطی ہے؟

یہ ملحوظ رہے کہ موصوف نے اپنے ایک بیان میں فرمایا کہ:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں سیدہ فاطمہؓ کو اداس دیکھا۔ استفسار پر معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ حضرت علیؓ کو تلاش کیا تو انہیں سجدے میں لیٹے ہوئے پایا، فرمایا:

"قم یا ابا تراب" اے ابوتراب کھڑے ہو جاؤ۔

ابوتراب کے لفظ سے مخاطب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ میں تجھ سے راضی ہوں۔ پھر ان کو گھر لائے۔ خود بیچ میں لیٹ گئے۔ حضرت علیؓ کو دائیں طرف لٹایا اور سیدہ فاطمہؓ کو بائیں طرف۔ لیٹے لیٹے حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کا ہاتھ پکڑا اور اپنی ناف کے اوپر لا کر دونوں کا ہاتھ آپس میں ملا دیا۔ فرمایا: اب صلح ہو گئی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نکل پڑے خوش خوش تو صحابہؓ نے کہا بڑے خوش نظر آ رہے ہیں تو فرمایا: علیؓ اور فاطمہؓ کی صلح کرا کے آیا ہوں۔'' (ملخصاً)

کیا صحابہ کرامؓ کو نہایت تیقن کے ساتھ دنیا کا طلب گار قرار دینا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا امتحان لے کر انہیں ۹۹% نمبروں سے زیادہ کا مستحق قرار نہ دینا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا مسئلہ فدک پر حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے باہمی اختلاف کی نفی کر کے حضرت عمرؓ

کو تہم قرار دینا تعبیر کی غلطی ہے؟

حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ ریمارکس دینا کہ:

''تو حضرت عمرؓ ایسے بھیگی بلی بنے سن رہے، ایسے سن رہے'' کیا تعبیر کی غلطی ہے؟

(ملاحظہ ہو بیانات طارق جمیل ص ۸۲ ۔جلد دوم مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حدیث رسولؐ ''ما انا علیہ و اصحابی'' کے علی الرغم ۷۲ فرقوں کو بھی بالآخر ناجی قرار دینا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا جملہ صحابہؓ کو کافر قرار دینے والے کی عدم تکفیر کا قائل ہونا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا اہل تشیع کی اکثریت کو تحریف قرآن سے مبرا قرار دینا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا عقیدہ ''عصمت ائمہ'' کو نقیض ختم نبوت نہ تسلیم کرنا تعبیر کی غلطی ہے؟

مولانا حق نواز جھنگوی، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی، مولانا محمد اعظم طارق اور مولانا علی شیر حیدری کی خطاؤں کو تو اجتہادی خطا تسلیم کرلیا جائے لیکن صحابہ کرامؓ کی خطاؤں کو خطائے اجتہادی قرار نہ دینا بھی کیا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا اہل تشیع کی تکفیر کے حوالے سے جمہور علماء حق اور مفتیان عظام کے متفقہ فیصلہ میں بیان کردہ وجوہ کفر (عقیدہ امامت، تحریف قرآن اور تکفیر صحابہؓ) کے ساتھ عدم اتفاق تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا ان ضال اور مضل کافر گروہوں کی وکالت کرنا اور صفائی پیش کرنا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو چھوٹے درجے کا صحابی تسلیم کرنا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا حضرت معاویہؓ کو درجے میں عبداللہ بن عمرؓ کے ناخن کے برابر بھی نہ سمجھنا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا حضرت معاویہؓ کی خطا کے ساتھ ''اجتہادی'' کے اضافے کو ''سابقے، لاحقے'' قرار دینا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا ''چارج شیٹ'' میں مذکور دیگر باطل نظریات سے قطع نظر صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ہی موصوف کے افکار و نظریات کو تعبیر کی غلطی قرار دیا جا سکتا ہے؟

مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان گورمانی اور مولانا محمد نواز بلوچ کی مرتبہ ''چارج شیٹ'' میں مذکور جرائم یا افکار و نظریات کو تعبیر کی غلطی باور کرانا، سمجھنا اور تسلیم کرنا یقیناً ''خطائے منکر، خطائے اعتقادی اور خطائے عنادی'' ہے، جو مولانا طارق جمیل صاحب کے ایک مبہم اعلان سے تعبیر کی غلطی میں ہرگز تبدیل نہیں ہوسکتی۔ پھر اس پر ''معذرت خواہی'' کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ سچی بات تو یہ ہے

کہ خود اس "معذرت" پر یہ مقولہ صادق آتا ہے کہ: "معذرت راخندہ می آید بر استعذار"

مولانا طارق جمیل صاحب "خواص" کی ایک جماعت کے ساتھ حویلیاں تشریف لائے۔ خود تو سابق ناظم ملک حبیب الرحمٰن صاحب کی کوٹھی پر قیام پذیر رہے جب کہ باقی افراد جماعت مرکزی جامع مسجد میں ٹھہرے رہے۔ اسی قیام کے دوران ۱۳ جولائی ۲۰۱۲ء کو موصوف مشہور دشمن معاویہ رضی اللہ عنہ محمود شاہ محدث ہزاروی (جن کے نظریات گذشتہ صفحات میں قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں) کی خانقاہ پر بھی اپنے میزبان اور سابق وائس چیئرمین خالد پرویز صاحب کی معیت میں تشریف لے گئے جہاں ان کے صاحبزادے اور علمی وفکری جانشین سید محی الدین محبوب حنفی قادری کے ساتھ ملاقات اور تبادلہ خیال کا "شرف" حاصل فرمایا۔ اگلے دن اس ملاقات کی تصاویر بھی اخبارات کی زینت بنیں۔

نام نہاد "محدث ہزاروی" کی خانقاہ پر حاضری اور ان کے جانشین سے ملاقات کا مقصد "دعوتِ تبلیغ" تو ہرگز نہیں تھا کیونکہ اس خانقاہ میں نہ صرف یہ کہ ہر دور میں "تبلیغی جماعت" کا داخلہ بند رہا ہے (اور ملاقات کے بعد بھی بدستور بند ہی ہے) بلکہ محدث ہزاروی نے تحریراً و تقریراً علمائے دیوبند کی تکفیر بھی کی ہے چنانچہ موصوف اپنی کتب میں "براہین قاطعہ، تقویت الایمان، حفظ الایمان، بلغۃ الحیران" کے مصنفین مولانا خلیل احمد سہانپوری، شاہ اسماعیل شہید، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین علی اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"سوائیوں کے نمائشی علم دین پر صحیح العقیدہ ناخواندہ مسلمان بھی اعتماد نہیں کر سکتا اور کسی عالم دین سے ممکن نہیں کہ ان پر دین، اسلام، ایمان کا اطلاق بھی روا رکھے بلکہ علماء اسلام تو ایسے منکروں کو تمام مشرکوں سے بلکہ دہریوں سے بدتر وگمراہ جانتے ہیں اور ان کو اپنی خواہش نفس کے پجاری بتاتے ہیں اور اس میں کیا شک ہے جو باد عاء مسلمانی ونمائش ایمانی کے باوجود اللہ، رسول کے فرمان پاک کو بمقابلہ قول کسے چھوڑ دے اور اللہ ورسول کے ادب وعشق کے برخلاف راہ چلے وہ مشرکوں اور دہریوں سے گھٹ کر کیسے ہے؟ اسے انہیں کا شریک حال ہمارے علماء اسلام ومشائخ اہل سنت وجماعت نے بتایا ہے۔" (جامع الخیرات ص ۵۴۰۔۵۴۱)

موصوف حضرت تھانوی کی ایک عبارت (حفظ الایمان) کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"کتاب وسنت وآثار کی رو سے یہ کلام کمال توہین واستخفاف مرتبہ نبوت ہے۔ اور اہانت واستخفاف انبیاء قطعاً کفر وارتداد ہے۔۔۔۔۔۔

لیکن ان گستاخانِ مصطفیٰ وعلماء سوء نے محض اپنے مدرسہ دیوبند کی فضیلت بیان کرنے کو یہ

افسانہ گھڑا اور تنقیص رسالت کے مرتکب ہو کر اپنی آخرت برباد کر بیٹھے

یہ کانگرسی ملا میں تم کو بتاؤں کیا ہیں　　　　گاندھی کی پالیسی کے عربی میں ترجمہ ہیں

(مسنون دعائیں ص ۲۵،۳۵)

مولانا طارق جمیل صاحب کا ایک منکر صحابیت معاویہ رضی اللہ عنہ، شاتم معاویہ رضی اللہ عنہ اور مکفر علمائے دیوبند کی خانقاہ پر حاضری کا مقصد بعض نظریات میں ہم آہنگی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ گو کہ موصوف توہین وتحقیر صحابی میں اس حد تک نہیں گئے تاہم جزوی طور پر توہین معاویہ رضی اللہ عنہ کے ضرور مرتکب ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''خانقاہ محمودیہ'' اورامام بارگاہ کے عین وسط ''ریلوے گراؤنڈ'' میں سٹیج پر موصوف کے پہلو میں ''محدث ہزاروی'' کے ایک دوسرے صاحبزادے سید عبدالقادر شاہ بھی تشریف فرما تھے موصوف نے ہزاروں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے وہی تاریخی مکذوبات اور گھسی پِٹی ضعیف، منکر اور موضوع روایات بیان فرمائیں بلکہ ''برزخی'' حالات کا مشاہدہ کرتے ہوئے مسلم بن عقبہ کی قبر بھی جہنم کے انگاروں سے بھری ہوئی بتائی۔ جن سے متاثر ہو کر گلابی اور اصلی سبائیوں نے خوب داد تحسین دی لیتو ہین صحابہ کے سلسلہ میں موصوف کی ''جسارت'' میں کمی آنے کے بجائے اضافہ ہی ہوتا رہا۔ موصوف نے رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ کے آخری عشرے کے آغاز میں پاکستان ٹیلی ویژن کے پروگرام ''روشنی کا سفر'' میں کروڑوں مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے سیدنا مروانؓ کو ''سوءِ خاتمہ'' کی خبر سنادی کہ مرتے وقت اس کا چہرہ قبلہ سے ہٹ جاتا تھا۔ العیاذ باللہ

مولانا طارق جمیل صاحب حضرت معاویہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما کے بارے میں تو تنقیص وتوہین پر مبنی کلمات بے دریغ استعمال کر لیتے ہیں مگر دوسری طرف اس قدر وسیع النظر ف اور وسیع القلب ہیں کہ مشہور فلم اسٹار ''وینا ملک'' کے ساتھ بخوشی اور بلا تکلف دوبئی میں شاہی ظہرانے اور عشائیہ میں شرکت فرما لیتے ہیں۔ (روزنامہ دنیا ۱۶ جنوری ۲۰۱۴ء) پھر جب وینا ملک کے ہاں امریکا کے ایک ہسپتال میں بیٹے کی پیدائش ہوئی تو وینا ملک اور اسد خٹک نے مدینہ منورہ میں موجود مولانا طارق جمیل صاحب کو اس سے آگاہ کیا تو انہوں نے دونوں کو مبارکباد دی اور موبائل فون پر نومولود کے کان میں اذان دی۔ (روزنامہ دنیا۔ ۲۵ ستمبر ۲۰۱۴ء)

اس اذان کی شرعی حیثیت تو مفتیان کرام ہی واضح کر سکتے ہیں البتہ نومولود کے ''سعادت مند'' ہونے میں کوئی شک نہیں۔

قالی اللّٰہ المشتکی من زمان قد امتلأ جوراً و ظلماً و توھیناً و قباحۃً

# ۴۴۔ شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب

پاکستان کے دینی، تحریکی اور علمی حلقوں میں مولانا اللہ وسایا صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بلا شک وشبہ روحِ رواں ہیں۔ ''احتساب قادیانیت'' کی تکمیل یقیناً ان کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے سلسلہ میں ان کی ''مفید، مثبت، تعمیری تحریری، تقریری اور تحقیقی'' کاوشیں بھی عیاں ہیں۔

''انسان'' خطا کا پتلا تو ہے ہی مگر وہ جب اپنے مخصوص دائرے سے باہر نکلے گا اور دوسرے شعبوں کے بارے میں بھی ''ماہرانہ'' رائے دے گا یا اپنے ہی شعبہ میں مطالعہ اور تحقیق کے بغیر تحریراً یا تقریراً اظہارِ خیال کرے گا تو اس سے صرف غلطی ہی نہیں بلکہ ''غلطا'' بھی سرزد ہوگا۔ ''غلطا'' کی ''اصطلاح'' بھی موصوف کی اپنی ہی وضع کردہ ہے۔ (ماہنامہ لولاک مارچ/اپریل ۲۰۱۱ء ص۵۲)

اسی طرح کا بلکہ اس سے کئی گنا بڑا، ایک ''غلطا'' ان سے اس وقت سرزد ہوا جب انہوں نے اکتوبر ۲۰۱۲ء کے ''لولاک'' میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا توہین بلکہ تکفیر صحابہ پر مبنی ایک پرانا اور بدبودار مضمون گلاب کے پھولوں میں سجا کر شائع کیا۔

''لولاک'' کے مذکورہ شمارے میں کل پندرہ عنوانات فہرست میں دیئے گئے ہیں جن میں سے صرف چار عنوانات کا ٹائٹل پر ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے توہین صحابہ پر مبنی انتہائی دل آزار، متعفن اور بدبودار مضمون ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر ــــــ کا تجزیہ'' کو خاص طور پر ''ہائی لائٹ'' کرکے ''گلاب کے پھولوں'' میں سجا کر قارئین کو اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا اللہ وسایا صاحب نے مضمون کے بعض مقام قلم زد بھی کئے اور ایک آدھ مقام پر جلی عنوان بھی قائم کیا (جو اصل مضمون میں نہیں تھا) اس سے موصوف کی مضمون کے ساتھ نہ صرف ذاتی دلچسپی اور قصد و نیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے بلکہ بعد میں ان کے ''معصومانہ اعتذار'' کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

یہی نہیں بلکہ موصوف نے اسی زیر بحث شمارہ کے اداریہ (کلمۃ الیوم) میں قارئین کو یہ نوید بھی سنائی کہ ''قارئین تک یہ شمارہ (سالانہ ختم نبوت) کانفرنس (منعقدہ ۲۵، ۱ اکتوبر ۲۰۱۲ء) سے قبل پہنچ جائے گا اور آپ سب اس کو پڑھ کر کانفرنس پر پہنچ جائیں گے'' (ماہنامہ لولاک۔ اکتوبر ۲۰۱۲ء ص۵)

موصوف نے محرم ۱۴۳۵ھ کی آمد سے ایک ماہ قبل بالکل غیر ضروری طور پر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا ''غلیظ'' مضمون ختم نبوت کے ترجمان رسالہ میں اپنے حسب ذیل تعارفی کلمات کے ساتھ شائع کیا:

واقعہ کربلا اوراس کا پس منظر......کا تجزیہ

یہ کتاب یزیدیت کی پنیری کا نیا گملہ ہے۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی

(لکھنؤ میں مولانا محمد منظور نعمانی کے صاحبزادہ نے ''واقعہ کربلا اوراس کا پس منظر'' لکھی۔ اس پر مولانا ابوالحسن علی ندوی کے حلقہ کے ایک صاحب نے تبصرہ لکھا جو ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لئے پیش خدمت ہے۔ یہ دارالعلوم کے پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء سے ماخوذ ہے۔ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ادارہ)

مذکورہ تمہیدی اور تعارفی کلمات کے بعد از صفحہ نمبر ۱۹ تا ۲۵ یعنی پورے سات صفحات میں ڈاکٹر صاحب کا مضمون نقل کیا گیا ہے۔

مولانا اللہ وسایا صاحب نے توہین صحابہ پر مبنی اس بدبودار مضمون کو اس کی اشاعت اولین کے اکیس سال بعد ''ریکارڈ'' میں محفوظ کرنے کے لئے پورے اہتمام کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا: ''ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں'' کا ''نوٹ'' لکھ دینے سے صحابہ کرامؓ کی توہین اور بے ادبی میں کوئی ''تخفیف'' واقع ہوجاتی ہے؟ کیا ادارہ (جو صرف موصوف خود ہیں) اس توہین آمیز مضمون کی اشاعت پر عنداللہ وعندالناس بری الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

اگر بالفرض ......موصوف یا ادارہ کا زیر بحث مضمون کے مندرجات کے ساتھ اتفاق نہیں تھا تو پھر اسے کس کے ''ریکارڈ'' میں محفوظ کرنے کے لئے ''لولاک'' جیسے مذہبی رسالے میں شائع کرایا گیا؟ کیونکہ موصوف یا ''ادارہ'' کے ریکارڈ میں تو پہلے سے ہی محفوظ تھا۔

موصوف کو اس بات کا خدشہ تھا کہ اکیس سال پرانا مضمون (جو صرف اور صرف لکھنؤ میں شائع ہوا تھا) جس سے پاکستان کے مسلمان مسلسل ''محروم'' چلے آرہے تھے اور ''خواص'' کے ذہن سے بھی محو ہوگیا ہوگا لہٰذا اسے ''تازہ'' کرنے اور ''ریکارڈ'' میں محفوظ کرنے کے لئے دوبارہ شائع کرنا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں موصوف کی ''ٹائمنگ'' (یعنی محرم سے ایک ماہ قبل) یقیناً قابل داد ہے کیونکہ ۱۵ نومبر ۲۰۱۳ء ۱۰ محرم ۱۴۳۵ھ کو دارالعلوم تعلیم القرآن کا سانحہ رونما ہوگیا۔

یہ ملحوظ رہے کہ دارالعلوم تعلیم القرآن ''اشاعت التوحید والسنۃ'' کا مرکز ہے اور اس جماعت کو

''پٹھری ویزیدی'' کے ناموں سے بھی مطعون کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل وضاحت ہے کہ ''تعمیر حیات'' میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے مضمون کا عنوان یہ تھا:

واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر۔

تعمیر حیات کا تبصرہ

ازقلم مولانا عبداللہ عباس ندوی

مگر اس کے برعکس مولانا اللہ وسایا صاحب نے ماہنامہ لولاک میں تعمیر حیات لکھنؤ (۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء) کے حوالہ سے ہی ڈاکٹر صاحب کا تبصرہ اس عنوان کے تحت شائع کیا ہے:

واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر......کا تجزیہ

یہ کتاب یزیدیت کی پنیری کا نیا گملہ ہے۔

اس عنوان اور ترتیب سے تو یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ عنوان میں مذکور ''یہ کتاب یزیدیت کی پنیری کا نیا گملہ ہے'' کے الفاظ بھی ڈاکٹر صاحب کے ہی ہیں لیکن راقم الحروف کے پاس تعمیر حیات کے مضمون کا مکمل فوٹو ہے اور اس میں مذکورہ الفاظ نہ صرف عنوان بلکہ پورے مضمون میں کہیں بھی نہیں ہیں۔

عنوان میں مولانا اللہ وسایا صاحب کے ''اضافہ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون کے ''بنظر عمیق'' مطالعے کے بعد موصوف کا اخذ کردہ اپنا نتیجہ ہے جسے اس خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ عنوان کا حصہ بنادیا گیا ہے کہ پڑھنے والا اسے ڈاکٹر صاحب کا ہی عنوان قرار دے۔

طرفہ تماشا یہ کہ اس قدر اہتمام اور تعارفی سطور کے ساتھ اشاعت کے باوجود یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ ''ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں''

یہاں ''ادارہ'' سے مراد موصوف کی اپنی ذات ہے اگر انہیں بالفرض مضمون کے مندرجات کے ساتھ اتفاق نہیں تھا تو پھر صحابہ کرامؓ کی توہین پرمبنی اس مضمون کی ایکس سال بعد محرم کے آغاز سے عین ایک ماہ قبل اشاعت کی ضرورت کس داعیہ کے تحت محسوس ہوئی؟ آخر اس بات کہ ''ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لئے پیش خدمت ہے'' اور ''ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں'' میں کیا ربط اور جوڑ ہے؟

اس توہین آمیز مضمون کی اشاعت کے بعد چند حضرات کے احتجاج اور ''توجہ'' دلانے پر موصوف نے لولاک کے اگلے شمارے میں قارئین سے معذرت کرلی۔ چونکہ زیرنظر کتاب میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے اصل مضمون پر تبصرہ پیچھے گذر چکا ہے جس کی پاکستان میں تازہ اشاعت میں صرف اور صرف

مولانا اللہ وسایا صاحب ہی کی تمام تر ذاتی کاوشیں شامل ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لئے اسے جوں کا توں نذر قارئین کردیا جائے:

ضروری اعتذار

ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ترجمان رسالہ ''تعمیر حیات'' ہے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی، تاریخ اسلام کی اشاعت میں گراں قدر خدمات ،حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی سرپرستی میں شائع ہونے والے اس رسالہ میں ندوہ کے نہ صرف فاضل بلکہ ناظم تعلیمات مولانا عبداللہ عباس ندوی کا ایک دیرینہ مضمون تھا۔ کسی نے اس کی فوٹو بھجوائی جو عرصہ سے بغیر پڑھے رکھ دی تھی ۔اب حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی کی نئی کتاب ''محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ'' تبصرہ کے لئے آئی تو فقیر نے عبداللہ عباس ندوی کا وہ مضمون جو ایک کتاب ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' پر تبصرہ تھا اسے بھی یہاں ریکارڈ کے لئے شائع کیا۔ کیونکہ محمود عباسی اور عتیق سنبھلی دونوں یزیدیت کے علمبردار اور ان کی کتابیں یزیدیت کی پنیری کا نیا گملہ ہیں ۔ماہنامہ لولاک کی ترتیب کی تمام تر ذمہ داری فقیر کے ذمہ ہے ۔شوال المکرّم تا ذی الحجہ شب و روز تین ماہ کے طوفانی اسفار رہے ۔ختم نبوت کانفرنس چناب نگر کی تیاری کی مصروفیت علاوہ ازیں تھی ۔ چنانچہ ماہنامہ لولاک کے یہ شمارے بھاگم بھاگ میں مرتب ہوئے ۔اس مصروفیت میں ندوہ کے نام و کام کے اعتماد میں مولانا عبداللہ عباس ندوی کا مضمون دقت نظر سے نہ پڑھا جاسکا ۔سرسری اور سطحی نظر سے دیکھا ۔بعض مقام قلم زد بھی کئے ۔''ادارہ کا مضمون سے اتفاق ضروری نہیں'' کا نوٹ لگا کر جلدی میں کمپوزنگ کے لئے بھجوا دیا۔ ایسی چیزوں کی کمپوزنگ کے بعد کانٹ چھانٹ ہوتی ہے ۔اللہ تعالیٰ کی شان کہ پروف ریڈنگ بھی اپنی مصروفیات کے باعث فقیر نہ کرپایا۔ جب ذی الحجہ کا پرچہ چھپ کر آیا تو بعض بہی خواہاں نے توجہ دلائی کہ اس میں سیدنا حضرت سفیانؓ ایسے حضرات سے متعلق ایسی بات آگئی ہے جو کسی بھی طور پر کسی بھی مسلمان کے ایمانی تقاضا کے منافی ہے ۔

امیر مرکزیہ حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، مولانا صاحبزادہ عزیز احمد، حضرت مولانا عبدالرؤف، مولانا محمد طیب فاروقی اسلام آباد اور دیگر احباب نے توجہ دلائی ۔جامعہ نعمانیہ ڈیرہ اسماعیل خان کے مولانا احسان اللہ احسان کے خط سے معلوم ہوا کہ اس مضمون سے خود مضمون نگار نے بھی رجوع کیا تھا ۔دارالعلوم دیوبند میں اس کا جواب بھی لکھا گیا ۔مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی اس پر خط و کتابت بھی ہوئی ۔فقیر کے لئے یہ تمام معلومات نئی تھیں، اپنی لاعلمی پر بہت ہی ترس آیا ۔حضرات صحابہ کرامؓ حضرات

اہل بیت عظامؓ کی محبت اوران کا احترام تمام مسلمانوں کے ایمان کا حصہ ہے۔

اس مضمون کے قابل اعتراض حصوں پر جتنی اور اہل اسلام کی دل آزاری ہوئی، ان سب سے بڑھ کرا کیلئے فقیر راقم اس سے دل گرفتہ ہوا۔غفلت چاہے غیر ارادی تھی لیکن اس کا باعث فقیر بنا۔اس پر اللہ رب العزت کے حضور تمام قارئین کے سامنے استغفار کرتا ہوں۔تمام قارئین جن کی دل آزاری ہوئی، سے معذرت چاہتا ہوں۔اللہ رب العزت جو دلوں کے رازوں کو جانتے ہیں وہ فقیر کی اس غیر ارادی غلطی کو معاف فرمائیں۔اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر سے نوازیں جنہوں نے اس پر تنبیہ فرمائی۔میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ بحمدہ تعالیٰ کسی بھی مسلمان سے اصحاب کرامؓ واہل بیت عظامؓ سے محبت اوران کے احترام میں کم نہیں ہوں۔لولاک کا ریکارڈ گواہ ہے کہ جب سے اس کی ترتیب فقیر کے ذمہ لگی ہے اس دن سے کوئی شمارہ صحابہ کرامؓ، اہل بیت عظامؓ کے ذکر مبارک سے خالی نہیں۔یہ کسی پر احسان نہیں بلکہ یہ بات ایمان کا حصہ اور عین تقاضا ہے۔مگر بایں ہمہ انسان نسیان وخطا کا پتلا ہے۔آئندہ کے لئے بھی دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان واسلام کی سلامتی سے سرفراز فرمائیں اور خطاؤں سے محفوظ رکھیں۔

وما ذالك على الله بعزيز۔ امين بحرمة النبي الكريم

راقم (مولانا) اللہ وسایا

(ماہنامہ لولاک ملتان نومبر ۲۰۱۳ء ص اندرون ٹائٹل)

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا سات صفحات پر مشتمل توہین آمیز مضمون اور موصوف کا ایک صفحہ پر ''ضروری اعتذار'' پڑھنے کے بعد اس ''معذرت'' پر یہ مقولہ صادق آتا ہے کہ:

''معذرت راخندہ می آید بر استعذار''

قارئین کرام! جس صفحہ پر سب سے زیادہ توہین آمیز مواد ہے اسی صفحہ کا آغاز مولانا اللہ وسایا صاحب نے با قاعدہ عنوان قائم کر کے کیا ہے کہ:

**درحقیقت مصنف کو جو الجھن پیش آئی ہے اس کے دو اسباب ہیں**

جبکہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون میں یہ عنوان نہیں ہے بلکہ مسلسل عبارت ہے۔

یہ ممکن ہے کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے باقی مضمون ''سرسری اور سطحی'' نظر سے دیکھا ہو لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ توہین سے بھرپور صفحہ انہوں نے ''سرسری اور سطحی'' نظر سے دیکھا ہے۔زیر بحث صفحہ انہوں نے نہایت ہی غور وخوض اور ''دقت نظر'' سے پڑھا ہے کیونکہ اسی کے ''پہلے پیراگراف'' سے

انہوں نے چند سطور قلم زد کی ہیں جبکہ اس کے آگے پیچھے سارا تکفیری مواد موجود تھا۔

قارئین کرام! ماہنامہ لولاک (اکتوبر ۲۰۱۳ء) صفحہ نمبر ۲۱ سے قلم زد حصے سمیت سیاق وسباق ملاحظہ فرمائیں:

''ایک یہ کہ انہوں نے اس حقیقت کو نظرانداز کردیا کہ تاریخ کا کوئی حادثہ یا واقعہ ماضی سے جدا کر کے ایک اکائی کی شکل میں نہیں دیکھا جا سکتا۔ کربلا کا واقعہ بنوامیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ عداوتوں کا ایک منطقی نتیجہ (Quence cose) تھا (جبکہ اصل مضمون میں یہ لفظ Cose Quence ہے) وہ عداوتیں جو ظہور اسلام کے بعد بہت طاقتور شکل میں ابھر کر سامنے آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ سالہ عرصہ نبوت میں ۲۱ سال تک بلکہ ساڑھے اکیس سال تک شدومد سے قائم رہیں۔ غزوہ بدر میں مسلمان فوج کی کامرانی نے جس طبقہ کو سب سے زیادہ برافروختہ کیا اس کے سربراہ ابوسفیانؓ تھے۔ اسی طرح غزوہ احد میں ان کا اور ان کی اہلیہ جگر خوار حمزہؓ، ہندہ کا کردار یہ سب وہ باتیں ہیں جن میں مؤرخین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(اس کے بعد مولانا اللہ وسایا صاحب نے حسب ذیل سطور قلم زد فرمائی ہیں:)

فتح مکہ کے بعد یہ گروہ اسلام لایا (یا بقول سید قطب شہید کے استسلام کیا) مگر اس استسلام کے بعد اچانک ایک پل میں ایسی تبدیلی ہوگئی کہ وہ بدر کا غم بھول گئے، اپنی انانیت کو بھول گئے، عقلاً محال بات ہے اور''

(اس قلم زد حصے کے بعد اسی صفحہ بلکہ اسی سطر سے تسلسل کے ساتھ مضمون جاری ہے۔ موصوف نے عجلت میں ''خطرناک'' لفظ ''اور'' کو بھی قلم زد کردیا جبکہ یہ اگلے جملے کا حصہ ہے)

صحاح کی مستند روایات سے ثابت ہے کہ ہندہؓ نے بیعت کے الفاظ دہراتے ہوئے بھی اپنے اندرونی کرب وغم اور غیظ وغضب کا اظہار کیا تھا۔

حضرت ابوسفیانؓ (جبکہ اصل مضمون میں علامت ترضی یعنی ''ؓ'' نہیں ہے) نے احتجاج کیا تھا کہ اب وہ دن آ گیا ہے کہ یہ پسماندہ (یعنی ابوبکرؓ) ہم اشراف پر فوقیت دیئے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلاف حضرت علیؓ کو اکسانے کی کوشش بھی ان سے ثابت ہے۔

اسلام کے پورے طور پر فاتح ہوجانے کے بعد جب مقاومت کی تمام راہیں مسدود ہوگئی تھیں اس عرصۂ مختصر میں اس گروہ کی طرف سے کسی واضح دشمنی کا ثبوت تاریخ میں نہیں ملتا مگر جس

طرح صلیبیوں کے دل میں صلیبی جنگوں میں شکست کا غم وغصہ آج تک موجود ہے، اسی طرح اس گروہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ سینہ کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مارتا رہا۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت نے البتہ اسلام کی طرف سے ان کے عناد کو ختم کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ان کا دل صاف نہیں ہوا۔ احمد امین نے ''فجر الاسلام'' اور اس کے مقدمہ میں طٰہٰ حسین نے اس کی نشان دہی کی ہے۔ ممکن ہے یہ تجزیہ غلط ہو مگر یہ غلط نہیں ہے کہ حرہ اور کربلا کے واقعات کو ان خلفیات سے جدا کر کے نہیں دیکھا جا سکتا...... اس حادثہ کا سرا حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد سے نہیں، غزوہ بدر کے واقعات سے مربوط کیا جائے تو تاریخی، احداث کی کڑیاں ایک دوسرے سے زیادہ پیوست نظر آئیں گی۔

واقعات جو تاریخ کی کتابوں میں متضاد و متناقض ہیں اس کا سبب کوئی معمہ نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آسکے۔ خلافت راشدہ کے بعد ''ملکیت عضوض'' (یعنی خلافت معاویہؓ) کا دور شروع ہوا تو قدرتاً دو گروہ ہو گئے۔ ایک وہ جس کو حکومت وقت سے وابستگی تھی خواہ جان بچانے کی خاطر یا طمع کی وجہ سے یا مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی سے نجات حاصل کرنے کی خاطر وہ سمجھتا تھا کہ جس کا غلبہ ہے اس کی تائید کی جائے۔ دوسرا طبقہ وہ تھا جو اصل دین کی پامالی پر رنجیدہ تھا'' (ماہنامہ لولاک اکتوبر ۲۰۱۲ء ص ۲۱)

قارئین کرام! مذکورہ عبارت میں صرف ''رنجیدہ تھا'' صفحہ نمبر ۲۲ سے لیا گیا ہے باقی تمام عبارت ص ۲۱ ہی کی ہے۔ اسے بار بار پڑھیں اور ''قلم زد'' حصے کا ماقبل اور مابعد کو دیکھیں اور یہ فیصلہ کریں کہ کیا اس میں ''قلم زد'' حصے سے زیادہ توہین نہیں پائی جاتی۔ یہ صرف ایک صفحے کی عبارت ہے جبکہ یہ پورا مضمون صفحہ نمبر ۱۹ سے ۲۵ تک پھیلا ہوا ہے۔ ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ موصوف نے چند سطور کیوں قلم زد کیں؟ کیا یہ خیانت کے زمرے میں نہیں آتا؟ اگر ان سطور میں توہین پائی جاتی تھی تو پھر اس کی وضاحت کیوں نہ کی؟ توہین آمیز سطور حذف کر کے اور اس کی وضاحت نہ کر کے موصوف نے قارئین کو دھوکے میں مبتلا رکھنے کی کوشش کی کہ کہیں قارئین مضمون نگار ڈاکٹر عبداللہ عباس سے بدظن نہ ہو جائیں۔ کیا اس عبارت کی موجودگی میں شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب کا ''معصومانہ اعتذار'' ایک لمحہ کے لئے بھی قابل قبول ہو سکتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر عبداللہ عباس کے دل آزار مضمون کی ۲۱ سال بعد لولاک میں اس کی اشاعت ''بھاگم بھاگ'' کیفیت میں کیوں ضروری سمجھی گئی؟

موصوف نے اس کی بنیادی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ''ان دنوں میں مفتی عبدالشکور ترمذی کی کتاب ''محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ'' تبصرہ کے لئے آئی ہوئی تھی اس لئے فقیر نے عبداللہ

عباس ندوی کا وہ مضمون جو ایک کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" پر تبصرہ تھا، اسے بھی یہاں ریکارڈ کے لئے شائع کیا کیونکہ محمود عباسی اور عتیق الرحمٰن سنبھلی دونوں یزیدیت کے علمبردار اور ان کی کتابیں یزیدیت کی پنیری کا نیا تکملہ ہیں"

سوال یہ ہے کہ حضرت ترمذی صاحب کی کتاب پر جب تبصرہ اسی شمارے میں آ گیا ہے تو کیا "سرسری اور سطحی" طور پر پڑھا جانے والا ڈاکٹر صاحب کا توہین آمیز مضمون بھی اسی شمارے میں آنا لازمی تھا؟ آخر "دقتِ نظر" سے پڑھے جانے تک اسے مؤخر کیوں نہیں کر لیا گیا؟

موصوف نے معلوم نہیں کہ کس طبقہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ماہنامہ لولاک کے سات صفحات صحابہ کرامؓ کی توہین کے لئے مختص کر دیئے حالانکہ سنبھلی صاحب کی کتاب ان کے پاس برائے تبصرہ ہرگز نہیں آئی تھی۔

اگر سنبھلی صاحب کی کتاب سے قارئین کو آگاہ کرنا ہی مقصود تھا تو کیا اس کے لئے الگ سے کوئی مضمون نہیں لکھا جا سکتا تھا؟ کیونکہ سنبھلی صاحب کی کتاب کوئی اسی مہینے میں تو شائع نہیں ہوئی تھی وہ بھی تو "لولاک" میں شائع ہونے والے مضمون سے ۲۱ سال پہلے طبع ہوئی تھی۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب کی کتاب پہلی مرتبہ "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" جنوری ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اس پر تبصرہ پندرہ روزہ تعمیر حیات میں ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء کو شائع کیا۔ جس کا فوٹو لے کر مولانا اللہ وسایا صاحب نے اپنے رسالہ ماہنامہ لولاک (اکتوبر ۲۰۱۳ء) میں ۲۱ سال بعد شائع کیا وہ بھی اس مجبوری کی بناء پر کہ ان دنوں ان کے پاس مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی کی کتاب "محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ" برائے تبصرہ آ گئی تھی۔

سوال یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے مولانا اللہ وسایا صاحب نے اتنی زحمت کیوں اٹھائی کہ ۲۱ سال پیچھے وہ بھی لکھنؤ کے ایک رسالے سے سنبھلی صاحب کی کتاب پر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے سات صفحات کا توہین صحابہ پر مشتمل ایک مضمون "ڈھونڈ" نکال لائے حالانکہ ان کا یہ مقصد پاکستان، ملتان اور لاہور میں بھی پورا ہو سکتا تھا۔

سنبھلی صاحب کی کتاب پر اسی سال مولانا عبدالحق خان بشیر نے ۳۲ صفحات پر مشتمل جامع تبصرہ قلم بند کیا تھا جو یکجا ایک ہی قسط میں شائع ہوا۔ ملاحظہ ہو: ماہنامہ حق چاریار۔ اکتوبر ۱۹۹۲ء ص ۲۹ تا ۶۰ مع بقیہ ص ۲۵۔ اس کے بعد مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے چار اقساط میں بہ عنوان "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" کا ایک ناقدانہ جائزہ" شائع کیا۔ ملاحظہ ہو ماہنامہ حق چاریار نومبر ۱۹۹۲ء جنوری، فروری، مئی ۱۹۹۳ء۔

علاوہ ازیں مولانا اللہ وسایا صاحب کے "ضروری اعتذار" میں ایک حیران کن بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک صفحہ کی ۲۸ سطروں پر مشتمل اپنے "اعتذار" میں نفس مسئلہ پر صرف ایک سطر صرف فرمائی پھر اس میں حضرت معاویہؓ کے والد گرامی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر سیدنا ابوسفیانؓ کا پورا نام بھی نہیں لکھ سکے: "اس میں سیدنا حضرت سفیانؓ ایسے حضرات سے متعلق ایسی بات آ گئی ہے ..........."

جبکہ اسی "اعتذار" میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے قائدین وعہدیداران کے نام مع القاب و سکونت تحریر کئے اور باقی سطور میں اپنی کارگزاری اور بے گناہی، ہی ثابت کی کہ "......اپنی لاعلمی پر بہت ہی ترس آیا، غفلت چاہے غیر ارادی تھی، فقیر کی اس غیر ارادی غلطی......"

قارئین کرام! ماہنامہ لولاک (اکتوبر ۲۰۱۳ء) کے صفحہ نمبر ۲۱ کی "قلم زد" سطور کو چھوڑ کر بھی باقی عبارت میں صحابہ کرامؓ کی تکفیر و توہین کو دیکھیں اور پھر مولانا اللہ وسایا صاحب کا "اعتذار" پڑھیں اور موصوف کو "شاباش" دیں کہ کس طرح انہوں نے پورے "اعتذار" میں مضمون نگار یا تبصرہ نگار ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کو "محفوظ راستہ" دے دیا۔ حالانکہ وہ یہ بات تسلیم کر چکے ہیں کہ "جو کسی طور پر کسی بھی مسلمان کے ایمانی تقاضا کے منافی ہے"

مولانا اللہ وسایا صاحب نے جو غلیظ ترین مضمون شائع کیا اس کے مطابق:

۱۔ حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت معاویہ اور دیگر افراد رضی اللہ عنہم حقیقتاً مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ ظاہری طور پر اطاعت قبول کی تھی۔

۲۔ ظاہری اطاعت کے بعد کیا وہ زمانہ کفر و شرک کی عداوتوں کو بھول گئے تھے۔ یہ عقلاً محال ہے۔ جو چیز عقلاً محال ہوتی ہے اس کا وجود ناممکن ہوتا ہے۔ یعنی فتح مکہ کے موقع پر بنوامیہ کے جن لوگوں نے استسلام کیا تھا یہ ناممکن ہے کہ وہ بدر کی شکست کا غم بھول گئے ہوں۔

۳۔ جگر خوار حمزہؓ ہند نے بیعتِ اسلام کے وقت بھی اپنے اندرونی کرب وغم کا اظہار کیا تھا۔

۴۔ ابوسفیان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے خلاف سازش کی اور حضرت علیؓ کو اکساتے رہے۔ مولانا اللہ وسایا کا اپنا اعتقاد بھی یہی ہے تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۵۔ غلبۂ اسلام کے بعد یہ گروہ مقابلہ کی طاقت نہ پا کر ایک محدود عرصہ کے لئے خاموش رہا مگر جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں کا غم آج تک موجود ہے اسی طرح اس گروہ کے سینہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مار رہا تھا۔

۶۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت نے اسلام سے ان کے عناد کو ختم کر دیا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے ان کا دل صاف نہیں ہوا پھر معلوم نہیں کہ اسلام سے ان کا دل کیسے صاف ہو گیا تھا؟

اس مضمون میں حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت معاویہ، حضرت عتاب بن اسید، حضرت خالد بن سعید وغیرہ رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابہ کو صلیبیوں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے انگریزوں کی صف میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔

سخت تعجب ہے کہ مذکورہ فرد جرم پڑھ کر ایک عام مسلمان کا خون کھول اٹھتا ہے مگر مولانا اللہ وسایا صاحب اسے کس طرح ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر گئے۔

موصوف نے جب ڈاکٹر صاحب کا مضمون ہی ''دقت نظر'' سے نہیں دیکھا تو ان کا ''رجوع نامہ'' کب دیکھا ہوگا اور اس ''رجوع'' کے بارے میں بھی انہیں مولانا احسان اللہ احسان (ڈیرہ اسماعیل خان) نے خط کے ذریعے آگاہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ یہ تھے:

''یزید کے خلاف شدت جذبات میں میرے قلم سے ایک ایسی عبارت نکل گئی جس سے حضرت ابوسفیانؓ، حضرت ہندؓ اور بنوامیہ کے بعض دیگر صحابیوں کی تنقیص کا مطلب نکالا جا سکتا تھا'' اس ''رجوع نامے'' کو اس وقت کے علماء نے مسترد کر دیا تھا۔ مولانا منظور احمد مظاہری قاضی شہر کانپور لکھتے ہیں کہ:

''اپنے وضاحتی بیان میں عبداللہ عباس ندوی صاحب نے ہرگز ہرگز اپنے فاسد خیالات سے رجوع نہیں کیا ہے بلکہ عام لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک علمی مسئلہ ہے۔ عوام اس کی نزاکت اور اس کے دوررس اثرات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے''

قارئین کرام! اموی صحابہ کرامؓ کی تکفیر سے متعلق صریح عبارات پڑھنے کے باوجود مولانا اللہ وسایا صاحب نے ''اعتذار'' میں ڈاکٹر صاحب کے بارے میں کس قدر نرم گوشہ اختیار کیا ہے۔ دوسری طرف لولاک کے اکتوبر ۲۰۱۳ء کے شمارے میں ہی مولانا عبدالشکور ترمذی کی کتاب ''محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ'' پر تبصرہ میں مولانا اللہ وسایا صاحب کا غیظ وغضب اور جلال ملاحظہ فرمائیں:

''رسوائے زمانہ محمود عباسی علیہ ما علیہ نے ایک کتاب لکھی جو تحقیق کے نام پر دجل، دجال اور تلبیس ابلیس کا نمونہ تھی۔ اس کتاب کا نام ''خلافت معاویہ ویزید'' تھا۔ اس کتاب کے ذریعے محمود عباسی نے پاکستان میں فتنہ یزیدیت کی بنیاد رکھی۔ پھر شیطانی ذریت بلکہ ذریت البغایا کی ایک فصل اُگ آئی۔ حوالے دینے میں یہ شخص خائن اور بددیانت ثابت ہوا۔ دجل میں شیطان کے کان کترنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس کی کتاب نے شر وفتن کا دروازہ کھولا کہ اہل حق تڑپ گئے اور اہل باطل کو سرور حاصل ہوا محمود عباسی کی کتاب حیا سوز تھی تو اس کا جواب ایمان افروز ہے۔ پڑھیئے اور آنے والی نسل کو

یزیدیت کے ملعون فتنہ سے بچایئے۔''(ماہنامہ لولاک۔اکتوبر۲۰۱۲ء،ص۵۲۔۵۳)

کیا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا مکروہ ترین اور بدبودار مضمون (جس میں اموی صحابہؓ کو کافر تک قرار دیا گیا ہے) محمود عباسی کے بارے میں استعمال کردہ الفاظ سے کچھ زیادہ کا مستحق نہ تھا۔آپ ''ضروری اعتذار'' پڑھیے اور سر دھنیئے کہ مجال ہے کہ ان ۲۸ سطروں میں ڈاکٹر صاحب کی مذمت میں کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی کیا گیا ہو یا جن صحابہؓ کی توہین وتکفیر کی گئی ہے ان کے نام لے کر ان کی منقبت بیان کی گئی ہو۔

کاش!مولانا اللہ وسایا صاحب ان صحابہ کرامؓ (جن کے ایمان پر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے حیاسوز حملے کئے تھے) کے اسمائے گرامی ذکر کرکے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم اسی انداز میں تردید کرتے جس ''جلال'' اور غیظ وغضب میں موصوف نے محمود احمد عباسی کے نظریات کی تردید کی ہے کیونکہ محمود عباسی کی نسبت ڈاکٹر صاحب کہیں بڑے مجرم تھے۔

مگر صد افسوس!مولانا اللہ وسایا صاحب اموی صحابہؓ کے بارے میں نہ صرف یہ کہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون کی کوئی تردید نہ کرسکے بلکہ ان کے بعض الزامات کو صحیح سمجھ کر نقل بھی کرتے رہے۔اس کی ایک تازہ مثال ماہنامہ لولاک دسمبر۲۰۱۵ء کے شمارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ایک مضمون ''فضائل مدینۃ النبیؐ'' کی اشاعت ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ ۱۰۵۲ھ میں فوت ہوئے تھے ان کے ایک غیر تحقیقی مضمون کو تقریباً چار سو سال بعد ۱۴۳۷ھ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ترجمان رسالہ ماہنامہ لولاک میں معلوم نہیں کہ کس ''قلبی روگ'' کی بناء پر شامل اشاعت کیا گیا؟اس مضمون میں واضح طور پر حضرت بُسر بن ارطاۃ،حضرت جابر،حضرت علی،حضرت جاریہ،حضرت ابو ہریرہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کی توہین وتنقیص کے علاوہ مؤخر الذکر کی بیعت کو ''بیعت ضلالت'' بھی قرار دیا گیا ہے۔اس کے علاوہ حضرت جابرؓ جیسے جلیل القدر صحابی پر ایک یہ الزام بھی عائد کیا گیا ہے کہ انہوں نے جان کے خوف سے ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ کے مشورہ پر چاروناچار ''بیعت ضلالت'' کرلی تھی۔اس کی تفصیل پیچھے زیر عنوان ''شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ'' گزر چکی ہے۔

ابھی حال ہی میں ۲۱ نومبر ۲۰۱۵ء کو حویلیاں کی ایک مسجد میں علماء کرام اور مفتیان عظام کی موجودگی میں مولانا اللہ وسایا صاحب ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے خلاف ایک موضوع اور من گھڑت روایت بیان کرگئے۔موصوف نے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے مضمون میں حضرت ابوسفیانؓ پر عائد کردہ ایک الزام کو صحیح سمجھ کر بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

''جب ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بن گئے تو ایک آدمی دوڑتا ہوا حضرت علیؓ کے پاس گیا اور کہا کہ ابو بکرؓ خلیفہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ مسکرائے اور آگے چل پڑے۔ پھر کہا کہ ابو بکرؓ خلیفہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ مسکرائے اور آگے چل پڑے۔ تیسری دفعہ پھر وہ آدمی حضرت علیؓ کے سامنے آیا پھر وہی سوال کیا تو حضرت علیؓ نے مسکرا کر جواب دیا کہ تم نے کیا بار بار رٹ لگا رکھی ہے کہ ابو بکرؓ خلیفہ ہو گئے جس کو آپؐ نے اپنی زندگی میں اپنا امام بنایا تھا اگر اس کو ہمارا امام مقرر کیا گیا تو کیا حرج ہے؟''

موصوف نے اس واقعہ کے بیان میں حضرت علیؓ کو اکسانے والے کا نام تو نہیں لیا مگر مقرر خود تو خوب جانتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے؟ جب مسجد میں علماء کی موجودگی ایک جھوٹا واقعہ اس قدر ''دھڑلے'' سے مزے لے لے کر بیان کر دیا تو پھر اس شخص کا نام مخفی رکھنے میں کیا حکمت محسوس کی؟

مقرر موصوف کو یہ تو علم ہے کہ ''وہ شخص'' تین مرتبہ حتیٰ کہ راستہ تبدیل کر کے بھی حضرت علیؓ کے سامنے آ کر انہیں مشتعل کرتا رہا کیا موصوف اس بات سے بے خبر تھے کہ وہ شخص کون تھا؟

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے دو مرتبہ تو حضرت علیؓ ''شخص مذکور'' کی بات سن کر مسکرا گئے پھر تیسری مرتبہ ''مسکرا'' کر فرمایا: ''تم نے کیا بار بار رٹ لگا رکھی ہے؟'' کیا ایسا جواب ''مسکرا'' کر ہی دیا جاتا ہے یا اپنی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے؟

اس واقعہ کے بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے اصل واقعہ میں اپنے الفاظ شامل کر کے بدترین تدلیس کا ارتکاب کیا ہے اس طرح وہ ''مدلسین'' کی صف میں بھی شامل ہو گئے ہیں۔(فبذلك فليفرحوا۔)

مولانا اللہ وسایا صاحب کے ممدوح ڈاکٹر عبداللہ عباس نے نام لے کر کہا کہ:

''حضرت ابو سفیان نے احتجاج کیا تھا کہ اب وہ دن آ گیا ہے کہ یہ (یعنی ابو بکرؓ) پسماندہ ہم اشراف پر فوقیت دیئے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خلاف حضرت علیؓ کو اکسانے کی کوشش بھی ان سے ثابت ہے'' (ماہنامہ لولاک اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۲۱)

چونکہ ڈاکٹر عبداللہ عباس کے نزدیک خلافتِ صدیقؓ کے خلاف حضرت ابو سفیانؓ کی کوشش ''ثابت'' تھی اس لئے مولانا اللہ وسایا صاحب نے بھی اپنے بیان میں حضرت ابو سفیانؓ کا نام لیے بغیر ان کوششوں کا ذکر کیا جنہیں حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر کہ ''یہ تم نے بار بار کیا رٹ لگا رکھی ہے'' ناکام بنا دیا۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب بحوالہ تاریخ طبری لکھتے ہیں کہ:

''اسی طرح حضرت ابو سفیانؓ کو بھی عصبیت ہی کی بناء پر ان (یعنی حضرت ابو بکرؓ) کی خلافت

ناگوار ہوئی تھی اور انہوں نے حضرت علیؓ سے جاکر کہا تھا کہ: "قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی کیسے خلیفہ بن گیا؟ تم اٹھنے کے لئے تیار ہو تو میں وادی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں"

مگر حضرت علیؓ نے یہ جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا کہ:

"تمہاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی پر دلالت کرتی ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم کوئی سوار اور پیادے لاؤ۔ مسلمان سب ایک دوسرے کے خیر خواہ اور آپس میں محبت کرنے والے ہوتے ہیں خواہ ان کے دیار اور اجسام ایک دوسرے سے کتنے ہی دور ہوں، البتہ منافقین ایک دوسرے کی کاٹ کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہم ابوبکرؓ کو اس منصب کا اہل سمجھتے ہیں اگر وہ اہل نہ ہوتے تو ہم لوگ کبھی اس منصب پر مامور نہ ہونے دیتے۔" (خلافت وملوکیت ص ۹۷)

مولانا اللہ وسایا صاحب نے خلافت صدیقؓ کے خلاف سازش کرنے والے اور حضرت علیؓ کو مشتعل کرنے والے جس شخص کا نام تقیۃً مخفی رکھنے کی کوشش کی تھی اسے ان کے ممدوح ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی تحریرات میں واضح اور ظاہر کر دیا۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ کے پاک گھر میں، منبر رسولؐ پر بیٹھ کر اپنے "خطاب" میں بیان کیا ہے اسے اس کے "اصل مأخذ" سے قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے تا کہ وہ یہ فیصلہ کرسکیں کہ مولانا اللہ وسایا صاحب کی طرح اسے صحیح اور ثابت سمجھنے والے حضرت علی، حضرت عباس اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہم کی کس قدر گستاخی اور توہین کے مرتکب ہوئے ہیں:

"قال ابوسفيان لعلي ما بال هذا الأمر في أقل حيّ من قريش والله لئن شئت لأملأنها عليه خيلا و رجالا فقال علي ياأبا سفيان طال ما عاديت الاسلام و أهله فلم تضره بذالك شيئا إنا و جدنا أبابكر لها أهلا ...... لما اجتمع الناس على بيعة ابى بكر أقبل أبوسفيان وهو يقول والله إني لأرى عجاجة لا يطفئها الادم يا آل عبدمناف فيما أبوبكر من أموركم أين المستضعفان، أين الأذلان علي والعباس و قال أبا حسن ابسط يدك حتى أبايعك فأبى علي عليه فجعل يتمثل بشعر الملتمس

ولن يقيم على خسف يراد به　　إلّا الأذلان عير الحي والوتد
هذا على الخسف معكوس برمته　　وذايشج فلا يبكي له أحد

فزجره علي وقال إنك والله ما أرادت بهذا الّا الفتنة و إنك والله طال ما بغيت

الاسلام شرّاء لا حاجة لنا فی نصیحتك......

لما بویع أبوبكر قال ابوسفیان لعلی والعباس أنتما الأذلان ثم أنشدیتمثل:

إن الهوان حمار الأهل يعرفه والحر ينكره والرسلة الأجد

ولا يقيم على ضيم يراد به إلا الأذلان عير الحي والوتد

هذا على الخسف معكوس برمته وذا يشج فلا يبكي له أحد

(تاریخ الامم والملوك ـ الجزء الثانی ص ٤٤٩ ـ طبع بیروت ـ لبنان ١٨٧٩ء)

ابوسفیانؓ نے علیؓ سے کہا کہ یہ کیا ہوا کہ حکومت قریش کے سب سے کم تعداد قبیلے میں چلی گئی۔ اللہ کی قسم اگر تم چاہو تو میں وادی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔ حضرت علیؓ نے کہا: اے ابوسفیان! تم ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے مگر تمہاری دشمنی سے اسلام کو، کوئی نقصان نہیں ہوا۔ ہم نے ابوبکرؓ کو خلافت کا اہل سمجھ کر ان کی بیعت کی ہے......

جب سب لوگ ابوبکرؓ کی بیعت کے لئے جمع ہوئے تو ابوسفیانؓ سب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یقین ہے کہ اس کارروائی سے ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا جس میں خون ریزی ہو کر رہے گی۔ اے آل عبد مناف! ابوبکرؓ کو تمہارے معاملات میں مداخلت کرنے کا کیا حق ہے؟ وہ دونوں ذلیل کہاں ہیں جن کو کمزور اور حقیر سمجھا گیا ہے یعنی علیؓ اور عباسؓ؟

اے ابوالحسنؓ! آپ ہاتھ بڑھائیں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں مگر علیؓ نے اس کی بات نہ مانی تو ابوسفیانؓ نے اس وقت کی مثال میں ملتمس کے یہ اشعار پڑھے: (ترجمہ)

سوائے ان دو ذلیلوں، قبیلے کے گدھوں اور خیمے کی میخ کے، اور کوئی دوسرا ظلم کو آسانی سے برداشت نہیں کرتا۔ میخ پر جب ضرب لگائی جاتی ہے تو اس کا سر دبتا چلا جاتا ہے اور گدھا اپنے بار کی وجہ سے کراہتا ہے مگر کوئی اس پر رحم نہیں کرتا۔

علیؓ نے ابوسفیانؓ کو ڈانٹا اور کہا: اس تجویز سے تیرا مقصد صرف فتنہ وفساد برپا کرنا ہے تو نے ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے ہمیں تیری اس نصیحت کی ضرورت نہیں ہے۔......

ابوبکرؓ کی بیعت کے بعد ابوسفیانؓ نے علیؓ اور عباسؓ سے کہا کہ: تم دونوں ذلیل ہو کہ اس موقع پر خاموش ہو اور پھر یہ شعر اس موقع کی مثال میں پڑھے۔ (ترجمہ)

صرف شہری گدھا ذلت کو برداشت کر لیتا ہے مگر شریف اور جواں مرد اسے برداشت نہیں کرتا۔ اور سوائے بستی کے گدھے اور میخ کے کوئی ظلم کو آسانی سے برداشت نہیں کرتا۔ میخ پر جب ضرب

پڑتی ہے تو اس کا سر دب جاتا ہے اور گدھا اپنے بار کی وجہ سے کراہتا ہے مگر کوئی اس پر رحم نہیں کرتا۔

قارئین کرام! یہ ہے امام طبری کی منقولہ اصل روایت جسے حضرت ابوسفیانؓ کی دشمنی میں شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب نے صحیح سمجھ کر مختصراً بیان کیا۔ معلوم نہیں کہ موصوف کس طبقے کی وکالت اور ترجمانی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں کیونکہ یہ مشن شیعوں، رافضیوں اور سبائیوں کے علاوہ کسی سنی کا تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔

جس داستان کی بنیاد پر سیدنا ابوسفیانؓ کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن قرار دیا گیا ہے وہ روایۃً اور درایۃً ہر اعتبار سے باطل ہے۔ جس کے ''اصل'' راوی محمد بن جریر طبری ہیں جن کا مختصر تعارف زیر نظر کتاب کے آغاز میں گزر چکا ہے جبکہ ان کے مفصل اور جامع تعارف کے لئے راقم الحروف کی تہلکہ خیز کتاب ''امام طبری ــ حیات وخدمات'' کی طرف مراجعت فرمائیں۔

''شاہین'' ختم نبوت مولانا اللہ وسایا کا بیان کردہ یہ واقعہ لغو، بے بنیاد اور یقیناً کسی سبائی کا گھڑا ہوا ہے۔ اسے صحیح تسلیم کرنے سے نہ صرف حضرت ابوسفیانؓ بلکہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی توہین بھی لازم آتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا حضرت علیؓ ایک عمر رسیدہ شخص سالار قریش اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر (جن کی شرعاً تعظیم وتکریم لازم ہے) کو ''اسلام دشمن اور منافق'' کہہ سکتے تھے؟ کیا وہؓ ایسے عظیم المرتبت شخص جن کے گھر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ''دار الامن'' قرار دیا تھا (من دخل دار ابی سفیان فهو امن) صحیح مسلم کتاب الجہاد۔ باب فتح مکہ) ان کی زجر وتوبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کر سکتے تھے؟

حضرت ابوسفیانؓ کی عزت وتکریم ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ کے والد بزرگوار، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر نامدار اور سب سے بڑھ کر ایک صحابی رسول کی حیثیت سے ہر مسلمان پر واجب ہے۔

حضرت ابوسفیانؓ نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات میں شرکت کی۔ غزوہ طائف میں تو ان کی ایک آنکھ اپنے مقام سے باہر آگئی۔ اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''آپ چاہیں تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، آپ کی آنکھ ٹھیک ہو جائے گی اور اگر آپ چاہیں تو بدلے میں جنت ملے گی۔ حضرت ابوسفیانؓ نے عرض کیا کہ: مجھے جنت چاہئے۔

''ان شئت دعوت فردت الیك و ان شئت فالجنة۔ قال: الجنة یعنی اختار الجنة'' (الاصابہ تحت صخر بن حرب جلد ۲ ص ۱۷۹)

پھر جنگ یرموک میں دوسری آنکھ بھی شہید ہوگئی اس کے بعد بھی جس شخص کی زبان سے حضرت ابوسفیانؓ کی توہین وتنقیص ہوتو اس پر اللہ کی پھٹکار ہو۔

اس موقع پر اگر ان کا کوئی ''جیالا'' یہ تاویل کرے کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے اپنے خطاب میں یہ واقعہ سنایا ہے انہوں نے ''ایک آدمی کہا'' ابوسفیانؓ کا نام تو نہیں لیا۔ ہم بھی ''نام'' کا اظہار نہیں کرتے اور بے نام لئے کہتے ہیں کہ جو بھی حضرت ابوسفیانؓ کی توہین وتنقیص کا مرتکب ہو۔ ع

اللہ کی ہو پھٹکار ان پر ہم سو بار کہتے ہیں

شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا نے اسی مقام پر اور اسی ''خطاب'' میں آگے چل کر یہ ''گوہرافشانی'' بھی فرمائی کہ:

''جہاں تک اہل سنت والجماعت کے عقیدے کا تعلق ہے کہ جس دن علی المرتضیٰؓ خلیفہ ہوئے اس وقت کل روئے زمین پر آپ کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ افضل واعلیٰ شان حضرت علیؓ کی۔ اس وقت تمام صحابہؓ تابعین پورا مدینہ طیبہ بھی ''معاویہ'' بن جاتا تو تب بھی علی المرتضیٰؓ کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا...... میں ان تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا......

میں یزید کو گالی نہیں دیتا، اس پر فتویٰ نہیں لگاتا لیکن اپنے ایمان کی بات ضرور کہتا ہوں کہ یزید زیادہ سے زیادہ تاریخ کا حصہ ہوگا، حسینؓ تو ایمان کا حصہ ہیں۔ آج میرے سامنے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اگر یزید کو برا کہیں گے تو حضرت معاویہؓ پر حرف آئے گا۔

بندگان خدا کیوں دھوکہ دیتے ہو۔ اگر نوحؑ کے بیٹے کے غلط ہونے پر حضرت نوحؑ کی نبوت پر اعتراض نہیں آسکتا، اگر ابولہب اور ابوجہل کے غلط ہونے سے حضورؐ کی نبوت پر اعتراض واقع نہیں ہوسکتا تو یزید کو غلط کہنے سے سیدنا معاویہؓ کی صحابیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیوں دھوکا دیتے ہو خلق خدا کو کہ انہوں (صحابہؓ) نے بیعت کی تھی۔

ذرا مجھ سے بھی پوچھ یزید کے والد کا نام بھی معاویہ ہے، یزید کے بیٹے کا نام بھی معاویہ ہے، یزید کے مرنے کے بعد یزید کا بیٹا جس کا نام معاویہ تھا اس نے صحابہ کرامؓ کی بھری مجلس میں کہا، مجلس کے اندر کہا کہ: ''مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ میرا باپ یزید جن گناہوں کی گٹھڑی اپنے سر پر اٹھا کر گیا ہے یہ اللہ کے حضور کیا جواب دے گا۔''

(یزید کے) بیٹے نے کہا: آج (یزید کے) پوتے پتہ نہیں کیا کہتے ہیں ''گدھے کہیں کے، نہ دین کے، نہ دنیا کے، خسر الدنیا والآخرۃ''......

(خطاب کے آخر میں فرمایا:) میری بات ختم ہوئی۔اب آپ مجھ سے سوال کریں کہ مولوی صاحب آپ کا موضوع تو ختم نبوت ہے۔آپ نے کیا بحث شروع کر دی؟ میں کہتا ہوں مرزا قادیانی نے بھی حسینؓ کو گالی دی تھی آج کوئی بدنصیب بھی حسینؓ کو گالی دے گا تو میں دونوں کے راستے میں رکاوٹ کھڑی کروں گا اس لئے کہ ہم حسینؓ کے ساتھ ہیں۔''

شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا کی یہ تقریر سن کر یقین نہیں آتا کہ موصوف نے یہ ''مجلس شریف'' کسی مسجد میں پڑھی ہوگی کیونکہ اس طرح کی مجلسیں تو ''امام باڑوں'' میں ہی پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔مگر حویلیاں وایبٹ آباد اور خود ''مجلس خواں'' کے ساتھ آئے ہوئے مرکزی مبلغ (جنہوں نے ان سے پہلے خطاب بھی کیا تھا) مولانا قاضی احسان احمد سمیت تمام شرکاء اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ ''مجلس شریف'' مسجد میں ہی پڑھی گئی۔معلوم نہیں کہ اس ''امام باڑوی'' مجلس میں ''مجلس خواں'' نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا باہمی تقابل کیوں کیا؟ حضرت علیؓ کا تو ذکر ہی کیا وہ تو بعد از ثلاثہؓ سب سے افضل ہیں بلکہ حضرت معاویہؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہزاروں صحابہ (سابقین اولین من المہاجرین والانصار) بھی حضرت معاویہؓ سے افضل ہیں۔مگر اس فرق کے باوجود وہ خود بھی قبل از فتح مکہ کے مسلمانوں میں شامل ہونے کی بناء پر اپنے بعد تمام اسلام قبول کرنے والوں سے یقیناً افضل ہیں۔اس ''تقابل'' کی ضرورت تو اس وقت پیش آ سکتی تھی جب کسی نے اس طرح کا کبھی کوئی دعویٰ کیا ہوتا۔

حضرت معاویہؓ خود حضرت علیؓ کی محض فضیلت ہی نہیں بلکہ ''افضلیت'' کے قائل تھے۔جب انہیں حضرت علیؓ کی شہادت کی اطلاع ملی تو خود شدید زخمی ہونے کے باوجود کلمہ استرجاع پڑھنے کے ساتھ ساتھ بے اختیار رونے لگے۔ان کی اہلیہ کہنے لگیں کل ان سے لڑتے رہے ہو اور ''الیوم تبکی علیہ'' آج ان پر روتے ہو تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا: ''ویحك انك لا تدرين ما فقدالناس من الفضل والفقه والعلم'' افسوس ہے تجھ پر تجھے کیا خبر کہ آج لوگوں نے کس قدر علم وفضل اور فقہ کو کھو دیا ہے؟ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۰)

جب اس قسم کا کوئی دعویٰ سرے سے موجود ہی نہیں تو پھر ''مجلس خواں'' نے یہ ہتک آمیز تقابل کیوں کیا کہ ''اس وقت تمام صحابہؓ، تابعین، پورا مدینہ طیبہ بھی ''معاویہؓ'' بن جاتا تو تب بھی علی المرتضیٰؓ کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا'' اس ''تقابل'' میں حضرت معاویہؓ کی صریح توہین پائی جاتی ہے۔کیا حضرت معاویہؓ کی توہین وتنقیص کئے بغیر حضرت علیؓ کی فضیلت نہیں بیان کی جا سکتی؟

شاہین ختم نبوت شدید غصے کے عالم میں فرماتے ہیں کہ:

''آج میرے سامنے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اگر یزید کو برا کہیں گے تو حضرت معاویہؓ پر حرف آئے گا، بندگان خدا کیوں دھوکہ دیتے ہو حضورؐ کی امت کو۔ اگر نوحؑ کے بیٹے کے غلط ہونے پر (نوحؑ کی) نبوت پر اعتراض نہیں آسکتا، اگر ابولہب اور ابوجہل کے غلط ہونے سے حضورؐ کی نبوت پر اعتراض واقع نہیں ہوسکتا تو یزید کو غلط کہنے سے سیدنا معاویہؓ کی صحابیت پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا ......''

''شدید غصے'' میں اسی طرح کے ''استدلال'' کی توقع ہوسکتی ہے۔ ''مجلس خواں'' نے ''کنعان، ابولہب اور ابوجہل'' کی جو مثالیں ''تحدی'' کے ساتھ بطور دلیل پیش کی ہیں انہیں سن کر ''شرکاء مجلس'' پر بھی (الا ماشاء اللہ) یقیناً وجد طاری ہوگیا ہوگا۔ فاسد اور باطل قیاس کی اس سے بڑھ کر ''شاید'' ہی کوئی مثال پیش کی جاسکے۔

سخت حیرت ہے کہ جو دلیل چودہ سو سال کے بعد موصوف کو سوجھی، یزید کے معاصر صحابہؓ و تابعینؒ سب کے سب ہی اس سے لاعلم رہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ زیادہ سے زیادہ ایک گناہ گار مومن (یعنی یزید) کو اللہ کے گھر میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر ''علماء'' کی موجودگی میں کنعان، ابولہب، ابوجہل (جن کا کفر نص قطعی سے ثابت ہے) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ہر دور میں مسلمانوں کا ''جمہور'' یزید کے ایمان کا قائل رہا ہے۔ اگر یزید بفرض محال کافر ہوتا تو پھر صحابہؓ و تابعین پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک ''کافر'' کو اقتدار سے الگ کیوں نہ کیا تھا؟ حالانکہ پاکستان جیسے ملک کے آئین میں بھی اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ کوئی غیر مسلم اور کافر ملک کا سربراہ نہیں بن سکتا۔

مولانا اللہ وسایا نے جمہور اہل سنت کے برعکس موقف اختیار کر کے یزید کو کفار کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جس سے حضرت معاویہؓ کی صحابیت کسی طور پر بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ حضرت نوحؑ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غیر مسلم اقارب کا مقابلہ کیا ہے انہیں امت پر ''مسلط'' نہیں فرمایا اور نہ ہی ابولہب و ابوجہل کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہے ہیں اس لئے ان کی نبوت پر اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔

کیا حضرت معاویہؓ کی برأت کے لئے قرآن مجید کا بیان کردہ یہ اصول ناکافی تھا کہ:

''لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ'' ہر شخص اپنے اعمال و افعال کا خود ذمہ دار ہے لہٰذا کسی کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جاسکتا۔

مگر صد افسوس کہ موصوف کھلے عام ایک بالکل خلاف حقیقت بات بیان کر کے نہ صرف

یزید کی ''تکفیر'' بلکہ حضرت معاویہؓ کی توہین وتنقیص کے بھی مرتکب ہو گئے۔

شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا کا غصہ ابھی بھی ٹھنڈا نہیں ہوا اور اپنا ''بیان'' جاری رکھتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

کیوں دھوکا دیتے ہو خلق خدا کو کہ انہوں (صحابہؓ) نے بیعت کی تھی۔

ذرا مجھ سے بھی پوچھ یزید کے والد کا نام بھی معاویہ ہے، یزید کے بیٹے کا نام بھی معاویہ ہے، یزید کے مرنے کے بعد یزید کا بیٹا جس کا نام معاویہ تھا اس نے صحابہ کرامؓ کی بھری مجلس میں کہا، مجلس کے اندر کہا کہ: ''مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ میرا باپ یزید جن گناہوں کی گٹھڑی اپنے سر پر اٹھا کر گیا ہے یہ اللہ کے حضور کیا جواب دے گا۔''

(یزید کے) بیٹے نے کہا: آج (یزید کے) پوتے پتہ نہیں کیا کہتے ہیں ''گدھے کہیں کے، نہ دین کے، نہ دنیا کے، خسر الدنیا والآخرۃ''......

موصوف کو سبائیوں کے ساتھ اتحاد اور اٹھک بیٹھک کا بہت فائدہ ہوا کہ ان کی ٹکسال میں تیار کردہ ''روایات وحکایات'' ان کے ہاتھ لگ گئیں اور اللہ کے گھر میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر جھوٹے واقعات بیان کرنے سے اس عمر میں بھی ذرہ برابر نہ شرمائے۔ کاش کہ موصوف پورا واقعہ مع سند بیان کر دیتے یا اس کتاب کا کچھ ''اتہ پتہ'' ہی بتا دیتے کہ انہیں یہ ''الہام'' کہاں سے ہوا؟

یزید کا بیٹا معاویہ، یہ کہہ رہا ہے کہ ''وہ گناہوں کی گٹھڑی سر پر اٹھا کر گیا ہے، آج پوتے پتہ نہیں کیا کہتے ہیں گدھے کہیں کے، نہ دین کے، نہ دنیا کے''

جس طرح ''شاہین ختم نبوت'' نے بزعم خود حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے خلاف سازش کرنے والے اور امت میں نفاق وتفرقہ ڈالنے والے (حضرت ابوسفیانؓ) کا نام جاننے کے باوجود نہیں لیا اور تحریف وتدلیس کے ساتھ واقعہ بیان کر دیا اسی طرح انہوں نے یہاں بھی وہی گل کھلایا کہ ۶۴ھ کے ایک واقعہ کو خود اپنی ''سند'' سے آگے چلا دیا۔

اگر وہ حضرت ابوسفیانؓ کا نام لیتے یا امام طبری کا حوالہ دے دیتے تو سامعین الٹا اثر لے سکتے تھے اس لئے انہوں نے نام کو مخفی رکھا اسی طرح انہوں نے اپنی تقریر کے آخر میں بھی ادھورا واقعہ نقل کر کے اسے صحیح نہ تسلیم کرنے والوں پر یہ ''طنزیہ پھبتی'' بھی کس دی کہ ''گدھے کہیں کے۔ نہ دین کے نہ دنیا کے، خسر الدنیا والآخرۃ''

آیئے دیکھتے ہیں کہ مذکورہ ''طنزیہ پھبتی'' کا اصل حقدار کون ہے؟

معاویہ بن یزید خطبہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"و انّ جدّی معاویہ نازع الأمر أهله، و من هو أحق به منه: علی بن أبی طالب و رکب بکم ما تعلمون حتیٰ أتته منیته فصار فی قبره رهینا بذنوبه ثم قلد أبی الأمر و کان غیر أهل له و نازع ابن بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم فقصف عمره و انبتر عقبه و صار فی قبره رهینا بذنوبه۔ ثم بکیٰ وقال: إن من أعظم الامور علینا علمنا بسوء مصرعه و بئس منقلبه و قد قتل عترة رسول الله صلی الله علیه وسلم و أباح الحرم و خرب الکعبة"

"(معاویہ بن یزید نے کہا:) میرے دادا معاویہؓ نے اس خلافت میں ان سے جھگڑا کیا جو اس خلافت کے اہل تھے اور ان سے زیادہ اس کے حق دار تھے اور وہ علیؓ بن ابی طالب ہیں اور آپ سب کو علم ہے کہ معاویہؓ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہاں تک کہ اسے موت آگئی اور وہ گناہوں کی گٹھڑی لئے اپنی قبر میں پہنچ گیا۔ پھر میرے باپ (یزید) نے خلافت کا معاملہ سنبھالا اور وہ بھی اس کا اہل نہیں تھا اس نے نواسۂ رسولؐ (حسینؓ) سے جھگڑا کیا اور اپنی زندگی گنوادی پھر اپنے گناہوں کا بوجھ لئے اپنی قبر میں پہنچ گیا۔ پھر وہ (معاویہ بن یزید) رونے لگے اور کہا: ہمارے لئے یہ بہت بڑی مصیبت ہے کہ ہمارا علم میں اس کا برا انجام اور بری عاقبت ہے اس نے نواسۂ رسولؐ کو قتل کیا، حرام کو حلال کیا اور کعبہ میں تخریب کاری کی۔"

قارئین کرام! یہ ہے وہ اصل اور پورا واقعہ جسے شاہین ختم نبوت نے اللہ کے پاک گھر میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر مخالفین کو یہ دہائی دیتے ہوئے کہ "بندگان خدا کیوں دھوکا دیتے ہو حضورؐ کی امت کو......، کیوں دھوکا دیتے ہو خلق خدا کو" انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ یہ باور کرا دیا کہ یزید کے خلاف اپنا ہی بیٹا گواہ بن کر میدان میں آگیا۔ معلوم نہیں کہ اس "امام باڑوی" مجلس میں یہ "مجلس خواں" جب اپنی زبان سے بار بار یہ لفظ نکال رہا تھا کہ "کیوں دھوکا دیتے ہو حضورؐ کی امت کو، کیوں دھوکا دیتے ہو خلق خدا کو" تو اسے خود اللہ کا خوف کیوں محسوس نہیں ہوا؟

اگر مذکورہ واقعہ پورا نقل کیا جاتا تو اس کے جھوٹ کا پول تو وہیں کھل جاتا کہ اس میں تو پہلے حضرت معاویہؓ کو مجرم دکھایا گیا ہے۔ اس واقعہ کی ساخت خود بتا رہی ہے کہ یہ کسی سبائی کا گھڑا ہوا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے ماہنامہ لولاک میں صحابہ کرامؓ کی شدید ترین توہین پر مبنی ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے بدبودار مضمون سے متعلق جو "ضروری اعتذار" شائع کیا تھا اس میں نفس مضمون کے حوالے سے کوئی تردید نہیں کی گئی بلکہ اس میں بھی موصوف نے تمام تر اپنی کارگزاری بیان کر کے علماء کرام اور قارئین کی آنکھوں میں دھول جھونکی ہے۔

دراصل یہ ''ضروری اعتذار'' بھی تقیہ اور نفاق کے پردوں میں لپٹا ہوا تھا کیونکہ بعد میں موصوف نے اپنی تقریر و تحریر میں جو رویہ حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے لئے روا رکھا وہ کسی طور پر بھی قابل اطمینان نہیں ہے۔اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

موصوف نے اس ''اعتذار'' میں ایک طرف تو یہ کہا کہ میں نے ڈاکٹر ندوی کا مضمون پڑھے بغیر لگا دیا تھا جبکہ دوسری طرف یہ فرما رہے ہیں کہ میں نے اسے سرسری اور سطحی نظر سے دیکھا اور بعض مقامات قلم زد بھی کئے۔اس حذف و اضافہ کی کارروائی سے صاف طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ موصوف نے اس مضمون کو بالاستیعاب مطالعہ کے بعد ہی اسے شامل اشاعت کیا ہے۔علاوہ ازیں انہوں نے ''اعتذار'' میں جن ''اعذار'' کا ذکر کیا ہے تو ان کے متعلق ایک مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ان کی پرکاہ کے برابر بھی کوئی دینی، علمی اور شرعی حیثیت نہیں ہے۔بلکہ اس سے الٹا ان کا اپنا ''تساہل و تغافل'' ثابت ہوتا ہے۔مزید یہ کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے ایک مضمون کو ''ہائی لائٹ'' کرنے کے لئے یہ چٹکی سرخی یا عنوان قائم کیا ہے جو اصل مضمون میں نہیں پایا جاتا:

''درحقیقت مصنف کو جو الجھن پیش آئی ہے اس کے دو اسباب ہیں'' ملاحظہ ہو ماہنامہ لولاک ص۲۱،اکتوبر۲۰۱۲ء۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ مضمون کے جس حصے پر مذکورہ عنوان قائم کیا گیا ہے اور جہاں سے دو سطریں حذف کی گئی ہیں اسی صفحہ میں وہ توہین آمیز مواد موجود ہے۔اس کا صاف مطلب تو یہ ہے کہ موصوف کو حضرت ہند، حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ اور دیگر اموی صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین کے ساتھ ''اتفاق'' تھا۔کیونکہ دو سال بعد بھی موصوف حضرت ابوسفیانؓ کے خلاف (صرف نام حذف کر کے) اللہ کے گھر میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر شرکائے ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وہی واقعہ بیان کر رہے ہیں جسے دو سال پہلے ماہنامہ لولاک کے اوراق کی زینت بنایا تھا۔

مذکورہ تفصیل سے شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب کے ''ضروری اعتذار'' کے تحت اس ''معصومانہ عذر'' کہ:

فقیر کے لئے یہ تمام معلومات نئی تھیں اپنی لاعلمی پر بہت ہی ترس آیا'' (ماہنامہ لولاک ص اندرون ٹائٹل نومبر۲۰۱۲ء) کی حقیقت بھی واضح ہو گئی ہے۔

اموی صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی توہین کے بعد اس بحث کے آخر میں مولانا اللہ وسایا صاحب کے ایک دوسرے ''خطاب'' کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا اظہار ایک انتہائی گھٹیا مثال کے ذریعے کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

مولانا محمد رضوان عزیز ۱۲اپریل ۲۰۱۴ء کو جامعہ مدنیہ جدید لاہور میں منعقدہ ''عظیم الشان، فقید المثال ختم نبوت کانفرنس'' کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''انسانوں کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جذبات کا بحر نا پیدا کنار ایک خاص لگن اور شوق سے آج مورخہ ۱۲اپریل کو جامعہ مدنیہ جدید میں جمع تھا اور جامع کی وسیع وعریض زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ دامنی کا گلہ کر رہی تھی ......

دوسری نشست کی صدارت جامعہ مدنیہ کے مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمود میاں نے فرمائی اور سرپرستی امیر مرکزیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی نے فرمائی۔ مہمان خصوصی میں وہ عظیم ہستیاں تھیں جو جانِ محفل ہوا کرتی ہے۔ حضرت پیر ومرشد مفتی محمد حسن، پیر طریقت مولانا سعید الحسن دہلوی، ڈاکٹر محمد اویس، مولانا محب النبی اور حضرت مولانا نعیم الدین ......مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری___ مولانا قاضی احسان احمد، مولانا محمد یوسف خان، مولانا محمد رضوان عزیز، مولانا عبدالحق خان بشیر، مولانا عبدالرؤف فاروقی، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا عبدالشکور حقانی، سید محبوب شاہ گیلانی، مفتی محمد شاہد مسعود، مولانا عبدالشکور نقشبندی، مولانا سید عبدالمجید ندیم شاہ، مولانا اللہ وسایا، مولانا امجد خان، سید ضیاء اللہ شاہ بخاری، مفتی کفایت اللہ اور دیگر حضرات نے خطاب فرمائے۔ سب کے بیانات پُر مغز دل نشین تھے......

مولانا اللہ وسایا کے وجد آفرین خطاب نے تو مجمع پر رقت طاری کر دی۔ مولانا اللہ وسایا عمر کے جس حصے میں ہیں وہاں قانون فطرت اپنے جوبن دکھا رہا ہے۔ طبعی عوارض یہ اجازت نہ دیتے تھے کہ عہد گذشتہ کو آواز دے کر وہی حالت شباب کا ساز بجایا جاتا مگر آقا کی محبت جو رگ وریشے میں رچی بسی ہے اس نے وہ سب کہلوایا جو وقت کا تقاضا تھا، راہروانِ عشق ومستی کے لئے نشانِ منزل تھا۔ مولانا نے کیا خوب فرمایا:

''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا''

ایک عہد تھا جو بیت گیا، ایک لمحہ تھا جو گزر گیا، کہنے والے حالِ دل کہہ کے رخصت ہوئے، سننے والے دردِ دل لے کر روانہ، آقا کی ختم نبوت کا ترانہ گونجا اور صبح قیامت تک اس کی بازگشت سنائی دیتی رہے گی'' (ماہنامہ لولاک جون ۲۰۱۴ء ص ۵۰۔۵۱)

مولانا محمد رضوان عزیز نے مولانا اللہ وسایا کے وجد آفرین خطاب کو ''راہروانِ عشق ومستی''

کے لئے ''نشانِ منزل'' قرار دیا ہے اور اس کی خوب ''تحسین'' کرتے ہوئے اس تقریر کا مرکزی نقطہ ہی یہ مصرعہ قرار دیا کہ:

''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا''

اس مرکزی نقطہ کا خاصہ ہی یہی ہے کہ جس ''مجمع'' میں بھی یہ ''گایا'' یا سنایا جائے تو اس مجمع پر ''رقت'' طاری ہو جایا کرتی ہے مگر اس کانفرنس کی روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات پر یہ ''رقت'' ہی طاری نہیں ہوئی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے ''حواس'' بھی معطل ہو گئے۔ ۱۲ اپریل ۲۰۱۴ء کو کانفرنس کا انعقاد ہوا اور جون کے شمارے میں یہ روداد شائع ہوئی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے قائدین، ادارۂ لالاک اور شرکائے کانفرنس کو اس طویل دورانیے میں یہ احساس تک نہ ہوا کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے ایک انتہائی گھٹیا ''مصرعہ'' کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کیا۔ کانفرنس کی ''روداد'' کے مرتب مولانا محمد رضوان عزیز نے بجا طور پر اس مصرعہ یعنی ''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا'' کو ''رہروانِ عشق و مستی'' کے لئے نشانِ منزل قرار دیا۔ البتہ اسے گانے کے لئے موقع و محل اور جگہ و مقام کا انتخاب صحیح نہیں ہوا۔ کیونکہ اس مصرعہ کے شایانِ شان پروگرام کے لئے کوئی ''نائٹ کلب'' یا ''سینما ہال'' ہی مناسب رہتا ہے۔ تعجب بالائے تعجب یہ کہ جو گھٹیا مصرعہ ایک محدود حلقے اور چند ہزار کے مجمع میں ''گایا'' گیا اسے ادارہ لولاک نے اپنے ماہنامے میں شائع کر کے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ پھر انٹرنیٹ پر ''اپ لوڈ'' کرنا اس پر مستزاد ہے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر ''عشق و مستی'' والوں کے لئے اور کوئی نشانِ منزل نہیں ہو سکتا۔

اس ''مصرعہ'' کا تاریخی پس منظر بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''عشق'' کی تعریف نذرِ قارئین کر دی جائے۔

''عشق'' عربی زبان کا لفظ ہے مگر قرآن اور حدیث کے وسیع ذخیرے میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا اس لئے اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس گھٹیا لفظ کا استعمال جائز نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اسے اللہ تعالیٰ یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں استعمال کرنے کو ''بدعت و ضلالت'' قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: مجموع الفتاویٰ جلد ۵ ص ۴۲۔

موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"وهو من الامراض التی تفسد دین صاحبها، و عرضه ثم قد تفسد عقله ثم جسمه"(مجموع الفتاویٰ جلد ۱۰ ص ۱۳۱)

یہ ان امراض میں سے ہے جو آدمی کے دین اور اس کی عزت کو خراب کر دیتے ہیں بلکہ کبھی

اس کی عقل اور جسم کو بھی خراب کر دیتے ہیں۔

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ:

"ولا یحفظ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لفظ العشق فی حدیث صحیح البتہ" (زاد المعاد جلد۴ ص ۲۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظ "عشق" کسی صحیح حدیث میں قطعاً محفوظ نہیں۔

قاضی محمد سلمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ:

غزلیات وادبیات کے شیدا لفظ عشق کا استعمال اکثر کیا کرتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث پاک کے ماہرین سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ ہر دو کلام پاک میں لفظ عشق کا استعمال نہیں ہوا ہے۔ قاموس میں ہے:

"الجنون فنون، والعشق من فنّہ یستجلبہ المرء علی نفسہ باستحسان بعض الصور والشمائل" یعنی جنون کے بہت سے اقسام میں عشق بھی جنون کی ایک قسم ہے۔ اس مرض کو انسان اپنے نفس پر بعض صورتوں یا خصلتوں کے اچھا سمجھ لینے سے خود وارد کرلیا کرتا ہے۔ (سیرت رحمۃ للعالمین جلد دوم ص ۲۳۶۔ باب ہفتم "حب النبیؐ")

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لفظ "عشق" کا استعمال درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ایسی خصلت ہے جو جنون کی قسم میں سے ہے۔ کفار نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ

"انک لمجنون" (الحجرات آیت ۶) یقیناً تو تو کوئی دیوانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"ما بصاحبهم من جنة" (الاعراف آیت ۱۸۴)

ان کے ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں۔

"ما بصاحبكم من جنة" (سبا۔ آیت ۴۶)

تمہارے اس رفیق کو، کوئی جنون نہیں۔

"ما انت بنعمة ربك بمجنون" (القلم آیت ۲)

آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہیں۔

"وما صاحبكم بمجنون" (التکویر آیت ۲۲)

اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے۔

''عشق'' شہوت اور ہوس کے گرد دیوانہ وار گھومنے والا ایک بازاری لفظ ہے غالبؔ نے اسے دماغ کا خلل قرار دیا تھا۔ یہ لفظ ایرانی شاعری سے اردو میں آیا، یہ ایک مرض ہے جو ہوا و ہوس کے جلو میں پروان چڑھتا ہے یہ صرف نفسانی تسکین کا طلبگار رہتا ہے۔ آج بھی کوئی شخص اپنی ماں، بہن اور بیٹی کے لئے عشق اور عاشق کا لفظ ایک لمحے کے لئے بھی گوارا نہیں کرتا بلکہ سنتے ہی اس کے رگ و پے میں غیرت کی بجلیاں کوندنے لگ جاتی ہیں۔

معلوم نہیں کہ یہ گھٹیا اور بازاری لفظ شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا جیسے اہل علم نے ''عشق و مستی'' میں ڈوب کر مشائخ طریقت، شیوخ حدیث اور علماء حق کی موجودگی میں ختم نبوت کانفرنس کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کیوں استعمال کیا؟ موصوف اگر اس موقع پر صرف ''عشق'' کا لفظ ہی استعمال کرتے تو پھر بھی اس کے گھٹیا اور بازاری ہونے میں کوئی شک نہیں تھا مگر انہوں نے جو مصرعہ سنایا گیا (''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا'') وہ تو اکثر نائٹ کلبوں اور سینما ہالوں میں گلوکاراؤں کی زبانی گایا جاتا رہا ہے۔ سخت حیرت ہے کہ موصوف نے اس سے ''محبت رسولؐ'' کیوں کر مراد لے لی؟ کیا ہمارے اکابر یہ ''مصرعہ'' سنا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار فرماتے تھے یا ان کے ارشادات کی اتباع کر کے؟

''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا''

دراصل یہ ایک ''کافی'' تھی جو بلھے شاہ نے اپنے پیر شاہ عنایت کو ''منانے'' کے لئے ایک ''مغنیہ'' (یعنی گانے والی) کا روپ دھار کر ایک خاص مجمع میں گائی تھی۔

بلھے شاہ (۱۰۸۱ھ۔۱۱۷۱ھ) حسنی، حسینی اور قادری سید تھے جبکہ ان کے پیر شاہ عنایت ارائیں خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جس کی وجہ سے اہل خاندان اس رابطہ کو اپنے خاندانی وقار کے خلاف سمجھتے تھے جیسا کہ موصوف خود اس کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ:

بلھے　نوں　سمجھاون　آئیاں　بھیناں　تے　بھرجائیاں
آل　نبی،　اولاد　علی　دی　توں　کیوں　لیکاں　لائیاں

بلھے شاہ کے مرشد شاہ عنایت کا مقام ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت بلھے شاہ کو ایک دفعہ حب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا بے تاب کیا کہ ان کا جی چاہا یک دم مدینہ منورہ جا کر روضہ اقدسؐ سے جا لپٹوں۔ آخر مرشد کامل شاہ عنایت کی خدمت میں اپنا مدعا بیان کیا۔ آپ نے پوچھا کیوں جاتے ہو؟ بلھے شاہ نے جواب دیا کہ نبیؐ کا فرمان ہے ''جس نے میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے مجھے زندہ دیکھا'' مرشد نے فرمایا: تین دن کے بعد

جواب دیں گے۔

بلھے شاہ مرشد کی خدمت میں ٹھہر گئے۔ تیسرے روز خواب میں سرورِ دو عالمؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا: اپنے مرشد کو لاؤ۔ آپ فوراً بلا لائے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شاہ عنایت کو اپنے دائیں پہلو میں بٹھالیا۔

بلھے شاہ نے نظر اٹھائی تو مرشد کو بھی حضرت رسول اکرمؐ کا ہم شکل پایا اور بالکل تمیز نہ کر سکے کہ ان میں سے مرشد کون ہے؟ اور آنحضرت کون ہیں؟ اسی حیرت میں آنکھ کھل گئی، گھبرائے ہوئے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ نماز تہجد ادا کر کے مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک لمحہ کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا: اب تمہارا مقصد حل ہوگیا؟ حضرت بلھے شاہ نیاز مندانہ مرشد کے قدموں میں گر پڑے۔ حضرت مرشد سے عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

بلھا شوہ دی ذات نہ کائی　　میں شوہ عنایت پایا ہے

یعنی اے بلھا! اللہ کی کوئی ذات نہیں ہے۔ اپنے پیر عنایت شاہ میں اللہ کا جلوہ نظر آتا ہے۔

عنایت دم دم نال چتا ریا　　سانوں آمل یار پیا ریا

ہر سانس کے ساتھ ہم نے پیر عنایت کا نام لیا۔ اے محبوب میرے پاس آجا۔

بلھے نوں لوگ متیں دیندے　　بلھیا توں جا بوہ مسیتی
وچ مسیتاں کیہہ کچھ ہندا　　جے دلوں نماز نہ نیتی
باہروں پاک کیتے کیہہ ہندا　　جے اندروں نہ گئی پلیتی
بن مرشد کامل بلھیا　　تیری اینویں گئی عبادت کیتی

یعنی بلھے کو لوگ نصیحت کرتے ہیں کہ اے بلھیا تو مسجد میں ڈیرا لگا دے لیکن مسجد میں بیٹھنے سے کیا حاصل ہوگا۔ اگر خلوص سے نماز ادا نہ کی گئی تو بیرونی جسم پاک کرنے سے کیا ملے گا اگر دل سے گندگی دور نہ کی جائے۔

مینوں عشق ہلارے دیندا　　منہ چڑھیا یار بلیندا
کتے شیعہ اے کتے سنی اے　　کتے جٹا دھاری کتے منی اے
میری سب سے فارغ کنی اے　　جو کہاں سویا منیندا

یعنی میں عشق کے جھولے میں جھول رہا ہوں میری زبان پر جو نام جاری ہے وہ مجھے بلا رہا ہے۔ کہیں شیعہ ہے کہیں سنی ہے کہیں لمبے بالوں والا سادھو ہے کہیں کس کا سر منڈا ہوا ہے لیکن

میری ہنڈیا ان سے الگ ہے جو اللہ سے طلب کرتا ہوں وہ مجھے دے دیتا ہے۔

یہی نہیں کہ بلھے شاہ نے یہاں ''اہل سنت'' سے برأت کا اعلان کیا ہے بلکہ ان کی نظر میں ہندو، مسلمان میں بھی کوئی فرق نہیں تھا۔

۲۰۰۴ء میں قصور میں بلھے شاہ کا تین روزہ سالانہ عرس شروع ہوا جس میں شرکت کے لئے بھارت سے ۹۵ رکنی وفد بھی آیا ہے جس میں تمام شعبہ ہائے زندگی کے لوگ شامل تھے۔ کیونکہ بلھے شاہ کی نظر میں ہندو، مسلمان میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اگلی کہانی ''سر راہے'' کے کالم نگار کی زبانی پڑھیں:

کتے رام داس کتے فتح محمد ایہو قدیمی شور　　مٹ گیا دوہاں دا جھگڑا نکل پیا کچھ ہور
میری بکل دے وچ چور نی میری بکل دے وچ چور

یعنی مسلمان اور ہندو میں صرف نام کا جھگڑا ہے ورنہ خدا نہ مسلمان ہے نہ ہندو۔ صرف ان لوگوں نے اسے مختلف نام دے رکھے ہیں۔

بلھے شاہ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

نہ میں مومن وچ مسیتاں　　نہ میں وچ کفر دیاں ریتاں
نہ میں پاکاں وچ پلیتاں　　نہ میں موسیٰ نہ فرعون
بلھیا کیہ جاناں میں کون؟

یعنی موسیٰ میں بھی اللہ موجود ہے اور فرعون میں بھی اللہ ہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بھارتیوں کا وفد پاکستان آرہا ہے تاکہ وہ ہمیں بتا سکے کہ مذہب کے نام پر الگ وطن بنانا ہماری غلطی تھی ورنہ ہندو اور مسلمان اصل میں ایک ہی ہیں۔ اسے کہتے ہیں۔

نیا جالا لائے پرانے شکاری

(روزنامہ نوائے وقت۔ ''سر راہے'' ۱۲۸ اگست ۲۰۰۴ء)

بلھے شاہ اور ان کے مرشد کے مذکورہ تعارف کے بعد:

''تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا'' کا پس منظر ملاحظہ فرمائیں:

ایک دفعہ بلھے شاہ اپنے استاذ حافظ غلام مرتضیٰ کی بیٹی کی شادی کے موقع پر استاذ کی طرف سے مہمانوں کی دیکھ بھال کی خدمت پر مصروف تھے۔ حسنِ اتفاق ان کے مرشد شاہ عنایت لاہوری کے حقیقی بھتیجے اور داماد مولوی ظہور محمد صاحب خاص طور پر ملنے آئے۔ بلھے شاہ کو مہمان خصوصی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے ایک درویش کو ہدایت کی کہ ان کی خاطر مدارات میں کوئی

کسر نہ اٹھا رکھی جائے اور فرمایا کہ مہمانوں سے فارغ ہو کر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اتفاق سے بلھے شاہ تمام رات شادی کے کام سے فرصت نہ پا سکے۔ ادھر مولوی ظہور محمد صاحب اپنی جگہ ہمہ تن منتظر رہے مگر بلھے شاہ نہ آئے تو وہ مایوس ہو گئے۔

صبح ہوئی تو مولوی ظہور محمد صاحب بلا اطلاع لاہور واپس چلے گئے اور اپنے خسر سے بلھے شاہ کی بے اعتنائی کی شکایت کی۔ حضرت شاہ عنایت نے بھی اپنے مرید کی غیر متوقع بے رخی کو سخت ناپسند کیا اور جلالت میں آ کر بلھے شاہ کو اپنے روحانی فیض سے محروم کر دیا۔

بلھے شاہ بڑی دقتوں کے بعد اپنے مرشد شاہ عنایت کے شطاری سلسلہ کے بزرگ شیخ محمد غواث گوالیاری کے مقبرہ پر حاضر ہوئے جو قلعہ گوالیار میں واقع ہے۔ اور قریب ہی ہند کے نامور راگی تان سین کا مرقد بھی ہے۔ خواب میں آپ کو شیخ محمد غوث گوالیاری کی زیارت ہوئی جنہوں نے آپ کو عرفان کی دولت بخشی اور تان سین کی قبر پر بیری کے ڈھائی پتے کھانے کی ہدایت فرمائی۔ صبح آپ نے حسب فرمان تان سین کی قبر پر درخت سے پتے کھائے جس سے آپ میں موسیقی کا کمال پیدا ہو گیا اور آپ کی طبیعت کو سکون حاصل ہوا۔ گوالیار سے آپ قصور آئے اور ایک دن ٹھہر کر لاہور چلے گئے، وہاں ان قوالوں سے ملے جو حضرت شاہ عنایت کی محفل میں عارفانہ کلام گایا کرتے تھے۔ آپ نے انہیں بتایا کہ آپ مغنیہ کے بھیس میں اپنے پیر کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

قوالوں نے حضرت شاہ عنایت کے فرضی ہندوستانی مغنیہ کے فن موسیقی کی بہت تعریف کی اور پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت شاہ عنایت بولے ہم اس مغنیہ کو خوب جانتے ہیں اور جمعہ کے دن سماع کی اجازت دے دی۔ بلھے شاہ بہت خوش ہوئے۔ جمعہ کے روز آپ نے مغنیہ کا بھیس بدلا اور قوالوں کے ساتھ مرشد کی محفل میں جا پہنچے۔

مرشد کے فراق میں آپ نڈھال ہو چکے تھے۔ قدم بوسی کی تمنا نے بے کل کر دیا تھا۔ جن مصائب کے ساتھ روٹھے پیر کو منانے کے لئے ہندوستان کا سفر کیا تھا اس سے آتش شوق اور بھی بھڑک اٹھی تھی۔

اس پر موسیقی کے فیض نے کلام میں سوز و درد کوٹ کوٹ کر بھر دیا اور بول کو جادو اثر بنا دیا تھا۔ پھر مرشد کو جلد از جلد منانے کا خیال بھی دل میں چٹکیاں لے رہا تھا لہٰذا آپ نے ایسے درد بھرے لہجہ میں گانا شروع کیا کہ ساری محفل تحسین و آفرین کی صداؤں سے گونج اٹھی۔ خود سازندوں نے بھی دل کی اس قدر گہرائیوں سے نکلے ہوئے بول کبھی نہیں سنے تھے۔

آپ نے محفل کا یہ رنگ دیکھا تو آپ اصل مقصد کی طرف آئے اور اپنی مشہور کافی گانا شروع کر دی:

تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا　　جھب وے بوہڑیں آ طبیبا
عشق ڈیرہ میرے اندر کیتا　　بھر کے زہر پیالہ پیتا
وچ انتظاری تیری رہیّا　　تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا
جھب وے بوہڑیں آ طبیبا　　نہیں تاں میں مر گیاں
تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا　　تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا
بلھا، شاہ عنایت آئے میرے بوہے　　شکر کیتا اج اوہ میرے ہوئے
میں بھل گیاں تیرے نال نہ گیا　　تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا

یعنی تیرے عشق میں مجھے ناچنا پڑا۔اے مرشد جلد آ۔میرے اندر عشق نے ڈیرہ جمایا ہے اور یہ زہر کا پیالہ میں نے خود پیا ہے۔یہ بڑی کٹھن منزل ہے۔مجھے تیرا انتظار ہے۔بلھے شاہ، مرشد میرے دروازے پر آ گیا ہے میں نے شکر کیا کہ مجھے ان کا وصال نصیب ہوا۔

جب آپ کافیاں گا چکے تو حضرت شاہ عنایت نے مغنّیہ سے پوچھا: تو بلھا ہے۔آپ نے کہا: میں ''بلھا'' نہیں ''بھلا'' ہوں یعنی بھولا، بھٹکا ہوا ہوں۔

پیر نے آپ کو گلے سے لگا لیا۔معرفت کا چھینا ہوا خزانہ واپس کر دیا اور کہا کہ اب یہ تمہاری مستقل دولت ہے۔اسے کوئی نہیں چھینے گا۔(بلھے شاہ مؤلفہ محمد شریف گلزار ص ۳۷ تا ۴۲۔ملخصاً۔مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔اشاعت دوم ۱۹۷۸ء)

بلھے شاہ کی یہ کافی اور موسیقی اس قدر مشہور ہوئی کہ اس کے بعد ''معشوقاؤں'' نے روٹھے ''عاشقوں'' کو اس کافی اور موسیقی کے ساتھ خوب ناچ ناچ کر منانا شروع کر دیا۔پھر اس ''کافی'' کو گلوکارائیں فلموں، نائٹ کلبوں اور سینما ہالوں میں گاتی رہیں جن میں سے چند مشہور نام یہ ہیں:

عابدہ پروین، شاہدہ منی، عذرا جہاں، نصرت فتح علی خان، جاوید بشیر۔ملاحظہ ہو:

qausain.wordpress.com / www.theosufi.com/
www.punjabi-kavita

علاوہ ازیں پنجابی فوک سنگر ''جسبیر جسی'' نے بھی یہ کافی گائی اور پاپ راک بینڈ ''جال'' نے ۲۰۱۱ء میں ''کوک سٹوڈیو'' میں اس کافی کو گایا۔مزید برآں ۲۰۱۰ء میں ''تیرے عشق نچایا'' کے عنوان پر باقاعدہ ایک فلم بھی معرض وجود میں آ گئی۔مذکورہ لوگوں کے علاوہ مولانا اللہ وسایا صاحب واحد دینی شخصیت ہیں جنہیں ایک مذہبی راہنما ہونے کی حیثیت سے عظیم الشان اور

فقیدالمثال ختم نبوت کانفرنس میں ایک مغنیہ کے روپ اور لباس میں حضرت بُھلے شاہ کی ناچ کے دوران گائی ہوئی کافی کا مرکزی مصرعہ سنانے کی سعادت حاصل ہوئی۔مولانا رضوان عزیز نے تو ''کافی'' کا یہ مصرعہ پڑھنے یا سنانے پر انہیں خوب دادِ تحسین دی مگر اس طرح کے''عشق'' کے اظہار سے عزت وشہرت کے بجائے''نقصان'' ہی اٹھانا پڑتا ہے۔

مجھ سا جہاں میں کوئی نادان بھی نہ ہو کر کے عشق جو کہتا ہے نقصان بھی نہ ہو

''تیرے عشق نچایا'' کا مفہوم تو واضح ہے جبکہ اردو ڈکشنری میں''تھئی تھئی'' (تھ۔ئی، تھ۔ئی) کا معنی ہے: تال، سم، تالی، آواز جو گویّے نکالتے ہیں، گانا، ناچنا، ناچنے گانے کی آواز۔ تھاپ کی آواز۔ملاحظہ ہو:فیروز اللغات اردو ص ۳۹۹۔

قارئین کرام! کہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا ایمانی اور پاکیزہ جذبہ اور کہاں ایک گھٹیا، بازاری اور سفلی جذبات کی عکاسی کرنے والی گلوکاراؤں اور گلوکاروں کی فلموں میں گائی ہوئی یہ کافی؟

اگر تمثیل میں محض''عشق'' کالفظ بھی آجاتا تو پھر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت جائز نہیں تھی مگر''تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا'' کی نسبت کو تو کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اس''کافی'' کی کسی تاویل سے تائید کی جاسکتی ہے۔

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے الفاظ کے چناؤ میں احتیاط ملحوظ نہیں رکھنی چاہئے۔ یہاں قائل کی''نیت ومراد'' کا سہارا بھی نہیں لیا جاسکتا یہاں صرف''عرف'' کا ہی اعتبار ہوگا۔ مولانا شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں کہ:''یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے''(تقویۃ الایمان ص ۸۰۔مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

مولانا رشید احمد گنگوہی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''یہ الفاظ قبیحہ بولنے والا اگر چہ معانی حقیقیہ مراد نہیں رکھتا معنی مجازی مقصود لیتا ہے مگر تاہم ایہام گستاخی واہانت واذیت ذات پاک حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں، یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ''راعنا'' بولنے سے صحابہؓ کو منع فرمایا اور''انظرنا'' کا لفظ عرض کرنا ارشاد کیا حالانکہ مقصود صحابہ معاذاللہ ہرگز وہ معنی کہ یہود لیتے تھے، نہ تھے مگر ذریعہ شوخی یہود کا اور موہم اذیت و گستاخی جناب رسالت کا تھا لہٰذا حکم ہوا:''لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا......''

اور علیٰ ہذا حضرات صحابہ کا پکار کر بولنا مجلس شریف میں آنحضرتؐ میں ہرگز بوجہ اذیت و گستاخی معاذاللہ نہ تھا بلکہ حسب عادت وطبع تھا مگر چونکہ اذیت و بے اعتنائی شان والا کا اس میں ایہام تھا کہ یہ حکم ہوا:

"یا یھا الذین امنوا لا ترفعوا أصواتکم فوق صوت النبی و لا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض أن تحبط أعمالکم و أنتم لا تشعرون"

کیا صاف حکم ہے کہ اگرچہ تمارا قصد گستاخی نہیں مگر اس فعل سے "حبط اعمال" تمارے ہوجاویں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی۔" (تالیفات رشیدیہ ص ۶۸۷ تحت "لطائف رشیدیہ)

اس توضیح کے بعد مولانا رضوان عزیز کی یہ "روداد" پڑھیں کہ:

مولانا اللہ وسایا کے وجد آفرین خطاب نے تو مجمع پر رقت طاری کردی۔مولانا اللہ وسایا عمر کے جس حصے میں ہیں وہاں قانونِ فطرت اپنے جوبن دکھا رہا ہے۔طبعی عوارض یہ اجازت نہ دیتے تھے کہ عہد گذشتہ کو آواز دے کر وہی حالت شباب کا ساز بجایا جاتا مگر آقا کی محبت جو رگ و ریشے میں رچی بسی ہے اس نے وہ سب کہلوایا جو وقت کا تقاضا تھا،راہروانِ عشق و مستی کے لئے نشانِ منزل تھا۔مولانا نے کیا خوب فرمایا:

""تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا" (ماہنامہ لولاک جون ۲۰۱۴ء ص ۵۱)

"تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا" کی "کافی" دراصل "دھا دھم کہ تھیا" اور "تھا تھک تھیا" کے قافیے اور لَے میں "نائٹ کلبوں،سینما ہالوں اور تھیٹروں" میں زیادہ تر مدہوشی کی حالت میں ناچتے ہوئے ہی گائی جاتی ہے۔

صد افسوس! عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے روح رواں مولانا اللہ وسایا اور مولانا رضوان عزیز جس گھٹیا،بازاری اور انتہائی رکیک و خسیس مصرعہ کو بقائمی ہوش و حواس "حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا مترادف قرار دے رہے ہیں اس سے تو "اہانت نبی" ہی کا پہلو اجاگر ہو رہا ہے اور یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ جو اگر "لاشعوری" طور پر بھی سرزد ہو جائے تو اس پر "حبط اعمال" کا ضابطہ لاگو ہو جاتا ہے۔

راقم الحروف کو کامل یقین ہے کہ جذبہ "حب النبی" سے سرشار کوئی،عالم،کوئی مفتی حتیٰ کہ کوئی مسلمان مولانا اللہ وسایا کے ایک فقید المثال تحفظ ختم نبوت کانفرنس میں کہے گئے اس "مصرعہ" کی تائید و حمایت نہیں کر سکتا۔

(کیوں دھوکہ دیتے ہو؟ جذبہ "حب النبی" سے سرشار ایک مولوی،ایک مفتی،ایک مسلمان پیش نہیں کیا جا سکتا جو یہ کہے کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے روح رواں مولانا اللہ وسایا صاحب نے بلھے شاہ کی کافی کا یہ مصرعہ "تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں صحیح پڑھا تھا۔راقم الحروف نے غلط کہدیا،قارئین سے معافی کا خواستگار ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ایک شریف آدمی بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جو مولانا اللہ وسایا صاحب کی تائید کرے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی محبت میں صحیح "مصرعہ" پڑھا تھا۔)

یہ ملحوظ رہے کہ بین القوسین عبارت میں اختیار کردہ "اسلوب" اور لہجہ خود مولانا اللہ وسایا صاحب کے حویلیاں کے ایک "اہم خطاب" سے ہی مستعار لیا گیا ہے۔

چلئے چھوڑیئے گذشتہ ساری بحث کو۔ آپ "مراقبہ" کی حالت میں "تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا" کا مصرعہ بارگاہ رسالتؐ میں پیش کرنے کا تصور کر لیں۔ سارا معاملہ واضح ہو جائے گا۔

"مراقبہ" کو بھی رہنے دیں آپ کا یہ "اعتقاد" تو ہے ہی کہ جس محفل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو یا صلوٰۃ وسلام ہو تو فرشتے وہاں کی رپورٹ روضۂ مقدسہ میں پیش کرتے ہیں جب "بنام" یہ رپورٹ پیش ہوئی ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا محسوس فرمایا ہوگا؟ اس کا تصور بھی رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی ہے۔

مگر صد افسوس! مولانا اللہ وسایا صاحب، شرکائے محفل اور جن لوگوں نے "لولاک" میں یہ عشقیہ رپورٹ پڑھی معلوم نہیں ان کے ضمیر نے ابھی تک انہیں کوئی "کچوکا" کیوں نہیں لگایا؟ اس بحث کے آخر میں اس شاعر کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے جس نے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

ہے شان تیری اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ
جو لفظ بھی تیری شان کے شایاں نظر آیا

# اختتامیہ

زیرِنظر کتاب میں اختصار کے پیش نظر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے صرف سنی 'ناقدین' کے افکارو نظریات پیش کیے گئے ہیں جن میں یقیناً بعض "معاندین" بھی ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کا اصل تعلق ہی اہل تشیع کے ساتھ ہو اور انہوں نے تقیۃً اہل سنت کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو، لیکن دیگر اکابرین اہل سنت کے بارے میں اس طرح کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت، مشاجرات صحابہؓ کے شرعی حکم اور صحابہؓ کے اعلیٰ وارفع مقام سے آگاہ ہیں بلکہ اس کے مبلغ اور پرچارک بھی رہے ہیں۔

اس کے ساتھ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اکابر کے "ریمارکس" پڑھ کر کوئی بھی انصاف پسند سنی قاری ان کے ساتھ نہ تو اتفاق کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کی کوئی صحیح تاویل یا توجیہ۔

اسی طرح یہاں "توہین وتنقیص" پر مبنی کلمات کے بارے میں قائلین کی "نیت ومراد" کا سہارا بھی نہیں لیا جا سکتا کیونکہ اوّلاً تو اکابر کے وفات پا جانے کے بعد ان کی "نیت ومراد" معلوم کرنے کا کوئی طریقہ موجود نہیں ہے اور ثانیاً یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ "قائلین اور ناقلین وکاتبین" کی "مراد ونیت" خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر "سامعین اور ناظرین وقارئین" اسے "بے ادبی" پر ہی محمول کریں گے۔ کیونکہ سب وشتم اور نقص وعیب کے کلمات میں قائل کی "نیت ومراد" کے بجائے "عرف" کا اعتبار ہوتا ہے اور ظاہری کلمات کو دیکھا جاتا ہے جب کہ فقہاء کرام کے نزدیک بلا جبر واکراہ اور قصداً وعمداً "صریح الدلالت" الفاظ میں نیت ومراد اور تاویل وتوجیہ قابل قبول اور نا قابل اعتبار ہے۔

شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں کہ:

"اور یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے ....." (تقویۃ الایمان ص۸۰۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "راعنا" کا لفظ استعمال کرنے سے منع کر دیا۔ حالانکہ یہ لفظ اپنی جگہ ٹھیک تھا اور اس میں معنوی طور پر کوئی خرابی نہیں تھی اور مسلمانوں کی نیت بھی صحیح تھی لیکن یہودیوں اور منافقوں نے اس لفظ کو گستاخی کا ذریعہ بنا لیا تھا۔

کیا اکابر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسب ذیل صریح الدلالت کلمات توہین وتنقیص پر مبنی نہیں ہیں؟

"ہماری مجلسوں کو ابوسفیان کے بیٹے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ذکر سے گندہ نہ کرو۔ معاویہ، ابوسفیان اور حکم ملعون ہیں اے اللہ ان پر لعنت کر (العیاذ باللہ۔)، معاویہؓ "لَا یَنَالُ عَھْدِ الظّٰلِمِیْنَ" کی رو سے امامت، خلافت اور امارت کا مستحق نہیں، وہ ایک متغلب حکمران تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ و دیگر صحابہ ان سے دوستی ومحبت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان پر لعنت وتبرا کرتے تھے۔ ابوسفیان اور ان کا گروہ ائمۃ الکفر میں شامل تھا،

یہ اکابر اعلانیہ اور برسر منبر حضرت معاویہؓ کی مذمت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی محبت ہمارے دل میں نہیں آرہی، معاویہؓ سلطان جائر تھے، معاویہؓ فاسد تاویل کرتے تھے، اول جس نے اسلام میں بغاوت کی وہ معاویہؓ ہے اور اہانت کا لفظ معاویہ سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ "عــوی" سے مشتق ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے، معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے مابین اختلافات "اجتہادی" نہیں تھے اور وہ "خطائے منکر" کے مرتکب تھے۔

معاویہؓ باغی، طاغی، حضرت علیؓ کے نافرمان اور حکم عدول تھے انہوں نے متفق خلافت کی طلب وخواہش ترک نہیں کی، ظاہری ہی نہیں بلکہ باطنی اور حقیقی بغاوت اختیار کی، قصاص عثمانؓ کا لبادہ ریاکارانہ طور پر اوڑھا اور انہوں نے قرآن وحدیث دونوں کے احکام ترک کر دیے۔

انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہؓ کو مذکورہ امور کا مرتکب سمجھا جائے۔

معاویہؓ نے احکامات رسالت مآبؐ کی نفی کی۔ وہ باغی اور باطل پر تھے۔ ان کا مطالبہ قصاص عثمانؓ اور جنگ صفین وغیرہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے۔ معاویہؓ کو دینی تمکین حاصل نہ تھی۔ کوئی سنی انہیں خلیفہ راشد نہیں سمجھتا۔

خلفائے اربعہ اور ان کے طور وانداز میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ ہم امیر معاویہؓ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے کہ ہم ان کی طرف سے معذرت پیش (یعنی دفاع) کریں۔

ابن عم رسول خلیفہ راشد علی المرتضیٰ اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا؟ "چراغ مردہ کجا، شمع آفتاب کجا۔"

قرآنی نص کے ذریعے حضرت علیؓ کی پیروی حضرت معاویہؓ پر لازم ہے لیکن انہوں نے پیروی کے بجائے مخالفت کی، اطاعت کے بجائے قتال کیا۔ اس صورت میں ان کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے؟

معاویہؓ باعتبار رتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ناخن کے برابر بھی نہیں تھے، وہ خطا کے مرتکب

ہوئے۔یہ ''اجتہادی''وغیرہ تو سابقے لاحقے ہیں، تاویل نہ کرو، مانو خطا ہوئی ہے۔خطا کی تاویل کرنا تو کمزور راستہ ہے۔وغیرہم ــــــ یہ ملحوظ رہے کہ ''معاندین معاویہؓ'' کے ''ریمارکس'' ان کے علاوہ ہیں جو کتاب میں اپنے اپنے مقام پر ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

اکابر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ''تنقیصی کلمات'' خود ان کی بار بار شائع ہونے والی کتب سے ماخوذ ہیں جن میں سے بعض درس نظامی کے نصاب میں بھی شامل ہیں۔راقم الحروف نے ''اکابر'' کو سیدنا معاویہؓ کے ''ناقدین'' کی قطار میں ہرگز کھڑا نہیں کیا بلکہ ان کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بغیر کسی قطع وبرید اور توڑ موڑ کے پوری احتیاط سے ان کے کلمات نقل کیے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اکابر کے مذکورہ کلمات درست تسلیم کرنے سے کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت داغ دار اور مجروح نہیں ہوتی؟ کیا مذکورہ صریح الدلالت کلمات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین اور تنقیص پر مبنی نہیں ہیں؟

اگر بفرض محال مذکورہ کلمات سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین نہیں ہوتی تو کیا خود اکابر کی مدح وتوصیف میں مذکورہ کلمات ان کے پیروکار برداشت کرلیں گے؟ (جب کہ یہ جملہ اکابر مل کر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاک پا کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے)

اگر وہ ان کلمات کو اپنے اکابر کے حق میں برداشت نہیں کرسکتے اور انہیں اکابر کی گستاخی اور توہین پر محمول کرتے ہیں تو پھر ان کلمات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کیوں نہیں سمجھا جاتا؟

کیا مذکورہ کلمات کے استعمال سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایذا نہیں پہنچے گی؟ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا ہی نہیں ہے؟ (ومن اذاهم فقد اذانی)

اکابر کے زیر بحث ''کلمات'' سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف سبائی پروپیگنڈے سے متاثر ہوگئے ہیں اور یہ خیال کچھ بعید بھی نہیں ہے۔کتب اسماء الرجال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خارجیوں اور سبائیوں کے گمراہ کن نظریات نے ہر دور میں بعض صحیح العقیدہ علماء دین کو بھی کلی یا جزوی طور پر متاثر کیا۔مفسرین، محدثین، متکلمین اور فقہاء میں سے بعض ائمہ فن ایسے بھی ملتے ہیں جو تمام تر علم وفضل کے باوجود سبائی، خارجی اور ناصبی تھے یا پھر ان کے نظریات سے جزوی طور پر متاثر۔ان کے حالات ایک مستقل کتاب کے متقاضی ہیں۔امام ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں جابجا ان کے علم وفضل کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان کی خاص ''علت'' کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔انہوں نے جہاں بعض حضرات کو

"الامام ، الحافظ ، الحجة ، الاعلام ، الفقيه ، القدوة ، العابد ، المحدث ، الامام الجوّال ، العارف ، الصدوق ، الحافظ الكبير ، من أوعية العلم ، إمام المحدثين ، الحافظ الثبت ، الحبر العالم " کے **القابات** سے یاد کیا ہے تو وہیں ساتھ ہی ساتھ

"كان عثمانيا ، فيه خارجية ، فيه تشيع قليل ، كان يتشيع ، كان شيعامحترقا، غال في التشيع ، تقمواعليه التشيع ، كان شديد التعصب للشيعة في الباطن وكان يظهر التسنن في التقديم والخلافة وكان منحرفا عن معاوية وآل منتظاهراً بذلك ولايعتذر منه" **وغیرہ الفاظ** کے ذریعے **ان کے چہروں پر سے ردائے تقیہ بھی اتاری** ہے۔

**اس ایک "اشارے" سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اکابر اپنے مخصوص ماحول سے کلی یا جزوی طور پر متاثر ہوتے رہے ہیں۔اس لیے صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن، حدیث اور کتب عقائد اہل سنت میں بیان کردہ شرعی مقام ومرتبہ کے مقابلے میں اکابر کے صحابہ کرامؓ کے کردار کو مجروح کرنے والے اقوال کو بلا ادنیٰ توقف رد کردیا جائے گا۔**

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ:

''کیا کوئی معمولی قسم کا متقی اور پرہیز گار آدمی ان جگرپاش اتہامات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرے گا؟ اگر نہیں ____ اور یقیناً نہیں ____ تو کیا صحابہ کرامؓ ہم نالائقوں سے بھی گئے گزرے ہوئے؟ کہ ایک دو نہیں بلکہ مثالب وقبائح اور اخلاقی گراوٹ کی ایک طویل فہرست ان کے نام جڑ دی جائے، پھر بے لاگ تحقیق کے نام سے اسے اچھالا جائے اور روکنے اور ٹوکنے کے باوجود اس پر اصرار کیا جائے۔

کیا صحابہ کرامؓ کی عزت وحرمت یہی ہے؟ کیا اسی کا نام "ذکر بالخیر" ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز صحابہؓ اسی احترام کے مستحق ہیں؟ کیا ایمانی غیرت کا یہی تقاضا ہے؟ کیا مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھول جانا چاہیے:

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان کے جواب میں یہی کہو"تم میں سے (یعنی صحابہ کرامؓ اور ان کے ناقدین میں سے) جو برا ہو اس پر اللہ کی لعنت"(ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بعد کی امت کے لیے حق وباطل کا معیار ہیں۔انہیں معیت نبوی کا جو شرف حاصل ہوا، اس کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی فضیلت ایک جو کے برابر بھی نہیں۔کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب کو ان کی خاک پا بننے کا شرف حاصل ہو جائے تو اس کے لیے مایۂ صد افتخار ہے۔

اس لیے امت کے کسی فرد کا خواہ وہ اپنی جگہ مفکر دوران اور علامہ زمان ہی کہلاتا ہو ان پر تنقید کرنا قلبی زیغ کی علامت ہے۔'' (عصمت انبیاء وحرمت صحابہؓ ص ۲۷۔مطبوعہ مدرسہ اظہار العلوم چکوال)

دراصل اکابر کی پیروی اور اکابر پرستی میں فرق نہ کرنا سب سے بڑی گمراہی اور بے راہ روی ہے۔ جب انسان حقیقتِ ایمان واسلام اور اطاعتِ الٰہی سے بے پرواہو کر ادھر ادھر کی ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے اور خواہش نفس وشیطان کا اسیر ہو جاتا ہے تو اس کے نزدیک سب سے بڑا سہارا ''مکتب فکر'' کی عصبیت میں پناہ لینا اور اپنے پیروں اور بزرگوں کی ''کبریائی'' اور ''تقدیس'' کا اظہار کرنا اور اپنے اعمال ناشائستہ کو شائستہ ثابت کرنے کے لیے ''شرعی جواز'' کی صورتیں پیدا کرنا ہوتا ہے۔

ایسے شخص کے سامنے جب کبھی قرآن وحدیث کے واضح احکام اور مسلمہ حقائق پیش کیے جاتے ہیں تو وہ اس کے جواب میں بھی اپنے ''حضرت اقدس'' کا بلا دلیل قول پیش کر کے قرآن وحدیث اور عقل وفہم سے یہ کہہ کر صاف صاف بغاوت اختیار کر لیتا ہے کہ ہمارے ''حضرت اقدس'' تم سے زیادہ شریعت سے واقف اور تم سے زیادہ قرآن وحدیث کے عالم ہیں۔

درحقیقت یہی جاہلی عصبیت ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک شخص اکابر کے غلط افکار کے تعصب میں ایسا گرفتار ہو جائے کہ نہ ان پر کوئی تنقید برداشت کرنے کو تیار ہو اور نہ ان کے غلط افکار کی جگہ صحیح افکار قبول کرنے پر ہی آمادہ ہو۔

اکابر کے ساتھ خوش عقیدگی اور حسن ظن کی حدود سے تجاوز اندھی تقلید کو جنم دیتا ہے۔ اندھی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ اکابر کے ساتھ اتنا حسن ظن ہو جائے کہ ان کو بجائے خود سند تسلیم کر لیا جائے اور ان کے کسی قول وفعل کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی جائے۔ اگر جان بوجھ کر اور قصداً اس نے یہ روش اختیار کر رکھی ہے تو یہ ''غلو عقیدت'' کے ساتھ ساتھ ''کتمان حق'' بھی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک امر کو جانتے ہوئے اور اس کے اظہار کی ضرورت محسوس ہوتے ہوئے بھی کسی طمع یا خوف کے سبب سے اس کے اظہار سے گریز کیا جائے۔

حق کی شہادت دینا اس امت کا حقیقی فرض منصبی ہے اور جو لوگ علم رکھتے ہوئے اس کو چھپاتے ہیں ان کے بارے میں حدیث میں یہ ''وعید'' آئی ہے کہ: ''من سئل عن علم علمه ثم كتمه الجم يوم القيامة بلجام من نار'' (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴۔کتاب العلم)

جس سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی گئی جس کو وہ جانتا ہے پھر اس نے وہ بات چھپائی تو اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

صحابہ کرامؓ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں پر عہد لیا ہے ان میں ایک نہایت اہم بات یہ بھی ہے کہ:

"وعلی أن نقول بالحق أینما کنّا لانخاف فی اللّٰہ لومۃ لائم"

(مشکوۃ المصابیح ص۳۱۹۔ کتاب الامارۃ والقضاء)

ہم ہر حال میں حق کہیں گے جہاں کہیں بھی ہوں۔اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہیں کریں گے۔

یہ حدیث تو منبر سے لے کر دار تک اور مدارس ومساجد سے لے کر بادشاہوں کے درباروں تک ہر جگہ حق کے اعلان کا مطالبہ کر رہی ہے لیکن یہاں اکابر پرستی کا نتیجہ یہ ہے کہ صحابہؓ کی کردار کشی کے باوجود "عقیدت مند" محض اس اندیشہ سے حق کا اظہار نہیں کرتے کہ کہیں "حضرت اقدس" کی روح ناراض نہ ہو جائے۔انہوں نے "اظہار حق" کے بجائے "حق پوشی" ہی کو دین بنا لیا ہے اور مطعون وہ نہیں کیے جاتے جو حق کو چھپاتے ہیں بلکہ وہ لوگ کیے جاتے ہیں جو اظہار حق کی جرأت کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا اکابر کی ناراضی یا ان کی بے ادبی کے خدشے کے پیش نظر اظہار حق سے خاموشی اختیار کی جاسکتی ہے؟

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جو "ادب" ضرورت کے وقت بھی اظہار حق کا روادار نہ ہو اس کو "ادب" سمجھنا ہی بڑا ظلم ہے۔

مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ نے اپنے قیام ڈابھیل کے زمانے میں فرمایا کہ:

"اس زمانہ میں کلمۂ حق کہنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ہم نے صرف ایک کلمۂ حق کہا تھا تو اس کی وجہ سے آج آٹھ سو میل دور پھینک دیے گئے۔" (انوار الباری شرح صحیح بخاری جلد۶ ص ۲۱۶)

موصوف کے داماد اور مرتب انوار الباری مولانا سید احمد رضا بجنوری نے جب "تفردات اکابر" پر "تعقبات، وانتقادات" کے نشتر چلائے تو اس حق گوئی وصاف گوئی پر بہت سے ہم عصر اکابر واصاغر "سیخ پا" اور "چیں بجبیں" ہوئے۔اس پر موصوف نے جواباً فرمایا کہ:

"واضح ہو کہ تفردات اکابر پر انتقاد وتعصب یا ان کی نشاندہی پورے ادب واحترام کے ساتھ مولانا بنوری مرحوم کی تالیفات میں بھی ملے گی اور راقم الحروف بھی اس کا عادی ہے جس کو کچھ لوگ تشدد کا نام دھرتے ہیں یا اپنے کسی تعلق یا عقیدت کے تحت اس کو برا یا قابل شکایت سمجھنے کا مزاج بنا رہا تو خدانخواستہ وہ وقت دور نہیں ہوگا کہ حق وباطل کا امتیاز اٹھ جائے گا اور صرف وہ اہل قلم قابل

پذیرائی رہیں گے جو "مصلحت بین وکار آسان کن" پر عمل پیرا ہوں گے۔" (حوالہ مذکور جلد ۲ ص ۲۵۷)

یہ اصول بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ اکابر "مطاع مطلق" اور معصوم عن الخطا نہیں ہیں کہ ہر بات میں ان کی اطاعت کی جائے اور دلائل کے ساتھ بھی ان کی رائے سے اختلاف کی گنجائش نہ ہو۔ صرف اللہ تعالیٰ اور نبی کی ذات ہی مستقل طور پر "مطاع" ہے۔ ان کے علاوہ ہر ایک کی اطاعت "معروف" کی قید کے ساتھ مقید ہے۔:

"لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق، لاطاعة في معصية إنما الطاعة في المعروف" (مشکوٰۃ ص ۳۲۱، ۳۱۹)

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں بھی "معروف" کی قید لگائی ہے "ولا يعصينك في معروف" حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو "معروف" ہی ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو پھر بھی معصوم عن الخطاء ہیں۔ ان کے بعد سب سے برگزیدہ اور مقدس طبقہ صحابہ کرامؓ کا ہے؛ ان کی پیروی سے متعلق بھی اصول فقہ میں یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ صحیح افعال واقوال میں ان کی پیروی کی جائے نہ کہ خطاؤں میں تو پھر اکابر وعلماء ومشائخ کی غیر مشروط اور بلاقید اطاعت کیونکر کی جاسکتی ہے؟

بالخصوص ان کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں توہین وتنقیص پر مبنی کلمات کے سلسلہ میں علامہ ابن حجر ہیثمی مکی فرماتے ہیں کہ:

"ولأ جل ذلك قال أئمتنا لايجوز لأحد أن يتبع زلّات العلماء أي إن بعض العلماء قد يؤدي اجتهاده إلى أمر بعيد جدا من الأدلة والقواعد فيعد ذلك كالزلة و يمنع غيره من تقليده فيها" (تطہیر الجنان واللسان ص ۴۹)

اسی وجہ سے ہمارے ائمہ نے کہا ہے کہ:

کسی شخص کے لیے علماء کی لغزشوں کا اتباع جائز نہیں۔ یعنی بعض علماء سے کبھی اجتہادی غلطی ہوجاتی ہے اس غلطی میں ان کی تقلید نہ چاہیے۔ (تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان از مولانا عبدالشکور لکھنوی ص ۱۲۱)

جب کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اکابر کی منقولہ تنقیصی عبارات "خطائے اجتہادی" کے زمرے میں نہیں آتیں۔ جب "خطائے اجتہادی" میں اکابر کی تقلید واتباع جائز نہیں ہے تو پھر بھلا "خطائے منکر وخطائے عنادی" میں ان کی اتباع کیونکر جائز ہوسکتی ہے؟

سنن دارمی کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے زیاد بن حُدَیر سے کہا کہ:

"هل تعرف مايهدم الإسلام قال قلتُ لا قال يهدمه زلّة العالم وجدال المنافق بالكتاب وحكم الأئمة المضلّين" (مشکوۃ کتاب العلم)

کیا جانتے ہو کہ اسلام کو کیا چیز گرا دیتی ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا: اسلام کو عالم کی لغزش، منافق کا قرآن میں جھگڑنا اور گمراہ سرداروں کی حکومت تباہ کر دے گی۔

لیکن برا ہو تعصب اور اکابر پرستی کا کہ یہاں جو پورے ادب واحترام کے ساتھ اکابر کی کسی رائے کے ساتھ اختلاف یا عدم اتفاق کا اظہار کر دے تو اسے "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" کی رو سے گستاخ اکابر اور گردن زدنی قرار دے دیا جاتا ہے۔

جو شخص کسی بزرگ کے ذاتی معاملات کو ہدف تنقید بنائے یا ان کی اخلاقی اور بشری کمزوریوں کی بناء پر ان کے کردار پر کیچڑ اچھالے تو یہ شخص بلاشبہ قابل مذمت ہے لیکن دینی واعتقادی غلطیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان پر، پردہ ڈالنا اور انہیں نظر انداز کرنا انتہائی مذموم ہے اور امت کو گمراہی کے راستے پر ڈالنا ہے۔ کیونکہ یہ اکابر اپنے اپنے حلقۂ اثر میں "مقتداء" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ایسے طبقہ کی اعتقادی خطاؤں کو طشت ازبام کر کے ان کی اصلاح کرنا اور صحابہ کرامؓ کا دفاع کرنا اہم فریضہ ہے۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے ایک رسالہ "ردِ روافض" کی وجہ تالیف کے تحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش فرمائی ہے:

"جب بدعتیں اور فتنے نمودار ہونے لگیں اور میرے اصحاب کو برا بھلا کہا جانے لگے تو اہل علم پر واجب ہے کہ وہ اپنے صحیح علم کو پیش کریں اور جو عالم ایسا نہ کرے گا اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام بندوں کی لعنت پڑے گی اور اللہ تعالیٰ اس کا کوئی نیک عمل، طاعت وصدقہ قبول نہ فرمائے گا۔"

(تائید اہل سنت اردو ترجمہ ردِّروافض از مولانا محبوب احمد ص ۴۲)

یہ حدیث ملا علی قاریؒ نے "مرقاۃ" میں اور علامہ ابن حجر ہیتمیؒ نے "الصواعق المحرقۃ" میں بھی نقل فرمائی ہے۔ اس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے کہ علماء وصلحائے امت اپنی پوری ایمانی وعملی قوت کے ساتھ حضرات صحابہ کرامؓ کی شرعی عظمتوں کا تحفظ کریں اور بلا خوف لومۃ لائم ہر محاذ پر ان فتنوں کا مقابلہ کریں۔

اکابر کی "تنقیصی عبارات" کو "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" (یعنی بزرگوں کی غلطی کو پکڑنا بھی خود ایک خطا ہے) کے تحت طشت ازبام نہ کرنا یا دانستہ سکوت اختیار کر لینا بالکل غلط ہے۔ عام سماجی، خاندانی اور معاشرتی زندگی میں تو کسی حد تک یہ مقولہ درست قرار دیا جا سکتا ہے کہ بزرگوں سے

اگر کوئی خطا ہو جائے تو اسے نظر انداز کر دینا چاہیے لیکن ادبی، لسانی، دینی اور اعتقادی امور میں اسے کسی طور بھی صحیح نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بعض اوقات اکابر کی زبان و قلم سے نکلی ہوئی غلطیاں جو یقیناً جان بوجھ کر نہیں کی جاتیں لیکن اگر انہیں "سوء ادب" کے خدشہ کے پیش نظر یا "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے نظر انداز کر دیا جائے تو عام لوگ (بلکہ "تعلیم یافتہ" غالی عقیدت مند) اس غلطی کو بھی فرط عقیدت کی وجہ سے صحیح سمجھنے لگتے ہیں اس طرح "غلطی در غلطی" ہوتی چلی جاتی ہے اور اکابر کی "سند" کی وجہ سے اس خطا پر "صواب" کی مہر تصدیق بھی ثبت ہو جاتی ہے۔

دراصل "غلو عقیدت" ایک مہلک بیماری ہے۔ مقابر پرستی اور اکابر پرستی" عزیر ابن اللّٰہ، مسیح ابن اللّٰہ، اور ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر، لات، منات، ہبل وعزیٰ کی عبادت اسی "غلو" ہی کا نتیجہ ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس "غلو" سے منع فرمایا ہے:

**"لاتغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللّٰہ الا الحق، لا تغلوا فی دینکم غیر الحق" (النساء ۱۷۱، المائدہ ۷۷)**

یہی حال کفار مکہ کا تھا کہ: **"واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللّٰہ قالو بل نتبع ما الفینا علیہ آبآء نا." (البقرۃ ۱۷۰)**

الحمدللہ راقم الحروف اکابر علماء حق کی دینی خدمات کا معترف اور معروفات میں ان کا پیرو ہے البتہ "غلو عقیدت اور اکابر پرستی" سے ضرور بیزار ہے۔ جب دین میں "غلو" ممنوع ہے تو علمائے دین کے بارے میں "غلو" روا رکھنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ مگر کتابوں اور اشتہاروں میں علماء و مشائخ کے "القابات" پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان غالی معتقدین کے نزدیک ان اکابر کا مقام و مرتبہ صحابہ کرامؓ سے بھی بڑھ کر ہے۔

"غلو" افراط اور تفریط دونوں کا مجموعہ ہے۔ حد سے کمی "تفریط" اور حد سے زیادتی "افراط" ہے۔ یہ دونوں مذموم اور ممنوع ہیں جب کہ امت مسلمہ کا وصف ہی "وسط واعتدال" ہے۔ محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہوئے بھی افراط و تفریط سے پاک راہ اعتدال اختیار کرنی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لاتطرونی کما أطرت النصاریٰ عیسیٰ ابن مریم فإنما أنا عبدہ فقولوا عبد اللّٰہ ورسولہ" (صحیح بخاری۔ رقم الحدیث ۳۴۴۵۔ کتاب الانبیاء)

میری اس طرح حد سے بڑھ کر تعریف نہ کرنا جس طرح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی نصاریٰ

نے کی ہے۔ میں تو صرف اس کا بندہ ہوں، تم بھی "عبداللّٰہ و رسولہ" ہی کہو۔

پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ مجتہدین اور علماء کی لغزشوں اور خطاؤں میں اتباع جائز نہیں ہے۔ دلائل کی روشنی میں علماء کے اقوال کو "رد" بھی کیا جا سکتا ہے اور قبول بھی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہر حال میں "اکابر" کے اقوال قبول ہی کیے جائیں (جب کہ خطا میں تو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) یہ خصوصیت تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر آدمی کی بات لی بھی جا سکتی ہے اور چھوڑی بھی جا سکتی ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر اس بات میں جس کی انہوں نے خبر دی تصدیق واجب ہے اور ہر اس کام کی جس کا انہوں نے حکم دیا ہے اطاعت لازم ہے کیونکہ وہ معصوم ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر اندلسیؒ نے باسند نقل کیا ہے کہ:

"لیس أحد من خلق اللّٰه أن لا یؤخذ من قوله ویترك الا النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم" (جامع بیان العلم جلد۲۔ص۳۱۴)

امام ابن تیمیہؒ نے بھی زوردار انداز سے فرمایا ہے کہ:

"اتفق أهل العلم، أهل الکتاب والسنة علی أن کل شخص سوی الرسول (صلی اللّٰه علیه وسلم) فإنه یوخذ من قوله ویترك إلّا رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم فإنه یجب تصدیقه فی کل ما أخبر و طاعة فی کل ما أمر فانه المعصوم الّذی لا ینطق عن الهویٰ إن هو إلّا وحی یوحیٰ" (منهاج السنة جلد۳۔ص۱۷۵۔طبع بیروت)

مولانا حافظ مہر محمد میانوالویؒ مولانا عبدالرشید نعمانی، مولانا محمد انور شاہ کاشمیری اور مولانا سید احمد رضا بجنوری کی بعض قابل اعتراض عبارات کا جواب دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ: "زیادہ پوچھ گچھ مقدمہ اور تصحیح کرنے والے مولانا عبدالرشید نعمانی سے ہوگی کہ انہوں نے ناصبیت کا رد تو خوب کیا اللہ جزائے خیر دے مگر دفاع صحابہ میں عقیدہ اہل سنت کو داغ دار کر دیا۔ ہائے دنیا کے مفسد ترین ۸۰ ہزار مسلمانوں کو کٹوانے والے سبائیوں حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے رد میں تو ایک صفحہ بھی نہ لکھا...... ہمارے بزرگوں کو اور سب خطا کاروں کو اللہ معاف فرمائے۔ تین وتر کے خلاف یہی طحاوی کی کمزور روایت فیض الباری میں نقل کر دی پھر ان کو خود بھی پسند نہیں۔ کہتے ہیں یہ سخت کلمہ ہے...... ہمارے بھولے بھالے سنی مؤلفین ومحدثین، فقہاء ومقررین طالبین قصاص کو ہی برا کہہ کر صرف شیعہ کو ہی خوش نہ کیا کریں کچھ فتویٰ کی کالی چھینٹیں حضرت عثمان مظلوم کے قاتلوں،

ظالموں، منافقوں اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے ان دشمنوں پر بھی پھینکا کریں۔

(ایمانی دستاویز بجواب تحقیقی دستاویز ص ۴۰۲، ۲۴۷، ۲۷۷)

ان تصریحات کے علی الرغم سخت حیرت ہے کہ یہ ''اکابر پرست'' غالی طبقہ نہ صرف اکابر کی واضح خطاؤں میں ان کی اتباع کرتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کر کے اپنا نام ''معاندین معاویہؓ'' کی فہرست میں شامل کرالیتا ہے۔

اس بحث کے آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا حسب ذیل اقتباس ہدیۂ قارئین کر دیا جائے:

''امت کی دینی، علمی، فکری و اصلاحی طویل تاریخ میں دینی و علمی احتساب، بے لاگ، بے رو رعایت اور تعمیری و صحت مند تنقید کی مثالوں کی کمی نہیں۔ بلکہ اس بارے میں ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ اس معاملہ میں کوئی قوم و ملت، ملت اسلامیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور یہ ہر طرح سے اس امت کے شایان شان ہے جس کو ''شہداء علی الناس'' کا امتیاز عطا کیا گیا ہے اور جس کو ''یا ایھا الذین آمنو کونوا قوامین بالقسط شھداء للّٰہ'' کے امر کا مخاطب بنایا گیا ہے۔ علمائے امت کو اس فریضہ کے ادا کرنے سے نہ کسی کا زہد، روحانیت، عنداللہ و عندالناس مقبولیت روک سکی، نہ وہ عظیم دینی خدمات اور ملی منافع بلکہ فیوض و برکات مانع بن سکے جو ان کی ذات سے مسلمانوں اور اسلام کو پہنچ رہے تھے۔ اس کی تابناک مثالیں جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کی کتابوں اور کتب طبقات و تراجم میں دیکھی جا سکتی ہیں (لیکن ''الصحابۃ کلھم عدول'' کے تحت امت میں صرف صحابہ کرامؓ پر تنقید کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے) بلکہ مشہور اصول ''زلۃ العالِم زلۃ العالَم'' (عالم کی لغزش عالَم کی لغزش ہے) کو پیش نظر رکھتے ہوئے جن لوگوں کو متبوعیت و مقتدائیت کا مقام حاصل تھا یا جن کے قول و عمل کو حجت و سند سمجھا جاتا تھا، ان پر تنقید و احتساب اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی میں ان ناقدین و مصلحین نے (ان کی خدمات کے پورے اعتراف اور ان کی ذات کے کامل احترام کے ساتھ) اپنی ذمہ داری کا اور زیادہ احساس کیا اور دوسروں کے مقابلہ میں اس کام کو اور زیادہ ضروری سمجھا......''

(مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگذشت اور اب میرا موقف مؤلفہ مولانا محمد منظور نعمانی۔ تحت ''پیش لفظ'')

گذشتہ تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کے بارے میں اکابر کے زیر بحث ''کلمات'' کا خود اکابر کے حق میں استعمال کسی بھی عقیدت مند کے لیے قابل برداشت نہیں ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے حق میں انہیں کیونکر گوارا کرلیا گیا؟

راقم الحروف کی کتاب ''ناقدین سیدنا معاویہؓ'' کی اشاعت اول کے بعد حافظ عبدالجبار سلفی صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اکابر کو ''ناقدین معاویہؓ'' کی فہرست میں اس لیے دکھایا گیا کہ وہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ:

ا۔حضرت علیؓ اپنے اجتہاد میں مصیب ہیں جب کہ حضرت معاویہؓ مخطی۔

۲۔حضرت معاویہؓ نے چونکہ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا ہے اس لیے وہ نہ مہاجرین میں ہیں اور نہ انصار میں۔

۳۔حضرت معاویہؓ کی خلافت، خلافتِ راشدہ موعودہ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو: ماہنامہ حق چاریار اکتوبر، نومبر ۲۰۱۳ء، جنوری ۲۰۱۴ء

تین اقساط پر مشتمل مذکورہ ''تبصرہ'' کے جواب میں صرف یہی عرض کیا سکتا ہے کہ "و الله حسيبه يوم القيامة، لعنة الله على الكاذبين، سبحانك هذا بهتان عظيم، اذا لم تستحي فاصنع ماشئت، "

فاضل مبصر نے اپنے تبصرہ میں جو الزامات عائد کیے ہیں ان کے وہ خود ہی ذمہ دار و مسئول ہیں اور ان کے ''ماً خوذیا ماجور'' ہونے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہی ہوگا۔ أفوض أمري إلى الله۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں اکابر کا مذکورہ ''اعتقاد'' اور توہین و تنقیص پر مبنی کلمات میں تقابل کر کے خود ہی اصل حقیقت معلوم کرلیں۔

یقیناً قیامت واقع ہو کر رہے گی۔ میدان حشر میں ہم سب نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے؛ جہاں ناقدین صحابہ کا معاملہ پیش ہوگا تو وہیں محبین صحابہ کا معاملہ بھی۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کا دفاع کرنے والوں کا معاملہ بھی پیش ہوگا اور ان کا بھی جو ''ناقدین ومعاندین'' کے دفاع کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ ع

ڈر اس کی خبر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

اکابر کی خطا میں ان کی پیروی یا ''تنقیصی عبارات'' کا تاویلات فاسدہ وبعیدہ کے ذریعے اکابر کا دفاع کرنا گویا ان توہین آمیز کلمات کی تائید وتصدیق کرنا ہے۔ اس فعل سے تو ''بدعت'' کی طرح توبہ کی توفیق بھی سلب ہو جاتی ہے کیونکہ اسے نیکی سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے۔ اہل حق کا شیوہ ''رجوع

اورتوبہ" ہے۔علامہ سید سلیمان ندویؒ نے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت پر کچھ تنقید کر دی تو توجہ دلانے پر فوراً حسب ذیل الفاظ کے ساتھ "رجوع وبراءت" کا اعلان فرمادیا کہ:

"غزوہ بدر کی روایتوں کی تنقید کے سلسلے میں ایک مقام پر اس نافہم ہیچ مداں کے خطا کار قلم سے حضرت کعب بن مالکؓ صحابی کی روایت پر نامناسب تنقید نکل گئی تھی جس سے ایک گونہ ایک جلیل القدر صحابی کی شان میں سوءظن کا پہلو پیدا ہوتا تھا، جس پر مجھے شرمندگی ہے اوراب میں اپنی اس غلطی ونادانی کو مان کر اس عبارت کو قلم زد کر کے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی براءت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے عفو کا خواستگار ہوں۔(سیرت النبیؐ جلداول دیباچہ طبع چہارم دارالمصنفین ص۴)

ناقدین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے جو حضرات "بقید حیات" ہیں وہ اور وفات شدہ گان کے غالی معتقدین محاسبۂ آخرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں توہین آمیز عبارات اوران کے ناجائز دفاع سے "رجوع اور براءت" کا اعلان کردیں۔وفات شدگان میں یقیناً بعض ایسے حضرات کے اسمائے گرامی بھی آئے ہیں جو زندگی بھر "مدح صحابہ و رد قدح صحابہؓ" کی تحریک میں مصروف ومشغول رہے لیکن ان کی زبان وقلم سے سہواً یا لاشعوری طور پر حضرت معاویہؓ کے خلاف ان کی توہین وتنقیص پر مبنی کلمات صادر ہو گئے، باری تعالیٰ ان کی اس خطا کو بسلسلہ دین متین ان کی دیگر خدمات کے عوض معاف فرمادے اوران کو اپنے مقام رحمت ورضا میں جگہ عنایت کردے۔

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الّذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلّا للّذین امنوا ربنا انّك رءوف رّحیم٥ (سورۃ الحشر آیت۱۰)

اللہ تعالیٰ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے، غلطیوں اور خطاؤں کو معاف فرمائے، اس کتاب کو ناقدین ومعترضین کی ہدایت کا ذریعہ بنائے، امت مسلمہ کو مسلکی وقبائلی تعصب اور خاندانی عناد سے محفوظ رکھے، ہم سب کو جملہ صحابہ کرامؓ بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوءظن سے بچا کر حسن ظن نصیب فرمائے۔آمین

ان ارید الّا الاصلاح ما استطعت و ما توفیقی الّا باللّٰہ

(پروفیسر) قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

خطیب مرکزی جامع مسجد

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چوک حویلیاں، ہزارہ

۴۔ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ/۱۵جنوری ۲۰۱۶ء

اَصحَابِی کَالنُّجُومِ

اِذَا ذُکِرَ اَصحَابِی فَامسِکُوا

لَا یُبَلِّغُنِی اَحَدٌ مِن اَصحَابِی عَن اَحَدٍ شَیئًا (الحدیث)

از قلم قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

# سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین